مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خانقاہ سے شائع ہونے والا

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ



وصیۃ العرفان

شمارہ ۱ جنوری ۱۹۸۱ء جلد ۲

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۴ بخشی بازار الہ آباد

حاملِ مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی
عنار
دس روپے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ
عنہ
بیس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے مدیر: عبدالمجید عفی عنہ

شمارہ ۱ | ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق جنوری ۱۹۸۱ء | جلد ۴

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپواکر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

دائرہ میں سرخ نشان آپ کا ⊕ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے

پیش نظر رسالہ سن عیسوی یعنی عرفی سال جدید کا پہلا شمارہ ہے یہاں سے آپکے اس محبوب رسالے (یعنی وصیۃ العرفان) کی چوتھی جلد شروع ہو رہی ہے جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اسکے یہ تین سال گذار دیئے دعا ہے کہ آئندہ بھی اپنی عنایتوں اور نوازشوں کو اسی طرح رواں دواں رکھکر بوستان معرفت کے ان پھولوں کی خوشبو سے قارئین کے مشام جان و روح کو مسلسل معطر فرماتا رہے آمین۔ کسی کا مشہور شعر ہے ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

اسکا مشاہدہ کچھ کچھ اب اپنے حالات میں بھی رہا ہے، رسالہ کو کن کن آزمائشی دور سے گذرنا پڑا لیکن الحمد للہ اسکی اشاعت اور طباعت میں کچھ بھی فرق نہ آیا مگر اب جبکہ ہر جانب سے بحمد اللہ سکون نصیب ہے تو احباب کی جانب سے کچھ توجہ کی کمی کا شبہ ہو رہا ہے یعنی سال گذشتہ چندہ کی رفتار بہت ہی سست رہی جسکی وجہ سے ادارہ کو قدرے خسارہ سے دوچار ہونا پڑا اگر دیگر کتب وغیرہ کا نیز بعض مخلصین کی اعزازی اعانت کا سلسلہ نہوتا تو رسالہ کا نکلنا مشکل تھا۔

بہرحال الحمد للہ کہ یہ سال تمام ہوا اور ہم احباب کے دیئے ہوئے پیشگی چندہ کے حساب سے سبکدوش ہوگئے اب یہ نیا سال شروع ہے اس میں سب ہی حضرات کو ۱۹۸۱ء کے لئے پیشگی چندہ ارسال فرمانا ہے اور جن حضرات کے ذمہ سابق چندہ باقی رہ گیا ہو ان سے خصوصی توجہ کی درخواست ہے آپ حضرات کی سہولت کے پیش نظر ہم نے بھی اسدفعہ وہی طریقہ یاد دہانی کا اختیار کرلیا جو عام جرائد کا ہوا کرتا ہے اور وہ یہ کہ اوپر کے دیئے ہوئے دائرہ میں اگر سرخ نشان لگا ہے تو یہ علامت ہے کہ آپ کا سابق چندہ ختم ہوگیا ہے اب سال جدید کیلئے بیس روپیہ چندہ جلد سے جلد ارسال فرمادیں۔

جن حضرات کو بذریعہ وی۔ پی ہی ادائیگی رقم آسان ہو تو وہ دفتر کو ایک کارڈ اس مضمون کا لکھدیں اور اپنا پتہ بھی صاف صاف لکھیں انکو وی۔ پی بھیجدیجائیگی پھر اسکی وصولیابی آپکا اخلاقی فریضہ ہوگا کیونکہ بصورت واپسی دفتر کا شدید نقصان ہو جاتا ہے اسی لئے بدون اجازت وی کرنے کی اب ہمت نہیں ہوتی۔

نوٹ: "حالات وفات مصلح الامۃ" بشکل کتاب بھی آگئی ہے اسکی قیمت ڈھائی روپیہ ہے۔ نیز ایک روپیہ میں تین عدد پرانے غیر مسلسل شمارے برائے فروخت موجود ہیں اہل استطاعت انھیں خرید کر مدارس کے طلباء نیز غرباء کو تقسیم فرماسکتے ہیں، محصول ڈاک بہرحال بذمہ خریدار ہوگا۔ والسلام۔

(ادارہ)

حبِ طبعی اور حبِ عقلی
سے متعلق حضرت مصلح الامۃ کی محققانہ تقریر

فرمایا کہ ——— میں اسوقت حب عقلی اور حب طبعی کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ حب طبعی کیا ہے ؟ حب عقلی کیا ہے ؟ اور ان ہر دو کے مقتضیات کیا کیا ہیں ؟ نص میں جو حب آیا ہے تو اس سے کونسی حب مراد ہے ؟ حضرات صحابۂ کرام کے حالات سے کس حب کا ثبوت ملتا ہے آیا حب عقلی کا یا حب طبعی کا ؟ یعنی ان حضرات کو جو اللہ و رسول سے محبت تھی تو کیا حب عقلی تھی یا طبعی ہو گئی تھی ؟ ——— ان سب امور پر مفصل کلام کرنا چاہتا ہوں اور یہ بھی عرض کرونگا کہ یہ چیز کہاں سے شروع ہوئی اور اسکا منشا کیا ہے ؟

علماء نے اس پر گفتگو فرمائی ہے مگر میں جو اسوقت کہنا چاہتا ہوں اور جس عنوان سے کہنا چاہتا ہوں وہ مشہور قول سے ذرا مختلف ہے اس سے بہت ممکن ہے کہ اہل علم حضرات کو اس کے ماننے میں کچھ تامل ہو اور شاید کسی کو ناگواری بھی ہو کہ اتنے بڑے بڑے اہل علم کی رائے کے خلاف یہ بات کیسے کہدی۔ تو اگر کسی کو ناگوار ہوگا تو میں اس سے معافی مانگ لونگا اور اسکو راضی کرونگا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ میں یہ جرأت ہی کر کے کہہ رہا ہوں کہ حب عقلی کا مفہوم ہی آج تک میری سمجھ میں نہ آیا اور نہ یہ سمجھ میں آیا کہ عقل کے ساتھ یہ حب (کے لفظ) کا کیا جوڑ ہے اور اس کے ساتھ یہ لفظ کہاں تک چپاں ہے میں بلا کسی مبالغہ کے کہتا ہوں کہ یہ حب عقلی کی ترکیب ہی میری سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ عقل کا کام تو حکم لگانے کا ہے اچھائی کا بھی اور برائی کا بھی یعنی وہ اچھی بری چیزوں میں تمیز دیتی ہے بھلائی کا حکم کرتی ہے اور برائی سے روکتی ہے یہی وجہ ہے کہ عقل کا نام نُہیٰ بھی ہے باقی اسکے جو مقتضیات ہوتے ہیں اسکو محبت نہیں کہا جاتا۔ محبت کا تعلق تو قلب سے ہوتا ہے، علماء نے فرمایا ہے کہ محبت "میل قلبی" کا نام ہے اور میلان یہ فعل قلب ہی کا ہے عقل کا نہیں ہے۔ عقل کا کام ادراک کرنا ہے اور ادراک علم ہے ادراک کو محبت کوئی نہیں کہتا۔ ادراک کو زیادہ سے زیادہ معرفت کہہ سکتے ہیں لیکن معرفت اور چیز ہے اور محبت اور چیز ہے۔ محبت اور

معرفت کو کسی نے ایک نہیں کہا ہے کیونکہ معرفت تو ادراک اور علم ہے اور محبت ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے جسکا تعلق قلب سے ہوتا ہے اور معقولات اور محسو... اور وجدانیات اور چیزیں ہوتی ہیں۔ مسامرہ میں تصدیق کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

وظاهر عبارة الشيخ ابي الحسن انه اي التصديق كلام النفس مشروط بالمعرفة يلزم من عدمها عدمه لان ستسلام الباطن انما يحصل بعد حصول المعرفة اي ادراك مطابقة دعوى النبي للواقع (مسامره ص۱۴۲)

اور شیخ ابوالحسن اشعری کی ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تصدیق اس کلام نفسی کا نام ہے جس میں معرفت بھی شامل ہو یعنی اگر معرفت نہ ہو تو وہ بھی نہ ہوگی۔ یعنی باطناً استسلام اسوقت پایا جائیگا کہ جب معرفت بھی ہو یعنی اس امر کا یقین اور علم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہر امر میں واقع کے مطابق ہے

تو دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ معرفت اور ادراک ایک شے ہے کیونکہ یہاں معرفۃ کی تعبیر ادراک سے فرمائی ہے۔ اسی طرح سے بخاری شریف میں جو یہ حدیث آئی ہے کہ

ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان ان يكون الله ورسوله احب اليه مما سواه وان يحب المرء لا يحبه الا لله وان يكره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف في النار۔

تین چیزیں جس شخص کے اندر ہونگی وہی ایمان کی حلاوت پائیگا ایک یہ کہ اللہ و رسول اسکے نزدیک ماسوا سے زیادہ محبوب ہو جائیں دوسرے یہ کہ انسان اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کرے۔ تیسرے یہ کہ کفر میں لوٹنے کو آگ میں ڈالے جانے کی طرح مکروہ جانے۔

اس میں احب الیہ کے تحت صاحب فتح الباری لکھتے ہیں:-

قال البيضاوي المراد بالحب هنا الحب العقلي الذي هو ايثار ما يقتضي العقل السليم رجحانه وان كان على خلاف هوى النفس كالمريض يعاف الدواء

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ مراد حب سے یہاں حب عقلی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس شے کو عقل سلیم متقاضی ہو اسکے اختیار کرنے کو ترجیح دیجائے اگرچہ وہ نفس کی خواہش کے خلاف ہو۔ جس طرح سے کہ مریض طبعی طور پر دوا سے ابا کرتا ہے اور اسکے پینے سے

بطبعه فنيفرعنه ويميل اليه بمقتضى عقله فيهوى تناوله فاذا تامل ... الشارع لا يامر ولا ينهى الا بما فيه صلاح عاجل او خلاص آجل والعقل يقتضى رجحان جانب ذلك تمرن على الائتمار بامره بحيث يصير هواه تبعًا له ويلتذ بذلك التذاذًا عقليًا. اذ الالتذاذ العقلى ادراك ما هو كمال وخير من حيث هو كذلك وعبر الشارع عن هذه الحالة بالحلاوة لانها اظهر اللذائذ المحسوسة (فتح الباری ج۱ ص۴۶)

بھاگتا ہے مگر عقلاً اسکی جانب مائل بھی ہوتا ہے اور اسکو پیتا ہے اسی طرح سے انسان جب اس پر غور کرتا ہے شارع اسکو ان چیزوں کا حکم فرمائیں گے جنمیں اس کی صلاح عاجل یا خلاص آجل ہو اور عقل اسبات کو پسند کرتی ہے اور ترجیح دیتی ہے تو آدمی اس حکم کے امتثال پر خود کو لگالیتا ہے اس طرح سے کہ پھر اسکی خواہشات بھی اسکے موافق ہو جاتی ہیں اور یہ شخص اسکے کرنے میں ایک عقلی لذت بھی پاتا ہے عقلی لذت یہ ہے کہ ایک شے کو کمال اور خیر کی حیثیت سے جان پہچان لینا۔ چنانچہ شارع نے اسی حالت کو حلاوت سے تعبیر فرمایا ہے اسلئے کہ محسوس لذات میں سب سے زیادہ یہی ہوا کرتی ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ اور رسول کی جس محبت کی احبیت کو موجب حلاوۃ ایمان فرمایا گیا ہے اس میں علماء ظاہر کو کچھ تردد ہوا ہے کہ اس سے کون سی محبت مراد ہے۔ چنانچہ صاحب فتح الباری نے حضرت بیضاوی کا قول نقل فرمایا ہے کہ مراد اس سے حب عقلی ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ شاید سب سے پہلے اس حب کی تفسیر حب عقلی کے ساتھ قاضی بیضاوی ہی نے فرمائی ہے پھر اس کے بعد یہی قول علماء کو پسند آگیا اور تمام اہل علم میں رائج ہوگیا۔ اب ظاہر ہے کہ قاضی بیضاوی جب کوئی بات کہدیں تو پھر کسکی مجال جو اس کے خلاف دم مار سکے لکن میں نے ایک کتاب میں یہ بھی دیکھا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے تفسیر انوار التنزیل و اسرار التاویل کے متعلق یہ فرمایا کہ:۔

" بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ در تفسیر قرآن و شرح احادیث ازیں باب تباعتہا بسیار کردہ تجاوز اللہ عنہ و اگر آں مواضع را بشارم سخن دراز گردد " (حیات شیخ دہلوی ص۱۶۱)

(علامہ بیضاوی سے قرآن شریف کی تفسیر کرنے میں نیز اس سلسلہ میں احادیث کی تشریح میں کچھ لغزشیں ہوگئی ہیں اللہ تعالی انکو معاف فرمائے ہیں اگر ان تمام مقامات کو شمار کراؤں تو بات لمبی ہو جائے گی)

اور میں نے تصریح تو کہیں نہیں دیکھی میرا گمان غالب ہے کہ ان مقامات میں جہاں بقول محدث دہلویؒ قاضی بیضاویؒ سے لغزش ہوئی ہے ایک یہ بھی ہوگا کہ انھوں نے حب سے مراد اس قسم کے نصوص میں حب عقلی لیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

یوں قاضی بیضاویؒ بڑے شخص ہیں صوفی بھی ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مسئلہ میں وہ فلاسفہ کی جانب کیسے چلے گئے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ بھی اس حب عقلی پر نکیر فرماتے تھے اور اسکی تفسیر ادراک سے کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ان لوگوں نے محبت کو بھی علم کی صف میں لا کھڑا کیا۔ محبت علم کا نام ہے؟ یا ذوقی چیز ہے قلبی میلان کا نام ہے؟ —— اور اسپر حضرت شاہ صاحبؒ صحابۂ کرامؓ کے واقعات سے ایسا عمدہ استدلال فرماتے تھے کہ بس طبیعت پھڑک جاتی تھی کہ واہ واہ مسئلہ کو کیسا حل کر دیا۔ میں بھی آئندہ اسکو بیان کرونگا آپ بھی سنیں گے تو بہت محظوظ ہونگے۔

اسوقت تو یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جن علماء نے حب کی تفسیر حب عقلی سے فرمائی ہے تو ہم کو بھی سمجھنا چاہیے کہ آخر اسکا منشاء کیا ہے یعنی کیا بات ایسی سامنے آئی جسکی وجہ سے ان حضرات کو ظاہر کے خلاف توجیہ کرنی پڑی تو میرا تو یہ خیال ہے کہ اس حدیث میں تو خیر اللہ اور رسول کی احبیت کو سبب حلاوۃ ایمان ہی فرمایا گیا ہے لیکن اس سے پہلے باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان میں تو یہ فرمایا کہ

والذی نفسی بیدہ لایومن	قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان جس کے قبضہ میں ہے
احدکم حتی اکون احب الیہ	تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں
من والدہ و ولدہ والناس	اسکے نزدیک اسکے والد اولاد اور سب لوگوں سے
اجمعین (فتح الباری ص ۴۴)	بڑھکر محبوب نہ ہو جاؤں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احبیت پر ایمان یا کم از کم کمالِ ایمان موقوف ہے۔ اسی طرح سے قرآن شریف میں بھی ہے

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ	آپ فرما دیجیے کہ اگر تمھارے باپ، بیٹے، بھائی
وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا	بیویاں اور خاندان کے لوگ اور وہ مال جو تم نے جمع کر رکھے

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ـ

اور وہ تجارت جس کے کم ہونے کا تم اندیشہ کرتے ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو یہ سب چیزیں تمھارے نزدیک اللہ اور اسکے رسول اور اسکی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آوے

توجب ان علماء نے اللہ و رسول کی محبت کا تقابل آبا و ابناء ازواج وقبیلہ تجارت اور مساکن سے دیکھا اور یہ دیکھا کہ ان سب کی جیسی محبت انسان کو ہوتی ہے اللہ و رسول کی ویسی محبت ظاہر ہے کہ ہر ایک کو نہیں ہو سکتی تو فرمایا کہ مراد اس سے محبت عقلی ہے تاکہ عام ہو کر سب کے لئے آسان ہو جائے کیونکہ اس حکم کے مکلف تو سب ہی لوگ ہیں اور وجود کے اعتبار سے کتنے ایسے ملیں گے جو یہ کہہ سکیں کہ ہمکو اللہ و رسول سے جو محبت ہے وہ ویسی ہے جیسی اپنے بال بچوں سے ہے بلکہ ان سے زیادہ ہے اسلئے اسکو مشقت کی چیز اور مشکل سمجھکر اس سے ہٹے اور اس قول کو اختیار کیا لیکن عجب بات یہ ہے کہ جس محنت سے بچنے کی خاطر یہ آسانی کی راہ اختیار فرمائی تھی اس سے اب بھی نہ نکل سکے اور یہ تو فرمن المطر و قر تحت المیزاب کا مصداق ہو گیا۔ یعنی بارش سے بھاگے اور پرنالے کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اس لئے کہ حب عقلی کی جو تفسیر فرمائی ہے اسمیں ہے ایثار مایقتضی العقل السلیم رجحانہ وان کان علی خلاف ھوی النفس یعنی نفس کے خلاف کو ترجیح دے نیز اس میں یہ بھی ہے کہ بحیث یصیر ھواہ تبعاً لہ خواہشات نفس اسکے تابع ہو جائے۔ اور یہ بھی ہے کہ یلتذ بذلک التذاذاً عقلیاً اس میں اسکو عقلی طور پر لذت آسے تو حضرت نفس کے خلاف کوئی شئے ہو اس کو راجح کرنا اور نفسانی تقاضے کو مغلوب کرنا اور اپنی ہویٰ کو عقل کے تابع بنا دینا اور خلاف طبع اور خلاف ہویٰ امور میں لذت پانا یہ سب آسان کام نہیں ہیں۔ شریعت طبیعت بن جائے یہ بہت مشکل ہے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بدون نفس کے فنا کئے ہوئے یہ سب امور حاصل ہی نہیں ہو سکتے اور نفس فنا ہوتا ہے حضور والا محبت ہی سے اور عقل میں یہ طاقت نہیں کہ نفس کو دبا سکے

یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان جب عقل سے یہ تامل کرے گا کہ منعم بالذات اللہ تعالیٰ ہیں اور وہی معطی ہیں اور وہی مانع ہیں اور ماسوا اس کے سب وسائط ہیں اور یہ کہ رسول اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات وہ ذات ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مراد پر ہمکو مطلع کیا اور آپ ہی کی بدولت ہمیں

خدا کی معرفت نصیب ہوئی تو ان سب امور کا تقاضا یہ ہوگا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی جانب دل سے متوجہ ہوگا اور آپ سے اسکو عقلی محبت ہو جائیگی۔

تو میں کہتا ہوں کہ یہ سارے امور معرفت کے تو ہو سکتے ہیں لیکن یہ سب محبت کے لازمی اسباب میں سے نہیں ہیں کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو کسی کی معرفت تو ہو لیکن اس سے محبت نہو میرا خیال ہے کہ بس لوگوں کو یہیں سے دھوکا ہوا کہ انھوں نے اسباب معرفت کو اسباب محبت بھی سمجھ لیا حالانکہ محبت اور چیز ہے اور معرفت اور چیز ہے جسکو یہ لوگ حب عقلی کہتے ہیں میرے خیال میں وہ معرفت ہے نہ کہ محبت۔ اب جو عارف ہوگا اسکو تو محبت حاصل ہی ہوگی لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو محب ہو وہ عارف بھی ہو۔ محبت قلب کی صفت ہے اور معرفت عقل کا کام ہے۔ یہ نادر بات ہے کہ کوئی شخص محب بھی ہو اور عارف بھی ہو ورنہ عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ یا تو صرف محبت ہوتی ہے اور معرفت نہیں ہوتی جیسے ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحبؒ سے اپنی بیماری کی شکایت کی کہ حضرت اسکی وجہ سے حرم شریف کی حاضری سے قاصر ہوں انکے جانے کے بعد حاجی صاحبؒ نے فرمایا یہ صاحب محب تو ہیں عارف نہیں ہیں محبت ہی کی وجہ سے محرومی پر افسوس کر رہے تھے اگر عارف ہوتے تو یہ سمجھتے کہ کیا حرج ہے ایک ذریعہ اللہ تعالیٰ سے قرب کا یہ ہے کہ آدمی کو صحت حاصل ہو تو وہ حرم شریف میں عبادت کرے اور شکر کرے اور ایک ذریعہ قرب کا یہ بھی ہے کہ آدمی بیمار ہو جائے تو گھر ہی پر نماز پڑھے اور اس پر صبر کرے غرض جس حال میں محبوب، رکھے اس پر راضی رہے اور اسی حالت میں اسکے قرب کا ذریعہ ڈھونڈھے نہ یہ کہ شکایت کرے ایسا معرفت کی کمی کیوجہ سے ہوتا ہے۔ دیکھئے ان صاحب کو محبت تو تھی لیکن معرفت نہیں تھی۔

اور یا یہ ہوتا ہے کہ نری معرفت ہوتی ہے اور محبت بالکل نہیں ہوتی جیسا کہ کفار عرب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تو حاصل تھی یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ مگر محبت نہیں تھی اس معرفت سے کیا فائدہ؟ ایسی معرفت ہر زمانہ میں عقلاء زمانہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی ہے مگر اس سے کیا نفع؟ بس یہی نری معرفت جو محبت سے خالی ہو یہ فلسفہ ہے۔ جس کے متعلق مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎ فلسفی از عقل جو ید راز او۔ فلسفی حق تعالیٰ کے راز کو اپنی عقل سے

معلوم کرنا چاہتا ہے۔

اور اس محبت عقلی اور معرفت کو استحسان عقل سے تو تعبیر کرسکتے ہیں مگر اسکو محبت نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ آدمی کسی چیز کو اچھا اور مستحسن سمجھے تو اسکے لئے ضروری نہیں کہ اسکے مقتضا پر بھی عامل ہو آج بہت سے لوگ اسلام کو اچھا سمجھتے ہیں مگر ایمان لانے کیلئے تیار نہیں۔ حکماء ہر زمانہ میں اخلاق کو اچھا کہتے آئے اور بداخلاقی کی مذمت کی مگر اب اسکے لئے یہ ضروری نہیں یہ لوگ اسکے ساتھ متصف بھی ہوں۔ بوعلی سینا کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ کسی بزرگ سے ملنے گیا اور جب واپس ہونے لگا تو اپنا ایک آدمی چھوڑ آیا کہ شیخ میرے متعلق جو کچھ فرمائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ شیخ نے کچھ بھی نہیں فرمایا تو بوعلی نے اس شخص کو لکھا کہ اب شیخ سے میرے متعلق پوچھو۔ چنانچہ اس نے پوچھا کہ بوعلی سینا کیسا شخص ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ بوعلی عالم ہے فاضل ہے مگر "اخلاق ندارد"۔ اس نے بوعلی کو لکھدیا کہ شیخ نے ایسا ایسا کہا ہے۔ اس نے علم الاخلاق میں ایک بہت بڑی کتاب لکھکر شیخ کی خدمت میں بھیجی، شیخ سمجھ گئے کہ میرے اس جملہ کا جواب دیا ہے۔ فرمایا "من نگفتہ بودم کہ اخلاق نداند بلکہ گفتہ بودم کہ اخلاق ندارد" ساری تصنیف کا ایک جملہ میں جواب دیدیا کہ میں نے یہ کب کہا تھا کہ اخلاق نہیں جانتا میں نے تو یہ کہا تھا کہ اخلاق نہیں رکھتا۔ دیکھا آپ نے اتنا بڑا تو حکیم اور فلسفی مگر دانستن اور داشتن میں فرق نہیں کرسکا۔

یہ میں نے اوپر کہا تھا کہ کسی شئے کا استحسان عقلی اور چیز ہے اور اس شئے سے اتصاف یہ دوسری چیز ہے۔ پس ہوسکتا ہے کہ ایک عاقل ایک چیز کو بنظر استحسان دیکھتا ہو مگر عمل کے درجہ میں خود اس سے وہ خالی ہو، جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کرے تو دیکھ لے کہ وہ ان پانچ خصال سے متصف ہے یا نہیں۔ عقل۔ حسن خلق۔ غیر فاسق۔ غیر مبتدع۔ غیر حریص علی الدنیا۔ کیونکہ اگر وہ خود ان امور سے خالی نہ ہوگا تو اسکی صحبت میں خیر نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

اما العقل فھو رأس المال وھو الاصل فلا خیر فی صحبۃ الاحمق۔

بہرحال عقل سو وہ تو راس المال اور اصل سرمایہ ہی ہے کیونکہ احمق کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں۔

اور اسکے بعد فرماتے ہیں کہ:-

واما حسن الخلق فلا بد منہ اذ رب عاقل یدرک الاشیاء علی ما ھی علیہ

اور رہا حسن خلق تو وہ اسلئے ضروری ہے کہ بہت سے عقلاء چیزوں کو انکے حقائق وعلل سمیت جان لیتے ہیں لیکن

ولکن اذا غلبہ غضب او شہوۃ او بخل او جبن اطاع ھواہ وخالف ما ھو المعلوم عندہ لعجزہ عن قھر صفاتہ و تقویم اخلاقہ فلا خیر فی صحبتہ۔ (احیاء ص ۱۶۲ ج ۲ ربع العادات)

جب ان پر غصہ سوار ہوتا ہے یا شہوت، بخل، جبن کا ان پر غلبہ ہوتا ہے تو اپنی خواہش کے غلام ہو جاتے ہیں اور انکا علم دھرا کا دھرا ہی رہجاتا ہے اسلئے کہ وہ اپنی ان صفات کو مقہور کرنے سے قاصر رہجاتے ہیں اور اخلاق کی درستگی پر قادر نہیں ہوتے اسلئے انکی صحبت بھی نافع نہیں ہوتی۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ جب خواہشات نفسانی اور صفات شہوانی کا غلبہ ہوتا ہے تو عقل بیچاری دھری رہجاتی ہے اور عاقل انسان جو بھلائی برائی کو سمجھتا ہے اپنی صفات بد کو مقہور کرنے سے اور اپنے اخلاق کی تقویم سے عاجز اور محض عاجز رہ جاتا ہے۔

اسی لئے میں نے کہا تھا کہ علماء نے حب محبت کو دشوار سمجھکر اس سے فرار اختیار کیا تھا اور حب عقل کے دامن میں پناہ لی تھی وہ بھی تو کچھ آسان چیز نہیں ہے کیونکہ اس میں بھی یہ ضروری ہے کہ نفس کے تقاضے کیخلاف عقل کے تقاضے کو راجح قرار دیا جائے اور ہویٰ کو عقل کے تابع بنا دیا جائے اور اس میں عقل کو لذت ملے یہ کوئی آسان کام نہیں ہے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

ان سب مشکلات کا حل محبت ہی ہے۔

حضرتؒ (تھانوی) سے سنا ہے کہ آدمی کو جس سے تکلیف پہونچتی ہو مثلاً اپنی بیوی سے بچوں سے یا کسی عزیز قریب سے اور ان کے ساتھ رہنا ناگزیر ہو تو یہ کرے کہ انکی محبت اپنے قلب میں پیدا کرے بس تکلیف ختم ہو جائیگی کیونکہ ؏ از محبت تلخہا شیریں شود۔ حبیب کی ضرب اور مار بھی زبیب یعنی کشش ہوتی ہے۔

ہم استحسان عقلی کا انکار نہیں کرتے اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اسی کے ذریعہ حاصل ہو جائے تو بہا ہم اسکے منکر نہیں ہیں زمانۂ جاہلیت میں بھی بہت سے لوگ موحد ہوئے ہیں ایک شاعر جاہلیت کہتا ہے کہ ؎

اربًا واحدًا ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزی جمیعًا کذلک یفعل الرجل بصیر

(یعنی جب امور کی تقسیم ہو تو کیا میں ایک رب کو مانوں یا ہزار کو خدا بناؤں، ہٹو بھی میں نے لات اور عزیٰ سب کو چھوڑا اور صرف ایک خدا کو مانا، چنانچہ عاقل انسان ایسا ہی کیا کرتا ہے)

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس عموم کی خاطر حب طبعی کو چھوڑ کر کے حب عقلی کو اختیار کیا گیا تھا تو آج اللہ و رسول سے حب عقلی ہی سہی (جو مفہوم و مقتضا اسکا علماء بیان فرماتے ہیں) انکے ہی ساتھ متصف کتنے آدمی دیکھے جاتے ہیں۔ کتنے آدمی ہیں جو اللہ و رسول کا حکم معلوم کر کے نفسانی خیالات سے باز آجاتے ہیں اور کتنے آدمی ہیں جو اپنے ہوائے نفس کو عقل کے تابع کئے ہوئے ہیں، اگر ایسے اللہ کے بندے آج دنیا میں قلیل بلکہ اقل قلیل ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعی محبت رکھنے والے بھی معدوم نہیں ہیں بلکہ انکو بھی زیادہ سے زیادہ قلیل ہی کہا جا سکتا ہے۔

بہر حال جس طرح سے اس مسئلہ میں اختلاف کیا گیا ہے کہ حسن و قبح عقلی ہے یا شرعی چنانچہ بہت سے لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اشیاء میں حسن و قبح عقلی ہے لیکن علماء محققین یہ فرماتے ہیں کہ شرعی ہے۔ قال انا خیر منہ کے تحت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ۔

فاللعین اول من اسس بنیان	یہ ابلیس لعین ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے
التکبر واخترع القول بالحسن والقبح	تکبر کی بنیاد رکھی اور حسن و قبح کے عقلی ہونے کا
العقلیین۔ (روح ص ۸۷ ج ۲)	قول اختراع کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حسن و قبح کو عقلی کہنا یہ اختراع ہے ابلیس کا۔ حسن و قبح عقلی نہیں ہے بلکہ شرعی ہے۔ اسی طرح سے محبت بھی عقلی نہیں ہے طبعی شے ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا تو یہ فرمایا کہ میں تیرے ذریعہ سے پہچانا جاؤں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقل کا کام ادراک اور معرفت ہے۔ مثنوی میں مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی! اور لوگ تو دیگر انواع برّ (یعنی نیکی) سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کریں گے اور تم عقل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا، یہ تقرب بھی معرفت ہے جو کہ عقل کا کام ہے اور محبت قلب کی صفت ہے قلب میں جب محبت آجاتی ہے تو وہی حاکم ہوتی ہے اور پھر انسان کے تمام افعال درست ہو جاتے ہیں حدیث شریف میں ہے۔

الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت　　انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب

صلح الجسد کلہ واذا فسدت　وہ صالح رہتا ہے تو تمام بدن صالح رہتا ہے اور جب
فسد الجسد کلہ الا وھی القلب　وہ فاسد ہوتا ہے تو تمام بدن فاسد ہوجاتا ہے۔ سن لو کہ وہ
انسان کا قلب ہے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور صوفیا کرام کی اصل یہی حدیث شریف ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ انسان میں بہت سے لطائف ہیں ذکر میں انکی جانب توجہ کرکے انکو ذاکر بنایا جاتا ہے لیکن جو محققین ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ یک درگیر و محکم گیر صرف قلب کیجانب توجہ کرنا چاہیئے جب قلب ذاکر ہوجائے گا تو اور بقیہ لطائف خمسہ روح، نفس، خفی، اخفیٰ وغیرہ سب ذاکر ہوجائیں گے اور حدیث کی روشنی میں کہ فرمایا ہے الا وھی القلب یہی تحقیق اقرب الی السنۃ معلوم ہوتی ہے چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ کی اس بارے میں یہی تحقیق تھی

اسی مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا تو میں نے اسکی تائید میں قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ایک صاحب دل مجلس میں موجود تھے بس پھڑک اٹھے کہ واہ واخوب استدلال ہے۔ میں نے کہا تھا کہ حاجی صاحبؒ یہ جو فرماتے ہیں کہ سب لطیفوں کو بیدار اور ذاکر کرنے کی کوشش کرنا اس میں تشتت ہے اس کو جاری کرکے دوسرے کیجانب توجہ کروگے تو وہ جاری ہوگا مگر یہ غافل ہوجائے گا اسلئے مناسب یہی ہے کہ سب میں جو اصل ہے یعنی قلب اسی کو جاری کرلیا جائے اور سب تو اس کے تابع ہیں خود بخود جاری ہوجائیں گے۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ یہ ایک کو پکڑنا اور سب کو چھوڑنا اسلئے اچھا ہے کہ ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار ایک اللہ جو واحد قہار ہے اسکو رب بنانا اچھا ہے کہ بہت سے متفرق الٰہ کو رب بنایا جائے یہ اچھا ہے جیسا کہ عرب کے اس موحد نے کہا تھا کہ ؎

ارباً واحداً ام الف رب　　　ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزیٰ جمیعاً　　　کذلک یفعل الرجل بصیر

الغرض یہ محبت کے عقلی ہونے کا مطلب کچھ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ اصل میں ہوا یہ کہ ان حضرات قائلین نے محبت اور معرفت کو ملا دیا اور محبت عقلی دونوں کے مجموعہ کا نام رکھدیا۔ مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا یہ درجہ بھی محبت کا عام نہیں کہا جاسکتا اسلئے کہ محبت والے بہت میں

مگر اہل معرفت خال خال ہیں ۔

لہٰذا حدیث شریف لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین کا مطلب یہ ہوا کہ ان سب کی محبت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غالب ہونا چاہیئے اور یہ بیشک ضروری ہے بغیر اسکے انسان مومن کامل نہیں ہو سکتا۔ باقی اسکا اندازہ کیسے ہو کہ یہ درجہ جو مطلوب ہے وہ حاصل بھی ہو گیا یا نہیں تو اسکے متعلق یہ سمجھنے کہ اولاد محبت کے مختلف ہیں چھوٹے بچے کو بھی باپ سے محبت ہوتی ہے اور بڑے لڑکے کو بھی لیکن بچپن میں تری محبت رہتی ہے عظمت نہیں ہوتی اور بڑا ہونے پر محبت میں کمی نہیں ہوتی ہاں عظمت کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے اسکا لون پہلے لون کے مقابلہ میں کچھ مختلف ضرور ہو جاتا ہے بلکہ سب کو محسوس ہوتا ہے اسی طرح سے والدین اور اولاد کی محبت میں محبت کا پلہ غالب رہتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں عظمت وادب واحترام کا غلبہ ہو جاتا ہے اسلئے رنگ مختلف ہو جاتے ہیں باقی ہوتی ہے وہ طبعی ہی، نری عقلی نہیں ہوتی ہاں محبت کے ساتھ ساتھ ادب معرفت بھی شامل ہو جاتی ہے لیکن اسکی وجہ سے اصل محبت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہو جاتی ہے اور والدین وغیرہ سب ہی سے زیادہ ہوتی ہے ہاں اسکا اندازہ عند المقابلہ ہی ہوتا ہے ہر وقت محسوس نہیں ہوتا۔

اللہ و رسول کا انکار کر کے اگر والدین یا اولاد معاذ اللہ کافر ہو جائیں تو معمولی سا معمولی مسلمان سہی کون ہے جو ایمان رکھتے ہوئے اسکی جانب رخ بھی کرے، یہ کیوں ہوا بدون محبت کے بھی کہیں ایسا ہوتا ہے؟ آپ یہ کہیں گے کہ یہ عقلی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، تو میں یہ کہوں گا کہ نہیں صرف ایمان اور محبت کی وجہ سے ہوتا ہے ۔ محبت کوئی چیز ہے آدمی کسی کے احکام کا امتثال اسی کی وجہ سے کرتا ہے ۔ اس لئے کہ محبت میں محب کو سب سے زیادہ جس چیز کا ڈر لگا رہتا ہے وہ محبوب کی ناراضی اور جدائی ہے جسکا نام فراق ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے اسکی نافرمانی کی تو فراق ہو جائے گا اس سے بُعد ہو جائے گا اسلئے اطاعت کرتا ہے اسوقت اسکی فرصت کس کو ہوتی ہے کہ یہ سوچے اور تامل کرے کہ ہمارے لئے اس میں فلاح ہے اور ایسا کرنے میں فلاں فلاں فائدہ ہے اور یہ یہ نقصان ہے ۔ میں صلاح و فلاح کا انکار نہیں کر رہا ہوں مگر کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسوقت یہ تفصیل حاضر نہیں ہوتی، حاضر ہوتی ہے تو صرف محبت، اسکا محبوب ہونا اور اپنا محب ہونا

اور عدم امتثال میں ہاتھ کٹ جانے کا اندیشہ ہونا بس اسکے سوا اور کوئی چیز مستحضر نہیں رہتی۔

اب لوگ اسکو نہیں لیتے اور بیضاویؒ کے کہدینے کی وجہ سے اسی کو لیتے۔ بہرحال میری ناقص سمجھ میں تو حب عقلی کبھی نہ آسکی۔ کلام اپنے مجاز پر محمول ہو تو خیر یعنی کسی اور شئے کو کسی مناسبت کی وجہ سے محبت سے اور حُب سے تعبیر کردیا گیا ہے ورنہ تو محبت کے جو حقیقی معنی ہیں اسکا تعلق تو قلب ہی سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اور وَاُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ کی تعبیر و تفسیر سے ظاہر ہے

میں نے شروع میں حضرت مولانا بلیاویؒ کا ارشاد بھی نقل کیا تھا کہ وہ بھی فرماتے تھے کہ حضرات صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو محبت تھی وہ طبعی ہی تھی ان حضرات کے رگ و ریشہ میں آپ کی محبت سرایت کرگئی تھی۔ فرماتے تھے کہ دیکھو انسانی فطرت ہے کہ مضر شئے اگر کسی کے بدن کی جانب آرہی ہو تو وہ اسکو اپنے سے رفع کرتا ہے نہ کہ اسکی جانب لپکتا ہے حتیٰ کہ حضرت سعدیؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے ؎

وقت ضرورت چو نماند گریز ۔۔۔ دست بگیرد سر شمشیر تیز

یعنی مجبوری کے وقت جبکہ بھاگن ممکن نہیں ہوتا تو تلوار کے وار سے خود کو بچانے کے لیے آدمی ہاتھ ہی سے تلوار کو پکڑ لیتا ہے حالانکہ نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ہاتھ کٹ جائے گا لیکن اپنی ذات کو تکلیف سے بچانا انسان میں قدرتی جذبہ ہے آنکھ کی جانب کوئی شخص اشارہ کردے، تو پلک جھپک جائیگی، لیکن تم نے سنا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیر اور تلوار سے بچانے کے لئے حضرات صحابہؓ کا عمل منقول ہے کہ جس جانب سے تیر آتا تھا اسی طرف کو اپنا بدن کرلیتے تھے، ایسا بدون اسکے کہ یہ کہا جائے کہ انکی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل طبعی ہوگئی تھی اور کسی طرح ممکن نہیں۔ جس طرح کہ اپنے ہاتھ نے اپنی جان کو بچانے کیلئے کٹ جانا گوارا کیا اور جان کو بچانے کی سعی کی اسی طرح سے حضرات صحابہؓ بھی سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف جان ہی بلکہ جانِ جاناں ہیں اسلئے آپؐ کی حفاظت میں بلا سے ہماری جان کام آجائے آپکو ہمارے جیتے جی کسی قسم کی گزند نہ پہونچنا چاہیئے۔ بس یہی محبت جو ان حضرات کو تھی وہ عقلی نہیں تھی طبعی تھی۔ اور الحمدللہ یہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مومن کو ہوتی ہے ہاں درجات البتہ اسکے مختلف ہوتے ہیں کسی میں کم ہوتی ہے کسی میں زیادہ

اور نمایاں طور پر، رہا اسکا ظہور تو یہ صحیح ہے کہ بوقت تقابل اور بوقت امتحان ہی ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا وہ درجہ عنایت فرمائے جو اسکے یہاں مقبول ہو اور اسکو پسند ہو۔ آمین۔ اور اس کا جو ذریعہ ہے یعنی اتباع سنت وشریعت (ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی) اس پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

چند ملفوظات مصلح الامۃ رح

فرمایا کہ ــــ اخلاق کی اصلاح کیلئے مشائخ کاملین کو یہ چاہئے کہ اخلاق محمودہ کی تعریف کریں اور اخلاق رذیلہ کی مذمت بیان کریں اسی سے لوگوں کو اسکا خیال پیدا ہوگا اور لوگ اچھے ہوتے چلے جائیں گے۔ یہی قاعدہ ہے کہ جس سے ترغیب دلانا ہے اسکی تعریف کرے اور جس سے تنفیر مقصود ہو اس کی خوب برائی بیان کیجائے۔ جب انسان کسی بات کی روز روز تعریف سنے گا تو خیال پیدا ہی ہوگا کہ اس کو اختیار کرنا چاہیئے اور جس چیز کی برائی بار بار سنے گا تو خیال ہووے ہی گا کہ اس سے گھن کرو اور اس کو چھوڑ دو۔

دیکھئے کس قدر آسان نسخہ بیان کر رہا ہوں صرف یہی اتنا کام کرلے تو بڑے بڑے مجاہدات سے بچ جاوے گا۔ ایک شخص ہے جس کو کبر سے نفرت دل میں پیدا ہو جائیگی تو آپ خود سمجھئے کہ وہ بھلا اسکا ارتکاب کیسے کرے گا۔ یا غصہ سے جب نفرت قلب میں بیٹھ جائیگی تو غصہ کرکے اسکو تکلیف ہوگی جس سے وہ بچنا چاہے گا۔ باقی یوں آپ کتنی ہی محنت کیجئے، جو مرض جہاں ہے وہاں کا وہیں رہے گا۔ اور یہ سب کام مرید خود تھوڑا ہی کرے گا بلکہ اہل اللہ اس سے یہ تمام امور کراتے ہیں اور انکا یہی فرض ہے کہ وہ برابر اس سے یہ سب کام کراتے رہیں، کیونکہ وہ نائب ہیں ہر چیز میں نماز میں، روزہ میں، زکوٰۃ میں لہٰذا وہ خود اس سے کام لیں گے
اخلاق کی اصلاح کے باب میں کچھ زیادہ مجاہدہ اور محنت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف یہ کرے کہ مرید کے سامنے اخلاق محمودہ کی اتنی تعریف کرے اور رذائل سے

اتنی نفرت دلائے کہ یہ فضائل کو اختیار کرنے اور رذائل کے ترک کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے بس جب یہ بات سمجھ میں آجائیگی تو برائیوں سے نکلنا بالکل آسان ہو جائے گا۔ اس کی ضرورت نہیں کہ اسکو تکبر کے علاج کے لئے اس پر بار ڈالے کہ وہ خود کتابوں کا مطالعہ کرے اور اسکی حقیقت کو خود ہی سمجھے۔ یہ سب کام شیخ کا ہے تزکیہ شیخ کا منصب ہے ویزکیھم اور لوگوں کے بارے میں تو اسکی ممانعت ہے فلا تزکوا انفسکم۔

حضرت مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ عاقل کانٹے کو چٹکی سے پکڑ کر نہایت آسانی سے نکال دیتا ہے مگر گدھا دولتی جھاڑ جھاڑ کر اور چبھو لیتا ہے۔

مشائخ جو کچھ کہیں اسکو غور سے سننا چاہئے تاکہ نفس کو اصلاح قبول ہو۔ حضرتؒ (تھانوی) نے ایک بار حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے پوچھا کہ حضرت! جن کیلئے کوئی عمل ہے حضرتؒ نے فرمایا ہاں ہے لیکن یہ بتاؤ تم جنوں کو مسخر کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو یا کسی اور کے لئے مسخر ہونے کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ حضرتؒ (تھانوی) نے فرمایا اس ایک جملہ ہی کا اتنا اثر پڑا کہ اس دن سے عملیات سے نفرت پیدا ہو گئی۔

فرمایا کہ ـــــ روایت میں آیا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کذب سے بچو اس لئے کہ کذب مجانب الایمان ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت صدیقؓ نے سچ فرمایا ہے۔ مومن کی سرشت میں گناہ وغیرہ اور امور شہوانیہ سے متصف ہو جانا تو ہے لیکن کذب و خیانت کا صدور اس سے نہیں ہو سکتا اسلئے کہ کذب راس النفاق ہے اور اور علامۃ المنافق ہے۔ پس ایمان سے اسکو دور کا بھی تعلق نہیں۔

میں کہتا ہوں اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ مسلمان سے سب کچھ ہو سکتا ہے کذب و خیانت نہیں ہو سکتی لیکن آج یہ حال ہے کہ ایک مسلمان سب سے محفوظ ہو سکتا ہے لیکن نہیں بچا ہوتا تو انھیں دونوں سے یعنی کذب و نفاق سے۔ انا للہ۔

(مکتوب نمبر ۱۹۶)

حال: غفلت شعار نے اپنی باطنی بدحالی سے گھبرا کر درخواست حاضری کی تھی حالانکہ یہاں اسقدر مشاغل لگے ہوئے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر چلا جاتا تو یہ کیسے انجام پاتے الخیر فیما وقع لیکن اس سے پریشان ہوں کہ عمر گذرتی چلی جارہی ہے اور کچھ حاصل نہ کیا گو حاضری بھی اس کا مصداق ہے کہ ؎ تو برون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی (یعنی تم نے گھر کے باہر رہکر کیا کام کیا ہے کہ اب گھر کے اندر آنا چاہتے ہو) حقیقت یہ ہے کہ میں غفلت کا شکار ہو رہا ہوں۔ اپنے اخوان طریقت میں سب سے زیادہ ناکارہ اپنے کو پاتا ہوں گھبرا کر یہ سوچتا ہوں کہ شاید چند روز خدمت میں رہکر کچھ غفلت دور ہو کر کسی قابل ہو جاؤں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں حاضری کے قابل نہیں رہا۔ دور رہکر ہی میری رہبری دعا اور توجہ سے فرمائی جائے

تحقیق: آپ نے سنا ہوگا انما حرموا الوصول بتضییعھم الاصول (لوگ محروم جو ہوئے ہیں تو اصول کے ضائع کرنے کی وجہ سے) اصول کے ساتھ کام کرنیوالا محروم نہیں ہوا کرتا شیخ کے ساتھ صحیح تعلق اور مکاتبت یہ اصولی باتیں ہیں۔ ایک طالب کے لئے یہ ضروری ہیں۔ اب حرمان کی وجہ اسی کی طرف سے ہے۔ اور ترک تعلق غیر اللہ کو انھیں اصول میں سے قرار دے کر شرط کامل کہا گیا ہے ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی چو پیوندہا بگسلی واصلی

(مخلوق کیساتھ تعلق رکھنا خدا کے تعلق کیلئے حجاب ہے لہٰذ جب تم تعلقات کو ختم کروگے تب ہی حق تعالےٰ سے واصل ہو سکتے ہو)

(مکتوب نمبر ۱۹۷)

حال: یہاں کل میرے ایک محترم نے مجھ سے فرمایا کہ اتحاد بین المسلمین و تنظیم المسلمین (کما صرح بہ فی رسالتہ حضرت حکیم الامۃ التھانوی قدس سرہ المسماۃ بہ تنظیم المسلمین و تفہیم المسلمین وغیرہما) کی کوشش ضروری ہے۔ ہر حلقہ بگوش اسلام کو اپنی ایمانی حالت درست کرکے اللہ کے بھروسہ ایک ہو جانا چاہیئے تاکہ اعلاء کلمۃ اللہ ہو اور سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا چاہیئے

تاکہ یک جہتی اور یکسوئی سے سب کو دین پر چلنا نصیب ہو۔ ناکارہ اگرچہ معذور اور گوشہ نشین ہے مگر موجودہ حالت میں اب ضرورت ہے کہ کام کیا جائے اور آپس میں نفسانیت دور کرکے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولاتفرقوا (یعنی سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو اور باہم اختلاف نہ کرو) کے ذریعہ کفرو الحاد وزندقہ وتہذیب افرنگ کے حسن دلفریب کے مقابلے کیلئے فی سبیل اللہ نکلنے کا عزم کرکے سب سے پہلے اپنے چند مخلصین کے ساتھ جن میں کچھ ایمانی حرارت محسوس ہورہی ہے آج سفر (اصلاح) پر روانہ ہورہا ہوں اور چونکہ

درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

کے پیش نظر قبل حصول اجازت عالیہ یہ اقدام شروع کررہا ہے۔ بعد ادب حصول اجازت عالیہ کی درخواست پیش کش خدمت عالیہ ہے اور دعا کی درخواست بعد ادب پیش خدمت ہے

تحقیق: آپ نے کام شروع کرنے کے بعد مجھے لکھا ہے یہ تو اطلاع ہے اجازت تو نہ ہوئی اور آپکو یہ بھی معلوم ہے کہ کار خیر میں نہ استخارہ کی حاجت ہے نہ استشارہ کی۔ بہرحال آپ نے جو کام شروع کیا ہے وہ بڑا ہے اور وقت طلب ہے اسلئے ایک وقت میں دو کام ہونا مشکل ہے (یعنی اصلاح نفس بھی اور اصلاح نفوس بھی) لہٰذا پہلے آپ اس کام سے فارغ ہو لیجئے (یعنی اتحاد وتنظیم وغیرہ کر لیجئے) تب یہ کام (یعنی اپنے نفس کی اصلاح کا کام) کیجئے اور اسوقت تک نہ یہاں تشریف لائیے نہ مجھے کوئی خط لکھئے (تاکہ سکون اور یکسوئی کے ساتھ ایک کام ہو سکے)

(راقم عرض کرتا ہے کہ طالب مذکور کا خط بظاہر کسقدر جوش دینی اور جذبات خیر سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت مصلح الامتؒ کے جواب سے حضرت اقدس کی خفگی کا اندازہ ہو رہا ہے، اس باب اصلاح میں اسی قسم کی الجھنیں پیش آجاتی ہیں جن سے ایک ناواقف بڑے اشکال میں پڑجاتا ہے گو طالب مخلص کے لئے اس میں کچھ بھی اشکال نہیں ہے۔ اسی عقدہ سے بچانے کیلئے مشائخ نے سب سے پہلی چیز طریق میں شیخ سے عقیدت اور اس سے مناسبت کو فرمایا ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ جب مرید یہ سمجھے گا کہ شیخ سے زیادہ دین اور دینی ضروریات کو میں سمجھتا ہوں اور امت کا غم مجھے جسقدر ہے میرے شیخ کو بھی اتنا نہیں ہے تو اسکو ایسے شیخ سے فیض ہو چکا۔ اب اسکے پاس

بنا اپنا اور اسکا دونوں کا وقت ضائع کرنا ہے۔ مرید اگر یہ بات نہیں سمجھ سکا ہے تو دیانۃً شیخ کے ذمہ ہے وہ اسکو طریق کا حکم بتادے کہ تم کو مجھ سے مناسبت اور عقیدت نہیں ہے لہٰذا تم کسی دوسری جگہ جاؤ بات کو سمجھو اور شرائط طریق بجا لاؤ۔

یہی معاملہ یہاں پیش آیا مرید کا خط دوبارہ پڑھیئے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اتحاد اور تعلیم کا جس قدر جذبہ آپ میں پیدا ہو گیا ہے شاید پیر کے اندر بھی ویسا نہیں ہے اور حضرت دادا پیر کا نامی لیکر اسکا بھی اظہار فرما دیا کہ گویا انکی بات اور انکی تعلیمات شیخ سے زیادہ میرے پیش نظر ہے تو ویسے بھی خلاف ادب بات ہوئی۔ توبہ توبہ۔ پھر ایک کام کو جب جی چاہا تو خود اپنے ہی نفس سے کے خیر ہونے کا فتویٰ بھی لے لیا اسطرح سے شیطان نے شیخ سے صلاح و مشورہ لینے کا دروازہ بھی بند کر دیا اور شیخ کو ایک اطلاعی کارڈ روانہ کرتے ہوئے خود اپنے تجویز کردہ نظام پر روانہ ہو گئے۔ آپ خود خیال فرمائیے کہ کیا ایسے ہی تعلق کا نام پیری و مریدی ہے۔ جب نفس میں اس قسم کی آزادی موجود ہو تو ایک متدین شیخ کا جواب اسکے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے کہ آپ کے پیش نظر جو کام ہے ظاہر ہے کہ وہ ایک بڑا کام ہے وقت طلب ہے اور وقت طلب بھی جس کا ہونا اصلاح نفس کے ساتھ ساتھ اس زمانہ میں مشکل ہے لہٰذا پہلے آپ اسی سے فارغ ہو جائیے پھر اصلاح نفس تو گھر کی چیز ہے ہوتی ہواتی رہیگی، بالکل صحیح جواب ہے خدا کرے طالب مذکور کی سمجھ میں بھی آگیا ہو۔ اپنے اس حال میں کچھ ہمارے یہی بھائی مبتلا نہیں ہیں بلکہ ایک دنیا اسی ڈھنگ کی ہو گئی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(مکتوب نمبر ۱۹۸)

حال: ہمارے خاندان میں ایک بزرگ ہیں جنکا رشتہ سلوک حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے ہے ان بزرگ نے ہمارے خاندان کو امام ربانی کے رنگ میں رنگ دیا میں زمانۂ طالبعلمی سے تنقیدی مزاج کا فطرتاً عادی ہوں۔" اسلام کا آزاد نصاب" سے مطالعہ کا (جسکی وجہ سے اکابرین سلف صالحین کے حدود و آداب پر زد پڑتی ہے) عادی رہا مودودی صاحب دماغ کے اندر گھس چکے تھے اگر ملک تقسیم نہ ہوتا اور مودودی صاحب

منتقل نہوتے اور میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رح سے تعلق پیدا نہ کئے ہوتا تو اس (حال) کی وجہ سے تباہ ہوجاتا۔ حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند نے فقہ حنفی کا پابند بنایا مگر قدیم طرز کے (یعنی آزاد نصاب) کے کچھ اثرات ابتک دماغ میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ کی ہدایت سے غفلت کا اس میں بہت دخل ہے۔ توحید وسنت سے عشق، شرک وبدعات سے تنفر، مبتدعین سے للّٰہی بغض اس سلسلہ میں اپنوں تک سے سلسلۂ کلام کا انقطاع اسکا سبب ہے کسی مسجد اور مدرسہ میں استقلال نصیب ہی نہیں ہے تقریباً آٹھ سال سے کوئی مستقل ملازمت اور ذریعہ آمدنی نہیں ہے ومن یتق اللّٰہ یجعل له مخرجًا (جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے کوئی سبیل نکالدیتے ہیں) اور اللّٰھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک (اے اللہ کفایت فرما میری حرام روزی سے بچاتے ہوئے حلال روزی کے ساتھ اور بے نیاز فرما دے مجھے اپنا فضل عطا کرکے اپنے ماسواسے۔ ان ادعیہ کا وظیفہ میری تائی اماں نے بتایا تھا اسکی مستقل نماز صبح اور نماز عشاء میں پابندی ہے۔ ہاتھ اور جیب بالکل خالی رہتا ہے اچانک خدا کی قسم بھر جاتا ہے کوئی نہ کوئی ذریعہ اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں۔

تحقیق جناب مولوی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بدست مولوی ارشاد احمد صاحب سلمہ آپ نے اپنے حالات مجھ سے بیان کرکے مجھے اپنی جانب متوجہ فرمایا ہے اور بزرگوں سے اپنے خاندان کے دینی انتساب کا بھی ذکر فرمایا ہے ان سب امور کا یہ تقاضا ہے کہ میں بھی آپ سے صحیح اور صاف صاف بات کہدوں سنیئے :۔

دارین کی فلاح اتباع شریعت میں منحصر ہے مگر اسکی اتباع سے جو شئے آدمی کو روکتی ہے وہ اسکی عقل۔ اسکی خواہش (نفس) اور اسکی رائے ہے۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ۔ مَن اراد حلّ مشکلاتِ علومِ التَّوحید فلیترُکْ ما یحکمُ بہ عقلُہ ورایُہ ویقدمُ بینَ یدی شرعِ ربہ (یعنی جو شخص مشکلات علوم توحید کو حل کرنا چاہے تو اپنی عقل اور رائے کے فیصلہ کو تو قطعی ترک کردے اور اپنے رب کی شریعت کے روبرو خود کو پیش کردے) چنانچہ جن لوگوں نے اسکو سمجھ لیا ہے اور اپنی عقل ورائے کو شریعت کے سامنے فنا کردیا ہے وہ کامیاب ہوگئے ہیں، اور جو لوگ

اپنی عقل اور اپنی ہی رائے کو سب کچھ سمجھتے رہے ہیں وہ ختم ہوگئے اور اس دنیا سے محروم گئے مگر اس سے نکل نہ سکے اور اپنی اسی خود رائی اور خود بینی کے آگے کسی کو خاطر میں نہیں لائے اور اسی بدحالی میں مبتلا ہی رہے حالانکہ اہل طریق فرماتے ہیں کہ ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست — کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(یعنی اپنی فکر اور اپنی رائے درویشی اور خدا طلبی کی راہ میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہاں اس مذہب میں تو خود بینی و خود رائی گویا کفر ہی ہے) اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ اس سے نکل چکے ہوں یا نکلنے کا ارادہ کر چکے ہوں اور کچھ حاصل کرنا چاہتے ہوں تو خلوص کے ساتھ رجوع ہو جیئے اور کچھ کام کیجئے۔ ورنہ تنقیدی مزاج ہی اگر محبوب ہے تو آپ جانیں سان سے خوب تنقید کیجئے اور قلباً یونہی پریشان رہیئے۔

چونکہ آپ نے مجھ سے مشورہ طلب فرمایا تھا اس لئے جو بات سمجھ میں آئی عرض کر دی محض آپکی خیر خواہی کے پیش نظر۔ باقی (خیر یہ باتیں) آپ کو ناگوار خاطر گذری ہوں تو معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ کے جملہ مقاصد کیلئے دعا کرتا ہوں۔ والسلام

(سبحان اللہ سبحان اللہ، حضرت مصلح الامتؒ کی کیا شان تھی اور کیا دربار دُربار تھا کیسے کیسے مریض نفس آتے تھے اور ضرورت اصلاح محسوس کرکے اپنے نفس کا کچا چٹھا کس کس طرح سے عرض کرتے تھے اور طبیب روحانی بھی کیسا حاذق اور ماہر تھا کہ اللہ و رسول کے منشا کے مطابق مرض کی تشخیص اور علاج کی تجویز بے لوث فرما دیتا تھا۔ دوا گو کڑوی ہوتی تھی لیکن تیر بہدف ہوتی تھی۔ طالبین خدا مصلح کی اس محنت پر سو جان سے قربان ہوتے اور دل سے ممنون ہوتے نسخہ استعمال کرکے شفایاب ہوتے اور غیر مخلصین اور اہل نفس یہیں سے بھاگ نکلتے تھے ہمارے ان عزیز محترم نے اپنا جو حال لکھا ہے اس زہر سے آج ایک خاصی تعداد امت مسلمہ کی متاثر ہے اور ہوتی جارہی ہے یعنی وہی "آزاد نصاب" کی خواہش اور تنقیدانہ مزاج بنانے کی کوشش جبکہ اسلام کے معنی ہی گردن نہادن بطاعت کے تھے۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ پھر مزاج اسلامی کو ترک کرکے امداد خداوندی اور انعامات خداوندی کی توقع رکھنا کس درجہ قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ خود سمجھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نفس اور شیطان کے کید سے سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور ہم سبکو دین کا صحیح فہم اور

صلاح نفس کی ہمت اور توفیق بخشے۔ آمین)

(مکتوب نمبر ۱۹۹)

حال: بارگاہ کریم سے امید ہے کہ میرے آقا مع متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔ اے میرے آقا یہ ناکارہ صورۃً و معنیً دور افتادہ اپنا حال زار کیا لکھے نہایت ہی ذلیل و خوار و روسیاہ ہے گناہوں کا بارگراں سر پر ہے۔ نجانے کیا کیا رسوائیاں ہونے والی ہیں۔ اے کاش آجائے رحم کریم کو، محتاج دیکھکر۔

اے مالک یوم الدین! اے ذوالفضل العظیم! یہ روسیاہ تجھے منہ دکھانے کے قابل نہیں ہے تو اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب و مقبول بندوں کو نوازے گا انھیں کے طفیل میں اس گنہ گار خطاکار کی خطا کو بھی بخشدے اور اس ناکارہ کے راز کو فاش نہ کر انک عفو تحب العفو فاعف عنی (آپ معاف کرنے والے ہیں معافی کو پسند کرتے ہیں لہٰذا مجھکو بھی بخش دیجئے) ؎

بندہ گناہ کردہ　　نامہ سیاہ کردہ
عمرے تباہ کردہ　　فریاد رس الٰہی!

(اس بندے نے گناہ میں عمر گذاری، اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کر رکھا ہے اور عمر کو تباہ کر ڈالا ہے۔ بس اے اللہ تجھ ہی سے فریاد ہے)

تحقیق: الحمدللہ بخیر و عافیت ہوں، خط کا مضمون بہت پسند آیا تم نے توکل طریق ہی لکھدیا مجھے خود اس پر رشک آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میرا بھی ایسا ہی حال فرمادے۔ اور سمجھو کہ اہل اللہ اپنی طاعت و عبادت کو ذریعہ نجات نہیں سمجھتے بلکہ انکی نظر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر رہتی ہے اور کہتے ہیں کہ ؎

بضاعت نیاوردم الا امید　　خدایا ز عفوم مکن ناامید

(یعنی میرے پاس بجز امید کے اور کچھ پونجی نہیں ہے لہٰذا اے خدا مجھے اپنی بخشش سے ناامید نہ کیجیے)

حال: اے آقا! آپ مستجاب الدعوات ہیں اللہ رب العزت نے آپکو اپنے فضل خاص سے نوازا ہے یہ غلام آپ کے مبارک سلسلے کا ایک بدنما اور کریہ داغ ہے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیں

کہ وہ کریم واسع المغفرۃ اس مبارک مہینہ کے طفیل میں اس سیہ کار کے گناہوں کو معاف فرمادے عذاب نار سے رہائی دے اور ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔

تحقیق: دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال: آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند
(جو لوگ کہ مٹی کو ایک نظر میں کیمیا کر دیتے ہیں کیا ایسا ممکن ہے کہ میری جانب بھی ایک گوشۂ چشم سے توجہ فرمادیں)۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

ترے گلستاں میں سب تو گل ہیں بس اک اگر ہوں تو خار میں ہوں
طلب میں تیری سوار سب ہیں پیادہ مثلِ غبار میں ہوں

کاش ایمان حقیقی نصیب ہو جاتا

تحقیق: اس راہ کی یہ انکساری ہی سواری ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان حقیقی عطا فرمائیں

حال: والسلام اے تاجدار اولیا۔ والسلام اے محبوب ذاتِ کبریا
سلام بر تو اے سراج السالکین ۔ سلام بر تو اے رئیس العارفین

تحقیق: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

(مکتوب نمبر ۲۰۰)

حال: حقیر پر تقصیر بتوفیق ایزدی الحمدللہ حسب ہدایت بعد الفرائض تسبیحات کا پابند ہے۔

تحقیق: الحمدللہ۔

حال: قبل ازیں ماہ مبارک کی برکت سے کسی قدر نوافل کی توفیق شامل حال رہی خدمت اقدس میں ضروری درخواست یہ ہے کہ قلب کی حالت کی صلاح کی اشد ضرورت ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلب ہنوز شریک طاعت نہیں۔ وہی جھجکی ہوئی کیفیت ہے۔

تحقیق: قلب یا نفس اس شرکت کو اچھا سمجھتا ہے؟ اسی طرح چلے چلئے حالاً وعملاً بھی قلب شریک ہو جائے گا۔

(مکتوب ۲۰۳)

حال: میں جب بمبئی سے آیا تو بچوں سے کہا کہ حضرت والا نے یہ دعا بتلائی۔ کھانے کے وقت کی، پاخانہ آنے جانے کی، یہ گھر میں آنے کی تم لوگ بھی سب دعائیں یاد کرو اور اس پر عمل کرو تاکہ دیندار اور غیر دیندار میں فرق ہو جائے تو بیوی بچوں نے بہت پسند کیا اور بڑی خوشی سے یاد کر کے عمل بھی کرنے لگے۔

تحقیق: الحمد للہ، ماشاء اللہ تعالیٰ۔

حال: اور میں بھی اس مقام کو مضبوط کرنے میں لگ گیا ہوں، اس میں کوئی خاص کیفیت نہیں ہے مگر دل بہت خوش رہتا ہے۔

تحقیق: خوش رہنا بھی کیفیت ہی تو ہے اور سب کیفیتوں سے بڑھکر ہے اسکے سامنے اور سب کیفیات کیا چیز ہیں یہ رضا ہے اس سے بڑھکر اور کیا چیز ہو سکتی ہے اتنا نہیں جانتے؟

(مکتوب نمبر ۲۰۴)

حال: ایک بات حضور سے پوچھنا چاہتا ہوں حضور کو تکلیف دیتے ہوئے شرم بھی آتی ہے مگر میرے حضور آخر سمجھوں وہ یہ کہ مناجات مقبول میں ہے کہ مرشد کا فرمان کامل طور پر بجا لاؤں اور استقامت کی دعا کرتا حضور اسکا طریقہ ارشاد فرمائیں۔

تحقیق: ہاں ہاں (صحیح ہے مطلب یہ ہے کہ مرشد) جو حکم دے اسکو بجا لاؤ اور آئندہ کیلئے اس عمل پر استقامت

حال: اور حضور میرے لئے دعا بھی فرمائیں کہ بقیہ زندگی طاعت و بندگی میں گذرے۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں

حال: دوسرے یہ کہ جب کسی سے بات کرنے کا وقت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے غفلت ہو جاتی ہے۔ تحقیق: یہ تو مم

حال: اور بے محابہ بولتا ہوں بعد میں رنج ہوتا ہے کہ اتنی دیر یاد مولیٰ میں گذارتے تو تمہارے حق میں بہتر ہو

تحقیق: بالکل صحیح ہے۔

حال: حضور اس مرض کی تدبیر ارشاد فرمائیں۔ تحقیق: زبان پر قابو پاؤ اس سے اسکی اصلاح ہو جا

اسکول وکالج میں اصول وشرائط ہوں۔ کچہری اور دفاتر میں قواعد ونظم موجود ہوں اور ہماری ان جگہوں کو بے اصولی اور بے نظمی سمجھا جائے یہ آخر کیوں ؟

انھیں مذکورہ بالا اصول کو اکثر وبیشتر بیان فرماتے اور لوگوں کو ان پر لگاتے ہوئے حضرت مصلح الامۃ نے شاندار مجالس فرمائیں چنانچہ چند ہی مجالس میں شرکت فرماکر جناب نجم احسن صاحب وکیل نے (جوکہ حضرت حکیم الامۃؒ کے مجاز بھی تھے) اپنا یہ تاثر ظاہر فرمایا کہ ؎

دیکھ دیوانے دیکھ اے احسن یہ بھی گلشن ہے اشرفی گلشن
مجلس حضرت وصی اللہ ہے نمود بہار تھانہ بھون

غرض مصلح الامۃؒ نے اپنے یہاں تعلیم وتربیت کا انداز بھی مدارس ہی کے طور پر رکھا کہ کبھی کبھی فرماتے ہوئے درس کا طالبین وسالکین سے امتحان بھی لیا کرتے اسکا کچھ نمونہ پیش خدمت ہے۔

حضرت مصلح الامۃؒ کے یہاں سالکین کا امتحان بھی ہوتا تھا

فرمایا کہ جس طرح سے مدارس میں امتحانات ہوتے ہیں اسی طرح سے اہل اللہ (مشائخ) بھی مریدین کا امتحان لیتے ہیں اور انکا امتحان طالب کی لغزش پر مواخذہ کرنا اور اس سے سوالات کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ بعض مرتبہ وہ شخص بالکل بے قصور ہوتا ہے مگر اہل طریق اسکا امتحان لیتے ہیں اب اگر اسکا نفس مرچکا ہوتا ہے تو ان سوالات پر غایت انقیاد کا ثبوت دیتا ہے اور اپنے کو خطاوار سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ مجھ میں نہ معلوم کتنے عیوب موجود ہیں اور اگر اسکا نفس مرا نہیں ہوتا تو وہ وساوس وغیرہ میں مبتلا ہوجاتا ہے اور ان حضرات کے مواخذہ پر چیں بجبیں ہوتا ہے اس سے یہ حضرات سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کامل ہوگیا ہے یا نہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (کیا لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ یونہی چھوڑ رکھے جائیں گے اور انکی آزمائش نہ ہوگی)۔

ایک بزرگ نے ایک شخص کو ڈانٹا اور اپنے پاس سے ہٹا دیا اور جب وہ جانے لگا تو پھر بلالیا اور پھر اسکو اپنے خواص میں سے بنالیا یہ ہے بزرگوں کا امتحان کہ ایک منٹ میں امتحان بھی لے لیا اور نتیجہ بھی سنا دیا۔ جو بزرگ بدون امتحان لئے مریدین کا اعتبار کر لیتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے۔ حضرت

تھانوی کے یہاں دیکھا کہ جس کا امتحان ہوا وہی تو کچھ ہو گیا اور جسکی تعظیم و تکریم کی گئی وہ آخر نہیں نکلا۔ میں اپنے یہاں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جس کو خوب آزماتا ہوں وہ تو خلوص کی راہ پر لگ گئے کسی ایک کو بھی نہیں دیکھا کہ امتحان لینے کی وجہ سے بھاگ گیا ہو۔ اور جس کسی کے ساتھ اخلاق برتا وہ ہمارا معتقد ہی نہیں ہوا۔ ہم لوگ حضرت مولاناؒ کے یہاں ڈرتے ہی رہتے کہ کب ہمارے نفس کی کوئی چوری پکڑ لی جائے اور جب حضرتؒ کسی کو طلب فرماتے تھے بس اسکا مصداق ہوتا تھا کہ ؎

آرغ جاتے تو ہیں مقتل میں پہ اول سب سے دیکھئے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

ہم لوگ سمجھتے تھے کہ یہ جگہ ہی اصلاح کی ہے اور یہ ان بڑے میاں کی مہربانی اور انکا کرم ہے ہماری اصلاح میں اس طرح سے سرگرم ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ جب حضرت مصلح الامتہؒ کا اپنا زمانہ آیا تو حضرتؒ نے بھی یہی طریقہ باقی رکھا سالکین سے برابر دارو گیر جاری رہتی کبھی زبانی بالواسطہ یا بلا واسطہ سوال وجواب ہوتا اور کبھی بذریعہ تحریر امور دریافت فرمائے جاتے۔ چنانچہ خود فرماتے تھے کہ:۔

"یہ جو میں اپنے پاس آنے جانے والوں یا یہاں رہنے والوں سے کبھی کبھی کچھ دریافت کرتا رہتا ہوں یا کچھ کہلاتا رہتا ہوں تو اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ میں کچھ انکو تنگ کرنا چاہتا ہوں، یا میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ لوگ کسی برائی وغیرہ میں نہیں رہتے اور نماز، روزہ، تعلیم و تعلم بھی نہیں کر رہے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ آپ لوگ بظاہر کسی برائی میں نہیں ہیں اور نماز روزہ کرنا اور علم دین پڑھنا پڑھانا تو کر ہی رہے ہیں، باوجود اسکے جو میں کہتا رہتا ہوں تو آپ لوگوں کو بھی اسکی وجہ سمجھنا چاہئے اور دل سے اس پر غور کرنا چاہئے ورنہ میں تو کہتا رہونگا اور آپ پر اسکا کچھ ثمرہ بھی مرتب نہ ہوگا۔

گفتہ گفتہ من شدم بسیار گو وز شما یک تن نشد اسرار جو

یعنی میں کہتے کہتے (بغرض نصیحت) بسیار گو ہو گیا ہوں لیکن آپ لوگوں میں سے ایک بھی اصلاح پذیر نہ ہوا اسکی وجہ میں خود ہی بیان کرتا ہوں، سنئے!

اتنا تو آپ جانتے ہی ہیں کہ اصلاح کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک

تعلیم دوسری تربیت تعلیم تو یہی ہے جو آپ لوگ مجھ سے کتابیں پڑھتے ہیں لیکن صرف تعلیم کتاب تو کافی نہیں ہے اسکے ساتھ تزکیہ اور تربیت بھی تو ہونا ضروری ہے۔ پس میں جو آپ حضرات کو کبھی کبھی تکلیف دیتا ہوں اور سوالات کرتا ہوں، کچھ کہتا ہوں، کچھ پوچھتا ہوں یہی تزکیہ اور تربیت ہے۔

گو اس باب میں اصل تو یہی ہے کہ قلب کو ذاکر بنایا جائے اور اس میں شک نہیں کہ اسکے لئے علم دین کافی وافی ہے بالخصوص کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کہ وہ تو اسی لئے ہے ہی لیکن بات یہ ہے کہ یہ زمانہ زمانۂ غفلت ہے اور لوگوں کے قلوب خراب ہوگئے ہیں اسطرح سے کہ اسباب ذکر بھی اس میں تذکر پیدا نہیں کرتے اور نہ غفلت ہی کو دور کرتے ہیں۔

پس تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے طرق جن سے قلب کو کچھ ٹھیس لگے اور جو بمنزلہ دوائے تلخ کے ہوں وہی انسان کو بیدار کر سکتے ہیں اور پھر جب قلب سے غفلت دور ہوجائے تب کتاب وسنت کا علم بھی اس پر کامل جلا کر سکتا ہے۔

لہٰذا قلب پر اسی قلعی سے عمدہ آنے کے لئے شیخ کامل بذریعہ تربیت و تزکیہ پہلے قلب سالک کو مصفیٰ اور اس سے میل کچیل صاف کرتا ہے بس بالکل یہی حیثیت ہے میرے اس طرز عمل کی جس کی حقیقت میں اسوقت بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اب غور فرمایئے گا تو ایک نئی بات کا علم ہونے کی وجہ سے قلب میں مسرت پایئے گا اور اس امر کے استحضار کے بعد مخلص اور طالب کیلئے میری اس پوچھ گچھ کی تلخی مبدل بہ لذت ہوجائیگی اور تحصیل علم کے ساتھ ساتھ اس مرتبہ کے مل جانے سے اسکی ترقی کا راستہ صاف اور سہل ہوجائیگا

ناقل عرض کرتا ہے کہ بلا شبہ ہم لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اسباب غفلت اختیار کئے ہوئے ہیں، بلکہ اپنی باطنی خرابی سے اسباب ذکر کو بھی ہم نے اسباب غفلت بنا رکھا ہے علم سے مستفید ہونے کیلئے ہم خود اپنے کو درست اور صالح نہیں بنا پا رہے ہیں تو شیخ کامل نے اپنے ذوق واجتہاد سے ہماری اس خامی کو دور کرنے کے لئے ایک اقرب طریق تجویز فرمایا ایسا کہ ہمکو پتہ بھی نہ چلے اور ہمارا کام بنتا چلا جائے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

حضرت والا کبھی کبھی آنے والوں سے یہ دریافت فرماتے تھے کہ آج میں نے مجلس میں کیا بیان کیا ہے۔ چنانچہ اسی نوع کے ایک سوال پر ایک سالک نے یہ لکھکر پیش کیا:۔

" آج حضرت والا نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اسکا حاصل یہ سمجھا ہوں کہ رسم اور ظاہرداری کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ لوگ بات کو سنتے اور زبان سے کہتے بھی ہیں لیکن اسکا مطلب نہیں سمجھتے مثلاً کسی کا یہ شعر مشہور ہے اور زبان زد خاص و عام ہے کہ ؎

پے نبردے ہیچکس در منزل حق الیقیں   تا نبودے ذات پاکش اندریں رہ مقتدا

(حق الیقین کی منزل تک پہونچنے میں کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکا جبتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے لئے اس راہ کے مقتدا نہیں ہو گئے ہیں)

اس شعر کو خوب لطف سے لے کر پڑھا جاتا ہے اور اسکا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ منزل حق الیقین تک پہنچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ضروری ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ پیروی کن امور میں کیجائے اور ان میں سب سے اہم کیا چیز ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ ہی کی زبان مبارک پر یہ اعلان فرمایا وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (جس شخص نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو خواہشات سے روکا تو جنت اسکا ٹھکانا ہو گا) چنانچہ سب سے زیادہ ترغیب و تحریض کتاب و سنت میں نفس ہی کے متعلق آئی ہے اور اسی طرح نصوص کی اتباع میں بزرگان دین نے اصلاح نفس کو اپنا موضوع بحث اور فنائے تام کو منتہائے مقصود قرار دیا ہے اور لوگوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کا سب سے بڑا مانع اور رہزن انسان کا نفس ہی ہے اور شرارت، دنارت، خست اور نقص اسکی ذاتی اوصاف ہیں لیکن وہ انھیں بالکل بھولا ہوا ہے اور ان سے آنکھ بند کر کے عارضی کمالات کی بنا پر خود کو مبدا خیرات سمجھے ہوئے ہے۔ چنانچہ مشائخ اسی امر کی سعی فرماتے ہیں کہ سالک اپنے عدمیت ذاتیہ پر مطلع ہو جائے اور اپنے صفات کو پرتو اور ظل سمجھے۔ اسی طرح سے یہ حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرے دوسروں کی فکر میں نہ پڑے

ابدأ بنفسك فانهها عن غيها   فاذا انتهت عنه فانت حكيم

(اپنی ذات سے تبلیغ شروع کرو یعنی اسکو برائیوں سے روکو اور جب وہ رک جائے گی تو اسوقت تم حکیم سمجھے جاؤ گے)

پس ایک سالک کیلئے ابتدار کار بھی اسکا نفس ہے یعنی یہ کہ اسکو رذائل سے نکالے اور انتہائے کار بھی اسکا نفس ہے کہ اس میں جو محاسن بظاہر پیدا ہو گئے ہیں ان کو حق تعالیٰ کی چیز سمجھکر انکی نسبت انھیں کی طرف کرے اور خود کو ان سے عاری جانے یہی اسکا کمال ہے۔ باقی یہ چیزیں ایسی ہیں اور لوگوں کی مناسبتیں ایسی کمزور ہوگئی ہیں کہ انکا سمجھنا اور سمجھانا اس زمانہ میں آسان نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی برکت سے نفس کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اسکے رذائل سے قلب کو پاک و صاف فرمائے۔ انتہی۔

اس تحریر کو ملاحظہ فرماکر حضرت والا نے فرمایا کہ ٹھیک ہے اسکو نقل کرا دو۔

ایک اور مولوی صاحب نے لکھا کہ :-

حال : معروض خدمت اینکہ بندہ بدفہم حضرت والا کی اصلاح کی حقیقت کو بھلا کیا سمجھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے لکھتا ہوں اللہ کرے حضرت والا کے منشار کے مطابق ہو جائے۔

تحقیق :- موافق ہوا فالحمد للہ علیٰ ذلک

حال :- الحمد للہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کما حقہ حضرت والا کی ذات مبارک سے ہو رہی ہے اور یہاں کا طرز بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے حضرت جس نہج پر اصلاح فرما رہے ہیں واقعی بالکل وہی درست اور نافع ہے۔ حضرت نے اصلاح کا مدار نفاق کو رکھا ہے اور بالکل صحیح ہے کہ عوام کیا خواص تک کے قلوب اس مرض نفاق کا شکار اور اس سے ملوث ہیں اور اسکی اصلاح ضروری ہے اسلئے کہ اسکی وجہ سے نہ دنیا میں فلاح ہوسکتی ہے نہ آخرت میں چین نصیب ہوسکتا ہے اسلئے کہ روزانہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ صوم و صلوٰۃ کے عادی ہیں مگر نفاق کی وجہ سے بالکل ترقی نہیں کرتے سالہا سال تک اسی گمراہی میں رہ جاتے ہیں چنانچہ حضرت سے سنا ہے کہ ایک دل ایسا بھی ہے جس میں نفاق بھی ہے اور ایمان بھی ہے۔ ایمان کی وجہ سے تو مسلمانوں جیسے اعمال ظاہر ہوتے ہیں نفاق میں رہنے کی وجہ سے منافقوں جیسے اقوال و افعال سرزد ہوتے ہیں اسلئے ہو سکتا ہے کہ نماز روزہ بھی کوئی شخص کرتا ہو اور نفاق بھی اسکے دل میں موجود ہو جو کہ اسکی ترقی کرنے سے

مانع ہو۔ الحمد اللہ حضرت اس کے متعلق بے انتہا باتیں بتاتے ہیں۔ حضرت سے ایک مرتبہ سنا کہ کوئی شخص نفاق چھوڑ کر دیکھ لے کہ دل میں کس قدر نور ہو جاتا ہے اگرچہ زیادہ وظائف وغیرہ کا پابند نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفاق کس قدر بری اور مہلک چیز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے متعلق بڑے شدومد سے دور تک بیان فرمایا ہے۔ بہر حال حضرت نے اسکو اختیار فرمایا ہے کہ آجکل مصلحین کو ضروری ہے کہ منافقین کی بری طرح گت بنا دیں اور انکو ذلیل کریں اور برائی اسکی ذہن نشین کریں۔ بغیر حضرت والا کا طرز اختیار کئے ہوئے نفاق کا سمجھانا اور اصلاح کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور جب تک نفاق رہے گا اسوقت تک آدمی ترقی نہیں کر سکتا اور جہنم کا ایندھن ہو جائے گا۔ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نفاق سے بچائیں اور اخلاص پیدا کر دیں۔ فقط۔

"حظ فرمایا آپ نے ان مولوی صاحب کو حضرت اقدس کی تعلیمات میں سے نفاق کی کرت کتنی اہم نظر آئی کہ شروع سے آخر تک اسی کا ذکر کیا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حضرت والا نے اسکا بیان ہی اس شدومد سے فرمایا تھا کہ لوگ لرزا ٹھے تھے اور طالبین کو اصلاح کی فکر پڑ گئی تھی، لیکن یہ حضرت اقدس ہی کا منصب تھا جو اس پر اتنا بول گئے۔ ہر شخص کے لئے منافقین کی گت بنانا، اسکو ذلیل کرنا اور اس سے یہ کہنا کہ تم نفاق ترک نہ کرو گے تو تم کو جہنم کا ایندھن بننا ہوگا آج آسان نہیں ہے۔ کوئی شخص بغرض اصلاح آج کسی کیلئے لفظ نفاق بول دے تو عجب نہیں کہ اسکے خلاف احتجاج شروع ہو جائے۔

امتحان تحریری کے سلسلہ میں چند سالکین کے جوابات نقل کئے جاتے ہیں جو حضرت والا کے طرز امتحان کے سمجھنے میں بھی معین ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ معلومات کا ذریعہ ہو کر ناظرین کیلئے موجب بصیرت بھی ہوگا۔ وھو ہذا۔

عرض ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم کے ارشادات سے جو کہ . . . . . صاحب

حال: کے ذریعہ سے معلوم ہوئے یہ سمجھ میں آیا کہ اس زمانہ میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ علوم دنیویہ میں انہماک اور کثرتِ اشغال کی بنا پر باطنی چیزوں سے غفلت ہو جاتی ہے اور یہی علوم

حجاب اکبر بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے سے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہئے تو چونکہ ہم لوگ بھی زیادہ تر پڑھنے لکھنے ہی میں رہتے ہیں اسلئے ہوسکتا ہے کہ باوجود یہاں رہنے کے اپنی اصلاح اخلاق ونفس سے غافل ہوکر علوم رسمی میں پھنسے رہجائیں اور قلبی دولت سے کورے رہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم جیسا مرشد نصیب فرمایا ہے کہ باوجود ان مشغولیتوں کے ایسے طریقہ سے اصلاح و تربیت فرماتے ہیں کہ الگ سے وقت بھی نہیں دینا ہوتا اور اصلاح بھی مسترشدین کی اکمل طریقہ پر ہوجاتی ہے

مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جتنی توجہ اپنے اخلاق اور قلب کی طرف اثنائے ذکر میں ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ حضرت والا کے استفسار سے ہوتی ہے۔ اور ایک آدمی ایک سوال سے کہاں سے کہاں تک پہونچ جاتا ہے اور کامل توجہ اپنی اصلاح کی طرف ہوجاتی ہے۔ بیشک حضرت والا کا جو منصب ہے یعنی تزکیہ وتربیت کا اس کا حق بدرجۂ اکمل ادا فرماتے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم جیسے لوگوں کی اصلاح وتربیت کے لئے یہی طریقہ عقلاً ونقلاً متعین ہے اور اسی کا نام تزکیہ ہے بغیر اسکے تعلیم محض کافی نہیں ہے۔

اور حضرت والا دامت برکاتہم جو بار بار استفسار فرماتے ہیں اسکی یہ بھی وجہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی کامل کے پاس رہے اور بظاہر تعلق رکھے مگر باطناً موافق نہ ہو اسکے قلب میں نفرت وکراہت اور بدعقیدگی ہو اور باطناً طریق اور اہل طریق کا مخالف ہو حضرت کو چونکہ تجربات ومشاہدات ہیں اسلئے ایسے لوگوں سے چوکنے رہتے ہیں کہ کوئی ایسا تو اس حلقہ میں داخل نہیں ہے جو کہ ظاہراً موافق ہو اور باطناً مخالف ہو اسلئے کہ اگر ایک بھی ایسا آدمی کہیں رہے گا تو خود تو خود دوسروں کو بھی بگاڑ دیگا اور خود چونکہ اپنے نفاق اور ظاہرداری کی بناء پر فیض وبرکت سے محروم رہتا ہے اس لئے دوسروں کو بہکانا ایسے لوگوں کا شیوہ ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے کام آگے بڑھنا کیا وہ جگہ ہی فاسد ہوجاتی ہے ایسے لوگوں پہچاننا اور تمیز ضروری ہے کہ یہ دل سے موافق ہے یا بدعقیدہ ہے یا خالی الذہن ہے۔

حضرت ایسے سوالات سے یہ بتلانا چاہتے ہیں اور یہ منشا ہوتا ہے کہ تم جب میرے پاس وہی رہے ہو تو دل سے رہو اگر باطنی فیض نہیں لے رہے ہو تو کم از کم نفرت اور بدعقیدگی نہ رکھو، اور جب کوئی ان سب چیزوں سے خالی ہوکر رہے گا تو انشاء اللہ کبھی بھی محروم نہیں رہ سکتا۔

الحمد للہ کہ حضرت والا تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ و تربیت بھی فرما رہے ہیں حضرت والا دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ تزکیہ فرما دیں اور نفس کو پاک و صاف فرما دیں اور اللہ تعالیٰ سے صحیح نسبت اور تعلق پیدا ہو جائے۔

(۲)

حال: حضرت والا کے طرز تعلیمات اور طرز اصلاح کا حسن اور اسکا جمال و کمال کیا عرض کیا جائے جو بات بھی ہوتی ہے عجیب ہوتی ہے

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

حضرت کا طرز برابر یہی رہا ہے کہ کلام بمقتضائے حال فرماتے ہیں جس چیز کو جس وقت مناسب خیال فرماتے ہیں بہتر طریقہ سے تعلیم فرماتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور حضورؐ کی خاص تائید حضرت والا کے ساتھ ہے اور وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ حضرت ہر حال میں کتاب و سنت کو سامنے رکھکر کام کرتے ہیں لہٰذا نافع ہوتا ہے۔ کتاب و سنت سے اخذ کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ ع۔ ہر ہوسناکے ندا ند جام و سنداں باختن۔

آج مسلمان جس دور سے گذر رہے ہیں انکو جن جن مصائب و آلام کا سامنا ہے انکا سمجھنا اور پھر انکی اصلاح یہ صرف حضرت ہی کا وصف امتیازی ہے کوئی دوسرا اسمیں شریک نہیں۔ دوسرا یہ بھی صحیح طور پر نہیں سمجھتا کہ یہ بلائیں اور یہ خرابیاں آخر کیوں ہیں؟ وہ تو اسکا واحد سبب غیر کو بتلاتے ہیں اور خود کو بے قصور قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بگاڑ اور خرابی خود انھیں کے ہاتھوں بلکہ ان کے خواص کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ ان کے یہاں تعلیمی اور اصلاحی ادارے بھی چل رہے ہیں لیکن پھر بھی خرابی جوں کی توں۔

(باقی آئندہ)

سلک صد وسی ودوم

حکی عن اللہ تعالیٰ قال فی بعض الکتب عبدی افعل ساعةً واحدةً اارید حتی افعل فی الابد ما ترید۔

عزیز من! کدام تجارت خواہد بود زیں بر نج ترکہ کسی بیک ساعت سعادت ابدی کسب کند اما کاسب ایں کسب لچا ساکنانِ ایں عالم دنیا طرفہ قومی اند خداوند را رزاق دانند و اعتماد بر کیسہ خود کنند و خود را بندہ دانند و کار آزاداں کنند در جہاں حرّیت است یا عبودیت؟ عبودیت بتعریف محتاج نیست بندگان دانند کہ بندگی چہ باشد بشنو کہ حرّیت چیست۔ قیل الحرّیۃ الاعراض عن الکل والاقبال علی من لہ الکل حسین منصور می گوید ہر بندہ کہ مقامات عبودیت را بکلی طی کند او را احرار خوانند ذلک مقام الانبیاء والصدیقین جنید را پرسیدند رحمہ اللہ اگر بر سالک از دنیا آں مقدار ماندہ باشد کہ مص حصاة کند او را حر گویند قال المکاتب عبد ما بقی علیہ درہم بندگی میگوید من

سلک ۱۳۲ (حریت کسے کہتے ہیں ؟)

بعض کتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ کیجانب سے یہ بات نقل کی گئی ہے (یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ) اے میرے بندے ایک گھڑی کے لئے تو وہ کام کرلے جو میں تجھ سے چاہتا ہوں تاکہ میں ہمیشہ ہمیش وہ کام کرتا رہوں جو تو چاہتا ہے۔ عزیز من! خود دیکھ لو کہ اب اس سے بڑھکر سودمند اور کونسی تجارت ہوگی کہ آدمی ایک ساعت کام کرکے سعادت ابدی حاصل کرلے۔ لیکن افسوس کہ اس کام کے کرنے والے نایاب ہیں۔ اس دنیا کے رہنے والے بھی عجیب قسم کے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو رزاق سمجھتے ہیں مگر اعتماد اپنی تھیلی پر اور اپنی جیب پر کرتے ہیں۔ اسی طرح سے اپنے کو خدا کا بندہ کہتے ہیں مگر کام ایسا کرتے ہیں جیسے آزاد اور خودسر لوگ کیا کرتے ہیں۔ (تم سے پوچھتا ہوں کہ) دنیا میں آدمی آزادی کیلئے آیا ہے یا کسی کا غلام بننے لئے۔ اور عبودیت تو محتاج تعریف نہیں ہے ہر غلام جانتا ہے کہ بندگی کسے کہتے ہیں اسلئے اب صرف یہ جانو کہ حریّت کسے کہتے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ حریت نام ہے اسکا کہ آدمی سب چیز سے اعراض کرکے اس ذات کیجانب متوجہ ہو جائے جسکا سب کچھ ہے (حریّت تصوف کی ایک اصطلاح بھی ہے یہ اسی حریت کی تعریف ہے) حسین منصور کہتے ہیں کہ ہر وہ بندہ جو کہ مقامات عبودیت کو کلی طور پر طے کرے اسکو حر کہتے ہیں اور یہ انبیاء اور صدیقین کا مقام ہے حضرت جنیدؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر کسی سالک کے پاس دنیا صرف اتنی مقدار میں موجود ہو کہ وہ کنکر کا شوربا بناکر اسکو صرف ہڈی کی طرح چوسے تو اسکو حر کہیں گے کہ نہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ فقہ کا مسئلہ تو ہے کہ مکاتب (جسے آزادی کیلئے اپنی قیمت مالک کو ادا کردینا لازم ہوتا ہے) غلام ہی

ان فی الدنیا حرۃً من الدنیا فھو فی الآخرۃ حرۃٌ من الجنۃ عزیزمن! کسی کہ طریق عبودیت را کما حقہ سلوک داشت حرِّ حقیقی ہمو است قال الحسن من اراد الحریۃ فلیصل العبودیۃ اندر آنچہ زلیخا از عشق یوسفؑ ضعیف و نحیف و بی جمال و کمال شدہ روزی بر رہگذر یوسفؑ نشستہ بود دبدبۂ یوسف بر آمد زلیخا چوں دبدبہ معاینہ کرد دور باش آہ از دود با دخانہ جگر برکشیدن گرفت و گفت آری تقوی از انہا است کہ عبید را احرار کنند و ہوائی نفس از انہا است کہ احرار را عبید گردانیدند ای برادر! ترا از برای بندگی آفریدہ اند تو بستم دعوی خواجگی می کنی کی راست آید بشنو بشنو! روزی بشر حافی پیش در خانہ می گذشت دراں غوغای شنید پرسید در خانہ چہ می شود گفتند خصم این خانہ شراب می خورد و در بزد کنیزکی بروں آمد پرسید خصم ایں خانہ بندہ است و یا حر؟ گفت حر، گفت راست می گوئی اگر او بندہ بودی کار بندگاں کردی۔ قطعہ

رہتا ہے جب تک اسکے ذمہ ایک بھی درہم باقی رہ جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جو شخص دنیا میں دنیا سے حُر ہوگا (یعنی بے نیاز و لاپروا) وہ آخرت میں بھی جنت سے حر ہوگا۔ عزیزمن! جس شخص نے کہ عبودیت کا طریق طے کیا حقیقۃً حر وہی شخص ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص حریت کا مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکو چاہیئے کہ عبودیت کی راہ چلے اور اس سے رشتہ جوڑے۔ دیکھو زلیخا جب یوسفؑ کے عشق کیوجہ سے بالکل ضعیف و نحیف اور جمال و کمال سے بالکل عاری ہوگئیں تو ایکدن یوسفؑ کی رہگذر میں جا بیٹھیں یوسفؑ کی سواری شاہی تزک و احتشام کے ساتھ نکلی زلیخا نے جب انکا دبدبہ اور ایسی شان و شوکت دیکھی تو پیچھے ہٹ گئیں اور اپنے دھواں نکالنے والے دل سے ایک آہ کھینچی اور کہا کہ ہائے افسوس! سچ ہے تقویٰ ہے ہی ایسی چیز کہ غلاموں کو احرار (بادشاہ و آزاد) بنا دے اور ہوائے نفس ایسی لعنت ہو کہ احرار کو بھی غلام بنا ڈالے (مطلب یہ کہ انکا یہ حال انکے تقویٰ کا صلہ ہے اور میری یہ ذلت میری نفسانی خواہش کا نتیجہ ہے)۔ بھائی میرے! تمکو بندگی کیلئے پیدا کیا گیا ہے تم ناحق خواجگی (بادشاہ اور آزاد) ہونے کا دم بھرتے ہو۔ یہ بھلا تمھارے لئے کب زیبا ہے۔ سنو سنو! ایک دن حضرت بشر حافی ایک گھر کے سامنے سے گذر رہے تھے کہ اسکے اندر سے شور سنائی دیا دریافت فرمایا کہ یہ اس گھر میں شور کیسا ہو رہا ہے لوگوں نے عرض کیا کہ گھر والا شرابی ہے شراب کے نشہ میں ہے آپنے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے ایک باندی نکلی آپنے اس سے دریافت کیا کہ اس گھر کا مالک غلام ہے یا آقا (آزاد) ہے اس نے کہا کہ حر ہے فرمایا تو ٹھیک کہتی ہے بس بس یہی بات ہے اگر وہ بندہ ہوتا تو بندوں جیسا کام کرتا (اور خدا کا جو بندہ ہو وہ شراب کیسے پی سکتا ہے)۔

ترجمہ قطعہ

نخشبی ہمچو بندگاں می باش
ورنہ آفاق بر تو خندہ کند
کار احرار کار احرار است
بندہ باید کہ کار بندہ کند

(اے نخشبی تم تو بس غلاموں کی طرح سے رہو ورنہ سمجھ لوکہ اس شرابی کی طرح) مخلوق تم پر ہنسے گی۔ باقی یہ صحیح ہے کہ آزاد بندا موروں کی ادائیگی احرار ہی کا کام ہے غلاموں کو تو بندوں کا سا کام (یعنی بندگی) ہی کرنی چاہیئے۔

سلک صد و سی و سوم

اہل فکرت کہ از تفکر دور اندیش امور عالم علوی و سفلی معلوم و مفہوم ایشان است چنیں گویند کہ تفکر بدرجہ از عبادت بالا تر است بنا بر آنکہ در بہشت از مومناں عبادت منقطع خواہد شد اما تفکر نہ و ما کان علی الدوام فہو اصل مثل التوحید والمعرفۃ و فکرت بر پنج وجہ است فکرۃ فی آیات اللہ تعالیٰ یتولد منہا المعرفۃ و فی آلاء اللہ تعالیٰ یتولد منہا المحبۃ و فکرۃ فی وعد اللہ تعالیٰ یتولد منہا الرغبۃ و فکرۃ فی وعید اللہ تعالیٰ یتولد منہا الرہبۃ و فکرۃ فی جفاء النفوس یتولد منہا الحیاء عزیز من تفکر در خلق جایز است اما در خالق نہ اگر کسی خواہد ہمہ وقت سنی ماند باید کہ پیوستہ در اندیشہ اثبات عبودیت

سلک ۱۳۳ (فضیلت تفکر)

(جو حضرات کہ اہل فکر ہیں اور اسی تفکر کرتے رہنے کی وجہ سے یہ لوگ دُور اندیش بھی ہو جاتے ہیں چنانچہ آسمان و زمین کی بہت سی باتیں یہ حضرات سمجھ لیتے ہیں اور وہ انکو معلوم رہتی ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ تفکر عبادت سے بڑھی ہوئی چیز ہے اسلئے کہ جنت میں مومنین سے عبادت تو ساقط ہو جائیگی لیکن تفکر وہاں بھی باقی رہیگا اور جس چیز میں دوام کی شان ہو تو سمجھو کہ یہی اصل چیز ہے جیسے توحید اور معرفت (کہ یہ کسی وقت بھی انسان سے ساقط نہیں ہوتی رہی عبادت تو وہ عذر سے ساقط ہو جاتی ہے) (پھر یہ سمجھو کہ فکر کی پانچ قسمیں ہیں، ایک فکر فی آیات اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات میں تفکر کرنا اس سے معرفت پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم) فکر فی آلاء اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرنا اس سے محبت پیدا ہوتی ہو (تیسری قسم) فکر فی وعد اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں فکر کرنا اس سے آخرت کی جانب رغبت اور شوق پیدا ہوتا ہے اور چوتھی قسم، فکر فی وعید اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی وعیدوں اور دھمکیوں سزاؤں میں تفکر کرنا ہو اس سے خوف پیدا ہوتا ہے (پانچویں قسم) اپنے نفوس کی کوتاہیوں اور خامیوں میں فکر کرنا یعنی یہ کہ جب ادھر سے ایسے گناہ و ہیم اُدھر سے دمبدم عنایت) اس سے حیاء پیدا ہوتی ہے۔ عزیز من! یہ تفکر مخلوقات میں تو جائز ہے (چنانچہ یتفکرون فی خلق السموات والارض نص ہی ہے) لیکن

باشد نہ در اندیشۂ اثبات ربوبیت
بشنو بشنو! چنیں گویند وقتی مولانا
فخر الدین رازیؒ در سفری از اسفار خویش
در جوار زالی فرود آمد زال رستم معرکہ معرفت
بود چوں غوغای او بشنید یکی از مریدان
خود را گفت برو سلام من ایں بزرگ را
برساں و بگو تو خدا تعالیٰ را شناختی و یانہ
ہنوز چوں مرید آں پیغام درست بمولانا
نہ رسانیدہ بود کہ مولانا تبسم کرد و گفت
برو او را بگوی با من کہ چندیں کتاب
در اثبات وحدانیت خدای نبشتہ ام
تو مرا چگونہ میگوئی کہ خدای را شناختی
و یا نہ ہنوز چوں ایں سخن بزال نرسیدہ بود
گفت برو او را بگوی من نمی گویم کہ خدای
را نشناختہ، چہ گوئی پیش ازاں کہ تو چندیں
کتاب در اثبات وحدانیۃ او نوشتہ
بودی وحدنیت او ثابت نہ بود از
برای ایں ہم قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ بسندہ است
برو بکاری بہتر ازیں مشغول شو۔ قطعہ

نخشبی سرّ وحدتش کہ رسد
چہ سہا در میان مہ گوید
مشرک از سرّ وحدتش پرسد
وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید

ذاتِ خالق میں جائز نہیں ہے پس اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے تمام اوقات کو یادِ خدا کے رہن رکھے تو اسکو چاہیئے کہ اثبات عبودیت میں غور و فکر رکھے یعنی یہ کہ اس نے حق بندگی کیا ادا کیا۔ ربوبیۃ کے اثبات یعنی اسکی ذات کے تفکر میں نہ پڑے۔ سنو سنو! لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایکمرتبہ مولانا امام فخر الدین رازیؒ اپنے کسی سفر میں ایک بوڑھیا کے پڑوس میں ٹھیرے وہ زال کیا تھی معرکہ معرفت کی گویا رستم تھی جب اسنے امام رازی کی آمد آمد کا شور سنا تو اپنے خدام میں سے ایک سے کہا جاؤ یہ بزرگ جو آئے ہیں ان سے میرا سلام کہو اور یہ دریافت کرو کہ آپ اللہ تعالےٰ کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ ابھی اس خادم نے پوری بات بھی امام سے نہ کہی تھی کہ مولانا ہنسے اور فرمایا کہ جاؤ اور بڑی بی سے کہو کہ ارے میں نے تو فلاں فلاں کتاب خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے اثبات میں لکھدی ہیں آپ مجھ ہی سے فرما رہی ہیں کہ خدا کو پہچانتے ہو یا نہیں۔ ابھی یہ بات (بذریعۂ قاصد) اس بڑھیا تک نہ پہونچی تھی (معلوم ہوتا ہے بوجہ قرب کے ایک دوسرے کی گفتگو براہِ راست بھی سنی جا سکتی تھی اسلئے) اس نے کہا کہ جاؤ مولانا سے عرض کرو کہ حضرت میرا مطلب اس سے یہ نہیں تھا کہ آپنے خدا کو پہچانا نہیں بلکہ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ ان موٹی موٹی کتابوں کی تصنیف سے پہلے کیا اللہ تعالےٰ کی وحدانیت ثابت نہ تھی؟ اور دنیا میں کوئی خدا کو پہچانتا نہ تھا (پھر یہ فعل عبث کیا؟) ارے اس مقصد کیلئے تو "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے، یہی کافی ہے مزید کسی دلیل کی حاجت ہی نہیں ہے لہٰذا تشریف لیجایئے اور اس سے بہتر اور اہم کسی مشغلہ میں لگیئے۔

"اے نخشبی اللہ تعالیٰ کی وحدت کی حقیقت کو کون پہونچ سکا ہے سُہا (ایک چھوٹے تارے کا نام ہے) وہ بھلا چاند کے بارے میں کیا لب کشائی کر سکتا ہے۔ کوئی مشرک اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں تم سے سوال کرے اور اسکی تحقیق چاہے تو آخر کار اسکو "اللہ وحدہٗ لا شریک ہے" یہی کہنا پڑے گا۔

سلک صد و سی و چہارم

کلہ داران دار الملک فقر چنیں گویند کلاہی کہ درویشان برسر نہند بر دو نوع ست یکی را لاطیہ گویند و دوم را ناشزہ خوانند لاطیہ کلاہی باشد کہ با سر متصل باشد و ناشزہ کلاہی باشد کہ از سر قدری بلند تر بود و تاجدار لولاک صلی اللہ علیہ و علی آلہ وسلم کلاہ لاطیہ بر سر نہادہ است نہ ناشزہ۔ اہل ترک کہ کلاہ چہار ترکی ایشاں از ترک الدنیا راس عبادۃ مرکب ست چنیں گویند از کسی چیزی نباید خواست و بر خود ہم چیزے نباید داشت تا دیگری از و نخواہد و وقت او را ہما نقدر او مشغول ندارد ہم ایشاں گویند الدنیا سوق المسافرین فلیس للعاقل ان یشتری منہا فوق الکفاف و نزدیک بعضی از ترک نہ ہمیں ترک درم و دینار مرادست بلکہ از ترک ہر چہ غیر از خداست ترک آں مرادست ای برادر زنہار ترا ایں وہم زحمت ندہد کہ اگر من ترک ہمہ عالم

سلک ۱۳۴ (زہد یعنی ترک دنیا کسے کہتے ہیں)

وہ حضرات جو کہ اپنے سر پہ مملکت فقر کا تاج رکھتے ہیں یوں فرماتے ہیں کہ جو کلاہ درویش لوگ اپنے سر پہ رکھتے ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہے ایک کا نام لاطیہ ہوتا ہے اور دوسری کا ناشزہ۔ لاطیہ اس ٹوپی کو کہتے ہیں جو کہ سر سے چپکی ہوئی ہو اور ناشزہ اسکو کہتے ہیں جو سر سے قدرے بلند ہو اور تاجدار لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک پر کلاہ لاطیہ ہی استعمال فرمائی ہے ناشزہ نہیں پہنی۔ یہ اہل زہد کہ جنکی چہار گوشہ کی ٹوپی ان چار لفظوں یعنی ترک[1] الدنیا[2] راس[3] العبادۃ[4] کی جانب مشعر ہو کر گویا ان ہی سے مرکب ہے (یہ حضرات) یوں فرماتے ہیں کہ کسی سے کوئی چیز مانگنا نہیں چاہیئے اسی طرح سے اپنے پاس بھی کچھ نہ رکھنا چاہیئے کہ دوسروں کو اس سے مانگنے کا موقع ملے۔ اور مال نہ ہوگا تو اسکا اتنا وقت بھی مشغولی سے بچا رہے گا۔ نیز انھیں حضرات کا کہنا ہے کہ دنیا تو مسافروں کا بازار ہے لہٰذا عاقل کو نہیں چاہیئے کہ سفر میں ضرورت سے زائد سامان خرید کر اپنا بوجھ زیادہ کر لے۔ اور بہت سے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ترک دنیا سے مراد صرف روپیہ پیسہ ہی کا ترک نہیں ہے بلکہ اس سے ماسوی اللہ کا ترک مراد ہے۔ اے بھائی دیکھو خبردار کبھی تمھارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آنی چاہیئے کہ اگر ہم دنیا کی سب چیزوں کو ترک کر دیں گے تو ساری دنیا بھی ہمیں چھوڑ دیگی (اور پھر ظاہر ہے کہ ہم پریشانی میں پڑ جادیں گے ایسا ہوگا نہیں کیونکہ) جو شخص محض

ہرم ہمہ عالم ترک من گیرد ہر کہ از برائے خدا
ترک خلق گیرد خلق ہرگز ترک او نہ گیرد۔
بشنو بشنو! بزرگی می گوید، بیابانے
شبانی را دیدم کہ نماز می گزارد و گرگ
گوسفنداں او را نگاہ میداشت گفتم گرگ
با گوسفند کی باز صلح کرد گفت لما صلح
الراعی مع الرب صلح الذئب مع الغنم

قطعہ۔

تخشی گر بیا ز پیشۂ خود
تا جہاں در خندۂ تو بود
گر تو در بندگی نکو باشی
ہمہ آفاق بندۂ تو بود

اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق کو ترک کرتا ہے تو مخلوق اس کو کبھی ترک نہیں کیا کرتی (بلکہ اسکی اور گرویدہ ہو جاتی ہے) سنو سنو! ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک جنگل میں ایک جوان کو میں نے دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور اسکی بھیڑ بکریوں کی نگرانی ایک بھیڑیا کر رہا ہے، میں نے کہا کہ ارے واہ یہ بکریوں اور بھیڑیے میں صلح کب سے ہوگئی؟ اس جوان نے کہا کہ جب سے چرواہے نے اپنے مالک حقیقی سے صلح کر لی ہے تو بھیڑیے نے بھی اسکی بکریوں سے صلح کر لی ہے

"اے تخشی اپنا پیشہ (اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت میں) ہنس رونے کو بناؤ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام دنیا تمھاری ہنسی کے سایے میں زندگی گزارے گی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی بندگی میں نیک اور مخلص ہو جاؤ تو دیکھو گے کہ سارا عالم تمھارا زر خرید غلام بن جائیگا۔

سلک صد و سی و پنجم

شیران بیشۂ تجربہ گویند قاعدہ است کہ سگ در وقت رفتن در چپ و راست بسیار نگرد اما شیر در راہ سر افگندہ رود و نظر در چپ و راست نکند امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کہ شیر بیشۂ دین بود ہر وقت کہ در مسجد در آمدی سر فرو افگندہ و پشت دوتا کردہ آمدی وقتی او را یکی پرسید تو کہ بر پشت

سلک ۱۳۵ (خشیت خداوندی)

تجربہ کے جنگل کے جو حضرات کہ شیر گذرے ہیں وہ یہ فرماتے ہیں کہ دیکھو دستور ہے کہ کتا چلتے وقت اپنے داہنے بائیں (یعنی ادھر ادھر) دیکھتا ہی رہتا ہے لیکن شیر اپنا سر جھکائے ہوئے بغیر داہنے بائیں التفات کئے سیدھا گذرجاتا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو کہ بیشۂ دین کے ایک شیر ہی تھے جس وقت مسجد تشریف لاتے تھے تو سر کو جھکائے ہوئے اور پشت کو دوہری کیے ہوئے آتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کی پیٹھ پر کچھ بوجھ تو ہوتا نہیں

ہیچ باری نداری پشت دوتو کردہ چرا
می آئی گفت کدام بار ازاں گراں تر
کہ از حمل آں آسمان و زمین و جبال
ابا کردہ اند و ما تحمل کردہ وحملہا الانسان
الآیۃ آری تبختر نشان مخنثاں راہ دین
است نہ علامۃ مردان راہ یقین وقتی
عبداللہ مرزوق را در مکہ دیدند گفتند
اراکبا جئت ام راجلا گفت ما حق العبد
العاصی الہارب ان یرجع الی باب
مولاہ راکبا لو امکننی لجئت علی راسی
عزیز من! اگر کسی خواہد کہ قدم
دریں راہ نہد اینک چنیں نہد کہ ایں
جواں مردان دیں نہادہ اند و ایں
قاعدہ مسلم نشود تا کسی خانۂ دل را
از محبت دنیا و تمتع او بکلی خالی نکرداند
ای درویش! ابلیس از دوستی دنیا
بہشت بادداد و تو دل از دوستی دنیا
کندہ و خالی نکردہ میخواہی در بہشت
روی کی راست آید آدم علیہ السلام
در بہشت گناہ کرد در دنیا بگریست
و تو در دنیا گناہ میکنی نمی گریی مگر در بہشت
خواہی گریست ہیچ معلوم نیست کہ
کہ بر کدام عملی تکیہ کردہ کہ ایں ہمہ

پھر یہ آپ جھکے جھکے کیوں چلتے ہیں فرمایا کہ اسے بھائی اس سے بڑھکر
اور کون سا بوجھ ہوگا جس کے اٹھانے سے آسمان زمین اور پہاڑ نے
انکار کر دیا اور ہم نے اسکو اٹھایا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وحملہا الانسان)
ہاں بھائی غرور و تکبر کی راہ چلنا ان لوگوں کا کام ہے جو کہ دین
کے مخنث ہیں نہ کہ مردانِ یقین کا طریقہ۔ ایک مرتبہ عبداللہ مرزوق
کو لوگوں نے مکہ شریف میں دیکھا (دستور زمانہ کے مطابق) پوچھ
پڑے کہ حضرت کس طرح تشریف لانا ہوا سواری سے یا (قافلہ کے
ساتھ) پیدل؟ انھوں نے فرمایا کہ بھائی ایک غلام عاصی بھگوڑے
کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے مالک کے در تک سوار ہو کر آئے
اگر ممکن ہوتا تو میں تو سر کے بل آتا۔ عزیز من سنو! اگر کوئی شخص
چاہتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھے تو چاہیئے کہ ایسا تو رکھے جیسا کہ
ان مردان خدا نے رکھا تھا لیکن ایسا اسوقت تک ممکن نہیں ہوسکتا جبتک
کہ کوئی شخص دنیا کی محبت سے اور اس کے ساتھ نفع اٹھانے سے
خود کو بالکلیہ خالی نہ کرلے۔ اسے درویش دیکھ شیطان نے دنیا کی
دوستی (اور محبت) ہی کی وجہ سے جنت کو کھو دیا اور تم نے دنیا
کی محبت سے اپنے دل کو خالی نہیں کیا ہے اور چاہتے ہو کہ
جنت تمکو مل جائے بھلا ایسا کیونکر ممکن ہے۔ آدم علیہ السلام
سے جنت میں خلاف منشاء الٰہی کام ہوگیا تھا دنیا میں آکر انھیں
رونا پڑا اور تم دنیا میں گناہ کر رہے ہو اور تمکو یہاں رونا نہیں آتا
تو سمجھ لو کہ اگر یہاں نہیں روؤگے تو آخرت میں تمکو رونا پڑے گا۔
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو اپنے کس عمل پر ناز اور تکیہ ہے۔
کہ اسکی وجہ سے تم مغفرت کی امید لگائے بیٹھے ہو؟ ارے
سعادت کی علامت تو یہ ہے کہ طاعت کریں اور خدا سے

امید مغفرت داری علامت سعادت آنست کہ طاعت کند و بترسند سیئے خواہ آمرزیدہ یا نہ و علامت شقاوت آنست کہ معصیت کند و امید دارند کہ عاقبت خواہد بخشید۔ بشنو بشنو! بایزید قدس اللہ سرہ العزیز ہر بار کہ سلام نماز بدادی ہر دو دست بر روی نہادی گفتند ایں چیست گفت می ترسم نباید کہ ایں نماز من بر روی من باز زنند ای درویش! مردان کارہا چنیں کردہ اند و خود را ہمہ وقت در نظر خود و نظر خلق خوار داشتہ اند۔ قطعہ

نخشبی عز خلق چیزے نیست
حال معلوم از تمیز شود
ہرکہ نزدیک خلق خوار زید
نزد خالق ہمو عزیز شود

ڈریں یعنی یہ کہ خدا معلوم بخشش بھی ہوگی یا نہیں۔ اور شقاوت کی علامت یہ ہے کہ لوگ گناہ کریں اور امید لگا ئے بیٹھے رہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی۔ سنو سنو! حضرت بایزید قدس اللہ سرہ العزیز جب جب نماز پڑھکر سلام پھیرتے تھے تو فوراً اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرہ پر رکھ لیتے تھے (یعنی منہ ڈھانک لیتے تھے) لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا ہے (آپ ایسا کیوں کرتے ہیں) فرمایا کہ بھائی! ڈرتا ہوں کہ ایسا نہو کہ یہ نماز جو پڑھی ہے (مقبول نہونے کی وجہ سے) الٹی میرے منہ پر ماردی جائے۔ اسے فقیری کا دم بھرنے والے دیکھ! اللہ والوں نے ایسا کام کیا ہے اور خود کو ہمہ وقت اپنی نظر میں اور مخلوق کی نگاہ میں ذلیل و خوار رکھا ہے (تب کوئی مرتبہ پایا ہے) ؎

"اے نخشبی مخلوقات کا عزت کرنا اور ماننا یہ کچھ نہیں ہے سکہ کا کھرا ہونا پرکھ سے معلوم ہوتا ہے۔ جس شخص نے مخلوق کی نظروں سے خود کو گرا لیا تو سمجھو کہ خالق کی نظروں میں وہی مقبول ہے۔

سلک صد و سی و ششم

سلک ۱۳۶ (عاجزی اور مسکنت کلید کامیابی ہے)

ائمہ حقیقت گویند بندہ چنانچہ باقوال بندہ است می باید کہ بافعال ہم بندہ باشد۔

جو حضرات کہ حقیقت کے امام ہیں انکا کہنا ہے کہ انسان جس طرح سے زبان سے اپنے کو بندہ کہتا ہے تو چاہیئے کہ وہ از روئے افعال بھی بندہ ہو جائے۔

پ لوگ بھی دنیا کی جوتیاں اس طرح سلوا رہے ہیں کہ آپ کا دین برباد ہو رہا ہے اب ان پر فرض ہے
۔ وہ آپکو منع کریں تو یہ منع کرنا بے وجہ نہو گا سہ

اگر بینم کہ نابینا و چاہ ہست اگر خاموش بنشیم گنا ہست

(اگر میں یہ دیکھوں کہ کوئی اندھا جارہا ہے اور سامنے کنواں ہے تو اگر میں اسوقت خاموشی اختیار کروں تو گناہ کی بات ہوگی)

غرض علما کی نسبت یہ تجویز کرنا کہ وہ دنیا کی ترغیب دیں غلط ہے اور مبنیٰ اسکا یہ ہے کہ سلف کو اپنی طرح معاش و معاد کا جامع سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے بتائیے کسی نبی نے کسی ریفامر نے کہیں دنیا کے حاصل کرنے کے طریقے لکھے ہیں؟ ایک جگہ بھی نہیں البتہ اخلاق، اعمال معاشرت پر گفتگو کی ہے۔ یہ کسی نے نہیں بتلایا کہ یوں ہل چلتا ہے اور اسطرح بویا جاتا ہے انبیاء اور سلف کا کام یہ نہ تھا ہاں معاش کا وہ حصہ جو مضر معاد ہو اسکو بتلا کر منع فرما دیا ہے اور اسمیں گفتگو کرنا ایسا ہے جیسے طبیب کسی مریض کو گوشت کھانے سے منع کرے۔ تو حکیم کا کام بحالت ضرر منع کرنے کا تو ہے لیکن گوشت پکانے کا طریقہ بتلانا یہ حکیم کا کام نہیں۔ پس معاش کے متعلق انبیاء کی جو گفتگو ہے وہ یہ ہے کہ نافع کو مجملاً بتا دیا اور مضر کو منع کر دیا۔ غرض انبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کے کے لئے اسکی رعایت کی ہے کہ دینی نفع انکو زیادہ پہنچے اور دنیاوی نفع کے واسطے جو رعایت رکھی ہے اس سے ان حضرات کا مذاق معلوم ہوتا ہے ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی اے اللہ میرے اہل بلد کو ثمرات دے مگر سب کو نہیں بلکہ اہل ایمان کو، تو فرمانبردار اولاد کے لئے دعاء کی اس سے اندازہ کیجئے کہ انکی نظر میں دین کس قدر عزیز ہے کہ باغی کے لئے دعاء بھی گوارا نہیں اگرچہ خداوند تعالیٰ نے تخصیص نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا یعنی کچھ دنوں کے لئے کفار کو بھی دنیا میں عیش دونگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو عام فرمایا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوجہ کفار کے باغی ہونے کے انکے لئے دعاء نہیں فرمائی اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے مذاق کا پتہ چلتا ہے۔ یہ اہل اللہ کا ذوق ہے اور ہونا چاہیئے کہ باغیوں پر کچھ رحم نہ کریں نہ انکے لئے دعاء کریں اور خدا تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول نقل فرما کر چونکہ کفار کیلئے دعاء کرنے کا حکم نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ وہ ذوق مقبول ہے۔ تو یہی مذاق ہونا چاہیئے مطیعین کیلئے دعاء کریں اور باغیوں کو خدا کے ... کریں۔

(۱۱۹) ذم قلتِ اہتمامِ دین ومعنیٰ دیندار

مقصود یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی ہے اسکا مضمون قابل غور ہے اور اسوقت اسکا بیان کرنا مناسب معلوم ہوا چونکہ ہم میں اسوقت ایک بہت بڑا مرض اور بحیثیت مسلمان ہونے کے وہی اصلی مرض ہے پیدا ہوگیا ہے یعنی قلتِ اہتمام دین اور یہ وہ مرض ہے کہ اسکی بدولت آج ہم مسلمان کہلانے کے قابل نہیں رہے اسکی بدولت اکثر حصہ دین کا ہم سے نکل گیا دیکھو مالدار وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس کافی سے بھی کچھ زیادہ مال ہو اور جس کے پاس دو چار پیسے ہوں وہ مالدار نہیں کہلاتا ورنہ چاہیئے کہ ساری دنیا مالدار کہلانے لگے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دو قسمیں کہلائی جاتی ہیں ایک امیر ایک غریب۔ تو جیسے مالدار وہ شخص ہے کہ جس کے پاس وافر روپیہ ہو اسی طرح ایمان دار بھی وہی ہے جو عقائد اور اعمال وغیرہ میں پوری طرح شریعت کا متبع ہو۔

(۱۲۰) حدیث "من قال لا الہ الا اللہ الخ" کے فہم میں بعض لوگوں کی ایک غلطی اور اسکا ازالہ

اور یہ ایمان کچھ ایمان نہیں ہے جسکو اکثر لوگوں نے من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ سے سمجھ رکھا ہے اگرچہ یہ کلمہ واقع میں صحیح ہے لیکن اسوقت اسکو پیش کرکے جو مقصود ثابت کیا جاتا ہے اسکے اعتبار سے کلمۃ حق ارید بہا الباطل (یعنی ایک حق لفظ بول کر اسکے غلط معنی مراد لینا) کہا جا سکتا ہے تو پہلی غلطی تو یہ ہے کہ اعمال کو ناقابل شمار سمجھتے ہیں دوسری غلطی یہ ہے کہ خود ایمان کے کلمے میں بھی اختصار کیا ہے یعنی بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ محمد رسول اللہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں (نعوذ باللہ) میں نے خود یہ تقریریں چھپی ہوئی دیکھی ہیں کہ رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے اور میں نے حدیث سے ضرورت رسالت پر استدلال کیا ہے مجھ سے ایک سفر میں اسکے متعلق ایک صاحب نے دریافت کیا کہ وہ بھی اس مرض میں مبتلا تھے میں نے کہا آپ یہ بتلائیے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یٰسین پڑھتا ہوں تو اس یٰسین پڑھنے کے کیا معنی ہیں آیا یہ کہ صرف یہ کلمہ پڑھتا ہوں یٰسین یٰسین یا یہ کہ ساری سورت پڑھتا ہوں

کہنے لگے لیس پڑھنے کے معنی ساری سورت پڑھنے کے ہیں میں نے کہا کہ اسی طرح لا الہ الا اللہ پڑھنے کے معنی سارا کلمہ پڑھنے کے ہیں دلالت کے لئے صرف جزو کا اطلاق کافی ہے دوسرے جزو پر بوجہ ملازمت خود دلالت ہو جائیگی۔ ان لوگوں کے لا الہ الا اللہ پڑھنے کے معنی سمجھنے پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا:۔

حکایت:۔ ایک طالب علم نے میرے پاس خط بھیجا کہ مجھکو فلاں تردد ہے اسکے لئے کوئی دعا بتلا دیجئے میں نے کہا کہ لا حول پڑھا کرو چند روز کے بعد مجھ سے ملے اور پھر شکایت کی میں نے پوچھا اس سے قبل میں نے کیا بتلایا تھا کہنے لگے کہ لا حول پڑھنے کو بتلایا تھا سو میں پڑھتا ہوں اتفاقاً میں نے یہ سوال کیا کہ کس طرح پڑھا کرتے ہو کہنے کہ یوں کہتا ہوں لا حول، لا حول، لا حول وغیرہ تو جیسے یہ بزرگ لا حول پڑھنے کے یہی معنی سمجھے کہ صرف لفظ لا حول کو پڑھ لیا جائے حالانکہ یہ پورے کلمہ کا لقب ہے اسی طرح ان لوگوں نے بھی لا الہ الا اللہ سے صرف اتنا ہی جملہ سمجھا حالانکہ لا الہ الا اللہ سے وہی مراد ہے جس کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی ہو۔ لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ نیز دوسرے دلائل پر بھی تو نظر ہونی چاہیئے۔ مشکوٰۃ میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث میں ہے شہادۃ ان لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ وان محمدا رَّسولُ اللہ۔ تو اس انہماک فی الدنیا کے سبب سے اس قسم کی غلطیاں کر رہے ہیں پس اسکا علاج یہ ہے کہ دین کیطرف توجہ کریں اور علوم وغیرہ حاصل کریں۔

حکایت: اسی خیال کے ایک اور صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ رسالت کے اقرار کی ضرورت نہیں ہے صرف توحید کا اقرار نجات کیلئے کافی ہے۔ میں نے کہا اول تو دلائل عقلیہ ونقلیہ جو رسالت کے ضروری ہونے پر قائم ہیں وہ تمھارے مکذب ہیں دوسرے رسالت کا انکار کرنے سے خدا کی خدائی کا بھی انکار ہو جاتا ہے اسواسطے کہ خدا تعالیٰ کے ماننے کے یہ معنی نہیں کہ انکو صرف موجود مان لیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ انکو کمال ذات وصفات میں یکتا سمجھے کیونکہ یہ مسئلہ اجماعیہ ہے کہ اگر ذات کا قائل ہو لیکن صفات کا قائل نہو تو وہ کافر ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کو بادشاہ تو مانے لیکن اسکے اختیارات شاہی نہ مانے تو کیا ایسے شخص کی نسبت یہ کہا جائیگا کہ اس نے بادشاہ کو مانا کبھی نہیں، تو خدا تعالیٰ کے ماننے اور توحید کے مقر ہونے کے معنی یہی ہیں کہ ہر صفت کمال کے ساتھ علی وجہ الکمال اتصاف سمجھے۔ کہنے لگے کہ بیشک یہ تو ضروری ہے۔ میں نے کہا صفات کمال

میں سے ایک صفت صدق بھی ہے اسکے ساتھ بھی متصف ماننا ضروری ہے ہوگا کہنے لگے کہ ہاں ضروری ہوگا میں نے کہا کہ قرآن شریف میں موجود ہے محمد رسول اللہ پس اسکا ماننا ضروری ہوا اور جو اسکو نہ مانے گا وہ موحد بھی نہ ہوگا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے صدق کو نہ مانا جسکا ماننا ضروری تھا تھا اور میں نے کہا کہ دس برس کی مہلت جواب کیلئے دیتا ہوں۔

(۱۲۱) بعض لوگ اعمال میں بھی اختصار کرتے ہیں

یہ تو عقائد میں اختصار تھا جسکی مثالیں آپ نے سن لیں۔ اسی طرح اعمال میں اختصار کرلیا ہے کہ بعض تو اعمال کی فرضیت ہی کے منکر ہیں اور بعض منکر تو نہیں لیکن عملاً مثل منکرین کے ہیں تو ان دونوں قسم کے لوگوں کی غلطی قرآن کی آیات سے ثابت ہوتی ہے۔ رہا من قال لاالہ الا اللہ دخل الجنۃ سو اسکے معنی کیلئے ایک مثال عرض کیا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح کرے تو نکاح میں محض ایجاب وقبول دو لفظ ہوتے ہیں پس اگر ایجاب وقبول کے بعد بیوی اپنے خورد ونوش کا مطالبہ کرے اور شوہر کہے کہ میں نے ان چیزوں کا دینا قبول نہیں کیا تھا تو وہ اس کا کیا جواب دیگی ظاہر ہے کہ یہی جواب دیگی کہ اگرچہ تم نے ہر چیز کو علٰحدہ علٰحدہ قبول نہیں کیا لیکن مجھکو قبول کرنا ان سب چیزوں کو قبول کرنا ہے۔ اب میں ان معترضین سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ بھی اس مجلس گفتگو میں موجود ہوں تو کیا کہینگے یہی کہیں گے کہ یہ ایک قبول ہی سب کا قائم مقام ہے۔ تو جب لاالہ الا اللہ کہہ لیا تو سب عقائد اور اعمال کا ذمہ لے لیا، تو اس حدیث کا یہ مدلول ہے اب چاہے اعمال کو جزو ایمان کہا جائے یا اس سے خارج مگر لازم، لیکن ایمان میں اختصار سخت غلطی ہے ایمان جب ہی کہلائے گا کہ جب اسکی شان پائی جائے ہم لوگ مسلم کہلاتے ہیں مگر غور کرنے کے قابل یہ ہے کہ ہماری حالت اسلام سے کس قدر قریب اور اسکے کتنی مناسب ہے جیسے میں نے مثال دی ہے کہ مالدار اسی کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس ہر قسم کا سامان ضرورت سے زیادہ ہو یہی حالت اسلام کی ہے تو ہمکو اپنی حالت دیکھنی چاہئے کہ کسقدر دین سے بے اعتنائی ہوگئی ہے کہ نہ عقائد کی پروا نہ اعمال کی فکر، نہ حسن معاشرت کا خیال نہ بداخلاقی پر رنج۔

(۱۲۲) دعائے ابراہیمی کی شرح

سو دیکھ لیجئے دعاء ابراہیمی میں کن اجزاء ایمان کو ضروری کہا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہمارے میں ایک رسول بھیجئے جنکی صفت یہ ہو کہ وہ لوگوں کو آپ کے احکام سنادیں اور یہ شان ہو کہ انکو کتاب اور حکمت تعلیم کریں اور ان کا تزکیہ کریں رذائل سے۔ بیشک آپ قادر ہیں اور حکیم ہیں کہ موافق حکمت کے کرتے ہیں اور ایسا کرنا مصلحت ہے تو آپ اسکو ضرور قبول فرمائیں گے اس آیت کے ترجمے سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ رسول کی تین صفتیں اس آیۃ میں بیان کی گئی ہیں، اور ان رسول سے مراد ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ داعی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ یہ رسول ان دونوں حضرات کی اولاد میں ہونا چاہیئے اور ہر چند کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی متعدد انبیاء ہوئے مگر وہ بسلسلہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ہوئے ہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے سلسلے میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں لہٰذا آپ ہی مراد ہوئے اور دیگر دعاؤں میں بعثت رسول کی دعاء کرنا ایک بڑی رحمت کاملہ کا مانگنا ہے ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یوں کہتے کہ انکو پاک کیجئے اور انکو کتاب دیجئے اور انکو قبول کیجئے۔

(۱۲۳) تعلیم بواسطہ وحی تعلیم بلاواسطہ سے افضل ہے

لیکن تعلیم بواسطہ وحی اس تعلیم سے افضل ہے جو کہ بلاواسطہ وحی کے بذریعہ الہام کے ہو اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم بلاواسطہ زیادہ قرب کا ذریعہ ہے اسی وجہ سے اکثر عوام اور بعض خواص کی یہ رائے قائم ہو گئی ہے اور یہاں تک اسکا اثر ہو گیا ہے کہ انبیاء کی تعلیم کی بھی وہ قدر نہیں کیجاتی جسقدر کسی بزرگ کی تعلیم کی قدر ہوتی ہے۔

حکایت: ۔ میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور اپنی عسرت اور قرض کو بیان کیا اور کہا کہ کوئی دعاء بتلا دیجئے کہ قرض ادا ہو جائے مولانا نے فرمایا کہ یہ پڑھا کرو اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک (اے اللہ حلال روزی

عطا فرما کر حرام سے مجھے بے نیاز فرما دیجئے اور اپنا فضل عطا کر کے اپنے ماسوائے مجھے بے نیاز بنا دیجئے) اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ حدیث کا نام سنکر اس شخص کی یہ کیفیت ہوئی کہ جیسے سرد پڑگیا ہو اور کہنے لگا کہ حدیث میں تو بہت سی دعائیں ہیں آپ اپنے پاس سے کوئی چیز تبلائیے جو سینہ بہ سینہ چلی آتی ہو یہ فاسقانہ کلمہ سنکر مولانا کو بہت ہی غصہ آیا اور آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر دوسروں کی تعلیم کو ترجیح دیتا ہے۔ تو یہ اسی خیال کا اثر ہے جس کے باعث حضورؐ کی تعلیم پر کفایت نہ ہوئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جاہل عابد جس شوق سے وظیفہ یا نفلیں پیر کی تبلائی ہوئی پڑھتے ہیں قرآن شریف اور پانچ وقت کی نمازیں اس شوق سے نہیں پڑھتے۔

حکایت:۔ ایک شخص نے مجھ سے فخراً کہا کہ اگرچہ کسی وقت کی نماز قضا ہو جائے مگر پیر کا تبلایا ہوا وظیفہ قضا نہیں ہوتا اسکے معنی یہ ہیں کہ حضورؐ سے اس قدر تعلق نہیں ہے جس قدر کہ پیر سے ہے اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اگر پیر سے تعلق نہو تو حضورؐ سے کم تعلق ہوگا لیکن یہ تو نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے بھی بڑھ جائے ع۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ غرض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ الہام بلا واسطہ ہے اور وحی بواسطہ ہے تو جسمیں واسطہ کم ہوگا اس میں زیادہ قرب ہوگا۔ مگر شیخ اکبرؒ نے لکھا ہے کہ تعلیم بواسطہ تعلیم بلا واسطہ سے افضل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ تعلیم بلا واسطہ میں واسطہ کس کا ہے اگر واسطہ کسی معمولی شخص کا ہو تو بیشک بلا واسطہ تعلیم افضل ہے لیکن جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ہے تو اتنے بڑے واسطہ کے ذریعہ سے جو تعلیم ہوگی وہ افضل ہوگی۔

(۱۲۴) علم بواسطہ وحی کے علم بلا واسطہ سے افضل ہونیکا راز

اور راز اس میں یہ ہے کہ جو علم بلا واسطہ وحی کے ہے اس میں غلطی کا احتمال بوجہ نقصان استعداد زیادہ ہے۔ اور بواسطہ وحی تعلیم میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ رہا حضورؐ سے ہم تک پہونچنے کا واسطہ سو اسمیں چونکہ ثقات ہیں (معتبر لوگ ہیں) ان میں غلطی کا احتمال نہیں ہے۔ ایک تو یہ تفاوت ہے دوسرے ایک لطیف تفاوت اور ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے رحمت

بنا کر بھیجا ہے تو جو تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہوگی اس میں ابتلاء کا احتمال نہ ہوگا۔ برخلاف بلا واسطہ کے کہ اسمیں احتمال ابتلاء کا ہوتا ہے۔

حکایت :۔ ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسکو فرما رہے ہیں کہ شراب پی اس نے علماء سے کہا انھوں نے کہا کہ شراب حرام ہے تجھکو پورا خواب یاد نہیں رہا۔ میں کہتا ہوں شراب سے مراد ممکن ہے محبت الہٰی ہو تو دیکھئے چونکہ بلا واسطہ یہ تعلیم تھی اس میں ابتلاء رہا کہ دیکھئے یہ سمجھا ہے کہ نہیں۔ اور حضور کے ذریعہ سے جو علوم ہوتے ہیں ان میں یہ بات نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خواب میں دیکھے اس میں یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ یہ شیطان ہوگا کیونکہ آپ کی شان محض ہدایت کی ہے لہٰذا اس میں یہ اختلاط نہیں ہوسکتا۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان خواب میں اگرچہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں خدا ہوں لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نبی ہوں وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ حکمت ابتلاء کیلئے صفت مضل کے ساتھ بھی متصف ہے دوسرے اول صورت میں تنبہ ممکن ہے کیونکہ خدا تعالیٰ منزہ ہے اور جسکو خواب میں دیکھا ہے وہ منزہ نہیں ہے اور دوسری صورت میں تنبہ ممکن نہ تھا اس لئے آپ کے واسطے کو تمام خطرات سے محفوظ رکھا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور کا واسطہ ایک بڑی نعمت ہے۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے بجائے کتاب وغیرہ براہ راست مانگنے کے حضور کو واسطہ قرار دیا نیز اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ انسان کی طبیعت مجبول ہے کہ اپنی بنی نوع کو دیکھکر اقتدا کرتے ہیں یعنی اسکو ایک نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی فرق ہے اس میں اور جانور میں کہ جانوروں کو ضروریات کی تعلیم کی حاجت نہیں۔ غرض جانوروں میں جو کچھ کمالات ہیں وہ طبعی ہیں اکتسابی نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ بطخ کا بچہ پیدا پیدا ہوتے ہی تیرنے لگتا ہے اور ایک بڑے سے بڑے تیراک شخص کا بچہ تیراک نہوگا کمالات انسان کے طبعی نہیں بلکہ انکو ایک نمونہ دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اور ضرورت نمود ہی باعث ہے کہ انسانوں کو تعلیم کتب سے بھی اسقدر نفع نہیں ہوتا جس قدر کاملین کی صحبت سے ہوتا ہے یہ ایسی چیز ہے کہ ہر شخص کو اسکی ضرورت ہے۔

(۱۲۵) بچپن ہی سے صحبت نیک کا اہتمام ضروری ہے

اکثر لوگ اپنی اولاد کے لئے تمام آسائشوں کی فکر کرتے ہیں مگر اسکی ذرا پرواہ نہیں کرتے کہ صحبت بھی نیک ہو بلکہ اکثر بداخلاق معلموں کے سپرد کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگرچہ یہ ناقص ہیں مگر ابھی بچپن ہے کیا حرج ہے حالانکہ یہ تجربہ ہے کہ اگر مبادی خراب ہوں گے تو مقاصد بھی خراب ہوں گے۔ یاد رکھو کہ خاک از تودہ کلاں بردار۔ یہ ضرور ہے کہ اگر کامل سے سیکھے گا تو کامل ہو جائیگا لیکن ذی استعداد ہو جائے گا کیونکہ کامل آدمی فن کی حقیقت کو ظاہر کر دیتا ہے بخلاف ناقص کے اور یہ تو علمی ضرر ہے جس پر کم و بیش توجہ بھی ہے مگر بڑا ضرر یہ ہے کہ ناقص کی صحبت میں اخلاق بالکل برباد ہوتے ہیں اس پر لوگوں کو ذرا توجہ نہیں۔

حکایت:۔ ہمارے یہاں ایک معلم ہیں انکی نسبت سنا گیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کو دوسرے کے یہاں بھیجتے ہیں کہ جاکر اسکے مکتب کی چٹائیاں توڑ ڈالیں بتلایئے جب بچپن ہی سے یہ حالت ہوگی تو بڑے ہو کر انکی کیا اصلاح ہوگی اسپر بالکل خیال نہیں بلکہ اکثر کہتے ہیں کہ بچہ وہی ہے جو کہ شوخ ہو حالانکہ شوخی دوسری چیز ہے اور شرارت دوسری چیز ہے۔ غرض انسان اپنے ابنائے نوع سے سبق لیتا ہے جو حالت دوسرے کی دیکھتا ہے وہی خود اختیار کرتا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اپنے گھر کے لوگوں کو علاج کرانے کیلئے ایک طبیب کے پاس لے گیا ان کو میں نے دیکھا کہ بیحد متحمل تھے باوجودیکہ بیحد نازک مزاج تھے تو میں چونکہ ان کے پاس جاتا تھا اس لئے میرا غصہ کم ہو گیا تھا میں نے غور کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ محض پاس بیٹھنے کا اثر ہے تو بہت اچھا طریقہ تربیت کا صحبت ہے۔ اب لوگ سمجھتے ہیں کہ بچے اپنی عمر کو پہونچکر خود ہی سنبھل جائیں گے۔ یہ غلط ہے جب بچہ بولنے پر بھی نہیں قادر ہوتا اسی وقت سے اسکے دماغ میں دوسروں کی تمام حرکات منقش ہوتی ہیں اور وہ ان سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی واسطے حکماء نے لکھا ہے کہ بچہ کے سامنے کوئی حرکت خلاف تہذیب نہیں کرنی چاہیئے راز اس میں یہی ہے کہ انسان کے دماغ کی مثال پریس کی سی ہے کہ کاپی لکھکر جب لگاؤ تو چھپ جائے گا اسی طرح جو چیز انسان کے دماغ کے روبرو ہوتی ہے وہ اس میں منقش ہو جاتی ہے۔

مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی الٰہی کا واحد ترجمان

چندہ سالانہ
عنہ
بیس روپئے

چندہ ششماہی
عنہ
دس روپئے

وصیۃ العرفان

الہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۔ مدیر: عبدالمجید عفی عنہ ۔ دو روپئے

شمارہ ۲ ۔ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق فروری سنہ ۱۹۸۱ء ۔ جلد ۴

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

عزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر ومنیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل وکرم ہے کہ اس نے اس دور و دیار الحاد و ظلمت میں اپنی معرفت و عرفان اور ذکر ایمان و ایقان کا بھی سامان فراہم کردیا ہے۔ چنانچہ بہت سے اللہ کے بندے اللہ کے بندوں کو راہ مولیٰ دکھا رہے ہیں اور عبد کو معبود سے ملانے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ بھی اسی سلسلہ کے ایک ممتاز ترین فرد تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیض سے آپ کی حیات مبارکہ میں بھی لوگوں کو مستفیض فرمایا اور آپ کے بعد بھی آج تک بحمد اللہ آپ کے فیوض و برکات سے برابر لوگ مستفید ہو رہے ہیں اور آئندہ جبتک خدا چاہے گا اس سے بہرہ ور ہوتے رہیں گے۔ آپ کی حیات میں تو آپ کے اس فیضان عرفان کا ذریعہ آپ کی مجالس اور رسالہ بنا رہا چنانچہ ایک باذوق اور حساس مسترشد نے اسکا اظہار ان لفظوں میں اسی زمانہ میں کیا تھا کہ ؎

ملا دے حق سے جو بندے کو بندہ ہو تو ایسا ہو　　دلوں کو زندگی بخشے مسیحا ہو تو ایسا ہو
الہ آباد دنیا میں نمونہ پیش کرتا ہے　　کہ خلوت ہو تو ایسی ہو جو جلسہ ہو تو ایسا ہو
ہو جس سے معرفت حق کی، نبی کی، دین کی، اپنی　　صحافت ہو تو ایسی ہو رسالہ ہو تو ایسا ہو
اسے تعلیم کہتے ہیں اسے تبلیغ کہتے ہیں　　سلیقہ ہو تو ایسا ہو، طریقہ ہو تو ایسا ہو
محقق، مجتہد، کامل، مکمل، منفرد، جامع　　جو مرشد ہو تو ایسا ہو جو آقا ہو تو ایسا ہو
سلوک پاک انکا سربسر قرآن و سنت ہے　　جو صوفی ہو تو ایسا ہو مُصفّیٰ ہو تو ایسا ہو
اکابر کے مشن کا ہو رہا ہے حق ادا ان سے　　نیابت ہو تو ایسی ہو خلیفہ ہو تو ایسا ہو

اور آپ کے اس دنیا سے تشریف لیجانے کے بعد بھی آپ کے ناطق اور ساکت ہر دو خلفاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلۂ فیض کو باقی رکھا چنانچہ ملفوظات و ارشادات بذریعہ رسالہ آپ تک پہونچتے ہی ہیں اسکے علاوہ جو حضرات خانقاہ الہ آباد میں تشریف لاتے ہیں الحمد للہ کہ حضرت اقدس کی برکات کا مشاہدہ کھلی آنکھ فرماتے ہیں، چنانچہ دار العلوم دیوبند کے ایک عالم ابھی ماضیٔ قریب میں یہاں تشریف لائے واپسی دیوبند پر حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کے پاس جو خط لکھا اس میں اپنا تاثر یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ :-

" خانقاہ عالیہ کی حاضری سے ایمانی ترقیات ہوئیں، آپ کے . . . . اخلاق عالیہ سے متأثر ہوا۔ چونکہ شیخ وقت اور مربیٔ عالم کی خانقاہ ہے حضرت کی برکات در و دیوار سے ٹپکتی ہیں اور آنکھ والا دیکھتا ہے کہ اللہ کی رحمت موسلا دھار باران رحمت کی طرح برستی ہے . . . . میری بار بار اسٹیشن سے واپسی میں بہت سی مصلحتیں ہو سکتی ہیں لیکن یہ میری تکمیل و اصلاح کا ذریعہ ثابت ہوئی " انتہیٰ

اللہ تعالیٰ اسکے فیض کو روز افزوں فرمائے۔ آمین

(ادارہ)

محبت کا معیار

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم . بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ
لّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝
یَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ
ذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ فَلَمَّا
ضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَیْسَ الذَّكَرُ
الْاُنْثٰى وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝
تَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِیَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا
كَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ
نَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِیَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ
هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ
قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ
بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ
لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّ
سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع
کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالےٰ بڑے
معاف کرنے والے بڑی عنایت فرمانے والے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی اور
رسول کی پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں سو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے۔ بیشک اللہ تعالےٰ
نے منتخب فرمایا ہے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو تمام جہان پر

بعضے ان میں بعضوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں
جبکہ عمران کی بی بی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے
اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاوے گا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے
بیشک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں، پھر جب لڑکی جنی کہنے لگیں کہ میرے
پروردگار میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی حالانکہ خدا تعالےٰ زیادہ جاننے والے ہیں اسکو جو انھوں
نے جنا اور وہ لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور
میں اس کو اور اسکی اولاد کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے پس
انکو انکے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر انکو نشو و نما دیا اور زکریا کو ان کا
سرپرست بنایا جب کبھی زکریا ان کے پاس عمدہ مکان میں تشریف لاتے تو ان کے پاس
کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمھارے واسطے کہاں سے
آئیں وہ کہتیں کہ اللہ تعالےٰ کے پاس سے آئیں بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے استحقاق
رزق عطا فرماتے ہیں اس موقع پر دعا کی زکریا نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے
میرے رب عنایت کیجئے مجھکو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی اولاد بیشک
آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے بس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے
اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو
بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق
کرنے والے ہوں گے اور مقتدار ہوں گے اور اپنے نفس کو بہت روکنے
والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے۔ زکریاؑ نے
عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھکو بڑھاپا آپہونچا اور میری
بیوی بچہ جننے کے قابل نہیں ہے اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ اسی حالت میں لڑکا ہوجاویگا
کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کریں کردیتے ہیں انھوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار میرے واسطے کوئی
نشانی مقرر کردیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمھاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کرسکوگے
بجز اشارہ کے اور اپنے رب کو بکثرت یاد کیجو اور تسبیح کیجو دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی)

اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ایک خاص مضمون ارشاد فرمایا ہے چنانچہ یہ آیت تمام قرآن میں ایک خاص حیثیت رکھتی ہے تمام صوفیاء کرام اور علماء عظام اس آیت کو اپنے وعظ و تلقین اور ارشادات میں تلاوت کرتے ہیں کیونکہ یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک خاص ہی شان رکھتی ہے۔ تمام قرآن میں اس شان کی اور اس مضمون کی آیت اور کہیں نہیں ہے۔ اس میں ایک خاص مضمون اور اسکے لواحقات خاص شان سے ارشاد فرمائے ہیں اور وہ لواحقات ایسے ہیں کہ اگر آپ اسکا بیان سنیں تو آپ کے منہ میں پانی آجائے اب یہاں جو مضمون کہ اصل ہے اسکو تو دو لفظوں میں بیان فرمادیا ہے اور جو ضمنی ہے اسکو مفصل بیان فرمایا ہے۔ ع۔ تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی۔ اور ایسے انداز و عنوان سے بیان فرمایا ہے جیسا کہ قرآن شریف کا بیان ہونا چاہیئے۔ میں نے یہ جو کہا کہ اسکو مشائخ مسند ارشاد پر بیان فرماتے ہیں اسکے متعلق سنیئے کہ ایک دفعہ میں نے حضرتؒ کو ایک شعر لکھا کبھی کبھی حضرت کو اس قسم کی باتیں بھی لکھ دیتا تھا بعد میں خیال کرتا ہوں کہ کیسے حضرتؒ کو یہ لکھدیا تو تعجب ہوتا ہے۔ غرض میں نے لکھا تھا کہ

کیف الوصول الی سعاد ودونہا قلل الجبال و دونہن حیوف

(بھلا سعاد تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے جبکہ اس تک پہنچنے کی راہ میں اونچے اونچے پہاڑ اور لمبے چوڑے میدان و بیابان ہوں)

اسکا جواب حضرتؒ نے دیا کہ وہاں کہاں جاتے ہو اور ادہر کیوں جاتے ہو اسکا جواب تیسرے پارے کی اس آیت میں ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

صوفیاء کہتے ہیں کہ جتنے انبیاء اور مشائخ ہیں یہ سب حضرات برزخ ہیں یعنی جسطرح سے کہ اس عالم شہادت اور دوسرے عالم غیب کے درمیان ایک عالم برزخ بھی ہے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ اور مخلوقات کے درمیان یہ حضرات واسطہ ہیں برزخ کے معنی واسطہ ہی کے آتے ہیں اور ہمارے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی معنی کر یہ حضراتؒ سید البرازخ کہتے ہیں۔ اسی کو کوئی شاعر یوں ادا کرتا ہے ؎

اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل خواص اُس برزخ کبریٰ میں تھا حرف مشدّد کا

تو جس طرح سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ اور برزخ

تھے اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اس آیۃ میں بھی ذکر میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات کو برزخ اور واسطہ ہی کے طور پر درمیان میں بیان فرمایا چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اسمیں ایک جانب تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ ہے اور دوسری طرف يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ہے اور فَاتَّبِعُوْنِيْ دونوں کے درمیان میں ہے۔ چنانچہ علماء فرماتے ہیں کہ اسمیں ایک قطر تو ہے تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اور دوسرا قطر ہے يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اور فَاتَّبِعُوْنِيْ برزخ ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز جیسی واقع میں ہو اسی طرح سے اسکا بیان بھی اگر کیا جائے تو اوقع فی النفس ہوتا ہے یعنی خوب اچھی طرح سے ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کلام اللہ ہی ان رعایات کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کلام فرمائیں گے تو وہ سب کلاموں کا خاتم ہوگا اب کسی کی کیا مجال کہ اس پر اضافہ کر سکے کسی کے لئے مجال کلام باقی ہی نہیں رہ جاتی۔ ہاں اگر کوئی اسی کی شرح اور توضیح میں کچھ سمجھ لے تو سمجھ لے باقی اس پر کچھ زیادتی متصور نہیں ہو سکتی۔

بہر حال میں اس مضمون کو جو اس میں مذکور ہے مفسرین کے حوالہ سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ ان روایات کو بھی جو اس آیت کی شان نزول میں مفسرین نے نقل کی ہیں بیان کرونگا اور مقصود تو یہاں اسی آیت ان کنتم تحبون اللہ الخ کا بیان کرنا ہے لیکن ربط کیلئے اسکے ماقبل کی آیت لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ اور پھر اسکے ماقبل کی آیت قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ بھی تلاوت کر کے اسکے متعلق بھی کچھ بیان کرونگا کیونکہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ کا ربط لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ سے ہے اور اسکا قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ سے اس طرح گویا یہ سارے کا سارا مجموعہ ہی باہم مربوط ہے۔ آیت کی تفسیر اور اسکا مطلب تو بعد میں بیان کرونگا پہلے اسکا شان نزول سنیئے۔ شان نزول ان حالات اور واقعات کو کہتے ہیں جس میں وہ آیۃ نازل ہوئی ہو۔ یہ ایک زبردست علم ہے اور آیت کی شرح و تفسیر سمجھنے میں اسکو بڑا دخل ہے۔

روح المعانی میں ہے کہ اس آیت کے شان نزول میں مختلف اقوال ہیں حسن اور ابن جریج فرماتے ہیں

زعم اقوام علی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انهم یحبون الله تعالیٰ فقالوا یا محمد انا نحبّ ربنا فانزل الله تعالے هذه الاٰیة

ایک قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں اپنے متعلق یہ گمان کیا کہ اُن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ چنانچہ دعویٰ کے طور پر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اپنے رب سے محبت کرتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور ضحاک حضرت ابن عباس رضؓ سے نقل کرتے ہیں کہ :-

وقف النبی صلی الله تعالے علیه وسلم علی قریش فی المسجد الحرام وقد نصبوا اصنامهم وعلقوا علیها بیض النعام وجعلوا فی اذانها الشنوف وهم یسجدون لها فقال یا معشر قریش لقد خالفتم ملة ابیکم ابراهیم واسمٰعیل ولقد کانا علی الاسلام فقالت قریش یا محمد انما نعبد هذه حباً لله تعالیٰ لتقربنا الی الله تعالیٰ زلفی فانزل الله تعالیٰ قل ان کنتم تحبون الله الخ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر مسجد حرام میں قریش کی ایک جماعت پر ہوا جنھوں نے کہ سامنے بت نصب کر رکھا تھا اور اسکے اوپر شتر مُرغ کا انڈا لٹکا رکھا تھا اور اسکے کانوں میں بالیاں پہنا رکھی تھیں اور وہ لوگ اس کو سجدہ کرتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ اے قریش کی جماعت تم نے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے مذہب کے خلاف کام کیا! یہ دونوں حضرات تو اسلام پر تھے۔ قریش نے اسکے جواب میں کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تو اس بت کی عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کی بنا پر کرتے ہیں۔ تاکہ یہ ہمکو خدا تعالیٰ کے زیادہ قریب کردیں، اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالےٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ــــ لیکن ابی صالح کی روایت میں ہے کہ

ان الیهود لما قالوا نحن اَبْنٰٓؤُا اللهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ انزل هذه الاٰیة فلما نزلت عرضها رسول الله

یہود نے جب یہ کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ اسکے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہود پر پیش فرمایا تو انھوں

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم علی الیھود فَاَبَوْا ان یقبلوھا ۔ نے اسکو قبول کرنے سے انکار کیا اور اس بات کو تسلیم نہیں کیا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہود کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ـــــ اور محمد بن اسحاق، محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی چنانچہ کہتے ہیں کہ :۔

نزلت فی نصاری نجران وذالک انھم قالوا انما نعظم المسیح و نعبدہ حباً للہ تعالیٰ وتعظیما لہ فانزل اللہ ھذہ الایۃ رداً علیھم ۔ یہ آیت نجران کے نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی اور اسلئے کہ انھوں نے کہا تھا کہ ہم مسیح کی تعظیم اور پرستش اللہ تعالیٰ ہی کی محبت کیوجہ سے اور اسی کی تعظیم کے لئے کرتے ہیں۔ چنانچہ انکا رد فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نصاریٰ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جو تعظیم بلکہ عبادت کرتے تھے اس میں وہ حباً للہ کے مدعی تھے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکی تکذیب فرمائی ہے ۔

آگے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ :۔

و یروی انھا لما نزلت قال عبد اللہ بن اُبی ان محمداً یجعل طاعتہ کطاعۃ اللہ تعالیٰ و یأمرنا ان نحبہ کما احب النصاری عیسیٰ فنزل قولہ تعالیٰ قل اطیعوا اللہ والرسول ای فی جمیع الاوامر والنواھی ویدخل فی ذلک الامر السابق دخولاً اولیاً ۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبد اللہ بن ابی نے کہا کہ محمد تو اپنی طاعت کو اللہ کی طاعت کی طرح قرار دینے لگے اور ہم کو اپنے سے محبت کرنے کا حکم دیتے ہیں جس طرح سے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ فرما دیجئے کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرو یعنی جملہ اوامر اور نواہی میں اور اس میں امر سابق بھی بطور دخول اولی کے داخل ہے ۔ (یعنی اطیعوا اللہ والرسول فی کل الامر)

(روح المعانی ص۱۱۵ ج ۳)

ان سب روایات کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ دنیا میں جتنے بھی فرق ضالہ ہیں یعنی مشرکین۔ یہود۔ نصاریٰ اور منافقین ان سب کا یہ دعویٰ تھا کہ انکو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کی تکذیب فرمادی اور اپنی محبت کا ایک ایسا معیار بیان فرمایا جس پر ان میں سے کوئی بھی نہیں اتر سکا۔ چنانچہ سب سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ تمکو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو اور آپ کی اطاعت کرو۔

اسلئے کہ محبت سبب ہے ابتغاء مرضات اللہ کا یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ محبوب کی مرضی معلوم کرنے کی فکر میں رہے گا اور مرضی اور غیر مرضی ایسی چیز نہیں ہے جو اپنی رائے سے مدرک اور معلوم ہوسکے بلکہ اسکے جاننے کے لئے ضرورت ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ ہی انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اپنی مرضی و نامرضی کی تعلیم فرمائیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ محبت سبب ہے اتباع رسل کا اور اتباع رسول دلیل ہے وجود محبت کی اور عدم اتباع دلیل ہے عدم محبت کی لہٰذا جو شخص مدعی محبت ہو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ساتھ ساتھ وہ کذّاب اور جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن شریف کی یہ آیت اسکی تکذیب کرتی ہے۔

محبت کے معنی گردن جھکانے کے نہیں ہیں اور نہ آنکھ ملانے کے ہیں اور اگر کسی درجہ میں ہیں بھی تو صدق کی دلیل تو بہرحال اتباع ہی ہے جو شخص بدون اتباع کے محبت کا دم بھرے اور اسکا مدعی ہو وہ کذاب ہے اور آیۃ فاتبعونی سے مجروح ہے اسی مضمون کو کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

تعصی الالٰہ وانت تظھر حبہ ہٰذا العمری فی القیاس بدیعٌ

(یعنی تم نافرمانی کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے محبت بھی ظاہر کرتے ہو، قسم ہو اپنی عمر کی یہ تو منجملہ قیاس بدیع ہی کے ہے) میں کہتا ہوں کہ ؎

تعصی الرسول وانت تظھر حبہ ہٰذا العمری فی القیاس بدیعٌ

(یعنی تم نافرمانی کرتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ سے محبت کے بھی دعویدار ہو، قسم ہے اپنی عمر کی یہ تو عجیب وغریب بات ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی بھی کرتے ہو اور انکی نافرمانی بھی کرتے ہو یہ بات تو عقل و قیاس میں آتی نہیں ہے، اسپر ایک واقعہ سنیئے:-

مثنوی شریف میں مولانا رومؒ نے ایک شخص کا قصہ نقل فرمایا ہے کہ مسافرت میں تھا اور اسکے ساتھ اسکا کتا بھی تھا جو کہ بھوک سے مر رہا تھا یہ اسکی وجہ سے رو رہا تھا ایک شخص نے پوچھا میاں کیوں رو رہے ہو؟ کہا میرا کتا مر رہا ہے، برسوں کا ساتھی ہے آج مر رہا ہے پوچھا یہ کتا کیوں مر رہا ہے؟ کہا بھوک کی وجہ سے۔ کہا کہ اور اس ٹوکری میں کیا ہے؟ کہا روٹی ہے۔ کہا یہ بھی عجیب بات ہے کہ تمھارے پاس روٹی کا ٹوکرا موجود ہے اور پھر بھی کتا بھوک سے مر رہا ہے؟ اس میں سے کچھ اسکو بھی کیوں نہیں دیدیتے کہا کہ سفر میں توشہ کی بہت ضرورت پڑتی ہے اور بوقت حاجت بدون درم کے توشہ نہیں ملتا اور آنکھ کا پانی مفت ہے۔ اسلئے روٹی نہیں دیتا ہوں اور اسکے مرنے پر مارے محبت کے رو رہا ہوں۔

توجس طرح سے یہ محبت قیاس میں بدیع ہے یعنی سمجھ میں نہیں آتی ہے اسی طرح سے یہ بھی ہے کہ ؎

تعصی الرسول وانت تظھر حبه ۔۔۔ ھذا لعمری فی القیاس بدیعٌ

اب دوسرا شعر سنیئے ؎

لو کان حبك صادقاً لاطعتهٗ ۔۔۔ ان المحب لمن یحب مطیعٌ

یعنی اگر تمھاری محبت سچی ہوتی اور تم اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی (یا اللہ تعالیٰ کی) اطاعت کرتے اس لئے کہ محب اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔ دیکھئے اس سے ثابت ہوا کہ محبت کے لئے اطاعت لازم ہے اور جو شخص اطاعت نکرے اور محبت کا دم بھرے وہ اپنے دعوٰی میں کاذب ہے۔

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ان سب فرق باطلہ کی محبت کو مشکوک قرار دیا ہے یعنی لفظ اِن سے اسکو بیان فرمایا جو شک کے لئے آتا ہے اور اس شک کو دور کرنے والی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے اگر اطاعت کے ساتھ دعویٰ محبت ہے تو معتبر ہے۔

محبت تو قلب کا فعل ہے لوگ ابتک جن امور کو محبت کی علامت سمجھتے رہے ہوں تو سمجھتے رہے ہوں لیکن اب اس نص کے آجانے کے بعد تو اسکا معیار خدا کی جانب سے متعین ہوگیا۔ ابتک محبت کے جو بھی طریقے رائج رہے ہوں رہے ہوں مگر آج سے یہ طریقہ مقرر کردیا گیا کہ اگر خدا کی محبت ہے تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی ہوگی اور جس طرح سے اور دوسری طاعات میں آپ کی اتباع اور اطاعت لازم ہے اسی طرح سے خود محبت میں بھی آپ ہی کی اطاعت کرنی ہوگی اور اس میں بھی مانند اور چیزوں کے آپ ہی کو واسطہ بنانا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی ضرورت ہے تاکہ اس کے باب میں بھی لوگ حد سے تجاوز نکریں اور افراط و تفریط سے بچ سکیں کیونکہ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جس طرح سے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں بھی کوئی انکا شریک نہیں۔ ہمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کسی واسطہ کی ضرورت نہیں وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بلا واسطہ کرو اور کسی مخلوق کے واسطہ کے بغیر کرو۔ اور جس طرح سے کہ اطاعت ہے اسی طرح سے محبت بھی کوئی شے ہے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت بھی کی ہے۔

ایک بزرگ سے نے سکر کی حالت میں کچھ کلمات اللہ تعالیٰ کی محبت میں کہہ دیئے یعنی یہ کہ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے۔ افاقہ کے بعد لوگوں نے اطلاع دی کہ آپ نے ایسا ایسا کہا ہے۔ فرمایا کہ ایسا ہوا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت ہوا تو ہے یہ سنکر انھوں نے یہ کیا کہ سردی کا موسم تھا رات کو دریا میں ننگے جاتے اور سینے تک پانی میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہوکر یہ ذکر کرتے کہ "شریعت محمدی قائم و دائم" سردی کی وجہ سے پیر پھٹ کر لہولہان ہو جاتا جب بہت دن گذر گئے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے انکو الہام ہوا کہ اب توبہ قبول ہوگئی ہے تب بند کیا۔

یہ حضرات تھے محب رسول کہ غیر اختیاری حالت میں بھی اگر کوئی کلمہ صادر ہوگیا تھا

تھا اسکی ایسی تلافی فرمائی کہ معاف کرا کے ہی چین لیا اور حق تعالیٰ کو خوش ہی کر لیا اور بات بھی یہی ہے کہ کسی آدمی کو جس سے تعلق ہو تو وہ معتبر جب ہی ہے کہ محبوب بھی اپنی محبت کو منوالے باقی یوں کوئی کسی سے محبت کا دعویٰ کرے اور جس سے محبت کا دعویٰ کر رہا ہے وہی اسکی محبت کو تسلیم نہ کرے تو یہ کیا محبت ہوئی ؎

وکل یدعی وصال لیلیٰ　　ولیلی لاتقر لھم بذاک

ہر شخص لیلیٰ سے محبت کا دم بھرتا ہے لیکن لیلیٰ ہے کہ وہ انکی محبت کو تسلیم نہیں کرتی۔

ہمارے بزرگوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا ہے تو ایسا مانا ہے کہ محبت کا اقرار کرالیا ہے کسی بزرگ نے حضرت مصلح الدین سعدیؒ کو خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرھانے کھڑے ہوئے پنکھا جھل رہے ہیں اور یہ اشعار آپ کو سنا رہے ہیں ؎

بلغ العلیٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ　　حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ و آلہ

سبحان اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں نہایت ہی عمدہ کلام ہے۔ آپؐ سنکر فرماتے ہیں کہ اور پڑھو اور پڑھو۔ ہملوگ اسکو تھوڑا ہی منع کرتے ہیں ہاں جو طریقہ خلاف سنت و شریعت ہے اس سے روکتے ہیں غرضکہ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ محبت کے لئے اطاعت لازم ہے مسلمان کیلئے تو دینی و دنیاوی فلاح حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی لازم ہے بدون اسکے بس گمراہی ہی گمراہی ہے ؎

دریں بحر جز مرد داعی نرفت　　گم آں شد کہ دنبال داعی نرفت
کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند　　برفتند و بسیار سرگشتہ اند
خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید
مپندار سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ

بہرحال جبکہ تمام فرق باطلہ جو کہ مدعیان محبت تھے ان کے مقابلہ میں یہ مضمون نازل ہوا تو اب مجال کلام کیا ہے؟ یہ تو نص قطعی ہے، نص شارع آجانے کے بعد کیا پھر بھی اپنی رائے اور قیاس کو دخل دینا چاہئے؟ کسی نے خوب کہا ہے ؎

مصطفیٰ اندر جہاں آنگہ کسے گوید زعقل　　آفتاب اندر جہاں آنگہ کسے جوید سُہا

(یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہوں (یا آپکی شریعت موجود ہو) اور پھر بھی کوئی شخص اپنی عقل ورائے سے کوئی بات کہے یہ تو ایسا ہی ہے کہ آفتاب عالمتاب نکلا ہوا ہو اور اسکے باوجود کوئی شخص چھوٹے تارے کی تلاش میں ہو تاکہ روشنی حاصل کرے) ختم شد۔

اصلاحِ نفس مشکل چیز ہے

فرمایا کہ ——— سنیئے مدتوں کے تجربہ کے بعد کہہ رہا ہوں کہ آجکل ہم لوگوں کا
حال ہوگیا ہے کہ اپنے امراض کی اصلاح کرتے نہیں اور بزرگی کا دعویٰ کرنے کے لئے
یار ہیں۔ ہم جو تعلیمات نبویہ بیان کرتے ہیں اسکو تو نہیں لیتے بس ہماری ذات کو تبرک بنانا
چاہتے ہیں یعنی بدن کو لیتے ہیں روح کو نہیں لیتے، اس لئے کہ خیال کرتے ہیں کہ روح
ان کے پاس ہے نہ ہمارے پاس۔ ایک جگہ میں نے اسی مضمون کو بیان کیا تھا کہ لوگ
بزرگوں کے جسم کو لیتے ہیں اور انکی ذات کو تبرک بناتے ہیں حالانکہ اصل چیز جو لینے کی ہے
وہ انکی تعلیمات ہیں یہ سن کر ایک صاحب نے کہا کہ بالکل صحیح فرمایا ہے تو یہی بات۔

اب سنیئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں کہی دن سے منافقین کے حالات سنا رہا ہوں
اسی سلسلہ ہے فرماتے ہیں کہ اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِھِمُ الَّذِیْنَ
کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا
وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ وَاللہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ
مَعَھُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَھُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْھُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ
لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَھْبَۃً فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنَ اللہِ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ۝
لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ بَاْسُھُمْ بَیْنَھُمْ شَدِیْدٌ
تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُھُمْ شَتّٰی ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝ کَمَثَلِ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِھِمْ قَرِیْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ
اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ
فَکَانَ عَاقِبَتَھُمَآ اَنَّھُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْھَا وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ۝

یہ قرآن شریف کی سورۂ حشر کی آیتیں ہیں آپ لوگ کہتے ہونگے کہ اسکو تو ہم آج
صبح ہی تلاوت کرکے آرہے ہیں، یہ صحیح ہے کہ آپ تلاوت کرکے آئے ہوں گے مگر یہ بھی
ہے کہ آپ مطلب نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کا ارادہ کرتے ہیں اگلی عربی یا انگریزی میں کہیں سے

خط آجائے تو سب سے پڑھاتے پھریگا کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ محبوب رب العالمین کا جو خط آپ کے پاس آیا ہے اسکو پڑھوانے اور سمجھنے کی فکر نہیں ہے۔ اب سنیئے فرماتے ہیں کہ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یعنی آپنے عبد اللہ بن اُبیّ بن سلول اور اس کے اصحاب کو نہیں دیکھا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِھِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ جو کہ اپنے کفری بھائی یا دوستی اور تعلقات کے اعتبار سے جو بھائی ہیں یعنی) اہل کتاب کے کھلے ہوئے کافر بنی نضیر اور بنی قریظہ سے یہ کہتے ہیں کہ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا اگر تم لوگ جلا وطن کئے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکل جائیں گے اور تم سے لڑنے میں اور تمھیں ذلیل و رسوا کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مومنین کی کسی کی بات نہیں مانیں گے وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمھاری امداد کریں گے۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق کا واقعہ یہ ہوا کہ اس نے بنی نضیر کے پاس (جو یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا) اپنے دو قاصد بھیجے اور کہلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تمکو نکالیں تو خبردار ہرگز مت نکلنا میرے پاس دو ہزار آدمی ہیں انھیں تمھاری امداد کیلئے تمھارے قلعہ میں رکھدونگا وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں جو کچھ اسوقت کہہ رہے ہیں وقت پر ایک نہیں کرینگے لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَھُمْ اگر یہ یہود نکالے گئے تو یہ منافقین ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَھُمْ اسی طرح اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ لوگ انکی امداد بھی نکریں گے چنانچہ یہ پیشینگوئی پوری ہوئی اور ایسا ہی ہوا یعنی جب بنو نضیر نکالے گئے تو نہ تو عبد اللہ بن ابیّ بن سلول ہی نکلا اور نہ بنی قریظہ کے منافقین ہی نے انکا ساتھ دیا اسی طرح سے جب بنو قریظہ سے مقابلہ اور انکا قتل ہوا تب بھی مدینہ کے منافقین نے انکی اعانت نہیں کی آپ جانتے ہیں اسکی وجہ کیا تھی بات یہ ہے کہ یہ لوگ منافق تھے اور منافق اسکو کہتے ہیں جسکا باطن اسکے ظاہر کے خلاف ہو زبان سے تمھارے ساتھ ہو اور دل سے نہ ہو اسلئے یہ لوگ جو باتیں کہتے تھے وہ صرف زبانی جمع خرچ ہوتی تھی کیونکہ منافق کی سب کارروائی بس لسانی ہی ہوتی ہے اب اگر اخراج کے وقت نکلتے یا قتال کے وقت انکا ساتھ دیتے

انکا نفاق ہی کھل جاتا کہ مسلمان کہتے کہ جب یہ زبان سے کلمہ پڑھ رہے ہیں تو پھر اُدھر کیسے؟ معلوم ہوتا ہے انھیں میں سے ہیں اور منافق کے لئے جو چیز سب سے زیادہ قابل اہتمام ہوتی ہے وہ اپنے نفاق کا اخفار ہوتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ اگر نفاق کھل گیا تب تو اسکا سارا کھیل ہی بگڑ جائے گا

دوسری وجہ یہ ہے کہ منافق صرف زبان آور ہوتا ہے عمل اسکے لئے موت ہے اس لئے جہاں تک زبان سے اپنی قوم کے ساتھ دینے کا تعلق تھا اس نے دیا اور جب عمل کا وقت آیا تو بھاگ نکلا اسلئے کہ فعل تابع ہوتا ہے قلب کے حال کے اور اس کا سب معاملہ بس ظاہر ظاہر پر رہتا ہے قلب تک اسکی کوئی بات پہونچتی ہی نہیں۔ باقی آپکو اس سے تعجب نہو کہ نفاق کے معاملات تو انکو مسلمانوں کے ساتھ کرنا چاہیئے یہ اپنی قوم کے ساتھ نفاق کیسا؟ تو اسکے متعلق سمجھ لیجئے کہ جس طرح سے یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دل سے نہ تھے اسی طرح سے اپنی قوم کے ساتھ بھی دل سے نہ تھے ان سے بھی انکا ربط صرف ظاہری تھا اسی لئے تو فرمایا گیا ہے کہ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ اور ہونا بھی یہی چاہیئے اللہ و رسول کے ساتھ نفاق برت کر کوئی قوم مخلوق کے ساتھ مخلص کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ تو انکے نفاق کی نحوست اور اسکی دنیوی سزا ہے کہ قلب ان سے چھین ہی لیا جاتا ہے اور صرف ظاہر اور لسان ہی رہ جاتی ہے جس سے کوئی بھی معاملہ کرتے ہیں وہ صرف ظاہری اور زبانی ہوتا ہے یعنی نفاقی ہوتا ہے چاہے وہ اپنا ہو یا پرایا ہو اسلئے یہ کمبخت اپنی قوم کے بھی نہیں تھے ۔ اللہ تعالےٰ چونکہ عالم الغیوب ہیں اسلئے منافق کے اس مزاج اور طبیعت کو خوب جانتے تھے اسی لئے فرمایا کہ اے مسلمانو! ان کے کہنے سے کیا ہوتا ہے تم ذرا بھی نہ گھبراؤ یہ لوگ نہ اخراج بنی نضیر کے وقت نکلنے والے ہیں اور نہ قتل بنو قریظہ کے وقت مقاتلہ کرنے والے ہیں وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ اور اگر علی سبیل الفرض والتقدیر ان لوگوں نے انکی امداد بھی کی تو تو پشت پھیر کر بھاگیں گے یا یہ کہ اگر انھوں نے یہودیوں کی امداد کا قصد کیا تو بس ناکامی ہی کا منھ دیکھنا پڑیگا اور جب ناصرین کا یہ حال ہے تو منصورین کا غلبہ معلوم ہی ہے

آگے فرماتے ہیں کہ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ یعنی اے مسلمانو! تم ان منافقین سے قطعی مت ڈرو اسلئے کہ تمہارا ڈر، خوف اور رعب ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے بھی زیادہ ہے کیونکہ یہ لوگ منافق ہیں انکا ایمان صرف زبان پر ہے قلب میں اسکا ذرا اثر نہیں اور زبان سے بھی جو ایمان لائے ہیں تو محض تمہارے ڈر سے کہ تم سے اپنی جان اور مال کو محفوظ رکھ سکیں ان کے اس زبانی ایمان کا منشاء محض دنیوی غرض ہے اللہ تعالیٰ کا خوف اور آخرت کا ڈر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی بنا پر یہ لوگ ایمان نہیں لائے ہیں کیونکہ یہ خوف وخشیت اور تصدیق وغیرہ قلبی چیز ہے اور قلب انکو حاصل ہی نہیں ہے اسلئے اللہ کا ڈر کیا معنی اس پر ایمان ہی نہیں اور تمہارا ڈر انکے دلوں میں پورا پورا موجود ہے اسلئے انکا ساتھ نہیں دینگے صرف زبان سے کہکر انکو خوش کرنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو قوم خالق سے زیادہ کسی مخلوق سے ڈرے وہ اسکے مقابلہ میں کیا آسکتی ہے۔ صحابہ کو اس آیت کے ذریعہ اطمینان دلایا گیا اور انکی تشجیع فرمائی گئی۔ (یعنی انکو بہادری اور دلیری پر ابھارا گیا)

دیکھئے یہ لوگ اہل کتاب تھے، خدا کے قائل تھے مگر اللہ سے زیادہ غیر اللہ سے ڈرتے تھے، کتنے تعجب کی بات ہے۔ میں کہتا ہوں یہ منافقین، مخلصین صحابہؓ سے جو ڈرتے تھے تو اسلئے کہ انکو سمجھتے تھے کہ انکا ایمان خدا پر ہے یعنی خدا کے سوا یہ لوگ کسی سے ڈرتے نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو خدا سے ڈرتا ہے ساری مخلوق اس سے ڈرتی ہے اور جنکے قلب میں خدا کا ڈر نہیں ہوتا وہ ہر مخلوق سے ڈرتا ہے یہ بھی نفاق ہی کا ایک شعبہ ہے اور نفاق کا خاصہ ہے کہ مخلوق کا اتنا ڈر پیدا ہو جائے کہ اتنا ڈر خدا کا بھی نہو۔ صحابہؓ کے متعلق منافقین یہ سمجھتے تھے کہ نہ یہ قلعہ سے ڈرتے ہیں اور نہ اسلحہ سے نہ دریا سے ڈرتے ہیں نہ پہاڑ سے بس صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور نافع وضار صرف خدا کی ذات کو سمجھتے ہیں، یہ چیزیں ان منافقین کے قلوب میں بیٹھ گئی تھیں اسلئے مرعوب ہو گئے تھے اور مخلوق کو نافع وضار سمجھنا یہ بھی نفاق ہی کا شعبہ ہے یہ آیت ایسی ہے کہ منافقین کا بالکل قلع قمع کر دینے والی ہے اور صحابہؓ کو قوی بنا دینے والی ہے کہ یہ لوگ تمکو اہل اللہ سمجھتے ہیں اسی لئے تم سے ڈرتے ہیں۔ اسلئے تم بیفکر رہو۔

(باقی آئندہ)

(مکتوب نمبر ۲۰۳)

حال: اس بار حضرت والا کی توجہات و دعا اور ملفوظات کی برکت سے سنت نبوی اور اخلاق نبوی اور ادعیہ ماثورہ کی طرف رغبت رہی اور عمل کے لئے بہت بڑا تازیانہ لگا اللہ تعالیٰ قائم و راسخ فرمائیں۔ تحقیق: الحمدللہ و بارک اللہ

حال: حضرت والا نے جو حدیث بیان فرمائی کہ اصل چیز بدن میں قلب ہے اسکی اصلاح سے سارے بدن کی اصلاح ہوتی ہے اور اس سے رذائل نفس کے لئے آسان ترکیب ملی کہ ہر وقت نظر قلب پر اور رذائل کی تلاش میں رہنی چاہئے۔
اس پر ایک حدیث اسی دن حضرت کی بتلائی ہوئی یاد آئی ان اللہ لاینظر الی صورکم بل ینظر الی قلوبکم او کما قال (یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتے ہیں) جس سے یہ بات مستحضر ہوئی کہ جب اللہ میاں کی نگاہ قلب پر رہتی ہے تو ہمیں بھی بس قلب ہی پر غور کرتے رہنا چاہیئے اور ہر گوارا و ناگوار امر میں اسکی کیفیات جانچتے رہنا چاہیئے تحقیق: بیشک

حال: یعنی یہ کہ یہ کیفیات روحانیہ یا نفسانیہ آیا شریعت کے موافق ہیں یا نہیں۔ اللہ میاں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے یا ناخوش با آخرت میں یعنی یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے تو سبحان اللہ ورنہ پھر اس خیال و عمل و وسوسہ اور قول سے حذر ہی لازم ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: اس معنی کو جان کر دل میں خوشی ہوئی تحقیق: الحمد اللہ

حال: اللہ تعالیٰ اسی ایک حدیث پر عمل کرا دیں تو بیڑا پار ہے تحقیق: بیشک

حال: اللہ میاں اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں خوش ہوں تو عاقبت بخیر کی توقع ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: جبتک حضرت کے یہاں رہا بس یہ شعر دل ہی دل میں برابر پڑھا کیا ؎
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

(یعنی خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچانے کی کوشش کرو کہ دین تو سراپا آپ ہی کے اتباع کا نام ہے۔ چنانچہ اگر آپ ہی کا اتباع نہوا تو پھر سب کئے دھرے کو بولہبی سے زیادہ تصور نکرو) اور قلب کو سرور آتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھانے کے لئے یہ شعر بھی اچھا ہے۔ **تحقیق:** الحمدللہ

حال: اور اس شعر کا کہ ؎

بنمائے رخ کہ خلقے والہ شوند و حیراں بکشائے لب کہ فریاد از مرد و زن برآید

(یعنی اپنا رخ انور دکھلائیے تاکہ مخلوق خدا آپ پر شیفتہ اور فریفتہ ہوجائے اور اپنے لب مبارک کو کھولیئے تاکہ آپ کی باتوں کو سنکر مرد و زن کے منہ سے شور و فغاں جاری ہو) ورد کر ہی رہا تھا کہ حضرت والا جلال یزدانی اور جمال رسالت کی شان لئے ہوئے تشریف ہی لے آئے۔ قلب و دماغ لطف و سرور سے معطر ہوگیا اور یہ شعر برجستہ یاد آگیا ؎

ایں است کہ دل بردہ و خون کردہ بسے را بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کسے را

(یعنی یہی وہ ذات ہے جو نجانے کتنوں کا دل اچک لے گئی ہے اور نجانے کتنوں کا خون کر چکی ہے۔ اگر کسی کے اندر نظر کرنے کی طاقت و صلاحیت ہو تو بسم اللہ وہ خود دیکھ لے (اور میری تصدیق کرے)۔ اللہ میاں ان اقوال کو احوال کر دیں

تحقیق: آمین۔

حال: اور آپ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنی محبت سے سرشار کریں (درجہ میں تو مقدم اللہ تعالیٰ کی محبت ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھر بزرگوں کی لیکن حصول میں عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ پہلے کسی شیخ سے سچی محبت و عقیدت ہوتی ہے جو کہ ذریعہ بنتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونے کا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت داعی بنتی ہے اللہ تعالے سے محبت ہوجانے کے لئے واللہ تعالیٰ اعلم)۔ **تحقیق:** آمین۔

حال: ابھی تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ جیسے دروازے کے باہر ہی گشت کر رہا ہوں

یہ شعر بھی ایک دن یاد آیا اور آنکھ بھر آئی ؎

بطواف کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند   کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

(یعنی میں حرم کا طواف کرنے کیلئے گیا تو مجھے حرم کے اندر نہیں جانے دیا گیا یہ فرمایا کہ تو اس در کے باہر کیا کر کے آیا ہے جو آج گھر کے اندر آنا چاہتا ہے) ۔ یہ بات صحیح ہے کہ بیرون در کیا کیا ہے جو درون خانہ آنے کی اجازت ملے ۔ خیر اُس در کی دربانی ہی مل جائے تو بہت ہے ۔ اللہ پاک عطا فرمائیں ۔ تحقیق: آمین

حال: محبت کی ایک لطیف کیفیت حضرت کے ساتھ ہے ۔ تحقیق ۔ الحمد للہ

حال: اس کو ضبط کرتے ہوئے لکھا ہے پھر بھی اس قدر بات آہی گئی ۔

تحقیق: محبت کب چھپ سکتی ہے ؟

حال: اس ناکارہ سے اگر کوئی بات حد سے تجاوز کر گئی ہو تو اپنے کرم سے معاف فرمائیں

تحقیق: آپ کے مضمون سے بہت خوش ہوا ۔

(مکتوب نمبر ۲۰۴)

حال: مدرسہ میں سات آٹھ ماہ سے حضرت والا کے ملفوظات سنا رہا تھا جس میں اساتذہ اور طلبہ ہی اکثر رہتے ہیں دو چار حضرات باہر کے بھی آجاتے ہیں ۔ اب مناسب معلوم ہوا کہ ہفتہ میں دو دن مسجد ہی میں صبح کی نماز کے بعد عام مصلیوں کو سنانے کا اہتمام ہو ۔ تحقیق: بہتر ہے ۔

حال: بعض احباب کی رائے اور انکا مشورہ بھی تھا اسلئے شروع کر دیا ہے ۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں ۔

حال: حضرت والا دعا فرمائیں کہ حضرت کے ارشاد کی صحیح اور واضح تر ترجمانی اور تشریح ہوسکے ۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں ۔

حال: اور اس سلسلہ میں ناکارہ کو اور تمام مسلمانوں کو خوب خوب دینی بصیرت پیدا ہو اور فلاح دارین حاصل ہو اور استقامت دین پر نصیب ہو اور کامل اتباع سنت

حاصل ہو۔ تحقیق: آمین آمین۔

حال: نیز حق تعالیٰ کی کامل رضامندی اور آخر وقت میں کامل ایمان پر خاتمہ میرا اور میرے اہل وعیال اقربا اور متعلقین کا ہو جائے۔ ع یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے۔

تحقیق: آمین

حال: گذشتہ بار کی حاضری کے وقت حضرت والا نے کسی کتاب سے یہ سنایا تھا کہ آدمی کو اپنے پیر بھائی سے حسد ہوتا ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: اور اس سے کچھ استفادہ کرنے سے عار ہوتا ہے۔ تحقیق: اور کیا۔

حال: اسوقت اسکو لکھ نہ سکا بات پوری یاد بھی نہیں رہی، اکثر اوقات وہ بات جب یاد آتی ہے تو دل چاہتا ہے کہ اسکو صحیح طرح سے لکھ لوں۔ اس دفعہ بھی وہاں حضرتؒ کی خدمت میں اپنی غفلت کیوجہ سے اسکو لکھنے کا موقع ہی نہیں ہوا۔ حضرت والا اگر مناسب خیال فرمائیں تو ارشاد فرمائیں بڑی بندہ نوازی ہوگی

تحقیق: شاید وہ مضمون یہ رہا ہو، مثنوی میں ہے کہ ؎

در حسد ابلیس را باشد غلو ۔۔۔ در حسد گیرد ترا در رہ گلو
با سعادت جنگ دارد از حسد ۔۔۔ کو ز آدم ننگ دارد از حسد
اے خنک آں کش حسد ہمراہ نیست ۔۔۔ عقبۂ زیں صعب تر در راہ نیست

یعنی پس اگر حضرت شمس تبریزؒ یا مولانا ضیاء الحقؒ کا اتباع کرتے ہوئے تمکو عار آئے کہ میں کس سے کم ہوں جو کسی کا اتباع کروں تو یہ سمجھو کہ اسکا منشاء حسد ہے تو اسکی نسبت سن لو کہ اگر راہ حق میں حسد تمہارا گلوگیر ہو جائے تو سمجھ لو کہ حسد طریقہ ابلیس کا ہے کہ وہ اس صفت میں کمال رکھتا ہے کیونکہ اسکو بوجہ حسد ہی کے عار ہوا تھا اور واقعہ میں وہ اس حسد کی بدولت اپنی ہی منفعت اور سعادت سے مخالفت کرتا تھا یعنی اپنا ہی نقصان کرتا تھا۔ اور راہِ سلوک میں بھی حسد سے بڑھکر کوئی مانع نہیں کیونکہ اس کے سبب سے ناقصین کمال حاصل کرنے سے رہ گئے ہیں۔ کامل کا اتباع کرنے کو خلاف شان سمجھنا بالخصوص اپنے شیخ کے خلیفہ سے رجوع کرنا تو غالب

طبائع کے خلاف ہوتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم بوجہ پیر بھائی ہونے کے مساوات کا مرتبہ رکھتے ہیں پھر اس سے کس طرح رجوع کریں اور تکمیل بدون کامل کے اتباع کے ممکن نہیں وہ شخص بڑا خوش حال ہے جس کے پاس حسد نہیں ہے۔

حال : نیز اس دفعہ ایک شعر حضرت والا نے مجلس میں فرمایا تھا مطلب تو اسکا یاد ہے شعر یاد نہیں نہ لکھ ہی لیا اسکا بھی افسوس ہے۔ شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ مسند مشیخت پر بڑائی کے ساتھ اسوقت تک نہ بیٹھنا چاہئے جب تک کہ اول تمام اسباب و سامان مشیخت کو جمع نہ کر لیا جائے۔

تحقیق: وہ شعر یہ ہے ؎

تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف مگر اسباب بزرگی ہمہ آمادہ کنی

حال : حضرت کے رسالہ میں پہلے بھی "ہمارے انحطاط کا سبب" والا مضمون دیکھا تھا اب اسی کو سنا رہا ہوں۔ تحقیق : بہتر ہے۔

حال : الحمدللہ اس سے خود مجھے بہت فائدہ نظر آرہا ہے۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : بالخصوص "اپنے کوان اوراد متصلہ سے بچاؤ یعنی محض انکو زبان سے گذار دینے اور تعداد کو پورا کرنے کے چکر میں نہ رہو کہ یہ اخلاص کے منافی ہے" اس ارشاد سے تو گویا ایک نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو گئی۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : زبان پر بے اختیار یہ مصرعہ آرہا ہے ؎ اب نہ ڈھونڈھیں گے ہرگز پتہ مل گیا۔ اور یہ کہ ؎

ساعد شہ مسکیں بر ایں باز باد تا ابد بر خلق در ایں باز باد

(شاہ کا دست سخا خدا کرے اس مسکین کی جانب ہمیشہ کھلا رہے اور اسکا دروازہ مخلوق خدا کے لئے تا ابد وا رہے)

تحقیق : آپ کے مضمون خط سے بہت مسرور ہوا جزاک اللہ۔

(مکتوب نمبر ۲۰۵)

حال: مزاج سامی کی خیر و عافیت ہمہ وقت مطلوب ہے اللہ تعالیٰ ظل عافیت کو ہمارے سروں پر تا دیر قایم و دائم رکھے اور اس سے مستفیض ہونیکی توفیق عطا فرمائے۔

تحقیق: آمین۔

حال: بخیر و عافیت پہونچنے کی اطلاع بذریعہ تار موصول ہوکر باعث اطمینان ہوئی۔

تحقیق: الحمدللہ

حال: یہ تو کہنے کی ہمت نہیں ہے کہ اس احقر کو حضرت اقدس مدظلہم سے محبت ہے اور اسکی وجہ سے یہ جدائی بہت شاق ہوئی البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ آنحضرت کی جو توجہات اور عنایات بے غایات اس نالائق پر ہیں اور حضرت والا کو جو محبت و شفقت میرے ساتھ ہے اسکی یاد نے بیحد ستایا اور ستا رہی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کوئی وقت و تنہائی کا ہو اور حضرت اقدس کا تصور ہو اور بس۔

کوئی مجلس جو حضرت کے ذکر سے خالی ہو دل کو بھاتی نہیں دل کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ع۔ کوئی بیٹھے اور رخ دلدار کی باتیں کرے۔ غرضیکہ صحبت بابرکت نے ایک مرتبہ عجیب و غریب اثر ڈالا جو محسوس تو ہوتا ہے مگر تحریر سے قاصر ہوں

تحقیق: (قاصر اسلئے ہیں کہ یہ حال ہے قال نہیں (ہے اور حال کی ترجمانی سے قال قاصر ہوا ہی کرتا ہے)

حال: بیّن طور پر حضرت والا کا تصرف محسوس ہوتا ہے کہ بعض مشکل چیزیں بہت ہی آسان معلوم ہونے لگیں اور گویا طبیعت کا رنگ ہی بدل گیا ہے

اب وہ مکیں نہ وہ مکاں اب وہ زمیں نہ آسماں
تم نے جہاں بدل دیا آکے مری نگاہ میں

تحقیق: الحمدللہ

حال: حضرت والا نے ایک روز اثنار کلام میں فرمایا تھا کہ مجھکو اختیار ہے خواہ سلوک کو جذب پر مقدم کروں یا جذب کو سلوک پر۔ الحمدللہ کہ تقدیم جذب علی السلوک کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: حضرت والا سے دعائے استقامت و دوام کی درخواست ہے۔ میں ان احسانات کا شکر ادا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ ہی حضرت والا کو اسکا اجر کامل عطا فرمائے۔ تحقیق: آمین

(اس جواب کے ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

" لوگوں میں جس قسم کے حالات کا میں منتظر رہتا ہوں الحمدللہ کہ تمھارے اندر وہ حالات پیدا ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ اسکو متعدی کرے کہ اور لوگوں میں بھی یہی حالات پیدا ہوں۔ تمھارے اس خط سے بہت خوش ہوا اور اس سے سمجھا کہ اب تمھارا کام ہوگیا۔ ان حالات کے بقار و ترقی کے لئے دعار کرتا ہوں، اور دعار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمھارا سلوک بھی طے فرما دے اور مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس خط کو مولوی . . . وغیرہ کو بھی دکھلا دو اور کہدو کہ سب لوگ کام میں لگیں۔ اس قسم کے حالات سے خوش ہوتا ہوں، سب کے لئے دعار کرتا ہوں۔ والسلام۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ واقعی سالک مذکور کے اس حال پر رشک آتا ہے اے کاش کہ اللہ تعالیٰ اس سراپا تقصیر کو بھی حضرت اقدسؒ کی محبت اور متابعت سے کچھ حصہ عطا فرمادیں۔ بلاشبہ سالک موصوف کے اس حال نے کہ ـــ "کوئی مجلس جو حضرت کے ذکر سے خالی ہو دل کو بھاتی نہیں" ـــ دل کو لبھا ہی لیا خط کے کسی گوشہ سے سمجھ میں نہ آسکا کہ یہ کون بزرگ ہیں تاہم ان کے لئے دعار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکو آج بھی اس حال پر باقی رکھے ہوئے ہو اور اس میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ نیز حضرت اقدسؒ کے منشار اور خواہش کے مطابق دیگر خدام والا کے اندر بھی اللہ تعالیٰ یہی حالات پیدا فرما دیں۔ آمین

(مکتوب نمبر ۲۰۶)

حال: حضرت والا سے با دل حزیں و غمگین رخصت ہوا گھر آتے آتے بخار میں مبتلا ہو گیا اب الحمد للہ بخار تو نہیں ہے مگر کمزوری کا اثرات قدرے باقی ہیں دعاء فرمائیں اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عطا فرمائیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: حضرت والا کے فراق و جدائی سے سب ہی لوگ متاثر و محزون ہیں۔

تحقیق: میں خود متاثر و محزون ہوں آپ لوگوں کی جدائی ستا رہی ہے۔

حال: یہ حقیر اپنا کیا حال لکھے جس کا جو بزرگ سب کچھ ہو (یعنی) جس کے جملہ امور جس کسی سے متعلق ہوں اسکی جدائی سے کیا کچھ تاثر و تحسر ہوگا ظاہر ہے۔ نہ کسی چیز سے دل لگتا ہے نہ کوئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے، سب اجاڑ اور بے رونق معلوم ہوتا ہے ترصیع الجواہر کی وہ عبارت یاد آتی ہے جسکو حضرت اقدسؒ نے اثناء قیام میں بار بار سنایا جسکا ایک جز الرضا من ثمرات المحبۃ ہے (یعنی محبوب کے تمام افعال پر راضی رہنا محبت کے آثار و ثمرات میں سے ہے) اس حقیر کا کیا منہ کہ محبت کا نام لے تاہم حضرت والا جو اس حقیر سے محبت و عنایت فرماتے ہیں اسکا قلب پر کافی اثر ہے اور یہ بات بار بار دل میں آتی ہے کہ حضرت والا کے منشاء کے مطابق رہوں انشاء اللہ العزیز حضرت والا کی رضا نصیب ہوگی پھر یہ دوری رضائے حضرت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باعتبار ثمرات کے دوری نہوگی۔ تحقیق: ٹھیک کہتے ہو۔

حال: بس اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ یا اللہ حضرت والا کی مرضی کے مطابق فرما دے تحقیق: آمین

حال: اور آخرت میں باحسن وجوہ جمع فرما دے اور اس فراق کی تلافی وہاں کی کامل و دائم بقاء سے فرما دے۔ اللھم لا تنزع منی من صالح ما اعطیتنی ولا تفتنی فیما احرمتنی (یعنی اے اللہ جو عمدہ چیزیں آپ نے مجھے عنایت فرمائی ہیں انمیں سے کچھ مجھ سے چھین نہ لیجئے اور جس چیز سے مجھے محروم فرمادیا ہے اس کے متعلق مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے گا) تحقیق: آمین

اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے یہاں سے اہل و نااہل ضروری و غیر ضروری مناسب
ا مناسب کا فرق ہی ختم کر دیا ہے۔ بلکہ حضرت کے ارشاد کے مطابق یہ تو یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اس
نت تو سب لوگ صالح ہی ہیں اور صلاح و کمال کے اس درجہ پر پہونچے ہوئے ہیں جس پر
پہلے لوگ تھے حالانکہ بعض ان میں ایسے تھے کہ اگر وہ ادنیٰ فکر و تدبیر سے کام لیتے تو شاید
ن سے کچھ کام ہو جاتا، لیکن چونکہ نبض شناسی ہر شخص کا کام نہیں اسلئے انھوں نے کبھی اس
نب توجہ بھی نہیں کی بلکہ اپنی ساری قوت علمیہ اور بایں دقیق و غامض علوم اور اختلافی امور
ں نذر کر دی جسکا اثر یہ پڑا کہ وہ عوام کو شریعت کی طرف تو کیا لاتے بلکہ اس سے کچھ نفرت ہی
لادی اور اس شعر کا مصداق ہو گئے ؎

تو برائے وصل کردن آمدی　　نے برائے فصل کردن آمدی

حالانکہ ان کے ذمہ تھا کہ وہ شریعت کے حسن و خوبی کو بیان کر کے لوگوں کی نظروں میں
سکو محبوب بنا کر خود خدا و رسول کی نظروں میں سرخروئی حاصل کرتے، مگر چونکہ یہ چیز حضرت
ی کے حصہ میں لکھی ہوئی تھی اسلئے کوئی دوسرا وہاں تک پہونچ نہ سکا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ (یہ حق تعالیٰ کا فضل اور انکا انعام ہے جسے چاہتے ہیں مرحمت فرماتے ہیں)

(۳)

گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ حضرت والا کی خصوصیات و کمالات کا بیان کرنا
ور تحریر میں لانا احقر بدفہم کے بس سے باہر ہے مگر محض بطور تعمیل حکم کے چند باتیں عرض کرنے
ی ہمت کرتا ہوں وہ یہ کہ ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے خزانۂ غیب سے علم عطا فرمایا تھا
سی طرح اپنے خزانۂ حکمت سے مردم شناسی و موقع شناسی کا ملکہ بھی عطا فرمایا تھا، نیز معاش و
عاد کی فہم بھی عطا فرمائی تھی، اب ان کے ورثا علماء ہیں العلماء ورثة الانبياء مگر علم کے
ساتھ ساتھ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ذی علم کو تعلیم و تربیت کا ملکہ اور معاش و معاد دونوں کو
رست کرنے کا ملکہ حاصل ہو یہ نہیں ہوتا ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

(یہ ضروری نہیں کہ جو چہرہ کہ حسین ہو وہ انداز دلبری بھی رکھتا ہو جس طرح سے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو شخص بھی آئینہ رکھتا ہو وہ سکندری بھی رکھتا ہو)

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست　　کلاہ داری و آئین سروری داند

(چنانچہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو شخص بھی اپنی ٹوپی ٹیڑھی کرلے یا اکڑ کر بیٹھ جائے وہ واقعی کلاہ محبوبی ہی رکھتا ہو یا وہ صاحب سلطنت ہی بن گیا ہو)

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(ہزار نکتے بال سے بھی زیادہ باریک یہاں یعنی شان محبوبیت والے کیلئے ہوا کرتے ہیں یہ نہیں کہ بس سر گھٹا لے اور قلندر کہلانے لگ جائے)

بلکہ جنکو اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں وارث بناتے ہیں اور نائب رسول بناتے ہیں اور جس کو اپنے دین متین کی خدمت کے لئے مامور فرماتے ہیں اسی کو یہ ملکہ عطا فرما کر نوازتے ہیں وَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ تو سب سے مابہ الامتیاز یہاں اخلاقی تعلیم ہے اور کل دین محمدی کی بنا اخلاق پر ہے، اس لئے ایسا شخص قوم کے حالات کو نظر غائر سے دیکھتا ہے اور حالات کے رخ کو پہچانتا ہے اور اسی کے مطابق کلام کرتا ہے اور وہ قوم میں روح پھونک دیتا ہے اور زندگی آجاتی ہے۔ ع۔ عیسیٰ وقت است کہ دم می زند۔

دوسری بات یہ ہے کہ قوم کے بگاڑ کے ہزاروں اسباب ہوتے ہیں جسکے متعین کرنے کیلئے لوگ حیران و پریشان رہتے ہیں مگر وہ مرد کامل بگاڑ و فساد کی اصلی شہ رگ پر انگلی رکھ دیتا ہے۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو یہ ملکہ مردم شناسی کا اور موقع شناسی کا عطا فرمایا ہے بات گو کتنی ہی عمدہ ہو مگر ہر موقع و ہر محل میں کارگر نہیں ہوتی اور ہر شخص اسکا اہل نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنا ایک موقع اور محل رکھتی ہے۔ خمیرۂ گاؤزباں کسی مریض کو دیا جاتا ہے اور کسی کو نہایت مضر بتایا جاتا ہے۔ گیہوں اور جگہ بویا جاتا ہے اور دھان کی کاشت کی زمین اور ہوتی ہے۔ حضرت والا کی خصوصیات سے ہے کہ کلام کو بے محل اور بے موقع ضائع نہیں فرماتے بلکہ اسکو اسکے موقع و محل میں پہونچا دیتے ہیں۔

نیز حضرت والا کو حق تعالیٰ نے قوم کی نبض شناسی کا ملکہ عطا فرمایا ہے۔ یہ خاص چیز ہے کہ جو ذرائع کہ اہل دنیا کے حالات معلوم کرنے کے لئے ہیں ان سے غایت درجہ نفرت ہے مثلاً اخبار بینی یا ادھر ادھر آنا جانا وغیرہ وغیرہ ان سب چیزوں سے طبعی تنفر ہے اور عام حالات سے پوری طرح واقفیت ہے اور اس پر مفصل کلام فرماتے رہتے ہیں کہ عام طور پر خانہ جنگی کیونکر ہے اور اسکے اسباب کیا ہیں؟ اسی طرح سے حضرت والا اپنے ملکۂ حالات شناسی و فراست سے

اس پر بہت دنوں سے زور دیتے ہیں کہ قوم میں جو عام تعطل اور غفلت طاری ہے اور دین فروشی و گمراہی و بددینی میں مبتلا ہوتی جارہی ہے اور طرح طرح کے فسادات انمیں رونما ہو رہے ہیں اسکا اصلی سبب کسی دوسری قوم کا مسلط ہونا نہیں ہے بلکہ قوم کے بناؤ و بگاڑ کی ذمہ دار خود یہی قوم بلکہ ان کے خواص ہیں. خواص کے فساد سے عوام کا فساد ہے ساری قوم کی ذمہ داری انھیں پر ہے۔ جب انھیں میں صحیح دین و ایمان کی بہار آتی ہے تو قوم میں بھی بہار اور ایمانی زندگی اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب انکا احساس زندہ رہتا ہے تو قوم کا احساس بھی زندہ رہتا ہے اور جب ان میں غفلت اور تعطل طاری ہو جاتا ہے تو قوم بھی سو جاتی ہے بلکہ مردہ ہو جاتی ہے۔ اصل میں انہی میں بگاڑ و فساد پیدا ہو گیا ہے یہ جڑ ہیں جڑ ہی میں گھن لگ گیا ہے جب تک یہ درست نہ ہوں گے اور صحیح راستہ نہ پکڑیں گے تو قوم بھی صحیح راستہ نہ پا سکے گی۔

اسکے علاوہ حضرت والا کی یہ بھی تشخیص ہے کہ جب کسی قوم میں پستی آنے پر ہوتی ہے اور جن پر عتاب نازل ہونا ہوتا ہے تو سب سے پہلے جو چیز اس سے لے لیجاتی ہے وہ فہم لے لیجاتی ہے، چنانچہ ہم سے فہم لے لی گئی، اب فہم مفقود و عنقا ہے۔ ہر خاص و عام کو اس پر متوجہ فرماتے ہیں اور متنبہ فرماتے ہیں کہ فہم پیدا کرو ہم سے فہم ہی رخصت ہو گئی ہے۔ دین و دنیا کی بڑی بڑی باتیں کیا سمجھیں گے جبکہ معمولی معمولی باتیں بھی نہیں سمجھتے۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جو طبقہ کہ دیندار ہے، ذی علم ہے، بلکہ مشائخ بھی، دوسروں کو تبلیغ کرنے میں اور انکو دین پہونچانے میں بڑی جد و جہد کرتے ہیں، دوسروں کے لئے دینداری پسند کرتے ہیں مگر اہل و عیال اور خاندان والوں کو بالکل بے مہار چھوڑے رہتے ہیں جدھر چاہیں جائیں جس میں چاہیں منھ ڈالیں ان سے بالکل بے توجہی برتتے ہیں۔

مگر حضرت والا کی یہ خاص بات ہے جیسے اخلاق نبوی سے اور سب حصے ملے ہیں اور انکے فیض سے فیض یاب ہیں ویسے ہی اس اخلاق سے بھی متخلق ہیں کہ جو باتیں دینی کہنی ہوتی ہیں پہلے اپنے اہل و عیال پھر اپنے مقربین سے فرماتے ہیں۔ درجہ بدرجہ تبلیغ کی پہلی سنت اور عمل بالقرآن یہی ہے۔

اسی طرح حضرت والا اس پر بھی توجہ دلاتے رہتے ہیں کہ دنیا سے جتنے بڑے بڑے لوگ جاتے ہیں اپنی جگہ کسی کو نہیں چھوڑ کر جاتے کہ وہ ان کے فضل وکمال کا حامل ہو اور انکے علوم کو لوگوں سے بیان کرسکے اور اس چشمۂ فیض کو جاری رکھے بلکہ کسی کا جہاں سایہ اٹھتا نہیں کہ وہ چشمۂ فیض بند ہوجاتا ہے اور وہ جگہیں صرف تبرک اور قصہ وکہانی بن کر رہ جاتی ہیں۔ اسکا حضرت والا کو بے حد رنج وغم رہتا ہے اسلئے اکثر وبیشتر پاس رہنے والوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ان کے جمود وغفلت کو دور کرنے کی کوشش فرماتے رہتے ہیں

حضرت والا کی بہت سی خصوصیات ظاہری وباطنی ہیں مگر جو خصوصیات کہ ظاہر وعام فہم ہیں جنکو مجھ جیسا بدفہم بھی سمجھ سکتا ہے اس بدفہم نے عرض کردیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے اور حضرت والا سے بھی دعا کی التجا ہے کہ حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ ہم لوگوں کو اس چشمۂ فیض سے پوری طرح فیض یاب فرمائے اور ہم لوگوں کو اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ اور کَانَ سَعْیُھُمْ مشکورًا کا مصداق ونمونہ بنادیں جو کہ حضرت والا کی فرحت ومسرت کا سبب بنے۔ والسلام۔

(۴)

سیدی وسندی حضرت والا دامت برکاتہم وفیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ——— اپنی کم فہمی کے سبب سے کل حضرت والا کے سوال کا منشاء میں ہی نہ سمجھ سکا اور ایک عام سوال کو خاص کرکے لقد تجحرت واسعًا کا مصداق بن گیا پھر بناء الفاسد علی الفاسد کے طور پر میری وجہ سے احباب کو بھی غلط فہمی ہوگئی جس کی میں نے معافی مانگ لی ہے لیکن رات کو جناب ۔ ۔ ۔ صاحب کے بیان فرمانے سے اور اسوقت مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کے خط سنانے سے حضرت کا منشاء پوری طرح الحمد للہ سمجھ میں آگیا۔ چنانچہ حضرت کی تعلیم وتربیت کی خصوصیات میں چند باتیں جو سمجھ میں آتی ہیں عرض کرتا ہوں۔ خدا کرے صحیح سمجھا ہوں اور صحیح ادا کرسکا ہوں :۔

۱۔ حضرت والا اپنی تعلیمات میں صرف کتاب وسنت اور پھر سیرت مشائخ کا بیان فرماتے ہیں اور ان میں بھی ترتیب پیش نظر رہتی ہے کہ پہلے کتاب وسنت اور نبی کریم

اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور پھر اسکی تائید میں سیرت اکابر پیش فرماتے ہیں

۲- تربیت میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقے کا خاص اہتمام ہے کہ جس دوسروں سے مطالبہ کیا جائے اپنے گھرانے کے لوگوں میں اسکا اجراء پہلے کیا جائے یہی وجہ ے کہ سالکین سے اگر اعتقاد، اتباع، انقیاد اور اخلاص کا مطالبہ فرماتے ہیں تو اپنے سے اس سے زیادہ شد و مد کے ساتھ مطالبہ ہوتا ہے

۳- نیز تربیت کے باب میں قرآن حکیم کے پر از حکمت و شفقت طرز پر حضرت والا ہے کہ اعمال میں ترتیب کا لحاظ فرماتے ہیں اور جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے محض شفقۃً علی و تسہیلاً لہم پہلے مفصلات نازل فرمائیں تاکہ قلوب جنت و دوزخ کے خوف و شوق سے ہو جائیں جنکی وجہ سے اعمال کی مشقت ان پر آسان ہو جائے۔ اسی طرح سے حضرت والا سے بھی مگر اب تو زیادہ اسکا اہتمام فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو کام کام کی اور آسان آسان چیزیں پہلے بتائی جائیں چنانچہ بہت زیادہ ذکر و شغل اور مراقبہ وغیرہ تو حضرت کے یہاں کبھی بھی رہا اور اب تو اس پر آگئے ہیں کہ مسلمانوں کو وضوء طہارت تلاوت پہلے درست کرنا چاہیئے سکو ایسا مدلل بیان فرمایا ہے کہ عوام الناس کی سمجھ میں بھی آگیا کہ یہ دین ہے اور یہ اس کا تہ ہے ورنہ تو قوم کی نظروں میں نماز و روزہ کی عظمت ختم ہو رہی تھی تا بہ طہارت و وضوء چہ د؟ اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک مرتبۂ عظیم ہے جس سے حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو تے ہیں اور وہ دین کو غیر دین سے ممتاز کر دیتا ہے۔

۴- اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی یہ بھی ہے کہ عمل سے بھی پہلے حضرت والا اس کی فرماتے ہیں کہ لوگوں کی فہم درست ہو اسلئے کہ فہم درست ہوگی تو بہت کچھ دین کا کام کرے گا جو کچھ کرے گا وہ صحیح کرے گا ورنہ بدفہم آدمی تو عمل کا ڈھیر بھی لگائے لیکن اسکی بدفہمی نہ معلوم راہ سے اسمیں گھن کا کام کر جائے

ایک خصوصیت حضرت والا کی یہ نظر آرہی ہے جو پہلے سے ہے لیکن اب زیادہ معلوم ہے کہ آنے جانے والوں اور خاص کر پاس رہنے والوں سے جس طرح ایک جانب اخلاص مطالبہ شدید ہوتا جا رہا ہے اسی طرح دوسری جانب شفقت و رافت و رحمت بھی فراواں

ہوتی جا رہی ہے یعنی قلب کی ٹیس اور دل کی لگن حضرت والا کے عمل میں برای العین مشاہد ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمکو ہمارے نفس سے نکالکر اپنی بندگی میں لگائے اور حضرت والا کے منشا کو ہمارے ہی ذریعہ پورا فرمائے کہ اُسکا محض فضل و احسان ہوگا۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی	منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(احسان مت رکھو کہ تم سلطان کا کام کر رہے ہو بلکہ اسی کے احسان مند ہو کہ اس نے تمکو اپنی خدمت میں رکھ لیا)

اور اس طرح سے اپنے کام پر لگا دے کہ حضرت والا کے لئے ہم سب لوگ قرۃ اعینُ (آنکھ کی ٹھنڈک ۱۲) ثابت ہو سکیں۔

حضرت والا کی توجہ کی برکت سے کچھ آنکھ کھل رہی ہے اور قلب میں بھی کچھ حرکت پیدا ہو رہی ہے۔ دعا کا ہر آن محتاج ہوں کیونکہ اپنا حال جانتا ہوں، حضرت والا ہی کی توجہ سے کشود کار ہو رہا ہے اور اسی سے ترقی ہوگی۔ اس وقت یہی باتیں سمجھ میں آئیں جو عرض کیں حضرت اصلاح فرمائیں۔ والسلام

(۵)

حضرت والا کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص منصب ارشاد اور نور بصیرت عطا فرمایا ہے اس سے امت کی گمراہی اور اور اسکے اسباب و علل کو بنظر غائر اچھی طرح دیکھ لیا ہے اسی لئے امت کی اصلاح کے لئے ہمہ وقت بے انتہا سعی فرماتے رہتے ہیں اور گمراہی کے اسباب کے ازالہ کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ حضرت والا دیکھ رہے ہیں کہ عوام کا بگاڑ خواص کی وجہ سے ہو رہا ہے، مدارس اور خانقاہیں قائم ہیں، مسلمانوں کے ہزارہا ہزار روپے ان پر خرچ ہو رہے ہیں مگر ایک آدمی بھی ان میں ایسا نہیں نکلتا جس کو صحیح معنوں میں کہا جاسکے کہ یہ اپنے بڑوں کا جانشین ہے اسی لئے حضرت اپنے خواص اور پاس رہنے والوں کی اصلاح پر بڑی خصوصی نگاہ رکھتے ہیں کیونکہ عوام کی اصلاح خواص ہی کی اصلاح پر موقوف ہے۔

اسی طرح حضرت والا اپنی اولاد اور خدام کی اصلاح پر برابر زور دیتے رہتے ہیں کیونکہ اصلاح باطن کی نعمت سے اگر یہی لوگ محروم رہ گئے تو بڑے افسوس کی بات ہے۔

بعض لوگوں کا مقولہ کہ تین شخصوں کو نفع نہیں ہوتا کم از کم یہاں تو نہ صادق آوے۔

حضرت والا صحابۂ کرام اور اکابر امت کے حالات کو اس طور پر بیان کرنا پسند نہیں فرماتے کہ زمانۂ حال کے لوگ سمجھنے لگیں کہ ہمارا حال بھی وہی ہے اور ہم بھی اللہ تعالےٰ کے انھیں انعامات کے مستحق ہیں جس کے وہ لوگ تھے۔ بلکہ اس زمانہ کے لوگوں کے ایک ایک مرض کو بیان فرماکر اسکی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جس طرح دور اول میں اخلاص اور مخلصین کی کثرت تھی اسی طرح اس زمانہ میں نفاق اور منافقین کی گرم بازاری ہے اسی لئے حضرت والا نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس مرض کے متعلق تحریر و تقریر و رسائل کے ذریعہ کلام فرمایا ہے جو بلا شبہ حضرت والا کا تجدیدی کارنامہ ہے۔

عام طور پر اس زمانہ میں فہم کی کمی کی وجہ سے مسلمانوں کو معاش و معاد دونوں مقصدوں میں ناکامی ہوتی ہو اسی لئے حضرت والا فہم و عقل پر برابر زور دیتے رہتے ہیں اور فرماتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں نہ عقل معاش باقی ہے نہ عقل معاد بعضے لوگ نیک ہوتے ہیں مگر عقل کی کمی اور بدفہمی کی وجہ سے ناکام رہتے ہیں۔

اصلاح کے سلسلہ میں حضرت والا مخاطب کے فہم و استعداد کے لحاظ سے اسکی تربیت و اصلاح فرماتے ہیں ان دنوں خصوصیت کے ساتھ بسط سے اسپر کلام فرماتے ہیں اور تائید میں حضرت عائشہؓ کا اثر اور دیگر نصوص پیش فرماتے ہیں۔

امت کی گمراہی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ اصلاحی کام کرنا چاہتے ہیں بے طریقہ اور بے قاعدہ کام کرتے ہیں جو بات نہ کہنے کی ہوتی ہے وہ کہہ جاتے ہیں یا بے محل اور بے موقع کلام کر جاتے ہیں جس سے بجائے اصلاح کے افساد اور بجائے کام بننے کے بگڑ جاتا ہے اسی لئے حضرت والا کام کرنے کا طریقہ اور اسکے آداب بتاتے ہیں۔

حضرت والا کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اصلاح پورے طور پر فرماتے ہیں اس معاملہ میں ذرا بھی تسامح نہیں فرماتے مگر رفق و لین سے کام لیتے ہیں اور اس طرح فرماتے ہیں کہ مخاطب کو بجائے توحش کے اسکی گردن ندامت سے جھک جاتے اور اپنی کوتاہی کو برای العین مشاہدہ کرلے۔

حضرت والا کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بڑے بڑے امراض جنکے لئے بزرگوں کے یہاں بڑے بڑے مجاہدے کرائے جاتے ہیں حضرت والا انکو ایک ایک جملہ سے زائل فرما دیتے ہیں۔ سالہا سال کے مجاہدے کی جگہ حضرت والا کا مختصر سا سوال اور گاہ گاہ کسی کے واسطے یا بلا واسطہ کچھ فرما دینا ہوتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار حضرت والا نے ایک مولوی صاحب سے کچھ مواخذہ فرمایا جس کو انھوں نے اپنی ناسمجھی سے حضرت والا کی ناراضگی پر محمول کر کے ایک صاحب سے سفارش کرائی، حضرت والا نے اس سیہ کار سے فرمایا کہ دیکھو لوگ سمجھتے نہیں جو کام اگلے لوگ سالہا سال کے مجاہدے سے نکالتے تھے میں باتوں باتوں میں اسکی اصلاح کر لیتا ہوں۔

سیدی! حضرت کو معلوم ہی ہے کہ یہ سیہ کار ہر طرح نابلد اور بد استعداد ہے اسلئے عجلت میں جو کچھ ذہن میں آیا عرض کر دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت والا کی خصوصیات سمجھنے کیلئے بڑی بصیرت اور ذہانت کی ضرورت ہے بڑی ہی لجاجت سے درخواست کر رہا ہوں کہ دعا فرمائیں کہ یہ سیہ کار بھی اس در سے محروم نہ رہے کم از کم سگ اصحاب کہف کیطرح نجات کا راستہ ملجائے اللہ تعالیٰ حضرت والا کے سایۂ عاطفت کو تاابد ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ والسلام

(۶)

معروض خدمت اقدس اینکہ یہ ناکارہ بدفہم حضرت والا دامت برکاتہم کی تعلیمات کو بیان ہی کیا کر سکتا ہے تعمیل حکم کیلئے چند باتیں عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ اجمالی اور کلی طور پر یہ تو سب پر واضح ہے کہ حضرت والا کی تعلیمات سراسر تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریق کار طریق سنت ہے اور احقر یہ سمجھتا ہے کہ کسی مرشد و مصلح کے شرف و فضل اور اسکے طریقۂ اصلاح کے خیر و خوبی کیلئے اس سے بڑھکر کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت والا اپنی خداداد بصیرت و فراست سے امت کے خواص اور عوام کے احوال کا بنظر غائر مطالعہ فرما کر کتاب و سنت سے اس کے احکام بیان فرماتے رہتے ہیں جو احوال و امراض کے مطابق ہوتے ہیں۔

وقتی طائفہ یحیی معاذ را گفتند مارا پندی بدہ گفت کونوا عبیدا ای بافعالکم کنتم عبیدا باقوالکم آری چناں باش کہ بنمای وچناں مباش کہ ننمای وچنین بودن وچنیں کاری است بس عظیم وقتی حسن بصریؒ یکی از یاران خود را گفت توچرا خلق را نصیحت نکنی؟ گفت انی اخاف ان اقول مالا افعل حسن گفت یرحمک اللہ وانما نفعل مانقول عزیز من طائفہ کہ قول ایشاں موافق فعل باشد کم باشند اما طبقہ کہ فعل ایشاں مخالف قول ایشاں است بسیار اند حکما گویند کان الناس علی اربعۃ فرق الفرقۃ الاولی کانوا یفعلون ولا یقولون ثم صاروا یقولون ولا یفعلون ثم لا یقولون ولا یفعلون ای برادر از گفتن وناگفتن کاری پیش نرود کاری باید کرد اگر از کارہای نیک ہم نمی توانی کرد باری

ایک دفعہ ایک جماعت نے حضرت یحییٰ معاذؒ سے درخواست کی کہ ہمیں کچھ نصیحت فرمائیے۔ فرمایا کہ بس تم سب اپنے افعال سے بھی بندے بن جاؤ جیسے کہ زبان سے بنے ہوئے ہو۔ ہاں بھائی ویسے ہی بنو جیسا کہ اپنے کو ظاہر کر رہے ہو اور ویسے نہ بنو جیسا کہ تمھارا ظاہر نہیں ہے (کہ یہ اختلاف ظاہر و باطن نفاق کہلاتا ہے جو اخلاص کے منافی ہے) باقی ایسا ہونا اور ایسا اپنے کو کر لینا بڑا ہی دشوار کام ہے۔ ایک دفعہ حضرت حسن بصریؒ نے اپنے دوستوں میں سے کسی سے کہا کہ تم مخلوق کو نصیحت کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں زبان سے ایسی بات دوسروں کو کہوں جو خود نہیں کرتا حضرت حسن نے یہ سنکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے (تمھارا یہ خیال بہت خوب ہے) ہم لوگ تو وہی کرتے ہیں جو اپنی زبان سے کہتے ہیں۔ عزیز من! ایسے لوگ کہ جنکا قول ان کے فعل کے موافق ہو بہت نادر ہیں ہاں ایسے لوگ کہ جن کے افعال انکے اقوال کے خلاف ہوتے ہوں بہت ہیں۔ حکماء بیان کرتے ہیں کہ لوگ چار قسم کے ہوئے ہیں ایک تو وہ طبقہ تھا جو کرتے تھے اور کہتے نہیں تھے۔ پھر اسکے بعد بدلے تو کہنے لگے اور خود کرنا چھوڑ دیا اور پھر تغیر ہوا تو کہنا بھی چھوڑ دیا اور کرنا بھی ترک کر دیا[۵]۔ بھائی میرے! کہنے نہ کہنے سے کچھ بھی کشود کار نہیں ہوا کرتا کام کرنا چاہئے کام۔ اگر تم نیک کام کر نہیں سکتے تو اسکا کہنا بھی

۵۔ مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ تو تین ہی قسم ہوئی پس ہو سکتا ہے کہ پہلی شق کاتب وغیرہ کی غلطی سے رہ گئی ہو یعنی ایک طبقہ وہ تھا جو کرتا بھی تھا اور کہتا بھی تھا اور دوسرا وہ جو کرتا تھا اور کہتا نہیں تھا الخ۔ لطف یہ ہے کہ کتاب کے حاشیہ میں عربی کا جو ترجمہ فارسی میں کیا ہے اسمیں محشی بھی الجھ گئے ہیں اور ایک شق کو مکرر رکھکر چار بنا دیا ہے۔

گفتن ہم بگذارد در عہد دولت
رسول اللہ علیہ السلام مردے
پسری داشت بغایت فاسق آن پسر
وفات یافت پدر بروی نماز نگذارد
فقیل لہ لم ترکت الصلوٰۃ علی ابنک
قال انہ ابن سوء فقیل لہ قد صلّی علیہ
من ہو خیر منک یعنی النبی صلی اللہ
علیہ وسلم و ملائکۃ السماء قال لم قیل
لانہ کان فی شرب الخمر یوماً سمع ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم من
سفرہ سالماً ففرح بذلک فغفر اللہ
تعالیٰ لہ بتلک الفرحۃ آری حضرت
واہب المواہب تعالیٰ و
تقدس باندک پذیری معروف
است و بہ بسیار بخشی موصوف
اگر امروز یک سجدہ تو قبول افتادہ
است فردا سر تو کہ برارد بشنو بشنو
زبیدہ را بعد فوت در خواب دیدند
گفتند با تو چہ معاملہ گذشت گفت
مرا بیامرزید گفتند بکدام طاعت
گفت وقتی بر پشت فیل سوار شدہ
می رفتم و قرآن میخواندم چوں
بآیت سجدہ رسیدم خواستم

چھوڑدو (کیونکہ اسکا سخت وبال پڑتا ہے، دیکھو) رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں ایک شخص کا لڑکا حد درجہ
فاسق وفاجر تھا اس لڑکے کا انتقال ہوگیا باپ نے اس کی
نماز جنازہ نہیں پڑھی اس سے دریافت کیا گیا کہ تم نے ایسا
کیوں کیا؟ اپنے لڑکے کی نماز جنازہ کیوں نہیں پڑھی؟ اس نے
کہا وہ برا لڑکا تھا کسی نے اس سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم جو کہ تم سے بڑھکر متقی ہیں اسی طرح سے آسمان کے فرشتے
ان سب نے تو اسکے جنازہ کی نماز پڑھی ہے۔ اس نے پوچھا
تم کو معلوم ہو تو بتلاؤ کہ ان حضرات نے کیوں پڑھی؟ کسی نے کہا
ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر سے واپس
تشریف لا رہے تھے اور یہ شراب پئے ہوئے مست تھا جب
سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر سے صحیح وسالم واپس
لوٹ آئے تو اس پر بہت خوش ہوا (خدا کا شکر ادا کیا) پس
اللہ تعالیٰ نے اسکی اسی خوشی کے سبب سے اسکو بخش د
ہاں بھائی ہاں تعجب کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ جو کہ واجب العطیہ
ہیں وہ اندک پذیری (یعنی تھوڑے عمل کو قبول کر لینے)
مشہور ہیں اور اسکا بیش از بیش صلہ عطا فرمانے والے
اگر آج تمہارا ایک سجدہ قبول ہو جائے تو تم سربلند ہو کل کو
سرکون نیچا کر سکتا ہے۔ سنو سنو! زبیدہ کو لوگوں نے اس
مرنے کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا تمہارے ساتھ کیا
ہوا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ لوگوں نے پھر پوچھا
کس عمل کی وجہ سے؟ (سمجھے تھے کہ شاید نہر زبیدہ بنوانے
سے ایسا ہوا ہوگا) زبیدہ نے کہا کہ ایک دن میں ہاتھی

بہانجا سجدہ کنم نقیبان
حضرت الٰہی بانگ برمن زد
کہ اے ضعیفہ چوں توکسے
آن درگاہ را بر پشت پیل
سجدہ کند اگرچہ سجدہ سہو بود
از من قبول افتاد و سبب
مغفرت شد۔

قطعہ

نخشبی عجز ساز پیشہ خود
شاہ بازاں بہ پر پرند ہمہ
زاں سوی کائنات ہر ہمہ وقت
عجز و بیچارگی خرند ہمہ

سوار ہوکر قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے جا رہی تھی سجدہ کی آیت آگئی تو میں نے چاہا کہ سواری ہی پر بیٹھے بیٹھے اسی سجدہ کروں کہ اتنے میں حق تعالےٰ کے مخصوص فرشتوں نے آواز دی کہ ارے او اللہ کی بندی تجھ جیسی ولیہ! اللہ تعالےٰ کی ذات عالیہ کا سجدہ سواری پر کر رہی ہے؟ تجھ جیسے کے لئے تو نفل نماز کا سجدۂ سہو بھی کرنا اس پر مناسب نہیں میں نے یہ سنکر مرضی الٰہی کو قبول کرلیا (یعنی سواری سے نیچے اتر کر سجدۂ تلاوت کرلیا) بس یہی میری مغفرت کا سبب بن گیا۔

"اے نخشبی عاجزی اور خاکساری کو اپنا پیشہ بناؤ دیکھو شاہباز (شہباز) شاہ سے تعلق کی وجہ سے اپنے پروں سے کتنا اونچا اڑتا ہے۔ اسی لئے تو یہ اللہ والے تمام کائنات سے ہر وقت عجز و بیچارگی ہی کا سودا کیا کرتے ہیں تاکہ خدا کے مقرب ہیں

سلک صد و سی و ہفتم

قال سہیل بن عبد اللہ
لما خلق اللہ تعالیٰ الدنیا جعل فی
الجوع العلم والحکمۃ وجعل فی الشبع
الجہل والمعصیۃ ای ثمرۂ شجرۂ فطرت
ثمرہ جوع ہمہ رحمانی است
نتیجہ شبع ہمہ شیطانی است
سعادتے چوں علم و حکمت
در گرسنگی مدرج کردہ اند

سلک ۱۳۷ (طریق میں قلت طعام کا مقام)

سہیل بن عبد اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا تو جُوع یعنی بھوک (اور خلو معدہ) کے ساتھ علم و حکمت کا رشتہ جوڑا اور شکم سیری کے ساتھ جہل اور معصیت کا۔ یعنی فطرت اور قدرت کے درخت کا پھل گویا جوع کا پھل سب کا سب رحمانی ہے اور شبع یعنی پری شکم کا انجام سارا کا سارا شیطانی ہے۔ دیکھو تاکہ علم و حکمت جیسی سعادتوں کو تو بھوک میں ودیعت فرما دیا ہے اور جہل و معصیۃ جیسی شقاوت کو سیری اور شکم پُری میں چھپا دیا ہے۔ محمد حسین نامی ایک بزرگ

شقاوتے چوں جہل و معصیۃ رسیری تعبیہ گردانیدہ محمد حسین فتی الدنیا یوم ولنا فیہا صوم یعنی مارا ز دنیا ہیچ نصیبے نیست خود نصیب کامل کسے را باشد کہ او را از دنیا نصیبی نباشد شبلی رحمۃ اللہ علیہ در اول حال قباپوش بود چو قبا باگلیم بدل کرد چہار صد ہزار اشرفی در دجلہ انداخت گفتند این چہ کردی گفت خاک با آب اولیٰ تر گفتند چرا بکسی ندادی گفت چیزے کہ بر خود روا نداری بر دیگراں ہم روا نباید داشت کہ از قاعدۂ انصاف خارج باشد کہ من حجاب از دل خود بردارم و بر دل دیگراں از مسلمانان نہم اگر ایں نیکو بودی ہم من بروں نینداختمے آری کسی را کہ خصم چوں ملک الموت در قفا باشد اگر او خود را باشغال دنیاوی مشغول کند از ہمہ ناداں ہمو باشد سلطانِ تختِ خلافت گفتے صلوات اللہ وسلامہ علیہ دنیا بے ملک الموت دانگی نیرزد گفتند چرا گفت لانہ یوصل الحبیب الی الحبیب اما بندہ نخشبی گوید دنیا با ملک الموت دانگی نیرزد اگر گوید چرا باید گفت چوں بباید مُرد و ہر چہ ہست بباید گذاشت اگرچہ ہمہ دنیا بدانگی بفروشند

ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ساری دنیا ایک دن کے برابر ہے جس میں کہ ہمارا حصہ روزہ رکھنا ہے مطلب یہ کہ دنیا میں ہمارا کچھ حصہ نہیں ہے اور حقیقت تو یہی ہے کہ دنیا سے حصۂ وافر اسی کو ملا ہے جس نے ظاہراً اس سے اپنے لئے کوئی حصہ نہیں لیا ہے حضرت شبلی ابتدا میں قباپوش تھے (یعنی امیر و کبیر خوش پوشاک شخص تھے) جب انھوں نے اپنی قبا کو کملی سے بدلا تو ایک لاکھ اشرفی دریائے دجلہ میں جاکر ڈال دیا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ آپ نے کیا کیا؟ فرمایا کہ مٹی کے لئے پانی ہی زیادہ مناسب ہے (یعنی دنیا مٹی کے برابر ہے اسلئے اسکو پانی میں ملا دیا) لوگوں نے کہا کسی غریب کو کیوں نہ دیدیا؟ فرمایا کہ جس چیز کو اپنے لئے انسان نہ پسند کرے اسکو دوسروں کے لئے بھی روا نہ رکھنا چاہیے کہ ایسا کرنا خلاف انصاف ہے کہ میں اپنے قلب سے تو حجاب (دنیا) ہٹادوں اور اسکو دوسرے مسلمانوں پر ڈال دوں اگر یہ کام بھلا ہوتا تو میں اسے خود ہی نہ رکھ لیے ہوتا دریا برد کیوں کرتا۔ اور واقعی سچی بات تو یہی ہے کہ جس انسان کا مقابل ملک الموت جیسا اسکے پیچھے لگا ہوا ہو پھر بھی وہ (اپنے حسن انجام کی فکر نہ کرے بلکہ) دنیاوی مشاغل ہی میں گھرا رہے تو اس سے بڑھکر احمق اور نادان اور کون ہو سکتا ہے۔ شاہِ تختِ خلافت الٰہیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ملک الموت کے بغیر ساری دنیا ایک کوڑی کو بھی مہنگی تھی۔ لوگوں نے عرض کیا وہ کیوں؟ فرمایا کہ (مومن کے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں اور) ملک الموت ہی موت کے واسطے سے ایک حبیب کو دوسرے حبیب سے ملاتے ہیں۔ بندہ نخشبی (کہتا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی برکت سے یہ

ان کسی باشد کہ خریداری او کند
) کہ از مرگ چناں فراموش کردہٴ گوئی
ین دیگراں خواہند مرد بشنو بشنو!
قتی بقالی نزدیک دروازہ دکان داشت
ر وقت کوزہ موجود داشتے
ربارکہ ازاں دروازہ جنازہ
رون بروندے او خستہ
ران کوزہ انداختی بعد
زماسے بشمردی کہ چند
شدند گفتی دریں ماہ چندیں
لس در کوزہ شدند اتفاقاً
او ہم بمرد بعد از مدتے
دوستی از دوستان او
آنجا رسید او را ندید پرسید
بقالی کہ دریں دکان نشستی
چہ شد گفتند او ہم
در کوزہ شد۔

قطعہ

نخشبی مرگ داروی ست کزو
گر سلیمانست ہمچو مور شود
ہیچکس را ز مرگ نیست گریز
گورکن ہم شبے بگور شود

کہتاہے (کہ اسکو چاہو تو یوں بھی کہہ لو) کہ ملک الموت کے ہوتے ہوئے بھی دنیا کوڑی کے برابر نہیں ہے اگر کوئی کہے کہ کیوں؟ تو اس سے کہا جائیگا کہ دیکھو جب ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور سارا اثاثہ چھوڑ جانا ہے تو اگر کوئی شخص ایک کوڑی میں بھی اسکو فروخت کرنا چاہے تو شاید کوئی لینے کو تیار نہ ہو۔ کیونکہ اس کا یہ انجام اور حشر دیکھکر خود اسی میں مبتلا ہونے والا خریدار کوئی احمق ہی ہوسکتا ہے (موت لذتوں کو توڑنے والی چیز ہے) اے انسان تو موت کو ایسا فراموش کر بیٹھا ہے کہ گویا یہ موت اور سب لوگوں کے لئے ہے اور تجھے مرنا ہی نہیں ہے۔ سنو سنو! کسی زمانہ میں ایک بنیا تھا شہر پناہ کے پھاٹک کے پاس ہی اسکی دوکان تھی وہ اپنے پاس ہر وقت ایک خالی برتن رکھے رہتا تھا اور جب ادھر سے کوئی جنازہ گذرتا تو کوئی چیز (کنکر پتھر وغیرہ میں سے) ایک عدد اس میں ڈال دیتا تھا اور ایک مہینہ کے بعد اس کو گنتا تھا اور لوگوں سے (بطور مذاق کے) کہتا تھا کہ اس مہینہ میں اتنے لوگ اس برتن میں گئے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ خود بھی مرگیا اسکے دوستوں میں سے کوئی دوست اُدھر سے گذرا اسکو نہ دیکھکر دریافت کیا کہ وہ بنیا جو اس دوکان پر بیٹھتا تھا کہاں ہے لوگوں نے جواب دیا کہ وہ بھی اسی برتن میں چلا گیا ہے

"اے نخشبی! یہ موت بھی ایسی دوا ہے کہ اسکے سامنے سلیمان بھی ہوں تو مانند چیونٹی کے بے بس ہیں کسی کو موت سے مفر اور چارہ نہیں ہے حتیٰ کہ قبر کا کھودنے والا بھی ایک دن قبر کے اندر جائیگا۔

سلک صد و سی و ہشتم

شہنشاہان تخت ریاضت کہ نفس خود را ہمہ وقت در شکنجہ ریاضت داشتہ اند چنیں گویند بندۂ خائف کسی باشد کہ از نفس خود بیش از ان ترسد کہ از ابلیس زیرا کہ ابلیس از بندہ منفصل است و نفس بندہ با بندہ متصل و عقلا را از خصم قریب بیش از ان ترسند کہ از خصم بعید و لہٰذا چون ملوک کسی را خواہند کہ ہلاک گردانند آنکہ بود قریب تر است ہمت اول بر ہلاک او گمارند عزیز من! تیر کید نفس جز سپر عنایت لم یزلی دفع نتوان کرد بشنو بشنو! احمد خواجہ خضرویہ میگوید بعد از انکہ من نفس خود را در تحت امر کردہ بودم و بشکنجہ ریاضت سر و پای او را کوفتہ گردانیدہ روزی نشاط غزوی در دو افتادہ گفتم ای نفس ہرگز از تو رغبتی دریں کار نیامدی ترا زیرا یں کیدی خواہد بود مگر کید تو آنست کہ من ترا ہمہ وقت در شکنجہ داشتہ ام ہمہ روز روزہ میدارم میخواہی

سلک ۱۳۸ (نفس کا کید خفی ہوتا ہے)

تخت ریاضت و مجاہدہ کے جو شہنشاہ گذرے ہیں جنھوں نے کہ اپنے آپ کو تمام وقت ریاضت کے شکنجہ میں جکڑ کر رکھا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ در اصل خوف کرنے والا انسان وہ ہے جو کہ اپنے نفس سے ابلیس سے بھی زیادہ ڈرے اسلئے کہ ابلیس تو پھر بھی انسان سے الگ ایک ذات ہے اور انسان کا نفس تو اس سے بالکل ملا ہوا اور قریب ہے۔ اور عقلمند لوگ قریبی دشمن سے کہیں زیادہ ڈرتے ہیں بمقابلہ دور کے دشمن کے اسی لئے جب سلاطین کسی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو جو اس سے زیادہ قریب ہوتا ہے پہلے اسکو ہلاک کرتے ہیں۔ عزیز من! کید نفس کے تیر کو بجز حق تعالیٰ کی ازلی عنایت کے سپر کے کسی اور شے سے روکا نہیں جا سکتا۔ سنو سنو! احمد خواجہ خضرویہ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد کہ میں نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کا ہر طرح سے پابند بنا لیا تھا اور ریاضت کے شکنجہ میں سر سے لیکر پاؤں تک اسکو اچھی طرح کوٹ ڈالا تھا ایک دن جہاد کی شرکت کا خیال غایت شوق کے درجہ میں اسکو پیدا ہوا میں نے اس سے کہا کہ اے نفس جہاد کوئی کھیل نہیں ہے اس میں تیری رغبت اور شوق سب معلوم ہے اس خیال کے اندر تیری کوئی چال ہوگی اور وہ یہی کہ ہر وقت تجھکو شکنجہ میں جکڑے ہوا ہوں ہر دن روزہ رکھتا ہوں لہٰذا تو یہ چاہتا ہے کہ سفر کی رخصت سے فائدہ اٹھا کر روزہ ہی کو کھا جائے اور سفر کو اپنا طریقہ بنا کر روزہ سے بے نیاز ہو جائے نفس

بحکم شرع رخصت روزه بخوری ورخصت فرادستوری خودسازی نفس گفت که خود امروز عهد کرده ام که هیچ روزه نخوردم بحکم سفر وحضر یکے دارم گفتم بهر روز در حضر چهار صد رکعت نماز میگذاری گفت در سفر هم بگزارم گفتم چوں از گوشه بروں آئی با خلق انس گیری و ریاضت چندین گاه چرا باطل کنی گفت با خلق انس نگیرم چوں از جوابہای نفس عاجز شدم گفتم خداوندا ایں نفس را در زیر این چه غرض است در سر نفس زود خواند غرض از از رفتن خود با صاحب خود درمیان نہ نفس گفت ای احمد ایں ہمہ که تو بر شمردی غرض من ازینہا نیست اما غرض من آنست که تو مرا ہر بار بخنجر نامرادی کشتی اگر مرا بغزوه بری تواند بود که ہم یکبار کشته شوم قطعہ

نخشبی شد خراب و ہیچ نکرد
خانۂ نفس خویش را ہالہ
دیگراں گر ز نفس نالہ کنند
نفس او میکند ازو نالہ

نے کہاکہ آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ کوئی روزہ نہیں چھوڑوں گا اور سفر وحضر میں اس بارے میں یکساں معمول رکھونگا۔ میں نے کہا کہ اچھا روزانہ چار سو رکعات نماز پڑھتا ہوں تو شاید اس سے بچنا چاہتا ہوگا؟ اس نے کہاکہ وعدہ کرتا ہوں کہ سفر میں بھی اسی طرح سے پڑھا کرونگا۔ میں نے کہاکہ میاں گوشہ نشینی سے نکلوگے تو مخلوق سے انس ہو جائے گا (اور اسی قدر خدا سے دور ہو جاؤگے لہٰذا) اپنی اتنے دنوں کی ریاضت و مجاہدہ کو کیوں ضایع کرتے ہو، اس نے کہا نہیں میں کسی مخلوق سے دوستی نہیں کروں گا (اور اختلاط ناس سے اسی طرح پرہیز کروں گا) جب اسکے جوابات سن کر میں عاجز ہوگیا تو حق تعالےٰ سے میں نے عرض کیاکہ یا اللہ! اب تو ہی بتلادے کہ آخر میرے نفس کی غرض اس سے کیا ہے؟ میں تو اسکے سمجھنے سے عاجز ہوگیا۔ اسی وقت الہام ہواکہ اپنے اسی ساتھی سے جہاد میں جانے کی وجہ دریافت کرو۔ (میں نے پوچھا) تو نفس نے کہاکہ اے احمد یہ تمام چیزیں جو تم نے بیان کی ہیں میری مراد نہیں ہیں بلکہ میری غرض یہ ہے کہ یہ تم مجاہدہ کرکر کے مجھے جو برابر نامراد کرتے رہتے ہو اور میں ہزار بار ایک دن میں مرتا ہوں (یہ مجھ پر شاق ہے) اگر کسی جہاد میں چلا جاؤں تو ایک ہی دفعہ میں قصہ پاک ہو جائے باربار تو نہ مرنا پڑے گا ؎

نخشبی تباہ وبرباد ہوگیا اور اس نے کچھ کام نہیں کیا بلکہ اپنے خانۂ نفس کا ایک دائرہ ہوکر رہ گیا یعنی اسی کا چکر لگاتا رہا اور اسکو ہر طرف سے گھیر لیا اسی لئے اور دوسرے لوگ تو اپنے اپنے نفس کا شکوہ اور اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں لیکن نخشبی کا نفس خود نخشبی کا شاکی ہے کہ اس نے اسے سنوارا کیوں نہیں گنوا کیوں دیا

سلک صد و سی و نہم

بباید دانست کہ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ قبلۂ تابعین و قدوۂ اربعین و آفتاب نہان و نفس رحمان بود کہ ات خواجۂ ثقلین روی سوی سمت اویس کردی و گفتی انی لاجد نفس الرحمان من جانب الیمن و در خبر است کہ فردائے قیامت حضرت صمدیت ہفتاد ہزار فرشتہ گوناگوں بر صورت اویس در وجود آرد تا اویس درمیاں ایشاں شدہ در عرصات در آید ایں چیست اویس در دنیا مارا در مرقع بینوائی پرستیدہ است و او آنجا جز ماکسی نشناختہ است امروز باید کہ اورا کسی جز ما نشناسد چناں گویند فردا خواجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام از کوشک خود بروں آیند چنانکہ کسی مرکسی را طلب کند و اورا بطلبد خطاب الٰہی آید کرامی طلبی گوید اویس را خطاب آید او را در دنیا ندیدی اینجا ہم نمی بینی گوید الٰہی او کجا ست فرمان آید فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔

سلک ۱۳۹ (حالات اویس قرنیؓ)

جاننا چاہئے کہ حضرت اویس قرنی جو کہ قبلۂ تابعین اور پیشوا اربعین تھے باطن کے آفتاب تھے اور رحمان کی روح تھے۔ با سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دیار کی جانب چہرہ مبارک کرکے فرمایا کہ مجھے رحمان کی خوشبو یمن کی جانب سے آرہی ہے۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ کل کو بروز قیامت حق تعالیٰ ستر ہزار مختلف مخفی قسم کے فرشتوں کو حضرت اویس قرنی کی صورت میں پیدا فرمائیں گے تاکہ حضرت اویس ان سب کے جھرمٹ میں مخفی ہوکر میدان قیامت میں آویں۔ جانتے ہو ایسا کیوں ہوگا؟ اس لئے ہوگا کہ حق تعالےٰ فرمائیں گے کہ اویس نے بھی تنہائی اور بینوائی کی حالت میں ہماری عبادت کی تھی اور وحدت پرستی کا ایسا ثبوت دیا تھا کہ دنیا میں وہ سوا میرے گویا کسی کو جانتے پہچانتے ہی نہ تھے (اس لئے آج بھی انکو بھی بجز میرے اور کوئی نہ جان سکے گا) بیان کرتے ہیں کہ کل بروز قیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محل یعنی جائے قیام سے باہر تشریف لائیں گے جیسے کوئی کسی کو تلاش کر رہا ہو اور اس سے ملنا چاہتا ہو۔ حق تعالےٰ کے یہاں سے آواز آئیگی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسکو تلاش کر رہے ہو آپ عرض کریں گے کہ اویس کو حکم ہوگا کہ تم نے انکو دنیا میں تو دیکھا نہیں تھا یہاں بھی نہ دیکھو گے آپ عرض کریں گے کہ پروردگار وہ ہیں کہاں؟ حکم ہوگا کہ ایک عمدہ جگہ میں قدرت والے بادشاہ کے پاس ہیں۔

اسوقت شعور نہیں ہوتا لیکن اس انتقاش کیلئے شعور کی ضرورت نہیں ہے اگر ہم پریس میں انگریزی چھاپ لیں اور پھر انگریزی سیکھ لیں تو ضرور انگریزی پڑھ لیں گے علیٰ ہذا اگرچہ بچہ اسوقت نہیں سمجھ سکتا لیکن بڑا ہو کر سمجھے گا چنانچہ ایک عاقل عورت نے یہ کہا کہ پانچ چھ برس کے بعد بچہ قابل تربیت نہیں رہتا بلکہ ہر حالت پختہ ہو جاتی ہے وہ کہتی تھی کہ اگر پہلے بچہ کو درست کردے تو اسکے بعد کے سب بچے اسی سانچہ میں ڈھل جائیں گے۔ غرض معلوم ہوا ہوگا کہ صحبت کا کیا اثر ہے۔ تو جناب باری تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے یوں دعا کرائی کہ ان میں ایک پیغمبر بھیجئے۔ پھر آپ کو مبعوث فرمایا کہ آپ نمونہ ہوں سو بعض نے آپ کو دیکھا اور بعض نے آپ کی سیرت دیکھکر آپ کی حالت معلوم کی اور اسی طرح آپ ہمارے بھی پیش نظر ہیں۔ اور اس اعتبار سے اگر فیکم رسولہ کو عام لیا جائے تو درست ہوگا۔

حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر جزئیہ کا اتباع بہ نسبت قوانین کلیہ کے سہل تر ہے

واقعی آپکی سیر کو دیکھکر جس قدر آسانی سے ہم اتباع کر سکتے ہیں قوانین کلیہ کو دیکھکر نہیں کرسکتے' اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آپ ہمارے لئے نمونہ ہیں تو ہم سے بھی بازپرس ہوگی کہ تم اس نمونہ کے موافق بنکر کیوں نہیں آئے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے ہم کسی درزی سے اچکن سلوائیں اور نمونہ کے لئے اسکو اپنی اچکن دیدیں تو اس اچکن کے دینے کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ جدید اچکن کی کاٹ تراش سلائی وغیرہ سب اس پہلے کے مطابق ہو' اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ تراش وغیرہ میں فرق ہوجائے تو درزی کو مستحق عتاب سمجھا جاتا ہے اس عتاب کے جواب میں اگر وہ یہ کہنے لگے کہ زیادہ تر تو موافق نمونہ کے ہے اور للاکثر حکم الکل (اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے) تو ہرگز یہ جواب مسموع نہیں ہوتا تو جو برتاؤ آپ نے اس درزی سے کیا اسی کے لئے آپ خدا تعالیٰ کے سامنے تیار ہوجائیے۔ اور سوچ لیجئے کہ جب آپ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونگے اور نمونہ نبوی پر پورے نہ اترینگے تو کس سخت عذاب کے سزاوار ہوں گے اسی کو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کہ بالکل اس نمونہ جیسے بنجاؤ نماز ایسی ہو جیسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی' روزہ وہی ہو نکاح شادی کا طرز وہی ہو علیٰ ہذا ہر چیز میں وہی طرز ہو جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز تھا یہ تو نمونہ ہے

لیکن یہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے اس نمونہ میں وسعت کردی ۔

(۱۲۷) قرآن شریف میں مقصود اصلی خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کی تعلیم ہے حکایتیں وغیرہ مقصود نہیں ہیں

قرآن شریف میں اصل مقصود خدا تعالیٰ کی رضا جوئی کے طریقوں کا بیان کرنا ہے اور جو حکایتیں قرآن میں ہیں وہ بھی تابع ہو کر ذکر کی گئی ہیں کہ فلاں قوم نے یہ کیا تھا تو ان کو یہ سزا ملی اور فلاں قوم نے یہ کیا تھا انکو یہ اجر ملا یعنی ہم اگر ایسا کریں گے تو ہمکو بھی ایسی ہی سزا یا اجر ملے گا، اس سے معلوم ہوا کہ جہاں جمل خبریہ ہیں ان سے مقصود انشائیہ ہی ہیں چنانچہ اس مقام پر بھی یہی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا رنقل فرمائی جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اعتنار فی الدین نہایت ضروری ہے جسکی تفصیل آیت میں ہے ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اے ہمارے رب ہماری اولاد میں سے ایک رسول پیدا کر کہ وہ ان کو تیری آیات سنادے اور انکو کتاب وحکمت کی تعلیم کرے اور انکو پاک کرے اس حکایت کے نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ سننے والو سمجھ جاؤ کہ ضروری چیزیں یہ ہیں جن کا اہتمام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا اور سمجھکر ہم سے دعار کی ۔

(۱۲۸) دین کے اجزاء

اب سمجھنا چاہیئے کہ وہ ضروری چیزیں کیا ہیں سو وہ مفصلاً تو تین چیزیں یہ ہیں یتلوا اور یعلم اور یزکیھ اور مجملاً ایک چیز ہے جس کو دین کہتے ہیں کیونکہ یہ سب دین ہی کے شعبے ہیں اسلئے کہ دین مرکب ہے دو چیزوں سے ایک علم اور دوسرا عمل جیسے فن طب کہ اسمیں اول علم کی ضرورت ہوتی ہے پھر عمل کی ۔

(۱۲۹) قرآن کا طب روحانی ہونا اور وہ مرض جسکا وہ علاج ہے

تو قرآن بھی اصل میں طب روحانی ہے کہ اس میں روحانی امراض کے علاج کے

قواعد اور جزئیات بتلائے گئے ہیں، امراض خواہ متعلق قلب کے ہوں یا جوارح کے۔ اور امراض قلب کا مرض ہونا حواس سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ وجدان سے معلوم ہوتا ہے اور جب تک وجدان صحیح نہیں ہوتا اسوقت تک اسکی اطلاع بالدلیل ہوتی ہے وہ دلیل یہ ہے کہ اطاعت خداوندی صراط مستقیم ہے اور صراط مستقیم سے خارج ہونا اعتدال سے خارج ہونا ہے کیونکہ خط مستقیم ایک ہی خط ہوتا ہے یعنی اگر دو نقطوں کے درمیان بہت سے خطوط سے اتصال کیا جائے تو ان خطوط میں خط مستقیم ایک ہی ہوگا جو کہ سب سے اقصر ہوگا باقی سب ٹیڑھے ہونگے اور اعتدال سے خارج ہونا مرض ہے تو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنا مرض ہوا اور اس سے معلوم ہوا کہ سب طریقوں سے مختصر طریق اور اقصر طریق شریعت اسلامی ہی ہے اس اعتدال سے جب کوئی خارج ہوگا وہ مریض کہلاوے گا اور قرآن میں اسکو مرض کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے فی قلوبھم مرض اسکی تفسیر جب تک کہ وجدان صحیح نہ ہو سمجھ میں نہیں آسکتی کیونکہ اسکے مرض ہونے کی صفت امر بطن ہے جو حواس سے ادراک نہیں ہوتا لیکن جب وجدان صحیح ہوجاتا ہے تو اس کا مرض ہونا وجدان سے معلوم ہو جاتا ہے جیسے امراض ظاہری کی حالت ہے کہ بعض اوقات وجدان سے معلوم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتا تو جیسے امراض طبیہ میں بعض امراض وجدانی ہیں اسی طرح امراض باطنی بھی وجدانی ہیں جب وجدان صحیح ہوتا ہے تو انکا ادراک ہوتا ہے اور اسکا ایک امتحان بتلاتا ہوں وہ یہ کہ جب کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو دیکھئے کیسی تکلیف اور رنج ہوتا ہے اور اپنے نفس کو انسان کیسی ملامت کرتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہمکو تو کبھی بھی رنج نہیں ہوتا دن رات گناہ کرتے ہیں لیکن کچھ بھی تکلیف و رنج کا احساس نہیں ہوتا تو میں کہونگا کہ اسکا سبب یہ ہے کہ ابتدا سے آج تک یہ شخص مرض ہی میں مبتلا ہے صحت کبھی نصیب ہی نہیں ہوئی کہ اسکی راحت کا ادراک ہوا ور اس سے مرض گناہ کی کلفت کا احساس ہو۔ اس شخص کی ایسی مثال ہے جیسے ایک اندھا مادرزاد کہ اسکو یہی ادراک نہیں ہو سکتا کہ میں اندھا ہوں کیونکہ عمی عدم البصر کو کہتے ہیں تو جس کو بصر کا ادراک نہوگا اسکو عمی کا ادراک کیونکر ہوگا تو مریض بھی اپنے کو وہی سمجھے گا اور مرض کی کلفت بھی اسی کو ہوگی جس نے کبھی صحت دیکھی ہو۔ پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمکو تو کبھی تکدر نہیں ہوتا

تو وجہ اسکی یہ ہے کہ اسکو کبھی انشراح ہی نہیں ہوا۔ اسکو چاہیئے کہ انشراح پیدا کرے اسکے بعد دیکھئے کہ اگر کبھی کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو اسمیں کسقدر تکلیف ہوتی ہے۔ کم از کم یہی کرے کہ ایک ہفتہ کی رخصت اپنے معمولی کاموں سے لے اور کسی صاحب برکت کے پاس جا کر رہے اور اس سے اللہ کا نام پوچھکر جس طرح وہ بتلائے لیتا رہے ایک ہفتہ تک کام میں مشغول ہونے کے بعد دیکھیگا کہ دل کی ایک نئی حالت ہو گئی جو کہ اسکے قبل نہ تھی اسکو محفوظ رکھے پھر دیکھے کہ پہلی حالت اور اس جدید حالت میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ واللہ آپ دیکھیں گے کہ پہلی حالت نہایت مکدر تھی اور اب ایک صحت نصیب ہو گئی ہے اور ایک قسم کا انشراح قلب ہے۔ اسی لیئے میں نے کہا تھا کہ جب وجدان صحیح ہو جاتا ہے تو وجدان سے اسکا مرض ہونا معلوم ہو جاتا ہے تو اسکی کوشش کیجیئے کہ وجدان صحیح ہو تاکہ مرض کا مرض ہونا تو معلوم ہو جائے کہ اس کے بعد علاج پر توجہ ہو۔ دیکھئے اگر معمولی زکام ہو جاتا ہے تو اسکے لیئے کسقدر اہتمام کیا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اتنا بڑا مرض ہم لوگوں کو لگ رہا ہے کہ ہماری روح اس میں تحلیل ہو رہی ہے لیکن ہمکو ذرا فکر نہیں ہے

(۱۳۰) قرآن شریف نے ہمکو مرض نافرمانی کا کیا علاج بتلایا ہے

قرآن شریف نے ہمکو اسکا علاج بتایا ہے اور اسکے مضار پر اطلاع دی ہے آ قرآن مطب روحانی ہے اس میں صرف یہی دو چیزیں ہیں ایک علم اور دوسرا عمل یزکی میں عمل کیطرف اشارہ ہے اور تُعلّم میں علم کی طرف۔ حاصل یہ ہوا کہ سننے والا اہتمام کے قابل دو چیز ہیں علم اور عمل ان ہی کا اہتمام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا پھر علم میں دو مرتبہ ہیں ایک الفاظ اور ایک معانی کیونکہ کسی جز کے جاننے کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس میں کچھ الفاظ ہ ہیں اور کچھ ان الفاظ کے معانی خواہ اردو میں ہوں یا عربی میں خواہ زبانی علم ہو یا کتاب۔ تو گویا ترتیب کسی فن کے جاننے کی یہ ہوتی ہے کہ اول الفاظ کا تحقق ہوتا ہے اور پھر دلالہ علی المعانی اور پھر انکی حقیقت کا انکشاف اور پھر عمل مثلاً اگر کسی طبیب سے کوئی نسخہ درف کیا تو اول اسکے الفاظ معلوم ہوئے پھر ان الفاظ سے معانی پر دلالت ہوئی پھر انکی حقیقت

انکشاف ہوا ان سب مراتب کے بعد اس نسخہ پر عمل کیا گیا یہی ترتیب عقلی دین میں بھی ہے۔

(۱۳۱) خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ دین کو آسان صورت میں بھیجا ہے

خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے دین کی کوئی عجیب شکل نہیں بنائی بلکہ جو ترتیب ہمارے روزمرہ کے امور میں ہے وہی ترتیب اسمیں میں رکھی کہ سہولت ہو حالانکہ دین وہ چیز ہے کہ اگر اسکا ڈھنگ بالکل نرالا اور سخت بھی ہوتا تب بھی اسکو بکوشش حاصل کرنا چاہیئے تھا۔

(۱۳۲) تحصیل دین میں ہمارا ہی نفع ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا

کیونکہ دین کے حاصل کرنے میں ہمارا ہی نفع ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کا اور نہ حاصل کرنے میں ہمارا ہی نقصان ہے۔ جیسے کوئی طبیب کڑوا نسخہ لکھدے تو اسکے پینے سے جو کچھ نفع ہوگا وہ مریض کو ہوگا اور نہ پینے سے بھی جو کچھ ضرر ہوگا مریض کو ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ نے اس مضمون کو دوٹوک کرکے فرما دیا ہے فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فليكفر اور قرآن میں بہت سی جگہ یہ مضمون آیا ہے کہ ہمارا نہ کوئی نفع تمھارے ایمان سے ہے اور نہ کوئی ضرر تمھارے کفر سے اور یہ فرمانا ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کہے کہ اگر تم دوا پیو تو ہمارا کیا نفع اور نہ پیو تو ہمارا کیا ضرر بلکہ حکیم کو تو ایک گونہ نفع بھی ہے خدا تعالیٰ کو تو کچھ بھی نفع نہیں اسواسطے کہ خدا تعالیٰ کے لئے استکمال بالغیر محال ہے ہر چیز ان کے افادہ اور جود کی محتاج ہے مگر وہ کسی امر میں کسی کے محتاج نہیں ہیں آفتاب عالم تاب عطر خانہ اور گھورہ سب پر روشن ہے لیکن نہ اسکو عطر خانہ سے خوشبو پہونچتی ہے نہ گھورے سے بدبو۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ　　　وز گراں جانی و چالاکی ہمہ

(ہم تو پاکی و ناپاکی دونوں سے پاک ہیں یعنی خالی ہیں اسی طرح سے زیر باری اور ہوشیاری سب سے عاری ہیں) کہ ہم تو ایسے مقدس ہیں کہ پاکی سے بھی پاک ہیں، پاکی سے پاک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جیسی پاکی تم سمجھتے ہو ہم اس پاکی سے پاک ہیں کیونکہ انسان کتنی بھی تقدیس کرے لیکن احصار غیر ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لا احصی ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك

(یعنی شمار نہیں کر سکتا ہوں میں صفتوں کو تیرے اسے خدا جیسا کہ تو نے صفت کی ہے آپ اپنی ذات پر) واقعی بڑی سے بڑی تعریف اور تقدیس بھی اسکی واقعی تقدیس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اس کی مثال مولانا نے بیان فرمائی ہے کہ ؎

شاہ را گوید کسے جولاہہ نیست　　این نہ مدح ست او مگر آگاہ نیست

یعنی اگر کوئی شخص بادشاہ کی یہ تعریف کرے کہ آپ اتنے بڑے آدمی ہیں کہ جولاہہ نہیں ہیں تو کیا اسکو کوئی مدح کہیگا ہرگز نہیں اسی طرح ہمارے فہم کے موافق ہمارے نفع کے لئے تسبیح کو مشروع قرار دیا گیا ہے اسی کو مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں　　پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

(میں کچھ لوگوں کی تسبیح بیان کرنے سے پاک نہیں ہوا کرتا ہاں میری تسبیح کرنے کی بدولت ہی لوگ خود پاک ہوتے ہیں اور انکے منہ سے پھول اور موتی جھڑتے ہیں

یعنی لوگوں کی تسبیح و تقدیس سے ہم پاک نہیں ہو گئے۔ غرض خدا تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہاں نہ نفع پہونچتا ہے نہ ضرر۔ حدیث میں ہے کہ اگر ساری دنیا مطیع ہو جائے تو خدا کی سلطنت میں اتنا بھی اضافہ نہیں ہوتا جتنا کہ مچھر کا پر برخلاف یہاں کے سلاطین کے جس قدر اطاعت کرے سلطنت زور دار ہے اور اگر رعایا اطاعت نہ کرے تو سلطنت کمزور ہے وجہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ رعایا کے بنائے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ خود بالذات کامل ہیں لہٰذا رعایا کو خود اپنے نفع کی فکر کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ کو انکی عبادت سے کچھ بھی نفع نہیں ہے غرض طبیب جسمیں بوسائط بعیدہ نفع کا احتمال ہے جب اسکو حق ہے کہ وہ جیسا نسخہ چاہے تجویز کرے تو خدا تعالیٰ کو اس سے زیادہ حق ہے کہ جیسا چاہے قانون مقرر کریں کیونکہ وہ حاکم علی الاطلاق بھی ہیں اور اس میں ہمارا ہی نفع بھی ہے مگر یہ اسکی رحمت ہے کہ اس نے نہایت آسانی اور سہولت رکھی ہے۔

(۱۳۳) موجودہ آسانی سے زیادہ دین میں آسانی کی درخواست یا تجویز کرنیوالوں کی غلطی

مگر افسوس ہے کہ لوگ اس پر عمل کرتے بھی جان چراتے ہیں علماء سے درخواست کیجاتی ہے کہ احکام میں کچھ آسانی کر دو گویا یہ سمجھتے ہیں کہ احکام شریعت کی تبدیل و تغیر بالکل علماء کے ہاتھ میں ہے

حکایت: مجھے ایک بڑھیا کا واقعہ یاد آتا ہے کہ جب وہ حج کو گئی اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے لگی تو دو تین پھیرے کر کے مطوف سے کہنے لگی کہ اب تو مجھ سے نہیں ہو سکتے خدا کے لئے اب تو معاف کر دو تو جیسے وہ بڑھیا سمجھتی تھی کہ مطوف کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائیں گے اسی طرح یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں۔

حکایت: ایک رئیس والیٔ ملک ایک بڑے حاکم سے ملنے کے لئے گئے یہ رئیس بہت دبلے ہو رہے تھے اس حاکم نے پوچھا کہ آپ اسقدر دبلے کیوں ہو رہے ہیں انھوں نے کہا کہ آجکل رمضان کا مہینہ ہے روزہ رکھنے کی وجہ سے دبلا ہو رہا ہوں کہنے لگا کہ آپ اپنے پادریوں سے کمیٹی کرا کے انکو فروری کے مہینہ میں کیوں نہیں کرا لیتے۔ انھوں نے کہا کہ جناب اس قسم کے اختیارات آپ ہی کی کمیٹی کو ہیں ہمارے علماء کی کمیٹی کو اس قسم کے اختیارات نہیں ہیں۔ غرض پہلے تو غیر تو میں اس قسم کی درخواستیں پیش کرتی تھیں مگر افسوس ہے کہ اب مسلمان ہی اس قسم کی درخواستیں پیش کرنے لگے ہیں بلکہ یہاں تک ستم کیا ہے کہ درخواست سے گذر کر رائے دینے لگے ہیں کہ ضرور ایسا کرنا چاہیئے۔

حکایت: میں ایک مرتبہ لاہور گیا تو بہت سے خیر خواہان قوم نے یہ تجویز کیا کہ اسوقت سود کے مسئلہ پر گفتگو کرنی چاہیئے چنانچہ انکی خواہش پر گفتگو کی گئی لیکن جلسہ گفتگو کا خاص تھا یعنی صرف علماء تھے سب لوگ نہایت مشتاق تھے کہ دیکھئے کیا تجویز ہوتا ہے! حالانکہ وہاں اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا جو کہ تیرہ سو برس سے چلا آرہا ہے اسواسطے کہ اہل علم میں کس کی وہ ہمت ہو سکتی ہے جو کہ آجکل کے نوجوان ہمت کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے ایک رسالہ میں آیۂ حرم الربوا میں یہ تحریف کی ہے کہ ربوا کو بضم لراء کہا ہے اور اسکے معنی اچکنے کے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس سے سیدھی بات تو یہ تھی کہ زنا ہی کہدیتے کیونکہ عرب کا لفظ تو ہے ربا تو عربی کا لغت بھی نہیں بلکہ ربودن سے فارسی کا لغت ہے ربا رسم خط کا اشکال سو ربا بضم الراء بھی واؤ سے نہیں ہے اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے:۔

حکایت:۔ مشہور ہے کہ ایک شخص اپنی ماں کو کچھ نہ دیتا تھا اس نے جا کر ایک عالم سے شکایت کی انھوں نے لڑکے کو بلا کر سبب پوچھا کہنے لگا کہ اگر قرآن شریف میں ماں کا حق کہیں نکل آئے

تو میں ضرور دونگا چونکہ یہ بالکل جاہل تھا اسلئے اُنکو فکر ہوئی کہ کوئی ایسی سبیل ہو کہ اسکی سمجھ میں آجائے آخر کہنے لگے کہ تو نے کچھ قرآن بھی پڑھا ہے اس نے کہا کہ دو چار سورتیں پڑھی ہیں کہنے لگے کہ تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَهَبٍ پڑھی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں جب اس نے تَبَّتْ یَدَا پڑھی اور اس میں ما کسب پڑھا تو کہنے لگے کہ دیکھ اس میں تو لکھا ہے کہ ماں کا سب یعنی ماں ہی کا سب کچھ ہے تیرا کچھ بھی نہیں۔ لڑکے نے کہا کہ مولوی صاحب اب دیا کرونگا۔ تو انھوں نے تو ایک ثابت شدہ مسئلہ کو اس جاہل کے ذہن نشین کرنے کیلئے محض ظرافت کے طور پر ایک اردو کے جملے کو قرآن کا جزو کہا تھا لیکن اس ظالم نے قرآن میں صریح تحریف کی کہ ربوا کو حلال کرنے کے لئے اسکی حرمت کو قرآن سے اڑانا چاہا۔ غرض ہر شخص قرآن اور احکام شریعت کے متعلق ایک نئی رائے اور تجویز رکھتا ہے گویا قرآن بچوں کا ایک کھیل ہے کہ ع ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت۔ آجکل کی اصلاح ایسی ہے جیسے کہ:۔

حکایت:۔ ایک بڑھیا نے بادشاہی باز کی کہ وہ اتفاقاً اس کے ہاتھ لگ گیا تھا اصلاح کی تھی یعنی جب اس نے دیکھا کہ اس کے ناخن بہت بڑھ رہے ہیں اور چونچ بھی ٹیڑھی ہے تو بہت کُڑھی اور کہنے لگی تو کس بیرحم کے ہاتھ گرفتار ہو گیا تھا جس نے نہ تیرے ناخن کی خبر لی نہ تیری چونچ کو درست کیا تو کس طرح کھاتا ہوگا کس طرح چلتا ہوتا ہوگا اور یہ کہکر اس کے ناخن اور چونچ سب قینچی سے کاٹ دیئے۔

تو جیسے اس نے بازِ شاہی کی اصلاح کی تھی ایسے ہی یہ لوگ بھی قرآن میں اصلاح کرتے ہیں۔ آخر جب وہ مجلس ختم ہوئی اور وہ مضمون شائع ہوا تو ان لوگوں نے بہت افسوس کیا اور کہتے لگے افسوس اب بھی علماء کو ہوش نہیں آیا کہ اتنی بڑی ضرورت ہے اور یہ لوگ ابھی تک اسکو ناجائز ہی کہتے ہیں۔ میں نے ایک بیان میں کہا ظالمو اگر تم کو اپنی عاقبت ہی خراب کرنا ہے تو حلال کہکر ابدالآباد کے لئے تو برباد نہ ہو، تمھاری مخترعہ ضرورتیں تو اس طرح بھی پوری ہو سکتی ہیں کہ حرام سمجھو اور مبتلا رہو اور خدا تعالےٰ سے معافی چاہتے رہو، اپنی حرکت پر نادم رہو۔

(باقی آئندہ)

...مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ ششماہی
عنہ ۱۰
دس روپے

چندہ سالانہ
عنہ ۲۰
بیس روپے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ — مدیر: عبدالمجید عفی عنہ — دو روپے

شمارہ ۳ | جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء | جلد ۲

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

عزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اخبارات میں آئے سنتا رہتا ہوں کہ کاغذ وغیرہ کی گرانی کے سبب فلاں رسالہ یا اخبار بند ہوگیا یا اسکے بند ہوجانے کا اندیشہ ہوگیا ہے اور یہ صحیح بھی ہے حالات ہی کچھ اسی نوع کے ہیں کہ ایسا ہوجانا بعید نہیں اور یہ حال زیادہ تر دنیوی اخبارات و رسائل کا ہے جن کے پاس وسائل کی کثرت اور دنیا کی آج کی منڈی میں جن کے مضامین کی مانگ بھی زیادہ ہے لیکن الحمدللہ کہ اسی اسباب و وسائل سے جکڑی ہوئی دنیا میں دنیا والوں کی عام طلب و خواہش سے مختلف بلکہ ان کے صریح مخالف مضامین دینیہ اور روحانی اصلاح پر مشتمل بہت سے جرائد توکلاً علی اللہ بسہولت چل رہے ہیں وجہ شاید یہی ہو کہ ارباب دنیا کی نظر اپنی کوشش اور اپنے قوت بازو پر ہوتی ہے اور ان حضرات کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے ابنائے دنیا اپنی چیزوں کو سمجھتے ہیں کہ ہم اسکو چلا رہے ہیں اور دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ دین اور خدا و رسولؐ کی باتیں ہیں خدا تعالیٰ ہی ہمیں کام کرنے کی اور طالبین کو اسے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمانے والے ہیں باقی کبھی کبھی اس سلسلہ میں جو کچھ پریشانی کا اظہار ہو جاتا ہے وہ اپنے توکل کی کمی سے ناشی ہوتا ہے۔ ورنہ تو شروع سے لیکر ابتک مسلسل حق تعالیٰ کی نصرت کا برای العین مشاہدہ ہو رہا ہے جہاں ناسازگاری حالات نے قلب ضعیف میں کچھ الجھن پیدا کی وہیں لطف حق نے فوراً دستگیری فرمائی۔ ہم اللہ تعالیٰ کے اس کرم و فضل کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں اور یہی عرض کرتے ہیں ؎ شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو

نظم اور انتظام کے ماتحت ہمکو مجبوراً یہ کرنا پڑا کہ ۸۰ء کا بھی چندہ جن حضرات کا نہ آسکا تھا جنوری ۸۱ء سے انکے رسالے جانے بند ہیں ــــ اور سرخ نشان جن حضرات کے رسالہ پر تھا اسکا مطلب یہ تھا کہ ۸۰ء والا چندہ آپ کا ختم ہوا اب ۸۱ء کے لئے زرتعاون ارسال فرمائیے ــــ بعض حضرات کا چندہ جون ۸۱ء تک کا یعنی نصف سال کا پیشگی جمع ہے ان پر بھی نشان لگ گیا ہے تو وہ اب بقیہ نصف؟ ارسال فرمادیں یا کسی غلطی سے کامل ادائیگی کے بعد بھی نشان لگ گیا ہے تو مطلع فرمانے پر اسکی اصلاح کردی گئی ہے۔ ان حضرات کا رسالہ بند نہیں ہوگا۔

تالیفات مصلح الامۃ حصہ چہارم و پنجم کی طباعت کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ اسباب فراہم کردے ۔ اور مناجات مقبول کرکی زیر طبع ہے ایک ماہ بعد انشاء اللہ پیش خدمت ہوسکیگی ۔ وصیۃ العرفان ۸۰ء کا کامل مجلد موجود ہے قیمت بائیس روپئے علاوہ محصول ڈاک ۔ اور چند و مختلف رسالے پانچ روپیہ میں علاوہ محصول ڈاک
(ادارہ)

یہ بھلا تمھارے سامنے کیا آسکتے ہیں۔ پس اس آیت میں جس طرح منافقین کی قدح ہے اسی طرح سے صحابہ کی مدح بھی ہے آگے فرماتے ہیں کہ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ انکا تم سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ ایک ناسمجھ قوم ہے نہ تو انھیں حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اور نہ اسکی قدر و عظمت سے وہ واقف ہیں ظالم اتنا بھی نہیں جانتے کہ نافع اور ضار صرف حق تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ کہ عباد کے افعال اسی کے مخلوق لہٰذا اسی سے ڈرنا چاہیے اسکے غیر سے نہیں لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ یعنی یہ کفار و منافقین کسی ایک رائے پر جمع ہو کر تم سے کھلے میدان لڑ نہیں سکتے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارا رعب انکے قلوب میں ڈالدیا ہے البتہ بستیوں کے اندر اپنی حفاظت کرتے ہوئے یا دیوار کی آڑ سے جسکے آڑ میں اپنے کو محفوظ رکھ سکیں کچھ معمولی قتال تم سے کریں تو خیر، اور انکا یہ سامنے نہ آسکنا اور مقابلہ کی لڑائی نہ لڑنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ کمزور یا بزدل ہیں، ایسا نہیں ہے اس لئے کہ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ انکی لڑائی آپس میں بڑی سخت ہوتی ہے یعنی جب کبھی آپس میں لڑتے ہیں تو خوب جوہر دکھاتے ہیں باقی یہاں انکا ضعف وجبن تمھاری وجہ سے ہے یعنی اسو جہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکے قلوب میں تمھارا رعب ڈال دیا ہے تاکہ رسول کا معجزہ ہو جائے اور اللہ کا دین غالب ہو جائے کیونکہ قاعدہ ہے کہ کوئی شجاع جب اللہ و رسول کے محاربہ کریگا تو بزدل ہو جائے گا اور کیسا ہی کوئی عزیز ہو جب اللہ و رسول کے مقابلہ میں آئے گا تو ذلیل ہو جائے گا تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى آپ انکو مجتمع دیکھ رہے ہیں یعنی یہ کہ یہ سمجھتے ہیں کہ سب کے سب تم لوگوں سے لڑنے کے لئے متفق ہیں، تو انکے قلوب متفرق ہیں یعنی القار رعب کی وجہ سے انکے اندر تشتت اور پراگندگی ہے اسلئے کہ شدت خوف کی حالت میں قلب ایک حال پر نہیں رہ سکتا کبھی مصالح دنیویہ پر نظر کر کے آدمی لڑنا چاہتا ہے اور کبھی رعب اور خوف کا قلب پر ایسا استیلا اور غلبہ ہوتا ہے کہ بھاگ جانے کو جی چاہتا ہے۔ صاحب روح المعانی نے تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى کی دوسری تفسیر کی ہے فرماتے ہیں کہ آپ انکو باہم الفت اور محبت اور اتحاد والا سمجھتے ہیں ان کے قلوب متشتت ہیں یعنی متفرق ہیں انمیں باہم کوئی الفت نہیں یعنی آپمیں

کینہ وعداوت ہے لہٰذا وہ سب یکدل نہیں ہو سکتے اور نہ باہم ملکر کوئی کام کرسکتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آیۃ میں مسلمانوں کی ہمت بڑھائی گئی ہے یعنی انکی تجسیر و تشجیع ہے۔ انکی جسارت اور شجاعت کو ابھارا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علماء نے جو تفاسیر بیان فرمائی ہیں نہایت عمدہ ہیں لیکن انھیں حضرات کی برکت سے میں بھی ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ کا مطلب یہ ہے کہ ان میں آپس کی خانہ جنگی بہت شدید ہے ایسی کہ اس نے انھیں بالکل کھوکھلا کر دیا ہے اور من حیثیت القوم انکا خاتمہ ہی کر دیا ہے چنانچہ اسی آپس کے نزاع کی وجہ سے اب ان میں کچھ رہ نہیں گیا ہے ظاہر میں یہ لوگ ایک مجمع نظر آتے ہیں لیکن باہمی اختلاف نے انھیں گھن کی طرح کھا لیا ہے اسلئے قلب میں ضعف پیدا ہو گیا ہے اور نفاق نے ہر ایک کو خود غرض بھی بنا رکھا ہے اس لئے کسی ایک مقصد پر سب کا اتفاق نہیں ہے ہر شخص اپنی غرض کے تابع ہے جس راستے سے اسکے پورا ہونے کی توقع کرتا ہے اسے اختیار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اغراض ہر شخص کی مختلف ہوتی ہیں اسلئے باہم کسی دو دل میں رسم و راہ نہیں ہر ایک اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانا چاہتا ہے۔

حاصل یہ کہ اور مفسرین نے بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ اور تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا میں باہم کوئی ربط نہیں بیان کیا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا اور قُلُوبُهُمْ شَتّٰى کی علت یہی تھی کہ ان میں اولاً خوب خوب خانہ جنگیاں ہوئیں جس کے نتیجے میں انکا یہ ضعف تھا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ اور یہ یعنی انکا قلبی تشتت بایں سبب ہوا کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو حق اور باطل میں امتیاز نہیں کرتی ان میں اتنی بھی فہم نہیں کہ یہ سمجھتے کہ یہ رعب ان پر جو مستولی ہوا ہے تو ان کے کفر کی وجہ سے اور نبی برحق کے ساتھ محاربہ کرنے کی وجہ سے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ انکا تشتت قلوب بایں سبب تھا کہ وہ ایک بالکل بے عقل قوم ہے کچھ بھی نہیں جانتی نہ الفت کے طریقے کو جانتی ہے نہ اسباب اتفاق کو سمجھتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں ذلک سے اشارہ مجموعہ کی طرف ہے یعنی یہ انکا ظاہر میں اکٹھا ہونا اور قلوب کا مختلف ہونا اسوجہ سے ہے کہ یہ لوگ کچھ سمجھتے بوجھتے نہیں اور

نہ عقل وفہم رکھتے ہیں ۔ افراد میں جو اتفاق ہوتا ہے اور قلوب میں جو الفت قائم ہوتی ہے تو اسکے لئے بھی کچھ اسباب ہیں اسباب الفت کے اختیار کرنے اور اسباب تشتت سے پرہیز کرنے سے باطنی اور قلبی اتفاق پیدا ہوتا ہے اور جب قلوب ہی باہم متفق نہ ہوں تو لوگ نہ ایک کلمہ ہو سکتے ہیں نہ ایک قوس سے رمی کر سکتے ہیں ۔ اب ظاہر ہے کہ بدون اسکے محض صوری اجتماع کیا نفع بخش ہو سکتا ہے كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ یعنی بنی نضیر کی مثال ان لوگوں جیسی ہوئی جو ابھی حال ہی میں گذر چکے ہیں مراد اس سے وہ مشرکین مکہ ہیں جو بدر کی لڑائی میں قتل ہوئے ۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ مراد ان سے یہود میں سے بنی قینقاع ہیں جو کہ عبداللہ بن سلام کی قوم تھی اور وہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے حلیف تھے یا یہ لوگ عبادہ بن صامت کی قوم تھے اور یا ان دونوں کے علاوہ انکی قوم کے لوگ مراد ہیں جو کہ یہود میں سب سے بہادر شمار ہوتے تھے اور سناری کا کام کرتے تھے انکا حشر یہ ہوا کہ انھوں نے اپنے کئے کا مزا چکھا یعنی کفر جو اختیار کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت جو رکھی تھی اسکی سزا پائی اور واقعہ انکا یہ ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ان سب سے مصالحت فرمائی اور آپ نے ان سب کے درمیان ایک تحریر لکھی اور ہر قوم کے ساتھ انکے حلفاء کو بھی شامل فرما دیا اور اپنے اور ان کے درمیان میں امن کا وعدہ فرمایا اور ان سے یہ شرط کی ہمارے مقابلہ میں کسی دشمن کی امداد نہ کریں گے جب بدر کا زمانہ آیا تو بنی قینقاع اول یہودی تھے جنھوں نے عہد توڑا اور بغاوت کر دی بس اسی درمیان میں کہ وہ اپنی عداوت ، حسد اور عہد شکنی کا مظاہرہ کر رہے تھے عرب کی ایک عورت دودھ بیچنے کے لئے آئی اور بنی قینقاع کے بازار میں ایک سنار کے پاس اپنے زیور کے سلسلے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ لوگوں نے اسے چھیڑنا شروع کیا اور اسکا چہرہ کھلوانا چاہا اس نے نہ کھولا سنار نے اسکے کپڑے کے کنارے کو ایک کانٹے میں پھنسا دیا اسے کچھ خبر نہ تھی جب وہ کھڑی ہوئی تو کپڑا بدن سے ہٹ گیا سب لوگ ہنسنے لگے وہ چلائی اتنے میں مسلمانوں میں سے ایک شخص اس سنار پر لپکا اور اسے قتل کر دیا چونکہ وہ یہودی تھا اسلئے

یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کیا اور اسکو قتل کردیا اور اس طرح سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد توڑ دیا اس مسلمان کے عزیز واقارب نے اس یہودی کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی مسلمانوں کو بڑا غصہ آیا اور ایک خاصی جنگ ان میں اور بنی قینقاع میں واقع ہوگئی اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ بھی انکی طرف ان کے عہدوں کو ڈال دیجئے تاکہ عہد کی پابندی جس طرح وہ نہیں کر رہے ہیں آپ پر بھی نہ رہجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں مجھے بنی قینقاع سے تو اندیشہ ہے۔ چنانچہ آپؐ اس آیت کو لیکر انکی طرف چلے اور آپ کے علمبردار حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ اور ابو لبابہ مدینے میں آپ کے خلیفہ بنے۔ وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے۔ آپ نے انکا شدید محاصرہ فرمایا اسی حالت پر پندرہ دن گذر گئے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے انکے قلوب میں رعب ڈالدیا بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اترے اور یہ کہا کہ آپ ہمارا سب مال لے لیں اور ہمارے عورتوں بچوں کو ہمکو دیدیں آپ نے اسکو منظور فرمالیا اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ یعنی یہ جو انکو دنیا میں پیش آیا تو اسکی وجہ سے آخرت میں انکا عذاب کم نہوگا وہاں انکے لئے دردناک عذاب ہے کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ یعنی عبداللہ بن ابی بن سلول یا انھیں کے مثل، اور جن منافقین نے قتال کے متعلق یہود کو دھوکہ دیا یعنی منھ پر خوب لمبا چوڑا دعویٰ کیا اور نصرت کا وعدہ کیا لیکن جب وقت آیا تو بھاگ نکلے ان لوگوں کی مثال شیطان کی سی ہے اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّنْکَ جبکہ اس نے انسان سے کہا کفر کر اور جب اس نے کرلیا تو کہا کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ اسکے تحت صاحب تفسیر مظہری نے برصیصا نامی ایک راہب کا ایک عجیب عبرتناک اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ فترت کے زمانے میں برصیصا نامی ایک راہب تھا جو اپنی عبادت گاہ میں عبادت کیا کرتا تھا ستر سال اس پر ایسے گذرے کہ اللہ کی نافرمانی پلک جھپکنے کی دیر کے لئے بھی اس نے نہیں کی تھی اسکو بہکانے کی تدبیر کرنے میں ابلیس عاجز تھا ایک دن اس نے اپنے سرکش شیاطین

جمع کیا اور کہا کہ ارے بھائی برصیصا کے معاملے میں کوئی شخص میری مدد نہیں کر دیتا ابیض نامی شیطان جو کہ انبیاء کے پاس بھی آچکا تھا اور ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے بھی ہوا تھا اور جبرئیل علیہ السلام کی صورت میں وحی کے بہانے وسوسہ ڈالنے آیا تھا لیکن ناکام ہوا اور جبرئیل علیہ السلام نے ارض ہند کی جانب اسکو دھکا دیکر نکال دیا تھا اس ابیض نے کہا کہ میں آپ کا یہ کام کر سکتا ہوں چنانچہ گیا اور راہبوں کا سا لباس پہنا وسط سر منڈایا اور برصیصا کے گرجے میں آیا اور اسکو آواز دی اس نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ دس دن بعد نماز سے الگ ہوتا تھا اور دس دن میں ایک بار افطار کرتا تھا، ابیض نے جب یہ دیکھا کہ اسکو کوئی جواب نہیں ملا تو اس کے گرجے کی دیوار کے نیچے خود بھی عبادت میں مشغول ہو گیا حسب معمول جب برصیصا نماز سے فارغ ہوا تو اوپر سے جھانکا تو دیکھا کہ ابیض رہبانی کی ہیئتوں میں سے ایک نہایت ہی اچھی ہیئت کے ساتھ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے جب اسکو اس حال پر دیکھا تو اپنے اُسوقت جواب نہ دینے پر نادم ہوا اور اس سے کہا کہ تم نے مجھے پکارا تھا میں کسی کام میں مشغول تھا بتاؤ کیا ضرورت ہے ابیض نے کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ اب میں آپ ہی کی خدمت میں رہوں اور آپ سے ادب سیکھوں اور آپ کے علم وعمل سے مستفید ہوں ہم سب ملکر عبادت کریں آپ میرے لئے دعا کریں اور میں آپ کے لئے دعاء کروں برصیصا نے کہا کہ تمھاری وجہ سے میرا خلل ہوگا اگر تم مومن ہو تو میں تو مؤمنین کے لئے دعاء کرتا ہی ہوں اگر اللہ نے میری دعاء قبول کر لی تو تجھکو بھی بقدر نصیب حصہ ملیگا یہ کہکر ابیض کو چھوڑ کر پھر اپنی نماز شروع کر دی۔ ادھر ابیض نے بھی نماز شروع کر دی یہانتک کہ برصیصا چالیس دن اس سے نہیں ملا اسکے بعد ایک دفعہ نماز سے فارغ ہوا تو دیکھا ابیض نماز پڑھ رہا ہے بالآخر برصیصا نے جب اسکا یہ شدید مجاہدہ دیکھا تو پھر پوچھا کہ کیا چاہتے ہو اس نے کہا کہ ساتھ رہنے کی اجازت دے دیجئے اس نے اجازت دیدی اور یہ بھی اسی گرجے میں اوپر چلا گیا اور اسکے ساتھ ایک سال تک اسطرح عبادت کرتا رہا کہ چالیس دن میں ایکدفعہ افطار کرتا تھا اور چالیس دن میں ایک دفعہ نماز سے نکلتا تھا کبھی کبھی اسی دن تک کھینچ لیجاتا تھا۔ برصیصا نے جب اسکی اتنی کوشش دیکھی تو اپنے کو کم سمجھنے لگا اور ابیض کی

شان اسے بڑی معلوم ہوئی جب سال گذر گیا تو ابیض نے برصیصا سے کہا کہ اب جا رہا ہوں آپکے علاوہ ایک اور بزرگ ہیں میرا تو یہ گمان تھا کہ آپ اس سے کہیں زیادہ مجاہدہ کرتے ہونگے جتنا کہ میں نے دیکھا اور ہم نے آپ کو جیسا سنا تھا ویسا پایا نہیں۔ اسکی وجہ سے برصیصا کو ایک سخت چوٹ لگی اور اس نے ابیض کی جدائی پسند نہ کی اسکی اس عبادت اور مجاہدہ کی وجہ سے جس کو اس نے دیکھا تھا، لیکن ابیض نے جانے ہی پر اصرار کیا تو جب برصیصا نے اسے رخصت کیا تو اس سے ابیض نے کہا کہ مجھے کچھ دعائیں معلوم ہیں میں تمھیں بتائے دیتا ہوں انکا ورد رکھا کرو وہ تمھاری موجودہ عبادت سے کہیں بڑھکر ہیں۔ اللہ تعالے اسکے ذریعہ سے بیمار کو شفا دیتے ہیں مبتلائے رنج وغم کو عافیت بخشتے ہیں اور مجنوں کا جنون دور ہو جاتا ہے۔ برصیصا نے کہا میں اس مرتبہ کو پسند نہیں کرتا اس لئے کہ مجھے اپنے ہی سے فرصت نہیں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر لوگوں کو اسکا علم ہو گیا تو مجھے اپنی عبادت سے ہٹا دیں گے۔ ابیض اصرار ہی کرتا رہا یہانتک اسکو وہ کلمات سکھلا ہی دیئے۔ پھر ابلیس کے پاس آیا اور کہا خدا کی قسم میں نے اس شخص کو ہلاک کر دیا۔ پھر اسکے بعد ابیض گیا اور ایک شخص کے چمٹ گیا اور اسکا گلا گھونٹ دیا پھر طبیب بنکر گھر والوں کے پاس آیا اور کہا کہ تمھارے اس صاحب کو تو جنون ہے اسکا دور کرنا میرے بس کی بات نہیں البتہ میں تمکو ایک ایسے شخص کا پتہ بتلا دیتا ہوں جو اللہ تعالےٰ سے دعا کر دیگا تو یہ اچھا ہو جائے گا اس کو برصیصا کے پاس لیجاؤ اور یہ بھی کہا کہ وہ اسم اعظم جانتا ہے جہاں اسکے ذریعہ دعا کی اور وہ قبول ہوئی لہٰذا برصیصا کے پاس لیجاؤ۔ پس لوگ اسکے پاس لے گئے اور اس سے درخواست کی اس نے انھیں کلمات کے ساتھ دعا کر دی اسکا شیطان چلا گیا۔ پس ابیض اسی طرح لوگوں کے ساتھ کرتا رہا اور انکو برصیصا کے پاس بھیجتا رہا اور لوگ اچھے ہوتے رہے ایکبار ایک مرتبہ ابیض بنی اسرائیل میں کے شاہی خاندان کی ایک لڑکی کے پاس گیا جس کے تین بھائی تھے ان سب کا باپ بادشاہ تھا اسکے مرنے کے بعد اسکا بھائی تخت پر بیٹھا گویا اندنوں اس لڑکی کا چچا بنی اسرائیل کا بادشاہ تھا ابیض اسی لڑکی کے پاس آیا اور اس کو خوب تکلیف پہنچائی اور اسکا گلا گھونٹ دیا پھر طبیب بنکر ان لوگوں کے پاس آیا اور کہا کہ

اگر تم لوگ کہو تو میں اسکا علاج کردوں لوگوں نے کہا ضرور کہا اسے جو جن لگا ہے وہ بہت ہی سرکش ہے وہ اسکو نہ چھوڑیگا لیکن میں تمھیں ایک ایسے شخص کا پتہ بتلاتا ہوں جسکی بزرگی کو تم بھی جانتے ہو اس لڑکی کو اسکے پاس لیجاؤ جس وقت وہ جن اسپر آوے وہ بزرگ دعا کردے گا اور تم لوگ دیکھ لوگے کہ وہ اچھی ہوگئی اسے صحیح سالم واپس لانا لوگوں نے کہا وہ کون بزرگ ہیں اس نے کہا برصیصا زاہد لوگوں نے کہا وہ تو بڑے مرتبے کے آدمی ہیں ان سب چیزوں میں نہیں رہتے ہماری درخواست کیونکر قبول کریگے کہا کہ اسکی تدبیر میں بتاتا ہوں اسکے گرجے کے پہلو میں ایک گرجا بناؤ جہاں سے اسکو دیکھ سکو اگر وہ اس لڑکی کو قبول کرلے تو فبہا ورنہ اسی گرجے میں رکھدو اور یہ کہکر چلے آؤ کہ یہ آپ کے پاس امانت ہے اسکا خیال رکھئیگا چنانچہ لوگ اسکے پاس گئے اس نے انکار کیا۔ ابیض کے مشورہ کے بموجب ایک گرجا تعمیر کرکے جاریہ کو اسکے اندر رکھدیا اور پکار کر کہا کہ یہ ہماری بہن ہے آپکے یہاں ہم امانت رکھ کے جاتے ہیں اسکی حفاظت کیجئے گا یہ کہکر وہاں سے چلے آئے برصیصا جب اپنی نماز سے فارغ ہوا اور اس گرجے کی جانب نظر کی تو اسکے حسن و جمال کو دیکھا اور اس پر عاشق ہوگیا اور ایک بڑے امتحان میں پڑ گیا پھر اس لڑکی کے پاس شیطان آیا اور اسکا گلا دبا دیا برصیصا نے فوراً وہ دعا اس پر پڑھی جسکی وجہ سے شیطان چلا گیا، پھر نماز میں مشغول ہوگیا، ادھر پھر اس لڑکی کے پاس شیطان آیا اور اسکا گلا گھونٹ دیا اور اس دورے میں لڑکی برہنہ ہوگئی پھر شیطان برصیصا کے پاس آیا اور وسوسہ ڈالا کہ اسکے ساتھ بُرا کام کرے بعد میں توبہ کرلینا اللہ تعالیٰ خطا اور گناہ کے بخشنے والے ہیں پس بعد میں اسکی تلافی کرلینا اور برابر یہ وسوسہ ڈالتا رہا یہانتک کہ اس نے وہ کام کرلیا اور برابر اسی طرح اسکے پاس آتا رہا یہانتک کہ وہ حاملہ ہوگئی اور جب اسکا حمل نمایاں ہوگیا تو اس سے شیطان نے کہا خرابی ہو تیرے لئے اے برصیصا تو نے تو اپنے آپ کو رسوا کرلیا لہٰذا اب یہ کر کہ اسکو قتل کردے اور اس سے توبہ کرلینا، اگر اسکے خویش تجھ سے پوچھیں تو کہدینا کہ اسکا شیطان اسکو لے گیا میں اس پر قادر نہ ہوسکا الغرض برصیصا نے اسے قتل کردیا اور اسکو لیجاکر پہاڑ کی ایک جانب دفن کردیا جس وقت کہ

وہ رات میں اسے دفن کر رہا تھا شیطان آیا اور اسکے کفن کا ایک کنارہ قبر سے باہر نکالدیا پھر برصیصا اپنے گرجے پر واپس چلا گیا اور مشغول نماز ہوگیا۔ اسنے میں اس لڑکی کے بھائی آئے اور اسکو تلاش کرنے لگے اور وہ درمیان درمیان میں اسکا حال لینے آیا کرتے تھے، پوچھا کہ وہ لڑکی کہاں ہے؟ برصیصا نے کہا کہ اسکا شیطان آیا تھا وہ لیگیا میں اسے چھڑا نہ سکا ان لوگوں نے اسے سچ مان لیا اور چلے گئے جب انھوں نے شام کی اور سب کے سب بہن کی گمشدگی کے صدمہ سے رنجیدہ تھے اسنے میں شیطان خواب میں اسکے بڑے کے پاس گیا اور کہا کہ کچھ خبر بھی ہے برصیصا نے تیری بہن کے ساتھ ایسا ایسا معاملہ کیا اور اسکو فلاں جگہ دفن کر دیا ہے۔ بھائی نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ خواب ہے شیطانی خیال ہے برصیصا اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ اسی طرح تین راتیں مسلسل اسے خواب دکھاتا رہا لیکن اس نے کچھ خیال نہ کیا پھر منجھلے بھائی کے پاس گیا اس نے بھی وہی سوچا جو بڑے بھائی نے سوچا تھا اور کسی کو خواب کی اطلاع نہ کی اسکے بعد شیطان چھوٹے بھائی کے پاس گیا اس نے اپنے دونوں بھائیوں سے کہا کہ میں نے ایسا ایسا خواب دیکھا ہے یہ سنکر منجھلے نے کہا کہ میں نے بھی یہی دیکھا ہے اسکے بعد یہ لوگ پھر برصیصا کے پاس گئے اور پوچھا کہ ہماری بہن کیا ہوئی؟ اس نے کہا کہ میں نے اسکے متعلق تم سے بیان تو کر دیا تھا تمھارے دوبارہ پوچھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید تمکو مجھی پر شبہ ہے ان لوگوں نے کہا نہیں خدا جانتا ہے ہم آپ کو متہم نہیں کرتے اور اس سے شرما گئے اور پھر گھر واپس چلے گئے اسکے بعد پھر انکے پاس شیطان آیا اور کہا کہ تمھارا ناس ہو وہ تو فلاں جگہ دفن ہے اور اسکے ازار کا کنارہ بھی مٹی سے باہر نکلا ہوا ہے یہ سنکر یہ لوگ گئے اور اپنی بہن کو اسی ہیئت میں پایا جیسا خواب میں دیکھا تھا اسکے بعد یہ لوگ اپنے موالی اور غلاموں کو بلالائے جنکے پاس پھاوڑا اور کدال بھی انھوں نے آکر اسکے گرجے کو ڈھادیا اور اسکو نیچے اتارا اور اسکی مشکیں باندھیں اور بادشاہ کے پاس لے گئے وہاں جاکر برصیصا نے اقرار کر لیا اسکی صورت یہ ہوئی کہ شیطان اسکے پاس آیا

اور کہا کہ تم نے تو اس کو قتل کیا ہے تو کیا اب انکار کروگے اس طر
تم پر دو جرم جمع ہو جائیں گے ایک قتل کا دوسرے انکار کا لہٰذا اقرار کرا
جب اس نے اقرار کر لیا تو بادشاہ نے اسکے قتل کئے جانے اور تختے پر سولی دیئے
جانے کا حکم دیا جب اسکو سولی پر چڑھایا گیا تو پھر شیطان اسکے پاس آیا اور کہا کہ
برصیصا مجھکو پہچانتے ہو اس نے کہا کہ نہیں کہا کہ میں تمھارا وہی صاحب ہوں جس نے
تمھیں دعائیں سکھائی تھیں اور تمھاری دعائیں قبول کی گئیں بڑے افسوس کی بات
ہے کہ تم نے اپنی امانت میں ذرا بھی خدا کا خوف نہ کیا اور امانت میں خیانت کی
تیرا یہ گمان تھا کہ بنی اسرائیل میں تجھ سے بڑھکر کوئی عالم نہیں ہے۔ عابد تجھے شرم
نہیں معلوم ہوتی غرض اسی طرح اسکو عار دلاتا رہا یہاں تک کہ آخر میں یہ کہا کہ تو
تیرا یہ کارنامہ تیرے لئے کافی ہوا کہ تو نے اپنے نفس پر (زنا و قتل کا اقرار بھی کرلیا او
اپنے آپ کو رسوا بھی کیا اور اپنے جیسے سب لوگوں کا اعتبار بھی کھو دیا اگر اسی حالت
میں تیرا انتقال ہو گیا پھر تجھ جیسا شخص کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا کہا کہ پھر میں کیا کروں
کہا کہ ایک بات میں میری اطاعت کرو تو میں تمھیں اس ضیق سے نجات دلا دوں (و
اسطرح) کہ انکی آنکھیں بند کر دونگا اور تمھیں یہاں سے نکال لے چلوں گا پوچھا کہ کیا
بات ہے کہا مجھے سجدہ کروگے کہا کرونگا چنانچہ سجدہ کر لیا اس پر ابیض بولا کہ اے
برصیصا میں تجھ سے یہی چاہتا تھا کہ تیرا انجام یہ ہو، تو نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا
پس میں تجھ سے بری ہوں اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ میں اس اللہ کا جو کہ رب العٰلمین
ہیں اس سے خوف کرتا ہوں یہ اس نے محض ریاءً کہا ورنہ تو خدا تعالیٰ کی خشیت شیاطین
میں کہاں ؟ ایک قول یہ ہے کہ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ میں انسان سے مراد جنس انسان
ہیں اور شیطان کے اُکْفُرْ کہنے سے مراد اسکا کفر پر آمادہ کرنا ہے جس طرح کہ وہ
امر مامور بہ سے ورغلایا کرتا ہے اور اسکا انی بری کہنا یہ آخرت میں ہوگا اسکو اس
ڈر سے کہیگا کہ کہیں عذاب میں اسکا شریک نہ ٹھہرایا جاوے چنانچہ اسکا یہ کہنا اسکو
نافع نہ ہوگا اور اسکی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ

اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّکُمْ فَاَخْلَفْتُکُمْ وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (اور جب تمام مقدمات فیصل ہوچکیں گے تو شیطان کہے گا کہ اللہ تعالےٰ نے تم سے سچے وعدے کئے تھے، سو میں نے وہ وعدے تم سے خلاف کئے تھے اور میرا تم پر اور تو کچھ زور چلتا نہ تھا بجز اسکے کہ میں نے تمکو بلایا تھا، سو تم نے میرا کہنا مان لیا اور تم مجھ پر ملامت مت کرو اور ملامت اپنے آپ کو کرو)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں انسان سے مراد ابو جہل ہے بدر کے موقع پر ابلیس نے اس سے کہا تھا لَاغَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّکُمْ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَکَصَ عَلٰی عَقِبَیْہِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف کرتا ہوں ہلاکی کا اسی دنیا میں فَکَانَ عَاقِبَتَھُمَآ اَنَّھُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیْنِ فِیْھَا وَذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ پس ان دونوں کا انجام یعنی انسان کا اور شیطان کا یہ ہوگا کہ یہ دونوں جہنم میں ہوں گے اور اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ظالمین کا یہی بدلہ ہے۔ (تفسیر مظہری ص ۲۲۵ پ ۲۸)

بڑے ہی عبرت کا واقعہ ہے۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ منافق اپنے لمبے چوڑے دعووں میں اور وقت پڑنے پر صاف نکل جانے میں ابلیس کا پیرو ہے وہی ان سب کا معلم ہے اسی طرح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کتنا ہی بڑا عابد و زاہد کیوں نہ ہوجائے کید نفس اور کید شیطان سے اسکو امن نہیں ہے لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ان دشمنوں کیطرف سے امن و امان حاصل ہونے کی دعا ہی کرنی چاہیئے اور اپنے علم و عمل زہد و طاعت، تقویٰ و طہارت سے صرف نظر کرکے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے یہی بزرگوں نے کیا ہے اور یہی کہا ہے۔ خواجہ حافظؒ فرماتے ہیں ؎

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست — راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

(یعنی اپنے تقوے اور دانش پر تکیہ کرنا طریقت میں کفر شمار کیا گیا ہے یہاں تو یہ ہونا چاہیئے کہ سالک اگر سو ہنر اور کمال بھی رکھتا ہو تو توکل حق تعالیٰ کی ذات ہی پر کرنا لازم ہے۔)

ایمان اور وسوسہ

فرمایا کہ ——— مومن کے متعلق قرآن شریف میں آتا ہے کہ یہ لوگ قیامت کی تصدیق کرتے ہیں وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ اور کافر کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو یہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے نکلکر اپنے رب کی طرف یہ کہتے ہوئے چلیں گے کہ یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یعنی ہمارے لئے ہلاکت ہو یہ کس نے ہمکو ہمارے مرقد سے اٹھادیا، پھر خود ہی کہیں گے کہ ارے یہ تو وہی معلوم ہوتا ہے جس کا رحمان نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا اور رسولوں نے واقعی سچ کہا تھا، پس ان لوگوں کا زبان سے یوں کہنا کہ وصدق المرسلون یہی تصدیق ہے۔ فرق یہ ہے کہ کافر وہاں کہیں گے لیکن وہاں کی تصدیق اور ایمان معتبر نہوگا اور مؤمن دنیا ہی میں کہتا ہے وصدق المرسلون اسی کا نام تصدیق بھی ہے اور یہی یؤمنون بالغیب کہلاتا ہے اور یہ مؤمن کا کمال ہے جسقدر غیب پر ایمان زیادہ ہوگا اسی قدر ایمان کا درجہ بلند ہوگا۔

القرآن یفسر بعضہ بعضا چونکہ قرآن شریف کی آیات خود بعض بعض کی تفسیر کرتی ہیں اس لئے میں تصدیق کے معنی قرآن شریف ہی سے بیان کرتا ہوں اسطرح سے لوگ کم بیان کرتے ہیں باقی یوں تو علماء نے ایمان اور تصدیق کے مفہوم میں بہت کچھ لکھا ہے۔ تصدیق میں ایک تو مصدَّق ہوتا ہے اور ایک مصدِّق ہوتا ہے۔ پس یہاں رسول تو مصدَّق ہوئے اور زبان سے یہ کہنے والے مصدِّق ہوئے اور انکا یہ قول کہ "وصدق المرسلون" یہ تصدیق ہوئی۔ حاصل یہ کہ تصدیق تو صرف زبان سے قول کہدینے کا نام ہے بشرطیکہ کوئی اور چیز معارض اسکے دل میں نہ ہو اور جس کسی سے عمر بھر کوئی چیز کہے ہوئے کے خلاف نہ صادر ہو بس وہ مؤمن ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ آدمی جب ایک بات زبان سے کہتا ہے تو عام طور پر سمجھا یہی جاتا ہے کہ دل میں بھی اسکے یہی ہوگا

اب اگر ایسا ہی ہے تو بس زبانی اقرار کا نام ہی تصدیق ہے اور معتبر ہے اور منافقین کے زبان سے کچھ کہنے کو بُرا اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ زبان سے جو کچھ کہتے تھے تو دل میں اسکے خلاف اور اسکے معارض چیز رکھتے تھے اسلئے اُنکے زبانی جمع خرچ پر انکار تھا۔ مؤمن جو بات زبان سے کہتا ہے وہی اسکے دل میں بھی ہوتی ہے اور وہ عمر بھر اس پر قائم رہتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اسلئے مومن برابر اپنے ایمان کی نگرانی رکھتا ہے اور ہمیشہ اسکی تجدید کرتا رہتا ہے تاکہ اسمیں کسی قسم کا شک نہ طاری ہونے پائے اور وسوسہ سے اسکو محفوظ رکھے اور اس پر عمل نہ ہو جائے دیکھئے مال کے متعلق ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اسکو ایک بار گن کر رکھتے ہیں مگر اس پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بار بار گنتے رہتے ہیں تو اگر اسی طرح سے ایمان کو بھی ایکدفعہ کے بعد دوبارہ سہ بارہ تجدید کرتے رہیں تو کیا حرج ہے مومن اسی لئے ایمان کی تجدید کرتا رہتا ہے کہ اسمیں شک نہ طاری ہونے پائے اور شیطانی وساوس سے بھی اسکو بچا رکھے۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

الا فاسقنی خمراً وقل لی ھی الخمر ولا یسقنی سراً متی امکن الجہر

یعنی تو مجھے شراب پلا اور ساتھ ہی ساتھ کہے جا کہ یہ شراب ہے اسلئے کہ جس طرح پی کر اسکا لطف حاصل کروں اسی طرح سے کانوں سے اسکا نام سنکر بھی لطف اندوز ہوں دیکھئے جب شاعر کو شراب کا بار بار ذکر کرنا اسکے لئے نشاط کا موجب ہوتا ہے تو اسی طرح علماء فرماتے ہیں کہ ایمان کو بھی زبان سے بار بار تجدید کرتے رہنا چاہیئے اور اپنے ایمان پر شکر بھی کرتے رہنا چاہیئے اس سے ایمان میں اور زیادتی ہوتی ہے وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ (اور اگر تم شکر ادا کروگے تو میں اور زیادہ دونگا)

اور یہ جو میں نے بیان کیا کہ بار بار کی تجدید کرنے کی وجہ سے ایمان شیطانی وساوس اور اسکے دست برد سے محفوظ رہتا ہے تو اس پر ایک واقعہ سنئے:۔

ایک بزرگ ایک عالم کے یہاں گئے اور وہاں رہنے لگے کچھ دنوں کے بعد شیخ سے کہا کہ مجھکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے سینے سے کوئی شئے سر سر نکل رہی ہے

نکل رہی ہے انھوں نے کہا مبارک ہو یہ تمھارا علم منطق و فلسفہ ہے جو نکل رہا ہے۔
اس پر ان عالم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے اسکو بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے اسکے نکلنے پر راضی نہیں ہوں یہ کہکر وہاں سے چلے آئے۔ اب سنیئے ان عالم صاحب کا جب آخری وقت ہوا اور نزع کا عالم ہوا تو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ دنیا سے کیا لیکر جارہے ہو انھوں نے جواب دیا کہ الحمد للہ توحید لیکر جارہا ہوں اس نے کہا کیا دلیل کہ خدا ایک ہے انھوں نے اپنے دلائل فلسفیانہ بیان کرنے شروع کئے لیکن جو دلیل بھی بیان کرتے شیطان اسپر اعتراض کرکے توڑ دیتا یہاں تک کہ آخری دلیل کی نوبت آگئی اور معاملہ بانیجا رسید کہ امام اس کو بیان کریں اور شیطان اسپر بھی اعتراض کردے، تو بس امام کا ترکش خالی تھا اور اندیشہ تھا کہ شیطان انکو لے لے اور معاذ اللہ خاتمہ ہی خراب کرادے یہ صورت تھی کہ ادھر وہ بزرگ جنکی خدمت میں یہ عالم صاحب تشریف لیجا کر واپس چلے آئے تھے وہ وضو فرمارہے تھے اور ان عالم صاحب کی اس حالت کا انکو انکشاف ہوا کہ انکا آخری وقت ہے اور ابلیس انکو اسطرح بہکا رہا ہے بس خادم کے ہاتھ سے لوٹا لیکر زور سے دیوار پر پھینک مارا اور کہا کہ کہتا کیوں نہیں کہ خدا کو بلا دلیل مانا۔ اللہ تعالےٰ نے شیخ کی کرامت سے انکا یہ جملہ امام کے کانوں تک پہنچا دیا اور انھوں نے زبان سے کہدیا کہ جا خدا کو بے دلیل مانا' بس روح پرواز کرگئی۔ سبحان اللہ۔

دیکھا آپ نے یہ ہے شیطانی وسوسہ جو بڑے سے بڑے عالم کو بھی پیش آتا ہے اور عاجز کردیتا ہے۔ شیطان اسی طرح سے ایمان میں وسوسے ڈالتا ہے لہٰذا وساوس کی طرف سے اطمینان نہیں ہے اور یہ جو آپ نے سنا ہے کہ وسوسہ مضر نہیں تو یہ جب ہے کہ اختیاری نہ ہو لیکن اگر اس میں اپنا قصد اور اختیار شامل ہوگیا تو پھر مضر ہے' جناب والا اور اس سے ایمان تک ختم ہوجاتا ہے اسلئے اسکی طرف سے بے فکر نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا الآیة
(مومن وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ و رسول پر اور پھر اس ایمان میں شک نہیں کیا)
اس سے معلوم ہوا کہ ایمان وہی معتبر ہے جس میں ریب اور شک نہو۔ بزرگان دین تو

قرآن تجدید کریں اور جائزہ لیں کہ ایمان باقی ہے کہ نہیں، ایمان باقی ہے کہ نہیں؟ اور آپ بالکل بے فکر ہو جائیں کہ ہمارا ایمان بہت پختہ ہے اس میں کبھی تزلزل ہو ہی نہیں سکتا یہ کیسا ہے؟ قرآن شریف سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اور پھر اس میں شک نہیں کرتے یہ شک پیدا کرنا شیطان کا کام ہے وہ یقینی کو مشکوک اور مشکوک کو یقینی کرتا ہی رہتا ہے اسی لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ؎

ایماں چوں سلامت بہ لب گور بریم احسنت بریں چستی و چالاکی ما

یعنی اگر ہم اپنے ایمان کو قبر تک صحیح و سالم لیجا دیں تو ہماری اس چستی و چالاکی پر صد آفریں ہے۔ اہل عرب جب کسی کے کام کو پسند کرتے ہیں تو کہتے ہیں "احسنت" یعنی تم نے یہ کام خوب کیا۔ اسی طرح اگر ہم لوگ ایمان کو قبر تک سلامت لے جائیں تو ہماری اس چستی و چالاکی پر آفریں ہے۔ آپ مومن ہیں اور آپکا ایمان سلامت بھی ہے لیکن اگر اسکے بعد بھی زبان سے کہہ لیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو آپکا اسمیں حرج ہی کیا ہے؟ اسی کا نام تجدید ایمان ہے ایک دفعہ کے بعد جب دوسری بار آپ کہیں گے تو ایمان میں کمّاً اضافہ ہوگا۔ پھر اس سے ایمان کا کیف بھی بڑھتا ہے پھر تیسری بار کہیئے گا تو کم (یعنی مقدار ایمان) اور بڑھے گا اور اسی کے ساتھ کیف بھی اسکا بڑھیگا۔ ایمان میں یمکن اور یحتمل کی گنجائش نہیں ہے آج ہمارا ناس اسی یمکن اور یحتمل نے مار رکھا ہے جس طرح کہ ایک طالب علم کا واقعہ ہے کہ وہ کسی تیلی کے یہاں تیل لینے گیا تیلی نے اپنے بیل کے گلے میں گھنٹی باندھ رکھی تھی انھوں نے پوچھا کہ میاں تیلی یہ تم نے اس کے گلے میں گھنٹی کیوں لٹکا رکھی ہے اس نے کہا صاحب ہم غریب لوگ ہیں اور سب کام بھی کرنا رہتا ہے اسلئے بیل کو چلا دیتے ہیں اور اپنا کام کرتے رہتے ہیں گھنٹی بجتی رہتی ہے تو ہم کو معلوم ہوتا رہتا ہے کہ بیل چل رہا ہے اور جب گھنٹی کی آواز نہیں آتی تو سمجھ جاتے ہیں کہ رکا ہوا ہے آکر پھر ہانک دیتے ہیں یہ سنکر ان مولوی صاحب نے کہا کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ بیل کھڑا رہے اور گردن ہلاتا رہے لہٰذا گھنٹی کا بجنا تو چلنے کی دلیل نہیں بلکہ

تیلی نے کہا مولوی صاحب جائیے ہمارے بیل کو منطق نہ پڑھائیے ہم آپ کو تیل نہیں دینگے
پہلے کے لوگوں کا ایمان نہایت کامل تھا اس میں شک وشبہ نہیں تھا پھر بھی وہ اسکی جانب سے مطمئن نہ تھے بلکہ اسکی حفاظت کے لئے برابر اسکی تجدید کرتے رہتے تھے اور ہم لوگوں کا ایمان اسدرجہ کا بھی نہیں ہے اور پھر ہم مطمئن رہیں۔ امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو یہ مطلوب ہو کہ اسکا ایمان آخر وقت تک محفوظ رہے یعنی خاتمہ ایمان پر ہو تو وہ اس پر شکر بھیجتا رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ اس میں شکر نعمت پر زیادتی کا وعدہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب ایمان بڑھے گا تو کم نہوگا اور جب کم نہوگا تو سلب تو بدرجہ اولیٰ نہوگا پس مومن کو آخر دم تک ایمان پر اطمینان نہیں ہوسکتا، ہاں اطمینان کب ہوگا جب اسکا ظہور ہوگا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ

ترجمہ: (جن لوگوں نے (دل سے) اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر (اسپر) مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا ہم تمھارے رفیق تھے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں بھی رہیں گے اور تمھارے لئے اس (جنت) میں جس کو تمھارا جی چاہے گا موجود ہے اور نیز تمھارے لئے اس میں جو مانگو موجود ہے، اور یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ تصدیق جس طرح سے قول سے ہوتی ہے اسی طرح افعال سے بھی ہوتی ہے۔ مومن جب نماز پڑھتا یا روزہ رکھتا یا حج کرتا ہے یا زکوٰۃ اور صدقہ دیتا ہے تو گویا فعلاً تصدیق کرتا ہے کہ یہ سب چیزیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں

حق ہیں یہ سب تصدیق اسکی اصل تصدیق یعنی ایمان سے ملتی جاتی ہے، جس سے اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر یہ تصدیق فعلی تو میرے کہنے کے بعد آپکی سمجھ میں آئی ہوگی لیکن زبان سے تصدیق کرنا کہ تمام انبیاء کو سچا سمجھتا ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یہ فرد تصدیق سب تصدیقوں سے اتم اور اظہر ہے کیونکہ آپ زبان سے کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اسکا تصدیق ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔

اب لوگ شبہات کرتے ہیں کہ ہمکو وسوسہ آتا ہے تو بھائی وسوسہ سب کو آتا ہے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ یہ وسوسہ اہل معاصی کو کم آتا ہے اور نیک لوگوں کو زیادہ آتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ وسوسہ شیطان کیطرف سے آتا ہے اور وہ انکو معصیت میں مبتلا کرکے انکی جانب سے بیفکر ہوجاتا ہے اور نیک لوگوں سے معاصی نہیں کرا پاتا تو وسوسہ ہی کے ذریعہ گمراہ کرتا ہے لوگ اسکا علاج پوچھتے ہیں میں کہتا ہوں ہاں سنو! اسکا علاج ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جب وسوسہ آئے تو زبان سے کہہ لیجئے اشہد ان لا الٰہ و اشہد ان محمداً عبدہ و رسولہ اگر وسوسہ میں بالفرض تھوڑا بہت اختیار بھی شامل ہوگیا ہوگا تو اب سے تو ایمان پھر آگیا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو انکے زمانہ میں کسی شخص نے کافر کہا بزرگوں کا جواب بھی سبحان اللہ کیسا ہوتا ہے آپ بالکل خفا نہیں ہوئے بلکہ یوں فرمایا کہ الحمدللہ جب امت محمدیہ کے کافر ایسے ہوں جیسے عبدالقادر تو اس امت کے مؤمن کیسے ہونگے، ان کا کیا پوچھنا یہ کہا اور اسکے بعد دونوں ہاتھ داڑھی پر پھیرتے ہوئے فرمایا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مطلب یہ تھا کہ اچھا بھائی ابتک تو جو کچھ میں تھا تھا لو اب تو مسلمان ہوگیا۔

وساوس کا تو قاعدہ ہے کہ اگر اسکو دور کرنے کے درپے ہوگئے تو یہ اور چمٹے گا۔ لہٰذا اسکا علاج بس یہی ہے کہ جب یہ پریشان کرے تو ادھر سے توجہ ہٹا کر زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنے لگے اب شیطان یہ دیکھے گا کہ میں نے تو انکو غفلت میں ڈالنا چاہا تھا اور یہ ذکر کرنے لگا تو چھوڑ کے بھاگے گا۔ مثنوی میں ہے کہ حضرت معاویہؓ ایک شب سو رہے تھے تہجد کے وقت کوئی شخص آکر آپ کے پیر دبانے لگا۔ آپ جاگ گئے پوچھا کہ کون ؟ اس نے کھسکنا چاہا آپ نے پکڑ لیا اور پہچان لیا کہ یہ ابلیس ہے پوچھا کہ تیرا کام تو نماز سے غافل کرنے کا ہے

یہ تونے مجھے جگایا کیسے ؟ اس نے کچھ باتیں بنانا چاہا آپ نے فرمایا کہ سچ سچ کہدے ور سخت سزا دونگا۔ بالآخر اس نے کہا کہ کل آپ تہجد میں سو گئے تھے تو میں خوش ہوا تھا لیک آپ نے اسکی قضا کا جو غم کیا اور اسپر رنج کیا تو اسکی وجہ سے آپ کا مرتبہ اس سے کہیں بڑھ گیا جتنا کہ تہجد سے بڑھتا میں شیطان ہوں میرا کام نقصان ہی پہنچانا ہے یہ آج آپ جگا اسی لئے دیا کہ کہیں قضا پر آپ پھر افسوس کریں اور اسکی وجہ سے آپ کا درجہ اور زیادہ بلا نہ ہو جائے ۔ دیکھا آپ نے ابلیس کی دشمنی کا حال کہ اگر کہیں نماز کے لئے اٹھا نے آپ کا نقصان دیکھتا ہے تو اسکے لئے بھی تیار ہے ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری خیر خواہی کرتا حالانکہ درپردہ ہمارے نقصان کا خواہاں ہے ۔ ایک صاحب مسجد سے نماز پڑھکر آ تھے ایک اور صاحب مسجد جا رہے تھے راستہ میں ان سے ملاقات ہوئی انھوں نے کہ کیا جماعت ہوگئی ؟ انھوں نے کہا ہاں نماز تو ہوگئی اس پر ان صاحب نے جنکی جماعت چھوٹ گئی تھی ایک آہ بھری اور ایسے دل سے آہ کی کہ وہ دوسرے صاحب بھی متاثر اور کہنے لگے کہ میں اس پر بخوشی راضی ہوں کہ آپ اپنی یہ آہ مجھے دیدیجئے اور میری جماعت سے پڑھی ہوئی نماز آپ لے لیجئے ۔

غرض میں کہتا ہوں کہ بس جب وسوسہ آئے تو زبان سے کہدو کہ یا اللہ میں یقین رکھتا ہوں یا اللہ میں ایمان لاتا ہوں اس طریقہ سے کہدینے کا کم سے کم نفع یہ ہوگا کہ وسوسہ ضرر سے تو بچ جاؤ گے ۔ مؤمن برابر اسی فکر میں رہتا ہے کہ اپنے ایمان کو قبر تک سلامت لیجائے اور اسی کا نام چستی و چالاکی ہے ؎

ایماں چوں سلامت بلب گور بریم   احسنت بریں چستی و چالاکی ما

اور سچ پوچھئے تو اسی کا اعتبار ہے اور وہی ایمان معتبر ہے جو قبر تک سلامت چلا جائے اس سے پہلے کا اعتبار نہیں ۔ ایک بزرگ ایک عورت کے مکان کے پاس سے گذرے تو وہ یہی کہتی کہ تمھاری ڈاڑھی اچھی ہے یا ہمارے بکرے کی ڈاڑھی ۔ اس سے انکو ا بہت ہوتی مگر خاتمہ کا خیال آجاتا اس لئے زبان سے کچھ نہیں فرماتے تھے خاموش گذر جاتے جب ان بزرگ کا انتقال ہونے لگا تو لوگوں سے کہا کہ میرا جنازہ اسی عورت کے مکان

سامنے سے لیجایا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب اسکے مکان کے سامنے پہونچے تو کفن میں سے اٹھکر بیٹھ گئے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ آج کہتا ہوں کہ الحمدللہ میری داڑھی تیرے بکرے کی داڑھی سے بہتر ہے یہ کہکر پھر لیٹ گئے۔ تو بات کیا تھی؟ یہی کہ زندگی میں اپنے ایمان پر اطمینان نہیں تھا کچھ نہیں معلوم تھا کہ خاتمہ کیسا ہوگا لیکن جب خاتمہ ایمان پر ہوگیا تو اب جواب دینے کے قابل اپنے کو سمجھا اسی کو کہا ہے کہ ؎

ایماں چوں سلامت بلب گور بریم   احسنت بریں چستی و چالاکیٔ ما

جس طرح سے قرآن شریف پر ایمان لانا ضروری ہے اسیطرح سے حدیث شریف پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ یہاں فی رسول اللہ فرمایا ہے جس سے مراد آپؐ کی ذات ہے، مطلب یہ ہوا کہ تمھارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اندر نمونہ موجود ہے لہٰذا صرف قرآن شریف پر عمل کرکے کوئی شخص آپؐ کی ذات سے اور آپؐ کے ارشادات یعنی حدیث سے مستغنی نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن میں آپ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع کا حکم ہے اور آپؐ کا اسوہ آپؐ کی ذات میں ملیگا نہ کہ کتاب میں ہم اپنے دنیوی امور میں دیکھتے ہیں کہ نمونہ کی ضرورت پڑتی ہے درزی بدن کا ناپ لیتا ہے لیکن اس پر اکتفا نہیں بلکہ پرانا کرتا بھی لیجاتا ہے تاکہ نیا کپڑا اسی کے مطابق تیار کرے اسکا نام نمونہ ہے تو جب چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی نمونہ درکار ہے تو بڑی چیزوں میں بالخصوص دین جیسی عظیم الشان چیز ہی میں نمونہ کی ضرورت نہوگی؟

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ وسوسہ ہر ایک کو آتا ہے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی بزرگ کا ماننا چاہتا ہے مگر دل میں اسکی جانب سے کچھ وسوسہ بھی آتا ہے کہ نہ معلوم ہیں کہ نہیں تو زبان سے کہدے کہ میں انکا معتقد ہوں مجھکو ان سے محبت ہے اور نفس سے کہدے کہ میں انکو چھوڑکر کہیں نہ جاؤنگا بس اس سے وسوسہ ختم ہوجائیگا۔ جب مجھے وسوسہ آتا تھا تو میں کہتا تھا کہ ان سے مجھے محبت ہے اور جس سے کسی کو محبت ہوتی ہے تو وہ اسکو چھوڑتا نہیں کہ لہٰذا ہم بھی انکو چھوڑینگے نہیں اور یہاں سے کہیں اور جائیں گے نہیں چاہے محروم رہیں

بس اس سے وسوسہ منقطع ہو جاتا ہے اسی طرح ایمانیات میں جب کسی کو وسوسہ آوے تو زبان سے کہے کہ امنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر والقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت اس سے وسوسہ منقطع ہو جائیگا اور ایمان محفوظ رہیگا۔

ایمان جب لا الہ الا اللہ کے کہنے سے حاصل ہوتا ہے تو اسی کو بار بار کہنے سے ایمان کامل بھی ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس چیز سے کوئی شے حاصل ہوتی ہے اسی کو بار بار کرنے سے اس میں کمال بھی پیدا ہوتا ہے پس اسی کلمہ سے آدمی مومن بھی ہوتا ہے اور اسی سے اس میں کمال بھی ہوتا ہے اور کامل الایمان بھی ہوتا ہے۔ اب لوگ مجھ سے ذکر پوچھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ میں کیا جانوں؟ ارے بھائی یہی ذکر ہے۔ آپ نے نہیں سنا کہ افضل الذکر لا الہ الا اللہ اسکو کرو اور اسکے کرنے کیلئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ تہجد کے بعد ہی کیا جائے یا دو گھنٹہ تک کیا جائے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، دکان پر تجارت کرتے ہونے کی حالت میں جب موقع ملے زبان سے کہتے رہیئے لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ مگر بات یہ ہے کہ چونکہ یہ بہت عام چیز ہوگئی ہے اور بچے بوڑھے عورت مرد سب ہی کے زبان زد ہے اسلئے اسکو ذکر سمجھا ہی نہیں جاتا اور خدا معلوم نفس نے کس چیز کا نام وظیفہ سمجھا رکھا ہے کہ اسکو وظیفہ ہی نہیں سمجھا جاتا لاحول ولا قوۃ الا باللہ حالانکہ اس سے بڑھکر کے کوئی دوسرا وظیفہ ہی نہیں ہے۔ چاروں سلاسل میں یہ رائج ہے بزرگان دین حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ اسکو پڑھا کرتے تھے۔

اسی طرح تصدیق کے بارے میں جو کچھ کہا ہے روزانہ دو چار مرتبہ اسکو زبان سے کہہ لیجئے تو اس میں آپ کا کیا حرج ہے آپ ہر روز زبان سے کہہ لیں کہ صدق اللہ العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم تو اس میں کیا ہے باقی جو چیز کرنے کی ہے وہ تو کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے کیجئے تو نفع دیکھئے اور اسکے بعد تو آپ بھی سمجھنے لگیں گے کہ ہاں یہی چیز کرنے کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے اللھم انی اسئلک نفسًا بک

مطمئنۃ تومن بلقائک وترضی بقضائک تقنع بعطائک یعنی اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے ایسا نفس جو تجھ پر ایمان رکھے تیرے ملنے کا یقین رکھے اور تیرے حکم پر راضی رہے اور تیرے عطیہ پر قناعت کرے۔ دیکھئے! آپؐ اللہ تعالیٰ سے ایسا نفس مانگتے تھے جو لقاء پر مطمئن ہو۔ اسی طرح آپ فرماتے تھے کہ انا عبدک وابن عبدک یا اللہ میں تیرا غلام ہوں اور تیرے غلام کا بیٹا ہوں۔ اب آپ غور فرمائیے کہ جب آپ یہ جملے اپنی زبان مبارک سے فرماتے ہوں گے تو آپ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا کچھ تعلق اور رشتہ پیدا ہو جاتا ہوگا آپ نے ان دعاؤں کے ذریعہ اس تعلق کو کتنا سہل فرمایا تھا لیکن ہم لوگوں نے اپنی نافہمی سے اسکو کیسا دشوار بنا لیا ہے آج ہم نہ ان دعاؤں کو عربی ہی میں کہتے ہیں اور نہ اردو ہی میں کہتے ہیں حالانکہ اگر عربی نہیں آتی تو چاہیئے کہ اردو ہی میں اس کو کہہ لیا کریں اس سے کچھ تو فائدہ مرتب ہو ہی جائے گا گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں جو برکت ہے وہ دوسرے میں کہاں؟ صرف زبان سے بھی کچھ کہنے میں نفع ہے کیونکہ اسی کا نام تصدیق ہے اور اقرار باللسان کو بھی علماء نے ایمان کا جزو لکھا ہے اور منافق کا محض زبان سے اقرار اس لئے لغو اور قابلِ انکار تھا کہ وہ زبان سے ایسی باتیں کہتے تھے کہ دل جن سے خالی ہوتا تھا بلکہ دل میں اسکے ضد اور معارض چیزیں ہوتی تھیں اور اس امر کا دھوکا اور چالبازی ہونا ظاہر ہے اسلئے یہ قابل مذمت تھا۔

ان دعاؤں کو جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا ہے ان کے پڑھنے سے اول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت صحیح ہوتی ہے کیونکہ ان کے ذریعہ آپ کی تصدیق ہوتی ہے اور پھر آپ کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح ہوتا ہوتا ہے۔ پس اس میں دونوں نسبتوں کی درستی ہے۔ سبحان اللہ ایک عمل کرکے آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی نسبت درست کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھی اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یعنی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی تم کو دوست رکھیں گے۔

یہیں سے یہ سمجھ لیجئے کہ بدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے چارہ کار نہیں ہے۔ ہر قسم کی دینی و دنیوی فلاح منحصر ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں جب تک یہ نہ کیجئے گا کشود کار نہ ہوگا ؎

پے نبرد سے ہیچکس در منزل حق الیقیں　　تا نہ بودے ذات پاکت در رہ او مقتدا

(حق الیقین کی منزل کو کوئی شخص طے نہیں کر سکتا جبتک آپ کی ذات پاک (آں رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اس راہ میں اسکی مقتدا نہ ہو)

اسی کو حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہِ صفا　　تواں رفت جز بر پے مصطفیٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند　　بر فتند و بسیار سرگشتہ اند

دریں راہ جز مرد داعی نرفت　　گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

(ترجمہ) اسے سعدی یہ مت سمجھنا کہ راہ صفا یعنی حق تعالےٰ کا راستہ بدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے طے کیا جا سکتا ہے (ایسا ناممکن ہے بلکہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس نے کوئی راہ چلی تو وہ ہرگز منزل مقصود تک نہ پہونچ سکیگا۔ جو لوگ کہ اس راستہ سے منحرف ہوئے ہیں تو چلے ہیں اور بہت زیادہ حیران پریشان ہوئے ہیں اور مقصد تک رسائی نہ ہوسکی یہ اسلئے کہ اس راہ میں سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی دوسرا ابتداءً چل ہی نہیں سکا ہے اور جو بھیڑ کہ چرواہے کے پیچھے نہیں چلتی وہ گم ہو جاتی ہے۔ (اور بالآخر لقمہ گرگ ہی بن جاتی ہے)

حاصل یہ کہ وسوسہ کا علاج تجدید ایمان بذریعہ کلمہ شہادت اور اتباع سنت استقامت ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔

(مصلح کو مصلحۃً سخت ہونا پڑتا ہے)

فرمایا کہ ــــــ جب میں سفر حجاز میں تھا تو وہاں بھی لوگوں کی حالت دیکھ دیکھ کر طبیعت پر ایک اثر تھا ادب کی جگہ تھی اسلئے زبان سے کچھ کہتا نہیں تھا ایک دن مسجد خیف سے باہر ایک قبہ میں لوگ جمع ہوئے اور ایک مصری عالم نے وعظ کہا میں بھی اس میں شریک تھا جوں جوں انکا وعظ سنتا جاتا تھا طبیعت کھلتی جاتی تھی اور خوش ہوتا تھا کہ واہ اس شخص نے شریعت کی ترجمانی کی ہے انھوں نے تقریر عربی میں کی تھی اسقدر زوروں سے بیان کر رہے تھے کہ جو لوگ مطلب بھی نہیں سمجھتے تھے وہ بھی سننے کی جانب متوجہ تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ کوئی کام کی بات بیان کر رہے ہیں۔ میں بھی سن رہا تھا اور سمجھ رہا تھا انھوں نے یہ بیان کیا کہ

لوگو! دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و دنیا دونوں کی فلاح کا طریقہ ہمکو تبلایا ہے پس جس شخص نے دونوں ہدایتوں میں آپ کی تصدیق کی (اور اسکے مطابق عمل کیا) وہ دونوں جگہ کامیاب ہوگیا اور جس نے آخرت کے بارے میں تو آپ کی تصدیق کی لیکن دنیوی امور میں آپ کی تصدیق نہیں کی اور آپ کے تبلائے ہوئے طریقہ پر نہیں چلا اسکی دنیا تباہ ہوئی۔ چنانچہ آج اپنا حال دیکھ لو کہ معاملات میں معاشرت میں اور اخلاقیات میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلائے ہوئے طریقہ پر عمل نہیں کیا ہماری تدبیر منزل فاسد ہے ہمارے گھر دوزخ کا نمونہ ہو رہے ہیں۔ بھائی بھائی سے جدا ہے ماں بیٹی میں لڑائی ہے۔ بیٹا باپ کا مخالف ہو رہا ہے یہ سب کیوں ہے اسی لئے کہ ہم نے دنیوی امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہیں کی بس اسی سے اندازہ لگالو اور سمجھ لو کہ یہ تو بہت کم ہے اگر آخرت کے باب میں بھی تصدیق میں کمی ہوئی تو وہاں کا عذاب بھی بھگتنے کیلئے تیار رہو العیاذ باللہ۔

مجھے ان عالم کی باتیں بہت پسند آئیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں یہ شخص مصلح ہے اسنے شریعت کی خوب ترجمانی کی اس سے معلوم ہوا کہ بدون زجر و سختی کے اصلاح کا کام بہت دشوار ہے۔ مصلح کو مصلحۃً سخت ہونا پڑتا ہے اسی کو آجکل بد اخلاقی کہا جاتا ہے ایک شخص دین کا کام کر رہا ہے اور وہی ایک شخص کام کا ہے دوسرے لوگ کرتے بھی نہیں اور اسلئے اسکو بد اخلاق کہتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(منتخب از مجالس مصلح الامۃؒ)

یہ نہیں کہ ہیں تو لوگ مبتلائے نفاق وفسق وفجور ہیں اور بیان کیا جائے حضرات صحابہ کے واقعات اور ان کے فضائل' اور یہ باور کرانے کی کوشش کیجائے کہ تم بھی انھیں جیسے ہو اور ان کے شرف وفضل میں برابر کے شریک ہو۔ ظاہر ہے کہ اس سے انکا حال مشتبہ ہو جائے گا اور باوجود ہلاکت کے اپنی ہلاکت کا تصور بھی نہ کریں گے اسلئے برابر حضرت والا آیات منافقین اور ان کے واقعات بیان فرماتے ہیں اور زمانہ حال کے حالات سے مطابق فرماتے ہیں تاکہ اپنے مرض کا صحیح علم ہو جائے اسکے بعد ہی شفاء کی امید ہو سکتی ہے اور اصلاح کی توقع کیجا سکتی ہے ــــــ دوسری بات یہ کہ حضرت مولانا مدظلہم کی یہ نہایت دیانت اور للہیت ہے کہ اپنے پاس والوں کو دین وتقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور برابر متنبہ فرماتے ہیں کہ ہمارا جسمانی قرب کافی نہیں ہے تم کو کچھ حاصل ہو سکتا ہے تو تم کو بھی وہی کرنا ہوگا جو اغیار کو کرنا ہوتا ہے یعنی عقیدت وصدق وخلوص اختیار کرنا ہوگا جبھی کچھ فیض حاصل ہو سکتا ہے ــــــ اور حضرت کیا خوب بیان فرماتے ہیں کہ تین صنف کو جو اہل اللہ سے فائدہ نہیں ہوتا تو اسکی وجہ میرے نزدیک ہے کہ فیض کے حصول کیلئے جو شرط اول ہے یعنی عقیدت وہی مفقود ہے اسلئے محروم رہتے ہیں ان کے پاس والوں کی ایسی مت ماری جاتی ہے کہ ظالم سرے سے عقیدت ہی کھو بیٹھتے ہیں عمل میں کوتاہی ہو تو دور بھی ہو جائے مگر عقیدت کی تلافی کس طرح ہو سکتی ہے اسلئے باوجود ہر اعتبار سے قرب کے باطناً کوسوں دور رہتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

حضرت والا کا یہ بھی خاص ارشاد ہے کہ بھائی جب ہم پاس والوں اور قلیل مقدار کی اصلاح نہیں کر سکتے تو باہر جاکر دوسروں دوسروں کی اصلاح پر کیسے قادر ہو سکتے ہیں اسلئے الاقرب فالاقرب اور اقل فالاکثر کا بہت لحاظ فرماتے ہیں جو نص کے بالکل موافق ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۔ نیز اسکا اہتمام بھی فرماتے ہیں کہ تعلیمات کے پیش کرنے میں رفق وسہولت کا لحاظ ہو تاکہ مخاطبین بخوشی قبول کریں ورنہ تو بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ فی نفسہ ایک شی محمود ہوتی ہے مگر بے موقع یا بدعنوانی اور بے ڈھنگے طریقہ پر پیش کرنے سے بھونڈی اور بدنما ہو جاتی ہے جس سے مخاطب پر اچھا اثر نہیں پڑتا

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر احکام نازل فرمانے میں انکی طبیعت کا لحاظ فرماتے ہوئے ترتیب کا لحاظ فرمایا ہے، اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے ورنہ یکایک احکام شاقہ کے نزول سے انکار پیدا ہو جانے کا احتمال تھا جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا اثر موجود ہے۔

نیز حضرت والا فہم کے پیدا کرنے اور بات کے سمجھنے کی طرف بہت زور دیتے ہیں اور دین و دنیا کی باتوں کو کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں اور یہ اکثر فرماتے ہیں کہ نیک تو ہیں مگر فہم نہیں ہے اگر ذرا سی فہم ہو جائے تو کہاں سے کہاں پہونچ جائیں۔ دنیاوی فہم میں بھی نقص کی برابر شکایت فرماتے ہیں کہ تم سے دین کیا سپڑے گا اور اسکو کیا سمجھوگے ہم لوگ سمجھ لیں تو بہت ہے تم دنیا ہی قاعدہ سے کرلو تو بہت بڑی بات ہے۔ اس طرح الحمدللہ کام کرنے سے نفع محسوس کیا جارہا ہے، خواص و عوام سبھی متاثر ہیں۔ آج اسطرح کام کرنے والے جو سمجھ و عقل رکھتے ہوں کام کریں تو اب بھی فائدہ ہو مگر اس طرح کام کرنے والے معدوم ہی سے ہو گئے ہیں۔ اسلئے کام نہیں ہورہا ہے حضرت والا یہ مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے حتی الوسع اختصار کیا ہے تاہم طویل ہوگیا ہے معاف فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ والسلام

(۷)

عرض خدمت اقدس میں یہ ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم نے اپنی خداداد بصیرت و فراست سے جو طرز تربیت اور طور اصلاح اختیار فرمایا ہے وہ کتاب و سنت سے ماخوذ اور طریقۂ نبویہ کے عین مطابق ہے حضرت والا نے خواص و عوام کے حالات کا بنظر غائر مطالعہ فرمایا ہے اور پھر ان کے مناسب حال کتاب و سنت کی روشنی میں کلام فرمانا شروع کیا جس کا نفع ہر طبقہ میں ظاہر و عیاں ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ ضرورت تو لوگوں کو مبادی امور کی تعلیم کی ہے اور ان کے سامنے حضرات صحابہؓ کے فضائل و مناقب بیان کیے جائیں اور جن امراض میں لوگ مبتلا ہیں ان سے تعرض ہی

نہ کیا جائے جسکی وجہ سے خود ان پر اپنا حال مشتبہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ پھر اصلاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے اسلئے حضرت والا نے مرض نفاق میں عام ابتلا دیکھکر نفاق و اخلاص کی بحث چھیڑی اور قرآن و حدیث اور اکابر کی تصریحات سے اس پر مفصل و مدلل کلام فرمایا گویا اس سلسلہ میں بھی علم کا ایک باب مفتوح فرمادیا اور پھر تعلیم و تربیت میں بھی یہ ترتیب قائم فرمائی کہ سب سے پہلے اپنے گھر کے افراد پھر قریب کے خدام پھر عوام کو خطاب فرماتے ہیں اور موافق نص وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے پہلے اپنوں سے تب دوسروں سے کچھ فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اولاد و خدام کے حق میں یہ بھی کمال رافت و شفقت ہے کہ یہی لوگ کیوں فیوض و برکات سے محروم رہ جائیں مگر اس کے باوجود جو لوگ انہیں سے محروم رہ جاتے ہیں تو انکی وجہ یہ ہے کہ حصول فیض کے لئے شرط اول اعتقاد و اخلاص ہے اور یہ اپنوں اور غیروں سب ہی کے لئے ہے۔ پس جنکو فہم، عقیدت و خلوص ہوتا ہے انکو فیوض سے حصہ مل جاتا ہے اور جنکی مت ہی ماری جاتی ہے انکی فہم تک درست نہیں ہوتی اسلئے وہ محروم رہ جاتے ہیں اور یہ وجہ بھی ہوتی ہے کہ ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ جیسے ہم لوگ ان بزرگ کے مال و جائداد میں شریک ہیں اور ان کے بعد وارث ہوں گے اسی طرح انکی بزرگی اور ولایت میں بھی اپنا استحقاق سمجھتے ہیں حالانکہ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ان بزرگ کو تو بہت ریاضت و مجاہدہ کے بعد یہ دولت حاصل ہوئی اور اس منصب سے مشرف ہوئے اور یہ لوگ بغیر کچھ کئے دھرے ہی اپنے کو اس منصب کا مستحق سمجھنے لگتے ہیں اور چونکہ ان بزرگ کے مریدین ان لوگوں کو اچھی نظروں سے دیکھتے ہیں اور تعظیم و تکریم کا معاملہ کرتے ہیں اسلئے غرور اور دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں اور اس طرح کمال کی تحصیل کیطرف توجہ اور التفات نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی حکیم و ڈاکٹر ہے تو کیا اسکی بیوی، بچے اور اقربا و احباب سب ڈاکٹر ہو جاتے ہیں؟ ایسا تو نہیں ہوتا۔ اور نہ محض مال میں وارث ہونے کی وجہ سے کوئی اس فن میں وارث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، تو اسی چیز میں کیوں ایسا ہوگا؟ اب بجز اسکے اور کیا کہا جائے کہ یہ بھی شیطان کا کید اور زبردست اغوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس تو آج بھی دین کے لئے تیار ہیں مگر ان میں جو تعطل ہے اسکی سب سے بڑی وجہ خواص ہی ہیں کہ نہ تو انکو دین کی فہم ہے اور نہ دنیا ہی کی عقل ہے مدرسہ میں پہنچے تو وہاں کچھ نہیں سیکھتے اور مشائخ کی خدمت میں آئے تو وہاں بھی کچھ حاصل نہیں کرتے، البتہ کسی بزرگ کی خدمت میں پہنچ جانے کیوجہ سے ہر ہر فرد اپنے متعلق کمال کا مدعی ہو جاتا ہے اور اپنے کو واجب التکریم و تعظیم سمجھنے لگتا ہے۔ حضرت والا اس پر بھی بار بار متنبہ فرماتے رہتے ہیں کہ یہاں قرب جسمانی کا اعتبار نہیں ہے بلکہ قرب روحانی معتبر ہے ہو سکتا ہے کہ قرب جسمانی کے باوجود قرب روحانی نہ حاصل ہو ــــــــ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ ہماری جماعت سے باوجود حق پر ہونے کے جو کام نہیں ہو رہا ہے تو اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ کام کرنے چلے انھوں نے اپنی لاعلمی اور بے بصیرتی اور قلت عقل و فہم کی وجہ سے غلط طرز اختیار کیا اسو جہ سے کام نہیں ہوا ورنہ اگر اب بھی صحیح طریق کار اور مناسب طرز اختیار کیا جائے تو کام ضرور ہو گا اور لوگ ضرور دین اختیار کریں گے اور بہت کچھ سیکھ لیں گے۔

حضرت والا! جو کچھ ہو سکا مختصر عرض کر دیا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ فہم سلیم اور تفقہ فی الدین عطا فرمائے۔ آمین۔

(۸)

حضرت والا دامت برکاتہم نے اپنے تعلیم و تربیت کی خصوصیات دریافت فرمائی ہیں یہ بدفہم، بداستعداد ایسی ذات کے جمال و کمال اور تعلیم و تربیت کو کیا سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دین متین کی خدمت و اشاعت اور مردہ دلوں میں ایمان و یقین کی روح پھونکنے کے لئے پیدا فرمایا ہو اور اس دور فاسد و جہل و جہالت میں قرآن و سنت کی ترویج اور اخلاق نبوی و شریعت مطہرہ کی تعلیمات سے دل و دماغ کو روشن کرنے کے لئے منتخب فرمایا ہو، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت والا کی ذات کو اس دور فتن میں مسلمانوں کے لئے پشت پناہ اور مامن بنایا ہے۔ حضرت تو بسیط الارض پر

حجۃ اللہ فی الارض ہیں ع۔ کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا۔

یہ بلید اور بدفہم حضرت والا کی توجہ اور برکت سے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہے ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل"۔ حضرت والا ہمیشہ ہی عوام و خواص کے سب حالات اور تمام خرابیوں کی اصلاح قولاً و فعلاً فرماتے رہتے ہیں، شب و روز ہر آن امت کی اصلاح کی فکر رہتی ہے اور کتاب و سنت و سلف صالحین کی ترجمانی اور تعلیمات نبویہ کو دلنشین عنوان سے پیش فرماتے رہتے ہیں۔ سب سے زیادہ توجہ و زور حضرت والا کا فہم کے لئے ہوتا ہے۔ آنے جانے والوں کو عموماً اور پاس رہنے والوں کو خصوصاً دیکھتے رہتے ہیں کہ ان میں فہم کتنی پیدا ہوئی کیونکہ حضرت والا مسلمانوں کی عام بدحالی کو اسی بدفہمی کا نتیجہ سمجھتے ہیں کہ دین و دنیا کا کام اسی فہم کی خرابی کی وجہ سے خراب ہے اگر آدمی میں فہم و عقل نہ ہو تو دین کا کام تو کیا کریں گے دنیا کا بھی کام نہیں کر سکتے چنانچہ ہمارے معاد و معاش میں برابر کتاب و سنت سے رہنمائی فرماتے رہتے ہیں اور اسکی کوشش بلیغ فرماتے ہیں کہ بات سمجھ میں آجائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا نائب اور وارث اور نسبت محمدیہ کا حامل بنایا ہے اس لئے ہر ہر قدم پر سنت نبوی کی اتباع فرماتے ہیں۔ پہلے اور سب سے زیادہ اپنے قریب والوں کو دین و دیانت اور اخلاق کی درستی کیطرف متوجہ فرماتے ہیں اور یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ کسی شیخ سے ان کے اولاد و خادم اور گھر والوں کو نفع نہیں ہوتا تو اسکی وجہ حضرت والا یہ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ مدار نفع عقیدت پر ہے ان لوگوں کو چونکہ دوسرے قسم کا بھی تعلق ہوتا ہے اسلئے ان لوگوں کو اعتقاد مشکل ہی سے ہوتا ہے جو مدار نفع ہے عملی کوتاہی کی مکافات ہو سکتی ہے مگر اعتقاد کی کمی کی مکافات نہیں ہو سکتی۔ دوسرے لوگ جو عقیدت سے آتے ہیں نفع اٹھاتے ہیں اور یہ پاس والے محروم رہتے ہیں۔

حضرت والا کو یہ کسی طرح گوارا نہیں کہ دوسرے تو نفع اٹھائیں اور پاس والے محروم رہیں چنانچہ وانذر عشیرتک الاقربین اور قم فانذر اور سنت نبوی پر عمل فرماتے ہیں۔

(مرید صادق کی ایک صفت)

آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کے امتحانات ملاحظہ فرمائے۔ مجال نہیں تھی کہ کوئی طالب اصلاحی تعلق حضرت اقدسؒ سے رکھے اور غافل رہ سکے ہر وقت خود بھی اسکی اصلاح کی تدبیر سوچنے میں غرق رہتے تھے اور اسکو بھی فکر مند بنائے رکھتے تھے ع چنانچہ اندریں رہ می تراش و میخراش کا صحیح نقشہ یہیں دیکھنے میں آتا تھا۔ کوشش اس امر کی رہتی تھی کہ طالب کے اندر خود اس درجہ فہم پیدا ہو جائے کہ طریق کے خلاف امور کے ارتکاب سے اسکو بطور خود کھٹک پیدا ہونے لگے چنانچہ لوگوں کا یہی حال ہو جاتا تھا' ایک سالک کا خط ملاحظہ ہو' حضرتؒ کو لکھا کہ :-

"حضور والا کی خدمت میں حاضری کے وقت میں نے عہد کیا تھا کہ جو کام کرونگا وہ حضرت والا کے حکم کے مطابق کرونگا وطن پہنچکر اس عہد میں اور پختگی ہوگئی' اسلئے یہاں پر ایک اجلاس کے سلسلہ میں حضور والا سے استصواب رائے کرنے کیلئے عریضہ ارسال خدمت کیا جس کا جواب تو باعث سرفرازی ہوا مگر مجھے پورے طور پر تشفی نہیں ہوئی کیونکہ اس میں حضور والا نے اپنی سرپرستی سے نہیں نوازا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت اس قسم کی چیزوں کو پوری خوشدلی سے پسند نہیں فرماتے میں چونکہ عہد کر چکا ہوں کہ یہاں پر کوئی کام اب بدون حضرت کی پسندیدگی کے نہیں کرونگا کیونکہ میرا پختہ یقین ہے کہ مجھے جو کچھ ملا ہے اور آئندہ ملیگا اپنے بزرگوں کی اطاعت شعاری ہی سے ملیگا جذبۂ اطاعت شعاری کے بغیر بزرگوں کی دعاؤں و توجہات سے محرومی ہوگی جسکو میں کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا' چنانچہ رفقائے کار سے بھی یہی کہدیا ہے کہ جبتک حضرت کی خوشدلی کے ساتھ پسندیدگی نہ معلوم کر لونگا اسوقت تک میں سکوت کرونگا اسلئے آئندہ کا دارومدار حضرت کی پسندیدگی و استحسان کی اطلاع یابی پر ہوگا"

حضرت اقدسؒ نے جواب مرحمت فرمایا :- "عہد پر پختگی مبارک ہو' آپ کی عقیدت و محبت سے خوشی ہوئی ایک مرید صادق کو ایسا ہی ہونا چاہیئے باقی ان جلسوں کو زیادہ مفید مسلمانوں کے لئے نہیں سمجھتا ہوں مگر منع بھی نہیں کرتا یہ مقامی حضرات کی رائے پر ہے وہاں کے حالات سے وہ واقف ہوتے ہیں خود کریں یا دوسروں کو بلائیں میں جب خود کہیں نہیں جاتا تو دوسروں کو کیوں منع کروں۔

(حضرت والا حسنِ اعتقاد اور معرفت کی باتوں سے خوش ہوتے تھے)

ایک مسترشد نے لکھا کہ :- "بندہ کو حضرت والا سے قلبی محبت پیدا ہو چکی ہے صرف حضور والا کے اخلاقِ حسنہ کو سنکر نیز اصلاحِ نفس کے متعلق حضرت کی بے لوث خدمت معلوم کر کے کہ درحقیقت یہی شان ہمارے سلفِ صالحین کی تھی جسے آج ہملوگوں نے کھو دیا ہے جسکی وجہ سے آج ہمارا یہ حال ہے۔ حضور والا آج دنیا میں صحیح مصلحین کی بڑی کمی ہے، جہاں کہیں موجود بھی ہیں تو ہمکو ان کی مخالفت میں مزہ آتا ہے اور دن رات کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ انکی جڑ کاٹ دیں۔ حضور والا میری اصلاح فرمائیں اور اپنی غلامی میں داخل فرمالیں"

حضرت مصلح الامۃ کا جواب :- "آپ کی محبت کا ممنون ہوں یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے کہ اپنے نیک بندوں کو متوجہ فرمادیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس محبت اور تعلق کے ثمرات سے طرفین کو دارین میں بہرہ ور فرمائے آپنے میرے متعلق جن جذبات اور خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ آپ کا حسنِ ظن اور آپکی محبت ہے اللہ تعالیٰ مجھے اسکے مطابق فرمادے اور سلفِ صالحین (کے زمرہ) میں ہمارا بھی شمار فرمادے کہ

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحًا

(میں صالحین سے محبت کرتا ہوں گو انمیں سے ہوں نہیں عجب کیا کہ اللہ تعالیٰ کچھ حصہ صلاح میرے لئے بھی مقدر فرمادے)

آپکی یہ بات بہت پسند آئی کہ "آج صحیح مصلحین کی دنیا میں بڑی کمی ہے الخ" بالکل صحیح ہے اور واقعہ کے عین مطابق ہے اور ابتلائے زمانہ کی صحیح ترجمانی ہے آپکا اصلاحی تعلق دل سے منظور ہے تشریف لانے کی اجازت ہے۔

("تا دمِ آخر دمے فارغ مباش" اچھا حال ہے)

ایک طالب نے اپنا حال لکھا کہ :- مولائی! اپنے امکان بھر سعی کئے جا رہا ہوں اور قوی امید ہے کہ مولا تعالیٰ بھی اپنی بے حد عنایتوں سے سرفراز فرمائیں گے، پھر بھی بے حد تردد اور فکر ہے کہ معلوم نہیں میری کیا حالت ہے قربِ مولا عطا ہو رہا ہے یا نہیں ایک ایک دن جیسا گذرتا ہے اپنی نااہلی اور کورے پن کا زیادہ سے زیادہ احساس ہوتا جا رہا ہے عجیب حیرت میں ہوں جہاں بے حد یقین حاصل ہے وہیں گاہے گاہے ناامیدی (اور یاس) کی ایک موہوم سی لہر بھی دل پر چھا جاتی ہے جو کبھی ایک آن میں یا ذرا سی دیر کے بعد پھر مولا تعالیٰ کے فضل سے دور ہو جاتی ہے۔ مولائی ادباً مستدعی ہوں کہ میرے لئے ایک دستور العمل مقرر فرما دیجئے میں دن بھر اپنے کو وقف کرنا چاہتا ہوں۔

(اسکا جواب حضرت کے یہاں سے یہ گیا)

مجھے تو آپ کے حالات معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی ہے آس کے ساتھ جب یاس سے آپ پریشان ہوتے ہیں وہ عین ایمان کی علامت ہے کالایمان بین الخوف والرجا ہے اگراتنی پریشانی اور خوف نہو تو ناقصین عجب میں مبتلا ہوکر اپنا ناس ہی کرلیں۔ آپ نے دستور کی فرمائش کی ہے تو مومن کا دستور العمل تو قرآن و شریعت ہے اللہ و رسول ہی نے اسکو بنایا ہے۔ پانچ نماز فرض فرمادی ہے۔ تلاوت و ذکر و تسبیح بھی آپ کر ہی رہے ہیں اب کیا چاہتے ہیں کہ بالکل مجموعۃ الوظائف ہی ہوکر رہجائیے حضرتؒ (تھانوی) کے مواعظ اور تفسیر بیان القرآن۔ بہشتی زیور وغیرہ کا مطالعہ بھی آپ فرما رہے ہیں۔ اسلئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ اب صرف آپ قلب کی نگرانی فرمائیں یعنی یہ دیکھیں کہ یہ نماز و روزہ ذکر و فکر تلاوت و تسبیح اور مطالعۂ کتب جو کچھ ہو رہا ہے ان میں کس درجہ اخلاص ہے اور وہ برابر بڑھ رہا ہے یا نہیں۔

اسکے علاوہ اور معاملات میں بھی اسکی حفاظت فرمائیں کہ نفاق سے اپنے اقوال و اعمال و احوال کو بچائے جائیں، بس تو پھر انشاءاللہ اتنے کو اخلاص کے ساتھ کر اور نفاق سے دور رہنے اور بچنے کے بعد اب اور کسی چیز کی مزید ضرورت نہیں ہے اا نفاق اور اخلاص کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے وصیۃ الاحسان۔ تحذیر العلماء۔ عاقبۃ الانکا وصیۃ الاخلاق اور مضمون ذکر جو میرے رسائل ہیں انکا مطالعہ بار بار کیجئے اور رسا اخوت نیز التذکیر بالقرآن جو کہ رسالہ الفرقان میں شایع ہوا ہے ان سب کا مطالعہ فرما اور پھر اپنے تاثرات سے مجھے بھی مطلع فرمائیے

آپ کے کل خط کا یہی جواب ہے، باقی اللہ تعالیٰ کا معاملہ اللہ تعالیٰ جانیں۔ ع
رموز مصلحت خویش خسرواں دانند۔ نسبت کے الوان مختلف ہوتے ہیں جسکے مناسب جو لون ہوتا ہے اس سے اسکو نوازتے ہیں اور جب مصلحت ہوتی ہے تب ہی عطا فرما ہیں، ہمارا کام بس درخواست کرنا ہے تقاضا نہیں ہے ؎

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اسپر ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

(باقی آئندہ)

گوید چونست که او مرانمی خواہد که ببیند فرمان رسد محمدا از برای ما ترا نه بیند کسی که مارا دید ترا چه بیند دیدن تو بی ما چه سود دارد و دیدن ما بی تو چه زیاں دارد نقل است چوں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ازیں عالم دراں عالم خیمہ زند پرسیدند یارسول اللہ مرقعۂ تو بعد از تو بکہ بدہند فرمود اویس را بعد از مدتے فاروق رضؓ و مرتضیٰ رضؓ بطلب او بیرون آمدند نشان او می پرسیدند گفتند. او شتربانے است که شتراں را می چراند و بشیرآں که ماند ہیچ وقت درآبادانی نیاید بطلب او بسیار در صحرا بگردیدند او را بصحرا ئے یافتند مرقعہ رسول علیہ السلام بدو دادند و گفتند که فرمان پیغمبر ما علیہ السلام ہمچنیں است که ایں را بپوش و وقت پوشیدن ایں مرقعہ باید که امری را فراموش نکنی مرقعہ بستد و در گوشہ رفت و میگفت ای خداوندا ایں مرقعہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں گے کہ کیسے ہوا کہ انکو آخر مجھے دیکھنے کی جستجو نہ ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ اے محمد! مجھے پالینے کے بعد تمھیں دیکھنے کی آرزو نہ رہی جو شخص مجھے دیکھ لے وہ تمھیں کیا دیکھے۔ اسلئے کہ صرف تمکو دیکھ لینا بدون میرے کیا سودمند ہوگا (آخر ابوجہل اور ابولہب نے بھی تمکو دیکھا تھا) اور ہمیں دیکھ لینا بدون تمکو دیکھنے کے کیا نقصان دہ (جیسے اویسؒ نے مجھکو دیکھا اور آپکو نہیں دیکھا)۔ منقول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس عالم فانی سے اس عالم جاودانی میں تشریف لیجانے کا وقت قریب ہوا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا جبہ شریف آپ کے بعد کسے دیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اویس قرنی کو دیدیا جائے. کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ انکی تلاش میں نکلے لوگوں سے انکا پتہ نشان پوچھا لوگوں نے کہا ہاں ہاں اس نام کا ایک شخص ہے جو جنگل میں اونٹ چراتا ہے اور اسی کے دودھ پر گذر بسر کرتا ہے اور کسی وقت بستی میں نہیں آتا۔ چنانچہ یہ حضرات انکی تلاش میں جنگل جنگل پھرے بالآخر ایک جگہ انھیں پالیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ شریف ان کو دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ آپ اسکو زیب تن فرمالیں اور یہ فرمایا ہے کہ اسکے پہنتے وقت آپ اُس (خاص) بات کو نہ بھولیئے گا حضرت اویسؓ جبہ لیکر ایک گوشہ میں چلے گئے اور یہ دعا کی کہ یا اللہ میں اس جبہ کو پہن نہیں سکتا جبتک کہ آپ تمام امت محمدیہ کو بخش دینے کا مجھ سے وعدہ نفرمالیں الہام ہوا کہ سب کو تو نہیں ہاں بعض کی بخشش کی سفارش کی تم کو

نپوشم تا امت محمد تمام بمن نبخشی در مراد فرو خواندند کہ بعض را بتو بخشیدم گفت نی تمام میخواہم او ہمدریں گفتگو بود کہ عمر و علی رضی اللہ عنہما نزدیک او رفتند کہ دریں گوشہ چہ می کند چوں ایشاں را بدید گفت افسوس کہ تعجیل کردید و مرا از وقت من بے وقت گردانیدید وگرنہ من ایں مرقع نپوشیدمی تا تمام امت رسول علیہ السلام بمن نداد ندی بچوں امیر المومنین عمرؓ بچشم باطن عظمت درجہ او دید بگفت کسی باشد کہ ایں خلافت از من رایگاں بستاند بعدہٗ عمرؓ فرمود ای اویس چرا در عرب نیامدی و رسول علیہ السلام را ندیدی گفت شما دیدہ اید گفت ما ہمہ در دراں حضرت بودیم گفت شما ندیدہ بودید کہ دندان مبارک رسول علیہ السلام خستہ شدہ بود گفتند دیدہ بودیم پس گفت چرا دندان خود را سالم ماندید بعد از آں دندان خود را نمود کہ ہر سی و دو دندان او شکستہ بود بسبب آنکہ موافقت رسول علیہ السلام کہ بداں دنداں کہ شکستہ است دریں داخل بود پس عمرؓ گفت مرا دعای بکن گفت

اجازت دیتا ہوں تمہارے کہنے سے انکو بخش دونگا۔ حضرت اویس نے عرض کیا کہ نہیں میں تو سب کو بغیر بخشوائے ہوئے اسکو نہیں پہنوں گا ادھر یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ یہ دونوں حضرات بھی خلوت خانہ میں چلے گئے تاکہ دیکھیں کہ اتنی دیر سے اندر کیا کر رہے ہیں جب حضرت اویسؓ نے انکو دیکھا تو فرمایا کہ افسوس آپ لوگوں نے جلدی کر دی اور مجھے اپنے مخصوص وقت اور حال سے بے حال کر دیا ورنہ میں نے تو طے کر لیا تھا کہ اس جبہ کو اسوقت تک نہیں پہنوں گا جب تک تمام امت کی بخشش کا پروانہ نہ مل جائے گا (مگر حق تعالیٰ سے میری عرض معروض ہو ہی رہی تھی کہ آپ لوگ آگئے) جب امیر المومنین حضرت عمرؓ نے چشم باطن سے انکا یہ درجہ اور مقام دیکھا تو فرمایا کہ اے بھائی کوئی شخص مجھ سے یہ خلافت مفت لے لے (تاکہ میں بھی انکی طرح فارغ ہو کر حب مولیٰ کے طریق میں لگوں) اسکے بعد حضرت عمر نے فرمایا کہ حضرت آپ یمن سے ہمارے یہاں کیوں نہیں تشریف لائے اور آپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کیوں نہیں فرمائی؟ کہا آپ لوگوں نے تو سرکارؐ کی زیارت کی تھی کہا ہاں ہم لوگ تو دن رات آپ کی خدمت ہی میں رہا کرتے تھے کہا کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوگئے تھے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں دیکھا کیوں نہیں تھا" اس پر آپ نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں سے آپؐ کے دانت کے شہید ہونے کو دیکھنے کے بعد پھر تم لوگوں نے اپنے دانت بھی کیوں نہ توڑ لئے" اس کے بعد انھوں نے اپنے دانت دکھلائے

هر روز در تشهد اللهم اغفرلی وللمومنین
می گویم دریں دعا، داخلی چوں
زمانے بگذشت مرقع پوشید
وایشاں را معذرت کرد کہ زحمت
دیدید باز گردید آمدن قیامت
نزدیک است من بساختن
زاد آں مشغولم چنیں گویند
هیچ وقت او شب نخفت یک
شب گفتی هذه لیلة القیام
و شب دیگر گفتی هذه لیلة
الرکوع شب دیگر گفتی هذه
لیلة السجود وقتے او را گفتند
اے اویس شبها بدیں درازی بریک
حال بسر می توانی برد گفت
در سجدہ سبحان ربی الاعلیٰ
بسیار گفتن سنت است
من یک بار نمی توانم گفتن که
هماں ساعت روز می شود
وقتی او را پرسیدند چگونه
اوقات خود را می گذرانی گفت
بامداد که بر می خیزم ندانم که شبانگاه
خواهم زیست یا نه چوں شب
درآید ندانم که بامداد خواهم زیست

کہ سب کے سب ٹوٹے ہوئے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی موافقت ہو جائے آپ کے ٹوٹے ہوئے دانت میں بھی
(متعین طور پر معلوم نہ تھا کہ کون سا دانت ٹوٹا تھا اسلئے سب ہی
توڑ لئے تھے کہ اس میں وہ بھی آگیا) اسکے بعد حضرت عمرؓ نے
عرض کیا کہ میرے لئے دعا کر دیجئے فرمایا کہ ہر دن تشہد میں
(کئی بار) دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ مجھے بخشدے اور سب
مومنین کو بخشدے آپ بھی (اسی دعا میں آگئے۔ پھر تھوڑی دیر
کے بعد آپ نے وہ جبہ پہن لیا اور ان دونوں حضرات سے
کہا کہ آپ لوگوں کو بڑی زحمت ہوئی اب آپ لوگ تشریف
لیجائیے قیامت آنیوالی ہے مجھے اس دن کے لئے توشہ
جمع کرنا ہے اور اپنا کام کرنا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت
اویس قرنی کسی رات سوتے نہ تھے۔ ایک شب یہ کہتے تھے
کہ آج قیام کی رات ہے (پس ساری رات قیام ہی کئے
رہتے) دوسری رات کو کہتے کہ آج کی رات رکوع کی رات
ہے (اور ساری رات رکوع میں رہتے) پھر اگلی شب کہتے
کہ آج سجدہ کی رات ہے (اور ساری رات سجدہ ہی میں گذار دیتے)
ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اے اویس! رات
اتنی لمبی ہوتی ہے ساری رات ایک ہی حال پر آپ کیسے
گذار دیتے ہیں کہا اے سجدہ میں تو سبحان اللہ متعدد بار یعنی
کم از کم تین بار کہنا سنت ہے اور میں تو ایک دفعہ بھی نہیں
کہہ پاتا کہ صبح ہو جاتی ہے۔ پھر لوگوں نے ان سے دریافت
کیا کہ آپ اپنے اوقات کس طرح گذارتے ہیں؟ فرمایا کہ جب
صبح سو کر اٹھتا ہوں تو نہیں جانتا کہ شام تک زندہ رہونگا یا

یا نہم او گفتی السلامۃ فی الوحدۃ
و ازیں تنہائی مراد آنست کہ
در خدمت فرد باید بود و وحدت
آں باشد کہ خیال غیری را مدخل
نباشد ہم او گفتی طلبت الرفعۃ
فوجدتہا فی التواضع و طلبت
الریاسۃ فوجدتہا فی النصیحۃ و
طلبت المروۃ فوجدتہا فی الصدق
وطلبت الفرج فوجدتہا فی الفقر و
طلبت النسیۃ فوجدتہا فی التقویٰ
وطلبت الرزق فوجدتہا فی القناعۃ
وطلبت الراحۃ فوجدتہا فی الزہد
چنیں گویند چوں از یں عالم دراں عالم
رفتنش را نزدیک آمد در غزوی با امیر المومنین
علی رضی اللہ عنہ موافقت کرد ہمانجا درجۂ
شہادت یافت عاش وحیدا و مات فریدا و
شہیدا و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء
واللہ ذو الفضل العظیم

قطعہ

نخشبی دولتی ست تنہائی
تا چہ دولت کہ مرد تنہا برد
ہر کہ تنہا بزیست با حق زیست
وانکہ با حق نزیست تنہا مرد

نہیں اسی طرح سے جب رات آتی ہے تو نہیں سمجھتا کہ صبح بھی کرسکوں گا یا نہیں۔ یہی حضرت اویس رضی فرماتے تھے کہ سلامتی تو بس تنہائی میں ہے اور اس تنہائی سے مراد یہ کہ صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک کی خدمت میں رہے اور وحدت کے معنی یہ ہیں کہ کسی دوسرے کے خیال کا دخل تک نہو۔ نیز انھیں کا مقولہ ہے کہ میں نے بلندی چاہی تو اسکو تواضع میں پایا اور ریاست کا خواہاں ہوا تو اسکو نصیحت اور خیر خواہی میں پایا اور مروۃ کا طالب ہوا تو اسکو صدق میں پایا اور کشایش اور وسعت کو چاہا تو اسکو فقر میں پایا اور میں نے قرض مل جانے کو چاہا تو اسکو تقویٰ میں پایا اور میں نے روزی طلب کی تو اسکو قناعت میں پایا اور میں نے راحت و آرام چاہا تو اسکو زہد میں پایا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے اس عالم سے اس عالم میں منتقل ہونے کا وقت قریب ہوا تو حضرت علی کے ہمراہ آپ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے اسی میں آپ کی شہادت ہوگئی ساری زندگی تنہائی میں گذاری اور غریب الوطن مسافر ہوکر انتقال فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں شہادت نصیب کی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جسے وہ چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہیں بڑے فضل والے ۔

"اے نخشبی یہ تنہائی بھی کوئی کم دولت نہیں ہے سبحان اللہ کیا عظیم دولت ہے جسکو گوشہ نشین انسان حاصل کرلیتا ہے بات یہ ہے کہ جو شخص تنہا زندگی گذارتا ہے وہ حق تعالیٰ کیساتھ ہوتا ہے اور جو حق تعالیٰ کے ساتھ نہ زندگی گذارے وہ درحقیقت تنہا مرتا ہے (کیونکہ وہ تو بے سہارا ہے وہی نہیں تو کچھ نہیں)

سلک صد و چہلم

بباید دانست کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کعبۂ عمل و علم و قبلۂ ورع و حلم بود مناقب او بسیار است مادرِ او موالی ام سلمہ رضی اللہ عنہا بود چوں مادرِ او بکاری مشغول شدی حسن گریستن گرفتی ام سلمہؓ جامۂ شیر خود در دہن او نہادی قطرۂ چند از شیر فرود آمدی حسن او را بمکیدی ہر چہ در حسنؒ بود از برکت آں شیر بود چوں در دنیا آمد او را پیش عمر رضی اللہ عنہ بردند فرمود سموہ حسنًا فانہ حسن الوجہ و ارادت او با امیر المومنین علی بود رضی اللہ عنہ و خرقہ از و داشت و او در ابتدا رحال گوہر فروشی کردی و لہٰذا او را حسن لولوی ہم گفتندی بعدہٗ ترک تجارت گرفت و در شہر بصرہ ساکن شد و کار ریاضت و مجاہدہ بجای رسانید کہ در حیز تقریر نیاید ہر ہفتہ یکبار تذکیر کردی چوں بالا منبر رفتی اگر رابعہؒ را ندیدی باز فرود آمدی اگر او را گفتندے چندیں ہزار مرد آنجا حاضر اند اگر پیرہ زنی نیست گو مباش تو بالا منبر آی و وعظی گوی او جواب گفتی شربتی کہ ما از برای

سلک ۱۴۰ (حالات حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ)

جاننا چاہیئے کہ حضرت حسن بصری علم و عمل کے کعبہ اور حلم و ورع کے قبلہ تھے ان کے مناقب بہت ہیں انکی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی باندی تھیں (جو انھیں کے گھر میں رہا ہی کرتی تھیں) جب انکی والدہ گھر کے کام کاج میں مشغول ہو جاتیں اور حضرت حسنؒ روتے ہوتے تو کبھی کبھی حضرت ام سلمہؓ انکو اپنی گود میں لے لیتیں اور اپنا پستان انکے منھ میں دیدیتیں چند قطرے دودھ کے آپ کے حلق میں چلے جاتے۔ چنانچہ حضرت حسنؒ میں جو بھی کمال تھا وہ اسی دودھ کی برکت تھی آپ جب پیدا ہوئے تو لوگ انکو (دعا کے لئے) حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے آپنے فرمایا کہ اجی یہ ماشاء اللہ بہت حسین ہیں انکا نام حسن رکھو۔ آپ کو ارادت امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے تھی، حضرت علیؓ ہی سے آپ کو اجازت و خلافت ملی شروع شروع میں آپ جواہرات کے تاجر تھے اسلئے حسن لولوی (موتی والے حسن) کے لقب سے بھی مشہور تھے۔ اسکے بعد تجارت ترک کر کے بصرہ میں سکونت پذیر ہو گئے (اور حسن بصری کہلائے) اور وہیں ریاضت و مجاہدہ اور کار باطن میں لگے اور اسقدر محنت کی جو بیان سے باہر ہے۔ ہفتہ میں ایک بار آپ وعظ فرماتے تھے، جب ممبر پر تشریف لیجاتے تو اگر حاضرین میں سے حضرت رابعہ بصریہ کو نہ دیکھتے تو فوراً ممبر پر سے اتر آتے تھے اگر لوگ کہتے کہ حضرت اتنے ہزار سامعین تو موجود ہیں اگر ایک بڑی بی نہیں ہیں تو نہ سہی آپ ممبر پر تشریف لایئے

حوصلۂ پیلاں ساختہ ایم در حلق موراں
نتوانیم ریخت چوں مجلس گرم شدی گفتی
یا سیدۃ ہذہ من جمرات قلبک وقتی او تذکیر
می کرد طائفۂ بخاستند گفتند کہ ای خواجہ
دلہای ماخفتہ است سخن تو در دلہای ما
اثر نمی کند فرمود کاش کہ خفتہ بودی
کہ خفتہ را امید بیداری ست اما
دلہای شما مردہ است کہ اصلا
در یشاں امید بیداری نیست وقتی
او را پرسیدند مومن با مومن حسد
کند گفت قصۂ برادران یوسفؑ را
ہمیں ساعت فراموش کردید روزی
مردی را دید می گریست گفت چرا
می گریی گفت در مجلس سعد قرطبی
بودم او می گفت فردا مردی باشد
کہ از شومی گناہ خویش چند سال
در دوزخ ماند بعدہٗ بروں آید حسن گفت
کاشکہ حسن از اینہا بودی کہ باری
بعد از چند گاہ امید وار خلاص
بودی نقل است ہر بار کہ حسن
دعا کردی حبیب عجمی دامن فراز
کردی وآمین بہ نیاز گفتی و با یاراں
گفتی حقیقۃ دعای او مستجاب خواہد شد

اور وعظ فرمایئے تو جواب میں آپ فرماتے کہ جو شربت کہ
کہ میں نے ہاتھی کے معدہ اور استعداد کے مطابق بنایا ہے اسکو
چیونٹی کے سینہ میں بھلا کیسے ڈالدوں (مطلب یہ کہ باطنی استعداد
اور فہم کلام اور قدر سخن میں حضرت رابعہ کا مقام بہت اونچا تھا)
پس جب انکے ہوتے ہوئے مجلس تذکیر گرم ہوتی (یعنی مضامین
عالیہ بیان ہو جاتے) تو فرماتے اے سیدہ یہ سب آپ ہی کے
سوختہ جگری کے انگارے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے
تھے ایک گروہ درمیان سے اٹھ گیا اور کہا کہ حضرت ہم لوگوں
کے قلوب سوئے ہوئے ہیں آپکی گفتگو کا ہم پر کچھ اثر نہیں ہو رہا ہے
آپ نے فرمایا ارے بہت اچھا ہوتا اور با غنیمت تھا کہ
تمھارا دل سویا ہی ہوتا کہ سونے والا تو اٹھ بھی جاتا ہے لیکن
وہ تو سویا ہوا نہیں ہے مرا ہوا ہے کہ اب اسکے جاگنے کی کوئی
امید نہیں۔ ایکمرتبہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا ایک
مومن کو دوسرے مومن سے حسد ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ آپ لوگوں کو
حضرت یوسفؑ اور انکے بھائیوں کا قصہ یاد نہیں ہے کیا؟ ایکدن
ایک شخص کو دیکھا کہ رو رہا ہے فرمایا کیوں رو رہے ہو اس نے کہا کہ
حضرت سعد قرطبی کے مجلس وعظ میں حاضر تھا انھوں نے فرمایا
کہ کل بروز قیامت ایک شخص ایسا ہوگا کہ اپنے گناہوں کی نحوست
کی وجہ سے چند سال دوزخ میں رہکر تب اس سے باہر لایا جائیگا
(یہی سنکر میں رویا) حضرت حسنؒ نے فرمایا اے کاش حسن بھی اس
جماعت میں سے ہوتا کہ کچھ مدت بعد ہی سہی دوزخ سے رہائی کی
امید تو ہو جاتی۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ جب جب بھی دعا کرتے
تو حضرت حبیب عجمی اپنا دامن پھیلا کر بڑے ہی نیاز و خلوص

چنیں گویند وقتی ابوبکر عمر مقری کودکان را تعلیم قرآن می کرد سے جانب کودکی بنظر خیانت می نگریست در حال از الف الحمد تا سین من الجنۃ والناس قرآن را از دل او محجوب گردانیدند بخدمت حضرت حسن بصری رفت و واقعۂ خود باز گفت حسن لغایت متامل شد و گفت شہباز سعادت از ساعد وقت تو پریدہ است باز گردانیدن آں مقدور حسن نیست ولیکن ترا استدلال میکنم بکسی کہ از برکت دعای او باز گردد و بدست تو آید و آن خواجۂ خفیف است ابوبکر عمر از انجا بروں آمد اول در کعبہ رفت و زیارت خانہ کعبہ بگذارد و اورا شفیع آورد آنگاہ بخواجۂ خفیف رفت و ماجرای خود تقریر کرد خواجۂ خفیف نیز متامل شد بعد از زمانی گوشۂ چشم جانب آسمان کردہ نگریست در زمان ضیائی در درونۂ ابو عمر ظاہر شد و حفظی کہ بود بر قرار اصلی باز آمد بعدہٗ پرسید ترا بر من کہ فرستادہ است گفت حسن بصری خفیف گفت در شہری

کے ساتھ آمین کہتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ لوگو انکی دعا مقبول ہے۔ اسی طرح سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوبکر عمر مقری بچوں کو قرآن پڑھا رہے تھے ایک لڑکے کی جانب خیانت (یعنی شہوت) کی نظر سے دیکھا اسی وقت الحمد کے الف سے لیکر مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاس کی سین تک کا قرآن انکے قلب سے یک لخت ختم ہوگیا سب بھول گئے فوراً حضرت حسن بصریؒ کے پاس پہنچے اور اپنا واقعہ بیان کیا۔ حضرت حسن بہت زیادہ فکرمند ہوئے اور افسوس کیا اور فرمایا کہ سعادت کا شہباز تمہارے وقت کی کلائی سے اڑگیا ہے جسے واپس لانا حسن کے امکان سے باہر ہے لیکن ہاں تمکو ایک بزرگ کا پتہ بتائے دیتا ہوں شاید کہ انکی دعا کی برکت سے وہ پھر لوٹ آئے اور تمھارے ہاتھ لگ جائے اور ان بزرگ کا نام خواجہ خفیف ہے۔ چنانچہ ابوبکر عمر وہاں سے آکر پہلے مکہ شریف گئے اور خانۂ کعبہ کی زیارت و طواف کرکے اسکو شفیع بنایا پھر خواجہ خفیف کے پاس گئے اور آپ بیتی سنائی خواجہ خفیف بھی فکرمند ہوئے، تھوڑی دیر سرنگوں رہے پھر اسکے بعد اپنے گوشۂ چشم کو آسمان کی جانب اٹھایا اسی وقت ابوبکر عمر کے باطن میں ایک روشنی ظاہر ہوئی اور انکی یادداشت درست ہوگئی حفظ قرآن واپس آگیا۔ اس کے بعد انھوں نے پوچھا کہ تم کو میرے پاس کس نے بھیجا ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضرت حسن بصری نے۔ حضرت خفیف نے کہا خوب جس شہر میں حسن بصری جیسا انسان موجود ہو وہاں سے کوئی اتنی دور دراز کی راہ طے کرکے خفیف کے پاس آنے کی زحمت اٹھائے؟ بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری کا ایک پڑوسی تھا جو کہ آتش پرست

کمردی چوں او باشد چندیں راہ بخفیت آیند چنیں گویند حسنؒ را ہمسایہ بود آتش پرست شمعون نام حسنؒ وقت نزع بر بالین او رفت وگفت ای شمعون مسلمان شو گفت ہشتاد سال آتش پرستیدہ ام اگر ضمان میشوی و خط نویسی کہ خداوند تعالیٰ و تقدس مرا بیامرزد و در بہشت برد مسلمان شوم حسن گفت ہمچنیں کردم و خطی نبشت و بدو نمودہ سپرد شمعون وصیت کرد وگفت کہ ایں خط میباید کہ با من در گور نہند خط در دست گرفت وکلمہ طیب گفت و مسلمان شد چوں شمعون ازیں عالم بداں عالم رفت و چوں او را در خاک نہادند حسن بغایت متامل شد کہ ایں چہ فضولی بود کہ من کردم باری مرا در بہشت خواہند فرستاد کہ ضمان دیگری شدم شب آں شمعون را در خواب دید گوئی آں خط در دست گرفتہ در صدر بہشت می خرامید پرسید ای شمعون چگونہ گفت ہمچنانکہ می بینی حق تعالیٰ مرا بیامرزید و کردہ وگفتہ مرا بداں کلمہ کہ بگفتم بمن بخشید تو باری از ضمانت خلاص یافتی اکنوں ایں خط خود باز بستاں کہ مرا بدیں احتیاجی نیست حسنؒ از خواب بیدار شد آں خط بعینہ در دست خود یافت۔

تھا اسکا نام شمعون تھا اسکے نزع کا وقت تھا حسن بصریؒ اسکے سرہانے پہنچے اور اس سے کہا کہ اے شمعون مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کہ ارے میاں ستر سال تک میں نے آگ کی پرستش کی ہے اگر ذمہ داری لیجئے اور تحریر لکھ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایمان لانے کی وجہ سے بخشدیگا اور جنت میں داخل کردیگا تو میں مسلمان ہو جاؤں۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ شرط منظور ہے اور ایک تحریر شمعون کو لکھکر دیدی اس نے اپنے لوگوں کو وصیت کی کہ اس تحریر کو میرے ہمراہ میرے قبر میں رکھدیا جائے۔ اس نے خط کو ہاتھ میں لیکر کلمہ طیبہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گیا۔ جب اسکا انتقال ہو گیا اور اسکو تہ خاک کر دیا گیا تو حضرت حسن کو بڑی فکر دامنگیر ہوئی کہ لاحول ولا قوۃ یہ مجھ سے کیا لغویت ہو گئی کہ میں نے اسکے نجات کی ذمہ داری لے لی، اُسے میرا ہی کون سا جنت میں جانا یقینی ہو چکا تھا کہ میں نے دوسرے کی ضمانت لے لی یہ تو برا ہوا شب میں شمعون کو خواب میں دیکھا کہ وہی خط ہاتھ میں لئے ہوئے ناز کے ساتھ جنت کے وسط میں گھوم رہے ہیں۔ اسی الجھن میں تھے کہ حسنؒ نے اس سے پوچھا کہ شمعون کہو کیا حال ہے؟ کہا جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں حق تعالیٰ نے مجھے بخشدیا میرے تمام اقوال و افعال سابقہ کو اسی کلمہ کی برکت سے معاف فرما دیا۔ جائیے اب آپ کلی اپنی ذمہ داری سے چھٹکارا پا گئے۔ اور یہ لیجئے اپنی تحریر واپس لے لیجئے اب مجھے اسکی کیا ضرورت ہے اس کے بعد حضرت حسنؒ کی آنکھ کھل گئی تو اس خط کو اپنے ہاتھ میں موجود پایا۔

(۱۳۴) دین میں اپنی رائے سے تسہیل کرنے والوں کی غلطی

دین میں تسہیل کی غرض سے اپنی رائے سے کام نہ لیجئے دین مکمل ہے اور سہل بھی ہے چنانچہ اس مقام ؎ پر اصلاح کی ترتیب کسقدر سہل ہماری فطرت کے موافق رکھی ہے کہ اول علم کی طرف اشارہ کیا پھر عمل کی طرف سو اس آیت میں ان ہی دو چیزوں یعنی علم و عمل کو بیان کیا گیا ہے اور چونکہ علم کے دو شعبے ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا اسلئے گویا اس آیت کی مدلول تین چیزیں ہوئیں الفاظ اور معانی اور عمل اور ہم کو ان تینوں کا حاصل کرنا ضروری ہوا اب دیکھئے کہ ہم نے ان تینوں جزوں کے ساتھ کیا معاملہ کر رکھا ہے سو عمل تو بالکل ہی مفقود ہے اور علم کا جو طریقہ ہے وہ بھی مفقود ہے اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ علم بھی مفقود ہے لیکن خیر تھوڑا بہت مشغلہ ہے گو دنیا ہی کے لئے ہو اور جن لوگوں کو تحقیق حقیقت ہے وہ کچھ تھوڑا بہت عمل کی بھی متوجہ ہیں۔

(۱۳۵) اسلام سے بُعد کا پہلا زینہ دنیا کو اختیار کرنا ہے

دین اسلام سے بعد کا پہلا زینہ یہ ہے کہ خداتعالیٰ کو چھوڑ کر اور دین کو چھوڑ کر صرف دنیا کے حاصل کرنے پر متوجہ ہو رہے ہیں اور تحصیل دین کو مخل دنیا سمجھ رہے ہیں اور واقعی حقیقت یہ ہے کہ دنیائے حلال دین کے ساتھ سایہ کی طرح ہے اگر کوئی سایہ کو پکڑنا چاہے تو اسکی صورت یہی ہے کہ اصل چیز کو حاصل کرے تو دنیا بھی جبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ جب دین کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کیا ہو۔ آج افسوس ہے کہ فلسفہ اور حقیقت شناسی کی اتنی بڑی ترقی ہے لیکن لوگ دنیا کی حقیقت میں ذرا غور نہیں کرتے محض مال اور جاہ کی طلب کو اصل مقصود سمجھتے ہیں حالانکہ یہ امر دیکھنے کے قابل ہے کہ مال کیوں مقصود ہے اور جاہ کیوں مطلوب ہے؟

؎ یعنی آیت ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیٰتک ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم میں ۱۲ منہ

(۱۳۶) دنیا سے اصل مقصد کیا ہے اور اسکی کتنی ضرورت ہے

سو مال تو جلب منفعت کیلئے مطلوب ہے اور جاہ دفع مضرت کے لئے یعنی ہمکو بڑائی کی اتنی ضرورت ہے کہ ظالموں کے دست برد سے محفوظ رہیں دیکھئے سقے، چمار وغیرہ بیگار میں پکڑے جاتے ہیں لیکن جو معزز لوگ ہیں انھیں نہیں پکڑا جاتا کیونکہ وہ ذی جاہ ہیں اور جاہ ایک قدرتی قلعہ ہے تو یہ دونوں چیزیں جلب منفعت اور دفع مضرت کے لئے ہیں پس مال اسقدر کافی ہے کہ جس سے ہم منافع حاصل کر سکیں اب لوگوں نے نفس مال کو معبود مطلق بنا رکھا ہے تو یہ کتنی بڑی فلسفی غلطی ہے۔

(۱۳۷) اہل اللہ کو پریشانی مطلق نہیں ہے

صاحبو! اصل مقصود محض دین ہے جب وہ حاصل ہو جاتا ہے تو دوسرے مقاصد خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں چنانچہ دیکھ لیجئے کہ جو لوگ خدا کے کام میں لگے ہیں ان میں کوئی بھی پریشانی میں مبتلا نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اہل اللہ اسقدر آسائش میں ہیں کہ اہل دنیا کو بھی اتنی آسائش نصیب نہیں ہے اور امتحان اسکا یہ ہے کہ اول ایک بڑے سے بڑے دنیا دار کے پاس ایک مہینہ رہیئے اسکے بعد اہل اللہ میں سے کسی کے پاس ایک مہینہ بھر رہ کر دیکھئے پھر دونوں کی حالت میں موازنہ کیجئے آپ کو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دنیا دار طرح طرح کے افکار میں مبتلا ہے اور یہ دیندار پریشانی سے محفوظ و مامون ہے یہ تو مال کی غایت تھی۔

(۱۳۸) اہل اللہ دنیا داروں سے جاہ کے اعتبار سے بھی زیادہ ہیں

رہی جاہ اس میں بھی اہل اللہ اہل دنیا سے بڑھے ہوئے ہیں۔ عزت جس چیز کا نام ہے وہ انہی حضرات کو نصیب ہے کیونکہ عزت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک تو عزت زبان سے ہوتی ہے اور ایک دل سے، اہل دنیا کی جو کچھ عزت ہوتی ہے وہ محض زبان اور ہاتھ، پیر سے ہوتی ہے یعنی لوگ ظاہر میں انکی عزت کرتے ہیں دل میں انکی کچھ وقعت نہیں ہوتی اور اہل اللہ

کی عزت دل سے ہوتی ہے۔ دوسرے اہل دنیا اور اہل اللہ میں اس سے بھی زیادہ ایک فرق ہے اور وہ ایک تمدنی مسئلہ ہے یعنی معزز وہ شخص کہلائیگا جو اپنی قوم میں معزز ہو ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ مجموع مرکب میں قوم وہ جماعت ہے جس کے احاد زیادہ ہوں جیسے کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ گیہوں کا ڈھیر وہ کہلائیگا جس میں گیہوں زیادہ ہوں اس پر قیاس کرکے اب میں پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں میں زیادہ افراد کن لوگوں کے ہیں؟ غرباء کے یا امراء کے ظاہر ہے کہ غرباء مسلمانوں میں زیادہ ہیں تو مسلمانوں کی قوم غرباء کی جماعت کا نام ہوگا اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ غرباء میں زیادہ عزت کس کی ہے اہل اللہ کی یا اہل دنیا کی؟ ہر شخص جانتا ہے کہ اہل اللہ کی غرباء میں عزت زیادہ ہے تو قوم کے نزدیک معزز اہل اللہ ہوئے تو اس تمدنی مسئلہ سے ثابت ہوگیا کہ مال اور جاہ سے جو امر مقصود ہے وہ اہل اللہ ہی کو حاصل ہے۔

(۱۳۹) دنیا اور دین کے جامع ہونے کی حقیقت

بعض لوگ ایسے ہیں کہ دنیا کو تمام مقصود نہیں کہتے لیکن دین و دنیا دونوں کا جامع بننا چاہتے ہیں اور اس کو بہت بڑی خوبی اور کمال سمجھتے ہیں مگر یہ جمع ایسا ہوتا ہے جیسے کہ ایک شخص سارے زنانے کپڑے پہنکر انکے ساتھ ایک ٹوپی بھی پہن لے، ظاہر ہے کہ جو شخص اسکو دیکھے گا ایک مسخری عورت کہیگا۔ جو لوگ جامع بن رہے ہیں انکو دیکھ لیجئے کہ غالب ان کے اوپر دنیا ہی ہے مسلمان کے جامع ہونے کے تو یہ معنی ہونا چاہیئے کہ اس پر دین غالب ہو اور حسب ضرورت دنیا بھی لیتا ہو۔

(۱۴۰) دینی خدمت کیلئے چند افراد کے خاص ہونیکی ضرورت

غرض مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان میں سب کے سب دیندار ہوں اور چونکہ معاش کی بھی ضرورت ہے اسلئے کچھ افراد اس میں بھی لگیں اور کچھ افراد ایسے بھی ہونے چاہئیں کہ وہ محض خادم دین ہوں کیونکہ اگر سب کے سب تحصیل معاش ہی میں پڑ جائیں تو دین کا سلسلہ آگے کو نہیں چل سکتا مثلاً سر رشتہ تعلیم ہی کو لیا جائے کہ اگر اس میں کوئی نہ جائے تو سارا بنی کریا

جاتی رہیں گی اسی طرح دین کے کام میں بھی اگر کوئی نہ لگے تو یہ کام بند ہو جائے گا لہٰذا ضروری ہے کہ ایک جماعت تو محض خادمان دین کی ہو یہ لوگ اسکے سوا کوئی کام نہ کریں اور میں اسکی ایک نظیر کہتا ہوں کہ قانونی حکم ہے کہ جو شخص ملازم سرکار ہو وہ دوسرا کام نہیں کر سکتا، چنانچہ اگر کسی نے کیا تو اسکو یا ملازمت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا یا اس دوسرے کام کے ترک کرنے پر مجبور کیا گیا علیٰ ہذا سید صاحب کو دیکھئے کہ انکو دنیا کی دھن تھی تو اس میں کیا حالت تھی کہ اپنی زندگی اور آسائش سب اس میں صرف کر دی میں کوئی چیز نہیں ہوں لیکن یہ حالت ہے کہ جب کوئی رسالہ لکھتا ہوں تو راتوں کو نیند نہیں آتی پنسل کاغذ ساتھ لیکر سوتا ہوں اور راتوں کو اٹھ اٹھکر جو کچھ یاد آتا ہے اسکو لکھتا ہوں تو اگر ایسے شخص کو کوئی دوسرا کام دیدیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی خراب ہوگا اور وہ بھی۔ ایک شاعر کی حکایت مشہور ہے کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک مصرعہ سوجھا فوراً نماز توڑ دی اور اس مصرعہ کو لکھا اگرچہ اسکی یہ حرکت پسندیدہ نہ تھی لیکن اس سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب کسی کام کی دھن ہوتی ہے تو کیا حالت ہو جاتی ہے۔ اور اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ایک جماعت کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ وہ دین کے کام کے سوا اور کوئی کام نکرے اور اس جماعت پر یہ الزام بھی خلاف انصاف ہے کہ قوم کے محتاج ہیں البتہ اگر وہ تم سے مانگیں تو انکو جو چاہو سو کہو۔ سو بحمداللہ انکا تو یہ مذاق ہے :-

حکایت : ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو کہنے لگے کہ ہم خدا کے مہمان ہیں اور مہمانی تین دن کی ہوا کرتی ہے اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ (بلا شبہ ایک دن آپ کے رب کے نزدیک تمھارے حساب کے ایک ہزار سال کے برابر ہے) حضرات واللہ اسوقت بھی ایسے خدا کے بندے موجود ہیں کہ لوگ انکو دیتے ہیں اور وہ نظر بھی نہیں کرتے اور انکی وہ حالت ہے سے

دلآرامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جو محبوب تم رکھتے ہو اسی سے قلبی تعلق وابستہ رکھو اور اسکے سوا تمام عالم سے اپنی آنکھیں بند کرلو)

وہ ایک ہی ذات میں ایسے منہمک ہیں کہ دوسرے کی طرف التفات ہی نہیں ہوتا۔

حکایت ، شاہ نیمروز نے ایک بزرگ کو لکھا (دیکھئے اس حکایت سے معلوم ہوگا کہ دینے والے

درخواست کرتے ہیں اور لینے والے صاف انکار کردیتے ہیں) کہ میں چاہتا ہوں کہ ملک نیمروز آپکے حوالے کردوں آپ نے جواب میں تحریر فرمایا ؎

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

(چتر سنجری کی طرح میرے نصیبے کا چہرہ بھی سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملک سنجر کی ذرا بھی ہوس ہو)

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

(میں تو جبوقت سے (نالہ) نیم شبی کی لذت آشنا ہوگیا ہوں تو سارے ملک نیمروز کو اپنے اس نیم شب کے ایک جو کو بھی دیکر نہیں خرید سکتا ہوں)

غور کیجئے کہ اُدھر سے اصرار ہے اور اِدھر سے سوکھا جواب کہ ہمکو کوئی ضرورت نہیں آمیں تصنع نہیں تھا ورنہ اثر کیوں ہوتا۔

(۱۴۱) اہل اللہ طفیل خوار نہیں ہیں

اور اس حالت سے کوئی اہل اللہ کو طفیل خوار نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ سرکاری لوگ ہیں دیکھئے گورنر جنرل کو کثیر التعداد رقم ہر مہینہ ملتی ہے حالانکہ بظاہر انکو کوئی ایسا بڑا کام نہیں کرنا پڑتا لیکن محض اسلئے کہ انکا کام دماغی کام ہے۔ تو حضرات اہل اللہ پر جو گذرتی ہے اور جو دماغ سوزی انکو کرنی پڑتی ہے اگر آپ پر وہ گذرے تو چند روز میں جنون ہو جائے اور آمیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اہل اللہ پر اپاہج ہونے کا الزام بھی بالکل غلط ہے وہ ہرگز اپاہج نہیں ہوتے ہاں وہ بدن کے اعتبار سے اپاہج ہیں سو یہ فخر ہے ان کی یہ شان ارشاد خداوندی میں مذکور ہے اُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھرے ہوئے ہیں زمین پر ادھر اُدھر آنے جانے کی استطاعت نہیں) تو یہ عدم استطاعت مایۂ فخر ہے نیز یہ خود کہتے ہیں کہ ؎

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم — مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(ہم اگر دو پیسے عاری اور دین کے دیوانے ہیں (تو کیا) اسی ساقی اور اسی پیمانہ کے تو مست ہیں (جسکی مستی مایۂ فخر ہے)

یہ اگر طفیلی ہیں تو اسی کے طفیلی ہیں اور انکا جسم گو معطل ہے لیکن انکی روح ایک بہت بڑے کام میں ہے انکی روح نے اس بارگراں کو اٹھایا ہے جس کے اٹھانے کی پہاڑ بھی

تاب نہیں لاسکے اور زمین و آسمان سے بھی نہیں اٹھ سکا چنانچہ ارشاد ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (ہم اگر اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو اسکو خدا کے خوف کی وجہ سے خشوع کرنے والا اور پھٹ جانے والا دیکھتے) اور دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (ہم نے امانت کو آسمانوں پر زمین پر، پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کو لینے سے انکار کیا اور اس بار گراں سے ڈرے مگر انسان نے اس کو قبول کرلیا) تو جبکی روح اتنا بڑا بار گراں اٹھائے ہوئے ہو وہ اپاہج کیسے کہا جاسکتا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(اے وہ شخص کہ جس کے پیر میں کبھی کانٹا بھی نہ چبھا ہو تو کیا سمجھ سکتا ہے ان شیروں کا حال جو بلا کی تلوار اپنے سر پر کھاتے ہیں) آپ کو کیا خبر ان پر کیا گذرتی ہے صاحبو! وہ اس مشقت میں ہیں جس کا ایک نمونہ یہ ہے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (شاید کہ آپ اپنے نفس کو ہلاک ہی کردیں گے اس غم میں کہ وہ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں) غور کیجئے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گذرتی ہوگی جو یہ لفظ فرمایا گیا؟

(۱۴۲) دین کی حفاظت علی العموم سب کے ذمہ ہے

دیکھئے اگر جائداد کئی آدمیوں میں مشترک ہو کہ ایک کے اس میں آٹھ آنہ ہوں دوسرے کے چار آنہ تیسرے کے دو آنہ چوتھے کا ایک آنہ اور کوئی ظالم اس جائداد پر دست برد کرے تو کیا ایک آنہ کا شریک خاموش ہو کر بیٹھے گا؟ ہرگز نہیں اس سے معلوم ہوا کہ مشترک چیز کی حفاظت تمام شرکاء کو چاہیئے۔ اسی طرح قرآن شریف تمام مسلمانوں کی مشترک جائداد ہے اسکی حفاظت بھی سب کو کرنی چاہیئے اور اگر کہیئے کہ مشترک نہیں تو مہربانی کرکے یہ لکھ کر دیدیجئے کہ ہم اسکو شائع کردیں پھر تم لوگوں سے ہم ہرگز اسکی حفاظت کا خطاب نہ کریں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ کوئی بھی نہ کریگا اور جب یہ گوارا نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے ذمہ بھی ضروری ہے۔

(۱۴) ہر مقصود میں دو جزو ہونا ایک علمی ایک عملی اور سلوک میں شیخ کی ضرورت

ہر مقصود میں خواہ وہ ادنیٰ درجہ کا ہو یا اعلیٰ درجہ کا دو جزو ہوتے ہیں ایک جزو علمی اور ایک جزو عملی مثلاً اگر ہم کوئی دنیاوی کام کرنا چاہیں تو اول ہمیں اسکا علم ہوگا پھر اسکے بعد ہم اسپر عمل کریں گے یا جیسے میں نے پہلے بیان میں عرض کیا تھا کہ طبیب اسکو کہیں گے کہ جس کو علم ادویات بھی ہو اور انکا استعمال بھی جانتا ہو اسی طرح ہر مقصود کے اندر یہی دو جزو ہیں تو دین بھی چونکہ مقاصد علیہ سے ہے اسلئے اس میں بھی یہ دو جزو معتبر ہونگے اور میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ علوم میں ایک مرتبہ دال کا ہوتا ہے ایک مرتبہ مدلول کا سو جس طرح تقسیم الی الجزئین ہر مقصود میں ہوتی ہے کچھ دین کی تخصیص نہیں اسی طرح دال مدلول کا مرتبہ بھی ہر مقصود علمی میں ثابت ہوگا اس میں دین کی تخصیص نہ ہوگی مثلاً طب کے الفاظ کہ وہ دال ہیں معنیٰ مقصود پر ان کے بغیر ان معانی کا سمجھنا مشکل ہے، پس الفاظ دال ہوئے معنی مدلول ہوئے یہاں سے الفاظ کے دال علی المعانی اور کافی فی الدلالۃ ہونے کے متعلق ایک عجیب کام کی بات یاد آئی وہ اہل باطن کے لئے بہت مناسب ہے، بعض اہل باطن یہ سمجھتے ہیں کہ سلوک طے کرنے کیلئے کسی شیخ کی ضرورت نہیں اور اس خیال کی وجہ سے اگر کسی کو تجویز کرتے بھی ہیں تو پھر اسکو چھوڑ دیتے ہیں بالخصوص اگر قلب میں کچھ حرکت و حرارت اور عبادت میں کسی قسم کی لذت آنے لگے تو سمجھتے ہیں کہ اب ہم کامل ہوگئے حالانکہ تکمیل اسکو کہتے ہیں جسے اہل فن کہدیں۔ بچہ ایک دو کتاب پڑھکر سمجھتا ہے کہ میں عالم ہوگیا حالانکہ ابھی علم سے اسکو مناسبت بھی نہیں ہوتی ہاں جب اہل علم یہ تجویز کردیں کہ اب یہ عالم ہوگیا اسوقت کہا جاویگا کہ اسکو کمال فی العلم ہوگیا ان لوگوں کی بعینہٖ وہ حالت ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ ایک بندر کے ہاتھ ایک ہلدی کی گرہ آگئی بھی کہنے لگا کہ میں بھی پنساری ہوں تو جیسے وہ بندر ایک ہلدی کی گرہ سے پنساری بنا تھا ایسے ہی یہ لوگ بھی اپنے خیال میں ذرا سی قلب کی حرارت وغیرہ کو دیکھکر اپنے کو کامل سمجھ بیٹھے۔ بہرحال تکمیل سے مراد وہ ہے کہ جسکو اہل فن تکمیل سمجھیں تو اگر قبل تکمیل شیخ کی وفات ہوجائے تو دوسرے سے رجوع نہیں کرتے۔ بالخصوص اگر کشف قبور بھی ہونے لگے کہ اس صورت میں تو اپنے کمال

میں شبہ بھی نہیں رہتا کیونکہ کشف قبور کے لئے صاحب نسبت فنا کا حاصل ہونا ضروری ہے تو جب صاحب نسبت بھی ہوگئے تو پھر کیا کسر رہی حالانکہ کشف قبور کوئی کمال نہیں ہے نہ تعلق نسبت کا حصول دلیل کمال ہے۔ کشف قبور کی نسبت فنا پر موقوف ہونے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔

حکایت:۔ ایک بزرگ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ قبور سے فیض ہوتا ہے یا نہیں فرمایا کہ فیض لینے والا کون ہے اس شخص نے کہا مثلاً میں ہوں، فرمایا کہ نہیں ہوتا۔

اللہ اکبر کتنا بڑا مسئلہ اور کس طرح دو جملوں میں حل کردیا۔ یہ بات اہل علم کے یاد رکھنے کی ہے کہ انکو جواب میں ہرگز سائل کے تابع نہونا چاہیئے کہ وہ جس طرز سے جواب چاہیں اسکو ضروری سمجھا جاوے بلکہ انکی مصلحت پر نظر کرنی چاہیئے اور جو طرز جواب کا ان کے لئے مصلحت ہو اس کو اختیار کرنا چاہیئے گو وہ انکی رائے کے خلاف ہو یہ ضروری نہیں کہ جس راہ سائل لے چلے اسی راہ چلیں جس طرح اس حکایت میں سائل نے چاہا کہ پوری تحقیق مسئلہ کی بیان کی جائے اور محقق مجیب نے اسکو بیمار سمجھکر اسکی حالت کے مناسب اسکو جواب دیدیا کہ تم پورے مسئلے کو کیا کروگے اپنا تعلق مسئلے سے جسقدر ہے اسکو سمجھ لو کہ تم کو قبور سے نفع نہیں ہوسکتا سائلین تو یہ چاہتے ہیں کہ جس راہ ہم چلیں اس راہ اگر چلیں تو ہم جانیں گے کہ ہمارے سوال کا جواب ہوا ورنہ سمجھیں گے کہ جواب نہیں ہوا، مجیبوں نے جب دیکھا کہ انکی یہ حالت ہے کہ جس چال انھوں نے چلایا اسی راہ انھوں نے چلنا اختیار کیا تو اس میں بڑی خرابی یہ ہوئی کہ سائلین کے امراض میں ترقی ہوتی گئی اور شبہات ترقی پذیر ہوتے گئے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے طبیب کے پاس کوئی مریض جائے کہ اسکو مرض دق بھی ہو اور زکام بھی ہو اور جاکر حکیم سے فرمائش کرے کہ اول زکام کا علاج کردیجئے تو اگر طبیب زکام کے علاج میں ایک مدت مدید صرف کرے تو وہ خائن ہے اسکو چاہیئے کہ مریض کو رائے دے کہ ہرگز ایسا نکرو اول دق کی خبر لو۔ اگر مریض اس تجویز پر یہ کہے کہ حکیم صاحب کچھ نہیں جانتے تو طبیب اسوقت کیا کرے گا ظاہر ہے کہ اسکے جہل پر رحم کریگا اور پھر بھی اپنی ہی تجویز اور اسکی مصلحت پر عمل کریگا اور اگر اس نے مریض کا اتباع کیا تو وہ خود غرض ہوا۔ اسیطرح محقق پر واجب ہے کہ جواب مصلحت کے موافق دے نہ کہ سائل کی مرضی کے موافق۔

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ عنہ۲۰ بیس روپئے

چندہ ششماہی عنہ۱۰ دس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | دو۲ روپئے

شمارہ ۴ | جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ مطابق اپریل ۱۹۸۱ء | جلد ۴

فہرستِ مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

کبھی کبھی یہ خیال آیا کہ پیش لفظ کا خانہ تو گویا اب شکوۂ احباب اور مطالبۂ زرچندہ ہی کے لئے وقف سا ہوتا جا رہا ہے اس لئے اس عنوان ہی کو حذف کر دیا جائے اور اس زریں رسالہ کا یہ قیمتی صفحہ بھی کسی کام میں لایا جائے لیکن معاً عارف رومی کا یہ شعر بھی سامنے آگیا کہ ؎

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است — کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

یعنی انسان میں اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کی شہوت کا مادہ رکھا ہے تو یہ معاذ اللہ کچھ برا تو کیا ہوتا سبب کمال انسانی ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے اسکو متقی اور صاحب تقویٰ کہا جاتا ہے ورنہ وہ اور دیوار برابر ہوتے۔ آخر جس بھٹی میں سونا اور چاندی گل کر تیاری زیور کا ذریعہ بنتے ہیں اسکے جلانے اور دھونکانے کیلئے لکڑی اور اُوپلے بھی تو درکار ہوا کرتے ہیں

بس یہی حال اور مثال یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ رسالہ کے اندر قیمتی مضامین اور کار آمد عرفان و معرفت کی باتوں کے آپ تک پہونچنے کا ذریعہ ہی وہی ہے جسے پیش لفظ میں کبھی کبھی عرض کیا جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ بہت سے حضرات نے توجہ فرمائی اور جدید خریدار بھی فراہم کیے۔ تاہم دو ڈھائی سو کی تعداد اب بھی ایسی ہے جن حضرات کا سنہ ۸۰ء کا بھی چندہ نہیں آسکا۔ ہو سکتا ہے کہ بہت سے ایسے حضرات کا رسالہ اب بند ہو سو وہ اسی سے کہ شاید اب خیال ہو جائے کہ رسالہ کیوں نہیں آ رہا ہے ؟

لیکن اگر خدانخواستہ آنکھ ایسی لگ گئی ہے کہ رسالہ کا پہونچنا اور نہ پہونچنا دونوں ان کیلئے یکساں ہے تو ہم اسکے سوا کیا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں انکا نعم البدل عطا فرما دے ——— اپنے ان احباب کی کوششوں کے ہم مشکور ہیں جنھوں نے ہر طرح سے رسالہ کی بقاء میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ بھی انکو اجر عظیم سے نوازیں۔ آمین

نوٹ: ـ "مسلمانوں کی موجودہ پریشانیوں کے اسباب اور انکا دینی علاج" اس موضوع پر حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے مضامین اور ملفوظات کی روشنی میں ایک کتابچہ زیر طبع ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب منظر عام پر آجائیگا۔

(ادارہ)

اکتسابِ کمال کا بڑا مانع عار واستکبار ہے

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سورہ حشر میں فرماتے ہیں کہ :-

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ

(سورۂ حشر)

ان حاجتمند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے جدا کردیئے گئے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں اور (نیز) ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو دارالاسلام میں اور ایمان میں ان کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں جو ان کے پاس ہجرت کرکے آتا ہے اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں کچھ رشک نہیں پاتے اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو اور جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جاوے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (بیان القرآن)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فئی کے مصارف بیان فرمائے ہیں کہ فئی فقراء و مہاجرین کے لئے ہے اسی طرح ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو مدینہ طیبہ میں ان مہاجرین کے آنے سے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں یعنی انصار کے لئے بھی ہے۔ مہاجرین کو تو اسلئے حصہ ملے گا کہ وہ لوگ اپنے گھربار مال و دولت سے نکالے گئے ہیں لیکن والذین تبوّء والدار یعنی وہ لوگ جو دارالاسلام یعنی مدینہ طیبہ میں مقیم رہے ہیں انکی فضیلت کی وجہ کیا ہے؟ حضرت مولانا نے بیان القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ تبوء الدار کی صفت کو فضل میں دخل یہ ہے کہ اپنے باطن میں اکتساب کمال کا کرنا مخصوص انقیاد و فرمانبرداری کرنا کمال کی بات ہے کیونکہ وطن میں ان امور سے بہت سے موانع پیش آتے ہیں نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے۔" انتہیٰ۔

خوب بات بیان فرمائی ــــــــ بڑے بڑے فاضل اور صاحب کمال ہوئے ہیں مگر وطن کے لوگوں نے فائدہ نہیں اٹھایا اور موانع کی وجہ سے کچھ نہ حاصل کیا اور دوسری جگہ کے لوگوں نے آکر کمال حاصل کیا اور خوب فائدہ اٹھایا

اسوقت میں جو کچھ بیان کر رہا ہوں یہ معمولی بات نہیں ہے بہت بڑا مسئلہ ہے، اکتساب کمال کا سب سے بڑا مانع یہی عار و استکبار ہے اسی کی وجہ سے لوگوں نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تک کا انکار کیا ہے۔ کوئی رئیس صاحب جاہ ہو اور اپنے ہی یہاں کے کسی عالم کے سامنے جھک جاوے یہ بڑے کمال کی بات ہے۔

ایک بزرگ اور زبردست عالم نے ایک جگہ وعظ کہا وعظ کے بعد حسب معمول لوگوں نے مصافحہ شروع کیا وہیں کے ایک بڑے امیر تھے انھوں نے بھی مصافحہ کیا ان بزرگ عالم نے اسی بھرے مجمع میں جہاں عوام وخواص کے ساتھ ان رئیس کے خدام بھی موجود تھے انکی ناک پکڑ کر اینٹھ دیا ان رئیس نے کہا کہ مولانا آپ مجھکو آزماتے ہیں اگر آپ میرے کپڑے اتروا کر سر بازار جوتے لگوائیں جب بھی آپ کا وہ سودا جو سر میں سمایا ہوا ہے نہ نکلے گا۔ دیکھا آپ نے سچا معتقد ایسا ہوتا ہے۔ اتنا بڑا امیر کبیر آدمی مگر کیسی بات کہی، سچا معتقد تھا۔

آجکل بگاڑ یہاں سے ہوا ہے کہ لوگ اپنے وطن کے آدمی کی طرف جھکتے نہیں اسکا انقیاد نہیں کرتے اسلئے محروم رہتے ہیں، باہر کے لوگ باہر سے آآکر فائدہ اٹھاتے ہیں مگر عار و استکبار نے مقامی لوگوں کی راہ ماری ہے ؎

حسنؒ ز بصرہ بلالؓ از حبش، صہیبؓ از روم ز خاک مکہ ابو جہل ایں چہ بو العجبی است

(شہر بصرہ سے حسنؒ اور ملک حبش سے بلالؓ اور روم سے صہیبؓ آکر ہدایت حاصل کریں اور خود سرزمین مکہ کا رہنے والا ابو جہل گمراہ رہے کتنی عجیب بات ہے)

ایک بات اور کہتا ہوں اور سچی بات ہے اسلئے کہتا ہوں خواہ آپ خفا ہی کیوں نہوں وہ بات یہ ہے کہ مقامی آدمی کی طرف عار کی وجہ سے جھکتے نہیں اور چاہتے ہیں کہ عار و استکبار کے ساتھ اور اپنی ریاست وجاہ کے ساتھ کچھ دین کا بھی نام لگالیں اسلئے ایسے لوگ بہت بہت روپیہ خرچ کرکے باہر سے لوگوں کو بلا کر دین کی سند حاصل

کر لیتے ہیں، دو تین روز باہر والوں کے سامنے دین اور دینداری ظاہر کر دینا کیا مشکل ہے؟ دو چار روز اپنے کو سادھ لیا اور کامل ہو گئے اسطرح اپنی جاہ و ریاست کی بھی حفاظت رہی اور کامل بھی ہو گئے۔

بھلا کوئی اسطرح سے کامل ہوا ہے کمال تو ملا کرتا ہے انقیاد و طاعت سے جاہ و ریاست کے ترک سے، اب چاہتے ہیں کہ کہیں کسی کے سامنے جھکنا نہ پڑے اور کامل ہو جائیں۔ ع۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

اب لوگ اپنے گھر پر رہ کر کسی مقامی عالم سے عار کی وجہ سے اکتساب کمال نہیں کرتے حالانکہ وطن میں رہکر کسب کمال آسان ہے کیونکہ آدمی بیوی بچوں کی دیکھ بھال بھی کر سکتا ہے اور اپنی تعلیم و تربیت میں بھی لگ سکتا ہے مگر اب اس آسان کو لوگوں نے مشکل بنا لیا ہے۔ جہاں کے لوگ اچھے ہوئے ہیں کسی مقامی آدمی ہی سے اچھے ہوئے ہیں اسکے خلاف کہیں نہ پاؤ گے۔ میں نے اپنے وطن اور اسکے اطراف میں دیکھا ہے کہ عرصہ سے وہاں لوگ باہر سے آتے جاتے رہے بڑی بڑی دعوتیں ہوتی رہیں وعظ و نصیحت کی مجلسیں بھی گرم ہوتی رہیں مگر دین کا پتہ نہیں اور اب دیکھتا ہوں کہ مقامی لوگوں نے کچھ کام کیا تو کچھ دیندار لوگ نظر آنے لگے۔

وطن کے لوگوں کی مخالفت سے انبیاء علیہم السلام کو بھی گذرنا پڑا اسی طرح اولیاء کو بھی گذرنا پڑتا ہے، یہ مجاہدہ مصلح کے لئے ضروری ہے ایسے موقع پر مصلح کے لئے دو باتیں نہایت ضروری ہیں ایک حُسنِ خُلق دوسرے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خوب پکا رہنا۔ اصلاح کا کام بڑا مشکل ہے مصلح کے لئے ضروری ہے کہ اسکو لوگوں پر شفقت ہو اور اس میں اپنا کافی وقت صرف کرے اور لوگوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہو اور اس پر پورا عبور ہو۔ باہر سے دو ایک روز کے لئے آنیوالے کو نہ تو مقامی آدمی جیسی شفقت ہو گی اور نہ وقت ہی زیادہ دے سکیگا دو چار روز رہکر چلا جائیگا اور لوگوں کے حالات سے بے خبر ہو گا اسلئے اس سے اصلاح نہ ہو سکے گی۔

ایک عالم مولانا عبدالرؤف صاحب دانا پوری گذرے ہیں جو صوفی بھی تھے

انھوں نے سیرت میں کتاب بھی لکھی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں دین وعظ سے نہیں پھیلا بلکہ بزرگوں سے پھیلا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک بزرگ کہیں جاکر بیٹھ گئے آدمی چھپا نہیں رہتا رفتہ رفتہ لوگ انکی طرف رجوع ہوئے اور لوگوں کو نفع پہونچنے لگا انھوں نے ان لوگوں میں کسی کو ہونہار دیکھا اسکو دوسری جگہ بیٹھا دیا اور اسیطرح کام کرنے کو کہا کہ فلاں جگہ جاکر بیٹھ جاؤ چپکے رہو کسی سے کچھ کہنے سننے کے پیچھے نہ پڑو۔ بڑی عمدہ بات لکھی ہے کام تو ہمیشہ کام کے طریقے ہی سے ہوا ہے۔

میں نے اپنے اطراف کے اہل علم سے بہت کہا کہ آپ لوگ خود کام کیوں نہیں کرتے ہمیشہ باہر ہی سے علماء کو کیوں بلاتے ہیں اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ لوگ اپنے کو نااہل ثابت کر رہے ہیں کہ ہم سے کام نہیں ہوسکتا اسلئے ہم مجبور ہوکر دوسری جگہ سے لوگوں کو بلاتے ہیں گویا مرکز والوں نے آپ کو اپنا نائب نہیں بنایا ہے بلکہ آپ کو صرف اسلئے بنایا ہے کہ چلو تم لوگ قوم سے خوب چندہ کرکے ہمکو بلاؤ ـــــ ذرا غور کیجیے کہ جب نائبین کام نہ کرینگے تو بیچارہ ایک آدمی کہاں کہاں دوڑتا پھرے گا اور اکیلا کہاں تک کام کرے گا

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اکتساب کمال وطن میں آسان ہوتا ہے مگر عار کی وجہ سے جھکتے نہیں اسلئے محروم رہتے ہیں اور باہر کے آدمی سے دو ایک روز کا معاملہ ہوتا ہے اسلئے عار بھی نہیں ہوتی لہٰذا اسی کو بلاتے ہیں۔ دیکھئے مکہ کے لوگوں نے محض عار و استکبار ہی کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اور آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہونچائیں حتیٰ کہ قتل کی سازش کی اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی ایک آدمی کہتا تھا کہ ایک انگریز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پر اعتراض کرتا تھا کہ آپ بھاگے کیوں؟ میں نے جواب دیا سوپ بولا تو بولا چھلنی بھی بولی جس کے اندر بہتر چھید یہی اگر بھاگنا ہے تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کہوگے کہ وہ معاذ اللہ آسمان پر بھاگ گئے؟ اور میں کہتا ہوں کہ یہ انگریز ہندوستان چھوڑکر کیوں بھاگ گئے؟ بات عقل سے کہنی چاہیئے نفسانیت کے ساتھ جو بات کہی جائیگی وہ الٹی اپنے پر آپڑے گی.

سنو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھاگے نہیں تھے بلکہ آپؐ نے پینترا بدلا تھا تھوڑے دنوں کے بعد پھر مکہ تشریف لائے اور مکہ کو بھی دارالاسلام بنا لیا۔ جس طرح بادشاہ لوگ اپنی حفاظت کرتے ہیں کہیں جانا ہوتا ہے تو اکیلے نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کے ساتھ جاتے ہیں سب کا لباس سب کی سواریاں ایک طرح کی ہوتی ہیں تاکہ بادشاہ پہچانا نہ جاوے یہ حفاظتی تدابیر ہیں، جب اہل مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حفاظتی تدبیر کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آپنے ترک وطن فرمایا اور مدینہ طیبہ پہونچکر اسلام کی دعوت کو ایسا عام و تام فرمایا کہ تھوڑے ہی دنوں میں مکہ اور سارا عرب اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا اس کے بعد ساری دنیا میں اسلام پہونچا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم بعثت کا تقاضا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عموم بعثت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی ملک کے سب لوگ ترک اسلام پر اتفاق کرلیں تو اللہ تعالیٰ اسی قوم میں سے کچھ لوگوں کو توفیق دینگے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حجت تام ہوتی ہے استطاعت ممکنہ و استطاعت میسرہ دونوں سے استطاعت میسرہ جس طرح اشغال و اعمال ہیں اسی طرح بلکہ اس سے بڑھکر دوام صحبت بھی ہے جو قریب والے ہی سے ہو سکتا ہے دور والے نہیں نفس کے بڑے بڑے مکائد ہوتے ہیں اسکی چالوں کو شیخ مبصر ہی سمجھ سکتا ہے اور وہی اصلاح کر سکتا ہے بغیر قرب اور صحبت کے یہ کیسے ہوگا؟

ایک آدمی ایک بزرگ کے پاس رہ کر وطن واپس ہونے لگے تو دریافت کیا کہ اب وطن جاکر کس کے پاس آمد و رفت رکھیں گے اور کس سے ملتے رہیں گے؟ ان بزرگ نے ایک صاحب کا پتہ بتایا جب یہ وطن آئے اور ان سے ملنے گئے تو ان کو کچھ شبہ ہوا کہ شاید یہ کچھ پیتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ متشرع نہیں ہیں اور وہ تھے کامل سمجھ گئے کہ ان کو اعتراض ہے ایسا بزرگانہ جواب دیا کہ انھوں نے بھی یاد کیا ہوگا، ہوا یہ کہ جب سوئے تو

انکو غسل کی حاجت ہوگئی اٹھے اور غسل کے لئے حوض کی طرف بڑھے دیکھتے ہیں کہ اسمیں بجائے پانی کے وہی چیز ہے جسکے پینے کی بدگمانی ان بزرگ کے ساتھ کرتے تھے دوڑکر دریا پر پہونچے وہاں بھی یہی دیکھا اور ادھر نماز قضا ہوا چاہتی تھی اب سمجھے کہ اسی بدگمانی کی یہ سزا ہے، بھاگ کر ان بزرگ کے پاس پہونچے اور ان سے معافی چاہی پھر جاکر پانی نصیب ہوا۔ ایک اور بزرگ کا واقعہ سنئے:۔

جونپور میں ایک بزرگ رہتے تھے کوئی آدمی انکے پاس پانی لایا کہ پھونک دیجئے دور ہی سے انھوں نے پھونک دیا اس نے کہا کہ اتنی دور سے کیا اثر ہوگا فرمایا کہ اچھا برتن رکھو پھر دور ہی سے دوبارہ اسپر پھونک ماری جسکی دھمک سے برتن ہی ٹوٹ گیا (اب سمجھ میں آگیا کہ اثر ہوتا ہے یا نہیں)

الغرض قرب اور دوام صحبت اخذ فیوض کے لئے ضروری ہے جو مقامی ہی آدمی سے ہوسکتا ہے۔ اسی طرح جو شفقت اور محبت اسکو ہوگی وہ اُسکو کہاں ہوسکتی ہے جو دو ایک روز کے لئے کہیں پہونچ گیا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے خوب کہا ہے

وفاداری مدار از بلبلاں چشم　　　کہ ہر دم بر گل دیگر سرایند

(جو لوگ کہ بلبل جیسی صفت رکھتے ہوں سے وفاداری کی امید رکھو کہ وہ ہر وقت ایک نئی شاخ گل پر جاکر چہچہاتا ہے)

کام کی ترتیب بھی یہی ہے کہ پہلے اپنوں سے کام شروع کیا جاتا ہے مثل مشہور ہے کہ "اول خویش بعدہٗ درویش"۔ انبیا علیہم السلام نے اسی طریق سے کام کیا ہے۔ اسی واسطے اپنوں کو فیض دوسروں سے زیادہ پہونچتا ہے۔ اگرچہ انصار کے فضائل بے حد وشمار ہیں پھر بھی مہاجرین سے بڑھ نہ سکے چنانچہ مسئلہ خلافت درپیش ہوا تو انصار کہتے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مضمون اپنے ذہن میں مرتب کر رکھا تھا مگر بروقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر فرمائی جو حضرت عمر فاروق کے مضمون سے بڑھکر تھی جسمیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بھی پڑھی تھی الائمۃ من قریش چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیے آپ سے بڑھکر اسوقت روئے زمین

پر کوئی نہیں ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں اسکے بعد تمام صحابہ مہاجرین وانصار سب ہی بیعت ہوگئے۔

علماء محققین نے لکھا ہے کہ دین کی جو عظمت و محبت قریش کو ہوگی وہ اہل مدینہ کو نہیں ہوسکتی چنانچہ دین کا نمایاں کام جو قریش نے کیا ہے وہ اہل مدینہ سے نہوسکا حضرت خالد وغیرہ رضی اللہ عنہم کے کارنامے مشہور و معروف ہیں۔ باقی یہ جو بعض کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ تین شخص کو فائدہ نہیں ہوتا اولاد، خادم، بیوی، یہ عام نہیں ہے بلکہ زیادہ تر تو یہی دیکھا گیا ہے کہ انھیں لوگوں کو زیادہ فائدہ پہونچا ہے

ایک لڑکی نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ میری ایک بات مان لیجئے تو عرض کروں جب وعدہ کرالیا تو کہا کہ میرا نکاح فلاں بزرگ سے کر دیجئے اور وہ بزرگ جذامی تھے اور اس لڑکی کے والد انکے معتقد بھی تھے لڑکی کی درخواست پر ان سے نکاح ہوگیا وہ بزرگ ایسے باکرامت تھے کہ جب اس لڑکی کے پاس آئے تو لباس عمدہ، جسم بھی بالکل عمدہ اور خوبصورت تھا جذام کا کوئی اثر نہ تھا وہ لڑکی انکو دیکھکر بھاگی اور کہا کہ آپ میرے شوہر نہیں ہیں انھوں نے کہا کہ میں ہی تمھارا شوہر ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ قوت بخشی ہے کہ جب تمھارے پاس آؤنگا تو تندرست ہوکر آؤنگا اور لوگوں کے سامنے اپنی اصلی حالت میں ہونگا، اس لڑکی نے عرض کیا کہ میں نے آپ سے نکاح حظ نفس کے لئے نہیں کیا ہے بلکہ آپکی خدمت کے لئے کیا ہے لہٰذا آپ اپنی اسی حالت میں میرے پاس تشریف لائیے چنانچہ ایسا ہی کیا اور ان بیوی کو ان بزرگ سے بڑا فیض پہونچا اور ایسی ولیہ ہوئیں کہ بڑے بڑے مشائخ ان سے اپنے اشکالات حل کرتے تھے۔

بات یہ ہے کہ کمالات کا انجذاب فطری طور پر ہوتا ہے گرمی کا قصد کریں یا نکریں مگر آفتاب کی گرمی ضرور پہونچتی ہے صحبت کا فیض بھی اضطراری ہوتا ہے اور اگر اس میں اختیار کو بھی شامل کر دیوے تو کیا پوچھنا سبحان اللہ۔ تو بیوی اور خادم اور اولاد جب ہمہ وقت پاس رہیں گے تو انکو فیض زیادہ ہوگا۔

یہ مضمون بہت ہی عمدہ تھا اسلئے میں نے اسکو بیان کیا ہے۔ تھوڑی سی عار

وغیرہ کو ترک کردے اور اپنی ہستی وغیرہ کو مٹا دے اسکے بعد پھر راحت ہی راحت ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد   آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(انکا معاملہ تو یہ ہے کہ) اگر آدھی جان لیتے ہیں تو سو جان مرحمت فرماتے ہیں اور اتنا عطا فرماتے ہیں کہ جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ آتا

کسی کامل کے سامنے اپنے کو ڈالدینا اپنی ہستی کو مٹا دینا ہی ایک بڑی راحت اطمینان کی بات ہے حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھکو دو بہت پسند ہیں ایک تو مقتدی بنکر نماز پڑھنا دوسرے دعوت کا کھانا کھانا۔ تابع ہو میں بڑا فائدہ ہے اور آسانی ہے اور متبوع ہونے میں بڑی ذمہ داری ہے۔

اسوقت میں نے آپ حضرات کے سامنے اس چیز کو بیان کیا ہے جو بالعموم کو کمال سے محروم رکھتی ہے اور وہ عار ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ نے ایک مرتبہ جونپور میں وعظ میں فرمایا کہ میں علماء سے پوچھتا ہوں کہ انکو حضرات مشائخ کے یہاں جانے میں عار ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو کوئی مضائقہ نہیں انکی اصلاح ہو چکی ہے وہ نہ جاویں، اور اگر موجود ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب عار جیسا مرض موجود ہے تو پھر اصلاح کہاں ہوئی؟ اس پر مولانا ابوبکر صاحبؒ نے فرمایا کہ واقعی آپ نے تو خوب رگ پکڑی۔

(۲)

فرمایا کہ ——— میں نے کل سورۂ حشر کی اس آیت والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلہم۔ الایۃ۔ کے متعلق کچھ بیان کیا تھا آج پھر اسی مضمون کی مزید وضاحت کرنا چاہتا ہوں اسلئے کہ ان آیات میں فئی کی بحث ہے یعنی اس کی تقسیم کا مسئلہ ہے جو کہ ہر زمانہ میں اہم مسئلہ رہا ہے صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکر کا معمول تھا کہ آپ اموال کو لوگوں میں علی السویہ تقسیم فرماتے تھے اور حضرت عمرؓ اسلام، ہجرت اور نصرت کے تفاوت کے اعتبار سے حسب مراتب سب کو دیا کرتے چنانچہ حضرت صدیقؓ سے جب لوگوں نے کہا یا خلیفۃ رسول اللہ انک قسمت فسویت بین الناس ومن الناس اناس لہم فضل سوابق وقدم فا

اهل السوابق والفضل بفضلهم۔ قال اما ما ذکرتم من السوابق والقدم فما اعرفنی بذالک وانما ذالک شئی ثوابه علی الله هذا معاش فالاسوة فیه خیر من اثره۔ یعنی جب لوگوں نے عرض کیا کہ آپ باوجود تفاوت فضل کے سب کو برابر ہی برابر عطا فرماتے ہیں کاش آپ حسب مراتب دیا کرتے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی کوئی شخص فضیلت اور مراتب میں اگر بڑھا ہوا ہے تو اسکا اجر اس کو اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیں گے باقی یہ تو معاش کا معاملہ ہے اسلئے اس میں بمقابلہ ترجیح کے تسویہ ہی بہتر ہے۔ حضرت صدیقؓ یہ فرماتے تھے لیکن اسکے برخلاف حضرت عمرؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ لا اجعل من قاتل رسول الله صلی الله علیه وسلم کمن قاتل معه۔ یعنی میں تقسیم مال کے باب میں ان لوگوں کے برابر جنہوں نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوکر کفار سے قتال کیا ہے' ان لوگوں کو نہیں کرونگا جنھوں نے خود آپؐ ہی سے قتال کیا۔ چنانچہ آپ کی اس تقسیم پر بھی سب صحابہ خوش تھے اور سب حضرات نے اسکو بنظر استحسان دیکھا۔ اسطرح گویا آپ کے اس فعل پر گویا حضرات صحابہ کا اجماع ہی ہو گیا تھا' باقی حضرت صدیقؓ جو مال کی تقسیم میں ذاتی فضل کی رعایت نہ فرماتے تھے تو انکا تمسک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی تقسیم تھی جس میں آپؐ نے ایک شخص کے فضل کو تسلیم فرمانے کے باوجود اس کو حصہ نہ دیا اور دوسرے غیر مخلص کو مرحمت فرمایا جیساکہ شریف جعیل کا واقعہ آتا ہے۔

ان آیات میں مال فئی کے مستحقین کی فہرست بیان کرتے ہوئے اس میں والذین تبوو الدار والایمان کو بھی شمار فرمایا گیا ہے یعنی یہ فرمایا کہ اس میں ان لوگوں کا بھی حق ہے جو دارالاسلام یعنی مدینہ میں جو کہ ان کا وطن ہے اور دار ایمان میں ان مہاجرین کے آنے کے قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں۔

اسکی توضیح کرتے ہوئے تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ تبوء الدار کی صفت کو فضل میں دخل یہ ہے کہ اپنے وطن میں اکتساب کمال کا کرنا خصوص انقیاد و فرمانبرداری کرنا کمال کی بات ہے کیونکہ وطن میں ان امور سے بہت سے موانع پیش

آسکتے ہیں نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے ۔ انتہی

دیکھئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خوب ہی بات فرمائی، اس مقام پر یہ نکتہ اور دوسرے مفسرین نہیں بیان فرماتے لیکن بات چونکہ نہایت ہی عمدہ ہے اسلئے اس مقام کو ذرا اور زیادہ واضح کرتا ہوں ۔ حضرت کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ فئی کے مستحقین میں سے یہ اہل مدینہ بھی جو شمار کئے گئے تو وہ اس لئے کہ وطن میں رہنے کے باوجود یہ لوگ ایک بڑے کمال کے ساتھ متصف تھے اور وہ انکا انقیاد اور امتثال تھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، رہا یہ کہ انقیاد تو مہاجرین نے بھی کیا تھا پھر اس میں اہل مدینہ کی کیا تخصیص ہوئی ؟ اسکے متعلق حضرت فرماتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے ان امور کے اختیار کرنے سے بہت موانع (رکاوٹیں اور مشکلات) پیش آتی ہیں ۔ ثانیاً یہ کہ اپنی ریاست سرداری جاہ و دبدبہ جو وہاں حاصل ہوتا ہے اسکی وجہ سے دوسرے کے اتباع میں عار بھی آتی ہے ۔ پس ان موانع میں گھر کر بھی جب کوئی انقیاد اور فرماں برداری اختیار کرے تو بلاشبہ یہ بھی اسکا ایک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے بعینی اور دیگر کمالات تو خیر کمال ہیں ہی ۔ وطن میں ہوتے ہوئے خود کو ختم اور فنا کرکے دوسرے کو اپنا پیشوا بنالیا اپنی جگہ پر یہ بھی ایک مستقل کمال ہے اور سب کمالوں سے بڑھکر بلکہ انکی اصل ہے اور ایسا کرنا غایت درجہ اخلاص اور ایمان کا ثبوت ہے ۔ پس جیسا کہ مشہور ہے کہ بقدر الکد تکتسب المعالی جس کام میں کسیکو جسقدر تعب اور مشقت برداشت کرنا پڑتا ہے اسی قدر اسکو اجر اور فضل حاصل ہوتا ہے اور موانع کے ہوتے ہوئے پھر کوئی کام کرنا ظاہر ہے کہ ایک دشوار گذار گھاٹی ہے ۔

اب میں مانع کی تفصیل بیان کرتا ہوں کہ وطن میں انسان کے لئے کسی کی اتباع اور انقیاد سے کیا کیا مانع پیش آتے ہیں اسلئے کہ یہ جہل کا زمانہ ہے، دین سے بے مناسبتی عام ہے ۔ فہم رخصت ہوچکی ہے اسلئے جب تک کسی بات کو اچھی طرح سے واضح نہ کیا جائے لوگ اسکو سمجھیں گے ہی نہیں ۔ مثلاً اتنا آپ حضرات نے سنا کہ ــــ وطن میں ان امور سے بہت سے موانع پیش آتے ہیں ــــ بہت سے لوگ ہوں گے جو مانع کے معنی

ہی نہ جانتے ہوں گے۔ میرے ایک عزیز تھے انھوں نے حضرتؒ کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھیجا حضرت نے یہ لکھکر واپس فرما دیا کہ پہلے مانع مرتفع کرو وہ صاحب حالانکہ انگریزی داں تھے کئی سو تنخواہ پاتے تھے مگر اسکا مطلب نہیں سمجھ سکے، نہ مانع کو سمجھے اور نہ مرتفع کرنے کو سمجھے بلکہ حضرت کے منشا کے بالکل خلاف کچھ اور سمجھے پھر مجھ سے پوچھنے لگے کہ حضرت نے یہ لکھا ہے اسکا کیا مطلب ہے؟ پھر میں نے انکو سمجھایا تو سمجھے۔ بات یہ تھی حضرتؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا تھا مگر حالات کی اطلاع حضرت کو نہیں کرتے تھے مشائخ حقہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ بدون کچھ خدمت کئے کسی سے کچھ ہدیہ وغیرہ لیتے طبعاً حیا فرماتے ہیں اور یہی چیز ان کے لئے قبول ہدیہ سے مانع بن جاتی ہے۔ پس حضرتؒ کا بھی یہی مطلب تھا کہ آپ مجھے اصلاحی خط وغیرہ تو کبھی لکھتے نہیں اسلئے مجھے آپ کی خدمت کا کچھ موقع ہی نہیں ملتا اور آپ ہدیہ دیکر میری خدمت کرنے کیلئے تیار، یہ چیز پسند نہ تھی، ہاں آدمی تعلق رکھے، خط وکتابت کرے، کچھ کام لے اسوقت ہدیہ کا بھی مضائقہ نہیں۔ اسی کو حضرتؒ نے ان لفظوں میں فرما دیا کہ "پہلے مانع مرتفع کرو" جو ان کے لئے چیستاں بن گئی۔ یہ حال ہے اس زمانہ میں پڑھے لکھوں کے علم وفہم کا اسلئے جب تک بات کھول کھولکر نہ کہی جائیگی ان کے پلے کچھ پڑیگا نہیں کیونکہ اس قسم کے یہی تھوڑے ہی ہونگے بہت سے لوگ ایسے ہونگے چنانچہ علماء کو چاہیئے کہ جو بات کریں نہایت واضح طور سے بیان کریں۔

اسلئے قرآن شریف ہی کے دوسرے مقام سے ان موانع کی تفصیل بیان کرتا ہوں سنیئے موانع دو قسم کے ہوتے ہیں ایک خارجی، دوسرے داخلی، چنانچہ وطن میں رہ کر کسب کمال سے بالخصوص کسی کے اتباع وانقیاد سے جو چیزیں مانع بنتی ہیں وہ یہی ہیں جنکا بیان حق تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ یعنی اے ایمان والو تمھاری بعضی بیبیاں اور اولاد تمھاری دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ اسکے ذرا آگے فرماتے ہیں إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ یعنی تمھارے اموال اور اولاد تمھارے لئے بس ایک فتنہ کی چیز ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے لئے اسکی بیوی، اسکی اولاد اور اسکا مال یہی تین چیزیں

مانع ہوا کرتی ہیں یعنی آدمی انھیں میں پھنس کر دوسرے کمالات کے اکتساب سے محروم رہتا ہے گویا کسب کمال کے لئے یہی امور مانع ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ازواج کی دشمنی یہ ہے کہ بعض مرتبہ وہ اپنے شوہر کی جانی دشمن ہی ہو جاتی ہیں اور کبھی اسکو قتل تک کر دیتی ہیں اور کبھی کھانے پینے میں زہر ملا دیتی ہیں کبھی اسکی بے عزتی پر کمربستہ ہو جاتی ہیں اور کبھی اسکا تمام مال خرچ کرکے اس کو فقیر و محتاج بنا دیتی ہیں۔ اسی طرح سے اولاد بھی جب دشمن ہو جاتی ہے تو باپ کی ایذار رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتی، نافرمان ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی اپنی بدخلقی کی وجہ سے ایسے امور کا ارتکاب کر لیتی ہے جسکی وجہ سے والدین کو تلخ گھونٹ پینا پڑتا ہے اب ظاہر ہے کہ جب کسی کے گھر میں اس طرح سے اعدا رگھسے ہوں گے تو اس کی زندگی کس قدر فکر و رنج میں گذرتی ہوگی دن کا کھانا اور رات کا سونا اسکے حق میں حرام ہوگا قلب و دماغ پر افکار و ہموم کا ہجوم ہوگا پس ان حالات میں وہ کسب کمال کیا خاک کر سکے گا۔ اسلئے اللہ تعالے نے فرمایا کہ یہ تمھارے دشمن ہیں لہٰذا انکی جانب سے ہوشیار رہنا مطمئن اور بے خوف مت ہو جانا یہ لوگ غرض کے دوست اور مطلب کے ساتھی ہیں اگر تمھاری جانب سے مطلب براری میں ذرا کمی دیکھیں گے تو تو تمھارے مخالف ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں تو مشاہدہ ہے کہ آدمی اپنے بچوں کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا مگر انکا یہ حال ہے کہ ؂

سارى دنیا کے ہوئے میرے سوا ۔۔۔۔ میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

اسی طرح بیوی کا بھی حال ہے کہ اسکی خاطر آپ اپنی جان تک کیوں نہ کھپا دیں مگر جب وہ خفا ہو گی تو یہی کہیگی کہ تمھارے یہاں ہم نے کبھی آرام نہیں پایا۔

پس ان لوگوں کا یہ مزاج اور طبیعت ہو سکتا تھا کہ ہم سے مخفی رہتی اور ہم اسکی وجہ سے کسی تکلیف میں پڑ جاتے اسلئے اللہ تعالے نے خود ہی آگاہ فرما دیا کہ فاحذروھم یعنی ان سے احتیاط رکھنا اور ان کے غوائل اور شر سے مامون نہ ہونا خبر نہیں کب یہ ڈس لیں، یہ تمھارے دشمن ہیں۔ بمانی ۱۲

علماء نے لکھا ہے کہ انکی عداوت یہ ہے کہ یہ لوگ، لوگوں کے حق میں طاعات اور دوسرے امور نافعہ فی الدین سے مانع بن جاتے ہیں چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حرام کمائی پر اسکو ابھارتے ہیں اور کبھی محض اپنی غرض کے حصول کے لیے اس سے معاصی تک کا صدور کرا دیتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ انسان کی ہلاکت اسکے بیوی بچوں کے سبب سے ہوگی یعنی یہ لوگ اسکو فقر پر عار دلائیں گے طنز کریں گے اور طعنہ دیں گے جسکی وجہ سے آدمی بُری سواری پر سوار ہوگا اور ہلاک ہو جائے گا یعنی ناجائز امور کا مرتکب ہوگا جو کہ دینی موت کے مرادف ہے۔

اور کبھی ایسا بھی ہوگا کہ وہ لوگ اسکو مجبور نکریں گے مگر انکی محبت اور شفقت خود اس شخص کو آمادہ کرے گی کہ ان کے لئے راحت و آرام کا سامان کرے تاکہ وہ اسکی زندگی میں بھی اور اسکے مرنے کے بعد بھی تکلیف نہ اٹھائیں آرام سے رہیں اس خیال کے پیش نظر محظورات کا ارتکاب خود بخود کرے گا اگرچہ انکی جانب سے کوئی مطالبہ نہو، اور ہلاکت میں پڑے گا۔ (ممنوعات[۱۲]) مفسرین نے آیت کے سبب نزول کے موافق اسی ثانی قول کو فرمایا ہے۔

اب یہ سمجھیے کہ اللہ تعالےٰ نے انکی عداوت پر ہمکو مطلع تو فرمادیا اسلئے تاکہ ہم ضرر سے محفوظ رہ سکیں لیکن اعتدال سے تجاوز کرکے ہماری جانب سے اسکے ردعمل میں یہ بھی ممکن تھا کہ ہم انکو ایسی سزا دیتے جو ان کے جرم سے زائد ہوتی یا عداوت کا جواب عداوت سے دیتے جس کا انجام یہ ہوتا کہ ہمارا ہر گھر میدان کارزار ہو جاتا تو ظاہر ہے مفاد زندگی کا یک لخت خاتمہ ہو جاتا اور زندگی تلخ ہو جاتی اس لئے اس میں اعتدال قائم فرمانے کے لیے آگے ارشاد فرمایا کہ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یعنی تم اگر ان کے ان گناہوں کو جو قابل عفو ہوں یعنی جو امور دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت ہی سے متعلق ہوں مگر مقارن بالتوبہ ہوں انکو معاف کردو یعنی انھیں اس پر کوئی سزا نہ دو اور صفح کرو یعنی درگذر کردو اور انھیں عار بھی نہ دلاؤ۔ اور مغفرت کردو یعنی انھیں چھپالو اور کسی سے اسکا ذکر تک نکرو تو جان لو کہ اللہ تعالےٰ غفور رحیم ہے یعنی

تمہارے ساتھ آخرت میں وہ بھی ایسا ہی معاملہ فرمائے گا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ :۔
اہل مکہ کی ایک قوم مسلمان ہوئی اور انکا ارادہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اس پر انکی بیویوں بچوں نے انکو روکا کہ ہم کو یہاں چھوڑ کر کیسے جاؤ گے اسوقت تو یہ لوگ رک گئے لیکن بعد میں جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ اور دوسرے لوگ جو پہلے سے آئے تھے وہ فقیہ ہوگئے ہیں یعنی انکو دینی معلومات کہیں زیادہ حاصل ہوگئی ہیں تب انھیں تاخیر پر افسوس ہوا اور اپنے بال بچوں پر غصہ آیا اور یہ طے کرلیا کہ گھر پہونچکر انکو خوب سزا دیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم انکو معاف کردو اور درگذر کرجاؤ اور بخشدو یعنی انکو سزا مت دو اور زیادہ ملامت بھی نکرو اور دل و زبان سے اسکو بھلا دو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور تمہارے حال پر رحم کرنے والا ہے۔ اس میں ترغیب ہے عفو کی اور یہ بعض اوقات واجب ہے جبکہ عقوبت سے احتمال غالب بیباکی کا ہو اور بعض اوقات مندوب ہے (بیان القرآن ص۱۲ جلد۱۲)

سبحان اللہ کیا کلام ہے اور سب پہلو کی کیسی رعایت فرمائی ہے کہ پہلے تو انکو دشمن بتلایا تاکہ لوگ ہوشیار رہیں اور بعد میں عفو و مغفرت کی بھی ترغیب دی تاکہ آپس کے تعلقات میں بھی فرق نہ پڑے اور گھر خراب نہو جائے اور اہل و اولاد خانماں برباد نہ ہوجائیں کیونکہ اسکے بعد پھر انکو کون پوچھے گا۔

نیز یہ کہ ازواج کی بداخلاقی سے شوہر کو اجر بھی تو ملتا ہے، اسی پر صبر کرنے کیوجہ سے کتنے لوگ اللہ تعالیٰ کے ولی ہوگئے ہیں کیونکہ یہ بڑا زبردست مجاہدہ ہے بلکہ جہاد اکبر ہے۔ بدون ایمان کامل اور توفیق خداوندی کے کوئی شخص اس پر آسانی سے قادر نہیں ہوسکتا۔ ایک بزرگ کی اہلیہ بدخلق تھیں مگر وہ اس پر صبر کرتے تھے اور جب کوئی ان سے اسکی شکایت کرتا تو اسکو سختی کے ساتھ روکدیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میں اپنے کانوں سے اپنے ہی اہل کی شکایت سنوں یہ نہیں کرونگا اور جب ان سے تعلق ختم ہوگیا اسوقت کوئی کرتا تو فرماتے کہ اب جس سے کچھ لینا دینا نہیں اسکی برائی میرے سامنے

خوامخواہ کے لئے بیان کرتے رہو۔

بہر حال ہے یہ سخت دشوار گذار گھاٹی کہ ایک شخص دشمن بھی ہے اور اس سے چولی دامن کا ساتھ بھی ہے اب اسوقت نباہ کرنا اسطرح سے کہ اسکی دشمنی کے ضرر سے خود کو بچائے رکھے اور اپنے دین میں بھی فرق نہ پڑنے دے بڑا مشکل مسئلہ ہے اسی کو حضرتؒ (تھانوی) نے فرمایا کہ —— اپنے وطن میں اکتساب کمال کرنا خصوص انقیاد و فرمانبرداری کرنا کمال کی بات ہے۔ کیونکہ وطن میں ان امور سے بہت موانع پیش آتے ہیں نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے۔

اب تو وطن میں پیش آنے والے خارجی موانع آپ کی بھی سمجھ میں آگئے ہونگے دیکھئے آپ کسب کمال کیلئے دہلی چلے جائیے تو آپ کے بال بچے مانع نہیں آدیں گے یہ خیال کریں گے کہ جاتے ہیں تو جاتے دو جب وہاں سے آئیں گے تو عمدہ عمدہ سوغات لادیں گے لیکن آپ وطن ہی کسی جگہ اگر علم و عمل اور اخلاص سیکھنے کے لئے جائیں تو چند ہی دنوں میں آپ کے گھر ہی کے لوگ آپ کی مخالفت کرنے لگ جائیں گے اسلئے کہ اس میں انکا تو کچھ نفع نہیں اور آپ کو کیا نفع ہوتا ہے اول تو یہ ان کے مشاہدہ میں نہیں ثانیاً انکو اسکی پروا بھی نہیں کہ آپ کو نفع ہو رہا ہے یا نہیں انکو تو اپنے نفع سے کام ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو پیش کر کے کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جسکے عیال نے اسکی حسنات کو کھالیا ہے چنانچہ بعض سلف سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ عیال طاعات کے لئے بمنزلہ سوس اور گھن کے ہیں یعنی ان کے ہوتے ہوئے انسان کی طاعات کمال کو نہیں پہونچ سکتی اس لئے کہ یہ لوگ ضرور کچھ نہ کچھ حصہ لے لیتے ہیں۔ غرضکہ وطن میں کسب کمال کے یہ سب تو خارجی موانع ہوئے جو انسان کو باہر سے پیش آتے ہیں۔

اسی طرح اب سنئے کہ اکتساب کمال اور کسب فیض سے اکثر انسان کو اس کے داخلی موانع بھی روک دیتے ہیں جسکو حضرتؒ نے ان لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے کہ "نیز اپنی ریاست و وجاہت کی وجہ سے عار بھی آتی ہے" —— مطلب یہ ہے کہ وطن میں آدمی کو

ریاست ۔ سرداری اور جاہ حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ دوسرے کے آگے جھکنے میں عار محسوس کرتا ہے ۔ اب کوئی شخص اس پہاڑ کو پاش پاش کرکے اپنے نفس کو کسی مقامی بزرگ کے آگے لاگرا دے تو بلاشبہ یہ اسکا کمال ہے بلکہ دیگر سارے کمالات کی اصل یہی ہے کیونکہ جب اپنے کو اس پر آمادہ کردیا تو عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ اسکے فیض سے فیضیاب ہوگا اور پھر مدارج کمالات میں یومًا فیومًا بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ عار تو وہ مانع اکبر ہے جو انسان کو تحصیل کمالات سے روکدیتی ہے ۔

میں کہتا ہوں کہ اسی عار کی وجہ سے ہر زمانہ میں لوگوں نے انبیاء کا انکار کیا، اولیاء کا انکار کیا، خاصکر وطن والے تو جلدی کسی کو مانتے ہی نہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں رؤسا قریش نے جو نہیں مانا تو اسی عار کی وجہ سے گو بعد میں چلکر ایک ایک کو جھکنا پڑا اور آپ کی ریاست کے آگے کسی کی ریاست باقی رہ نہیں گئی ۔ اسیطرح سے مدینہ کے سب لوگوں نے اپنی عار اپنی نخوت اور اپنی جاہ سب کو شیطان کے حوالہ کرکے آپ کے آگے جھک گئے سوا دو ایک کے کہ ان کو اسی عار اور جاہ نے چلنے نہیں دیا۔ ان میں سے ایک شخص عبداللہ ابن ابی بھی تھا جس کے متعلق خود ان کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے وہ فرماتے ہیں کہ : ۔

" یا رسول اللہ ! اس جبیل کے پاس بسنے والوں نے اتفاق کیا تھا کہ میرے باپ کو تاج پہنائیں گے کہ اسی اثناء میں اللہ تعالے نے آپ کو بھیجدیا، آپ کو عظمت و رفعت عطا فرمائی اور اسکو پست کردیا " ـــــ ایک اور صحابی بیان فرماتے ہیں : ۔

جس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں لایا اسوقت اسکی قوم اسکے لئے جواہرات پرو رہی تھی تاکہ اسکا تاج بناکر اسکے سر پر رکھے ابھی تیاری میں ایک جوہر کی کسر تھی ہنوز تاج ناکمل تھا کہ آپ تشریف لے آئے اور اسکی سرداری ختم ہوگئی) پس اس نے خیال کیا کہ جیسے آپ نے اسکا ملک ہی چھین لیا ہو ۔ اسلئے مخالف ہوگیا اور اتباع سے عار کیا ۔

غرضکہ جاہ و ریاست کا سودا بھی ایسا ہوتا ہے کہ جب یہ سر پر سوار ہوتا ہے تو آدمی سے عقل و فہم بھی رخصت ہوجاتی ہے اور بالکل دیوانہ اور غرض کا مجنون ہی ہوجاتا ہے

یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے ہر زمانہ میں باہر کے لوگوں کو مانا ہے خواہ وہ کچھ زیادہ اہلیت بھی نہ رکھتے ہوں اور مقامی شخص کی تو مخالفت ہی کیجاتی رہی ہے خواہ اس میں کام کرنے اور نفع پہونچانے کی صلاحیت تامہ ہی کیوں نہو۔

اسی قبیل سے میں اسکو بھی سمجھتا ہوں کہ لوگ دین کا کام کرنے کیلئے باہر سے لوگوں کو بلاتے ہیں اس میں بہت بہت روپیہ صرف کرتے ہیں اور اتنا نفع نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ باہر کا شخص کے دن آپ کے یہاں دین سکھانے کے لئے رہ سکتا ہے تین چار دن میں وہ کیا دین سکھلا دے گا؟ اسکے لئے تو ضرورت ہے کہ روزانہ کسی سے ملا جائے اور ایک ایک بات اس سے سیکھی جائے کچھ دنوں میں آدمی بہت کچھ سیکھ لے گا۔ کام تو کام ہی کے طریقہ سے ہوگا چاہو کہ طریقہ کو ترک کردو اور کام ہو جائے ناممکن ہے۔ اس سلسلہ میں عوام تو عوام، دیکھتا ہوں کہ پڑھے لکھے لوگ بھی ان کے دوش بدوش نظر آتے ہیں یعنی جن لوگوں میں کام سیکھ کر کام کرنے کی صلاحیت بھی ہوتی ہے وہ بھی خود کام نہیں سیکھتے اور خود نہیں کرتے بلکہ دوسروں ہی کو دعوت دیتے ہیں۔ جانتے ہو کیا بات ہے انکے یہاں کوئی اہل ہوتا ہی تو اس سے کچھ حاصل کرتے میں ہم وطن ہونے کی وجہ سے عار محسوس کرتے ہیں اور باہر کے لوگوں کے متعلق اسکا خیال نہ ہوتا ہوگا حالانکہ جس عیب سے بچنے کے لئے وہ مقامی شخص کے پاس نہیں جاتے وہ عیب اب بھی ان کے سر رہتا ہے کیونکہ عوام جب دیکھتے ہیں کہ انکو نفع پہونچانے کے لئے باہر سے لوگ آتے ہیں اور یہ لوگ نہیں پہونچا سکتے تو ان کو نظر اعتبار سے ساقط کر دیتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ لوگ کچھ ہیں نہیں اور ان کو اس رائے کے قائم کرنے کا موقع یہی لوگ دیتے ہیں۔ اسلئے یہی اس کے ذمہ دار ہیں انکے لئے یہ کچھ کم ذلت کی بات ہے مگر فہم کی کمی کی وجہ سے اسکو محسوس نہیں کرتے

حاصل اس تمامتر گفتگو کا یہ نکلا کہ بلا شبہ وطن میں کسب کمالات کے لئے بہت سے موانع ہوتے ہیں لہذا فضیلت اس شخص کے لئے ہے جو ان موانع سے نکلکر کسب فیض کرے اور کسی مقامی شخص سے جو اہل ہو اس سے نفع حاصل کرے۔ ختم شد

(عقیدت کا مفہوم)

فرمایا کہ ـــــ طریق میں عقیدت کو جتنی اہمیت حاصل ہے اسی قدر لوگ آج اس کی حقیقت سے ناواقف ہیں زبان پر تو ہر شخص کے یہ لفظ جاری ہے لیکن اسکے معنی اور مطلب سے بہت کم ہی لوگ ایسے ہیں جو واقف ہونگے عوام تو عوام اہل علم بھی جو اپنی تمام عمر پڑھنے پڑھانے میں صرف کرتے ہیں جب عقیدت کی تشریح کرنے پر آتے ہیں تو انکی زبان لڑکھڑا جاتی ہے اور اسکے صحیح مصداق کی تعبیر نہیں ہو پاتی۔

اعتقاد، تصدیق، یقین اور اذعان یہ سب الفاظ قریب قریب ہم معنی ہی ہیں۔ یقین کے معنی آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی امر کی اسطرح سے تصدیق کرنا جسمیں شک و شبہ اور تردد نہو، کیونکہ اگر تردد ہوگا تو وہ تصدیق نہو گی بلکہ تصور ہوگا یہی وجہ ہے کہ علمائے معقول نے شک اور وہم وغیرہ کو جو کہ تصدیق سے خالی ہوتے ہیں تصور کی قسم قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصدیق نام ہے یقین اور اذعان کا۔ بس اسی کو عقیدت اور اعتقاد بھی کہتے ہیں پس جسطرح سے کہ اللہ و رسول کی تصدیق کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ انکو جملہ اخبارات میں صادق مانا جائے اور انکی کسی بات میں شک و تردد نہو کیونکہ شک منافی ہے ایمان کے اسی طرح کسی بزرگ کے ساتھ عقیدت کے یہ معنی ہیں کہ انکے کمال کا یقین کرے یعنی دل سے یہ جانے کہ یہ کامل ہیں اس میں کسی قسم کا تردد اور شک و شبہ نہو۔ اسکے خلاف اگر نفس اور شیطان کیطرف سے کوئی وسوسہ آوے تو اس کو بالقصد و الارادہ دور کرے اور اپنے نفس اور شیطان کی اس امر میں تکذیب اور نفی کرے اور اس وسوسہ کیخلاف کا اثبات۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اعتقاد اور تصدیق یونہی نہیں حاصل ہو جایا کرتی بلکہ یہ ایک کسبی چیز ہے کسب و اختیار کو اس میں دخل ہے آدمی جب ارادہ کر کے اسکو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیگا تب یہ حاصل ہوگی چنانچہ دیکھئے اسی چیز کو حاصل کرانے کیلئے حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا گیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ کس قدر مہتم بالشان چیز ہے۔ عقلاء زمانہ کے حوالہ اسکو نہیں کیا گیا کہ وہ اپنی عقل سے اللہ و رسول کے ساتھ اعتقاد پیدا کر لیں اور یہ اسی لئے کیا گیا تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ عقل انسانی اسکے لئے کافی نہیں ہے بلکہ جسطرح سے کہ ایک عامی شخص اس باب میں نبی کی تصدیق اور انکی اتباع کا مکلف ہے اسیطرح سے ایک عالم اور عاقل بھی محتاج ہے۔ عقل بیچاری اس راہ میں بالکل عاجز ہو کر رہجاتی ہے چنانچہ مولانا روم نے بھی اہل عقل اور فلسفی کا راستہ پر خطر بتایا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تو الفوز الکبیر میں یہاں تک لکھدیا ہے کہ اگر تم منافقین کا نمونہ اس دور میں دیکھنا چاہو تو اہل معقول کو دیکھو کہ کچھ کچھ شبہات عقائد اسلامیہ کیجانب سے اپنے دل میں ضرور رکھتے ہیں۔ انتہیٰ۔

(بقیہ مکتوب نمبر ۲۰۶)

(اسکے ساتھ یہ تحریر بھی بھیجی گئی)

سنو! تعلقات حجاب ہیں ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی چو پیوند ہا بگسلی واصلی

یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق صحیح ہونے میں مخلوقات کے تعلق یعنی مال کا تعلق، بیوی بچوں کا تعلق، دوست احباب کا تعلق یہ سب کے سب حجابات ہیں لیکن شیخ کے تعلق کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ شیخ کا تعلق تو مطلوب ہے اسلئے کہ تعلق باللہ کا ذریعہ اور واسطہ ہے یہ جسقدر زیادہ قوی ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کا تعلق قوی ہوگا۔

میں گو تم سے جدا ہوں اور تم مجھ سے جدا ہو لیکن یہ باطنی تعلق اگر قائم ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہی نفع ہے کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کے پیدا کرنے کے لئے یہ صورت پیدا فرمادی ہو کیونکہ دل چاہتا تھا کہ تم لوگوں کا کام کروں مگر کوئی صورت ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی اللہ تعالیٰ نے غیب سے یہ صورت پیدا فرمادی۔ الحمدللہ اسکا نفع بھی دیکھ رہا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۲۰۷)

حال: اسدفعہ عام متوسلین متسند بیحد متاثر ہیں اور حضرت والا کی مفارقت سے بیحد گرفتہ دل ہیں چہروں پر رونق معلوم نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ ظل رحمت کو بکمال صحت و سلامتی ہمیشہ کرم پاش خلائق رکھیں۔ آمین۔

تحقیق: عنایت فرمائے بندہ جناب حکیم صاحب دام عنایتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپکے خط سے آپ کا نیز دوسرے احباب کا حال معلوم ہوا فراق پران سب کے تاثرات سے متاثر ہوا اور ان کے اس حال سے مسرور بھی ہوا اسلئے کہ اہل اللہ وصل و فراق ان دونوں حالات سے دوچار ہوتے ہیں لیکن فرماتے ہیں کہ فراق وصال سے بہتر اور بڑھکر ہے اسلئے کہ سالکین کو جو مدارج اور مقامات ملتے ہیں وہ فراق ہی میں ملتے ہیں اسلئے اہل اللہ کو اپنی یہ حالت بہت ہی محبوب ہوتی ہے اور جن حضرات کو محبوب کی معرفت ہوجاتی ہے ان کے لئے دونوں حالتیں

یکدرجہ مساوی ہو جاتی ہیں اور اسوقت وہ یوں مترنم ہوتے ہیں کہ ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از و غیر او تمنا ئے

(یعنی فراق و وصال کیا چیز ہوتی ہے دوست کی خوشنودی طلب کرنا چاہیئے اسلئے کہ حق تعالےٰ سے اسکی ذات کے علاوہ اور کسی چیز کا سوال کرنا ظلم اور افسوس ہی کی بات ہے) اسی کو کسی نے یوں کہا ہے کہ ؎

میل من سوئے وصال و میل او سوئے فراق ترکِ کام خود گرفتم تا برآید کار دوست

(یعنی میری رغبت محبوب سے وصال میں ہے اور اسکا خیال مجھ سے فراق ہی اختیار کئے ہوتا ہے لہٰذا میں نے اپنے ارادہ کو ختم کیا تاکہ میرے محبوب کی بات اونچی رہ جائے) اور (اسکو) عربی کے ایک شاعر نے یوں کہا ہے کہ ؎

ارید وصالہ ویرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید

میرا خیال وصال کا ہے اور اسکا فراق کا پس میں اسکی خواہش کا لحاظ کرکے اپنے ارادے کو ختم کئے لیتا ہوں۔ بہت اچھا حال آپ نے لوگوں کا لکھا، ان سے فرما دیجئے کہ آپ لوگوں کے اس تاثر سے خوش ہوا کہ الحمد للہ جو حال ہونا چاہیئے تھا اور جی چاہتا تھا کہ آپ کو اس پر دیکھوں الحمد للہ کہ اسکے آثار نمودار ہو چلے ہیں۔

آپ کو فراق و جدائی کا قلق ضرور ہوگا بہرحال ان تھوڑے سے ایام کو کسی طرح گذار لیجئے، یہاں بھی کچھ کام کرنا ہے کام کرکے حاضر ہوتا ہوں۔ والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہٗ

(یعنی الہ آباد اور اطراف الہ آباد والوں میں کچھ کام کرنا ہے کرکے جلد ہی بمبئی آتا ہوں)

مکتوب نمبر ۲۰۸

(الہ آباد سے جلد ہی بمبئی واپس ہو جانے پر اہل الہ آباد کا حال اور ان کے قلق کا منظر)

حال: اللہ تعالیٰ ظل عطوفت کو ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے اور حضرت کی ذات گرامی سے ہم سب کو مستفیض فرماتا رہے اور تمام عالم کو حضرت والا کے نور باطن سے منور و معمور فرمائے عرض حال کیا کروں تحریر سے باہر ہے۔ اسدفعہ حضرت والا کی جدائی کے صدمے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رنج والم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا، حزن وغم سے دل پارہ پارہ ہو رہا ہے

تحقیق: حال تحریر سے باہر ہی ہوا کرتا ہے یہ عشق ومحبت کا اصلی لون ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن دل بدستِ دگرے دادن وحیراں بودن

(یعنی کسی نے دریافت کیا کہ عاشقی کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا اس سے کہو کہ عاشقی نام ہے اپنے محبوب کا غلام ہوجانا اور اپنے دل کو دوسرے کے ہاتھ میں دیکر حیران وپریشان سا رہنا)

سوئے زلفش نظرے کردن ورویش دیدن گاہ کافر شدن وگاہ مسلماں بودن

(کبھی اسکی سیاہ زلف کو دیکھنا اور کبھی اس کے حسین چہرہ کو دیکھنا اس طور پر گویا کبھی کافر ہونا اور کبھی مسلمان ہوتا)

حال: کوئی چیز بھی اچھی نہیں معلوم ہوتی نہ تو کہیں دل ہی لگتا ہے نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بس یہ جی چاہتا ہے کہ گوشۂ تنہائی میں پڑا رہوں اور وہاں حضرت والا کی یاد کے سوا اور کچھ نہ ہو۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ سالک محترم کا حال وہی ہے جسکو کسی نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

دل ڈھونڈھتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

یا جس کو اہل حقیقت نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی اکیلے بیٹھے ہوتے یاد انکی دلنشیں ہوتی)

تحقیق: شعر جو (میں نے) لکھا ہے (یعنی عاشقی چیست الخ) اسی حالت کا بیان ہے۔

حال: حضرت والا یہ نالائق اور نااہل آپ سے محبت کا دعوی تو نہیں کرسکتا لیکن اتنا عرض کرتا ہوں کہ حضرت والا کی بے انتہا عنایات اور بے پایاں شفقت ومحبت نے قلب پر ایسا سکہ جما لیا ہے کہ میرا چین وسکون بس آپ ہی ہیں اور اس سے زیادہ تحریر سے قاصر ہوں

تحقیق: مبارک ہو یہ سکہ اور اس کا جمنا اس سے زیادہ کوئی کیا لکھ سکتا ہے سچ کہتے ہو

حال: حضرت والا کی صحت وقوت کے لئے برابر دعا کرتا رہتا ہوں اللہ تعالیٰ صحت کو قائم کرکے قوت میں اور زیادہ ترقی بخشے۔ اگر کوئی بات خلاف ادب ہو تو معاف فرمایا جائے اور احقر کے لئے دعا فرمائیں کہ اس دار دنیا میں حضرت والا کے صدقہ میں ایمان کی تکمیل

ہو جائے اور حضرت والا کے صدر مبارک سے نسبت احسان کا کچھ حصہ عنایت ہو جائے۔
تحقیق: آمین۔ دعا کرتا ہوں۔

(اسکے ہمراہ یہ تحریر بھی گئی)

میں لوگوں میں جس قسم کے حالات کا انتظار کرتا ہوں الحمد للہ کہ تمھارے اندر اس طرح کے حالات پیدا ہو رہے ہیں اگر اسی طرح سے اور کچھ لوگ ہو جائیں تو میں یہ جو کہا کرتا ہوں کہ لوگ صرف بدن پر گرنا چاہتے ہیں اس سے توبہ کر لونگا اور یہ سمجھ لوں گا کہ لوگ کام پر لگ گئے ہیں۔ میں نے فلاں کو بھی اسی قسم کا جواب لکھا اسکو تم بھی دیکھ لینا۔

آنعزیز نے یہ جو تحریر کیا ہے کہ جدائی کے صدمہ سے اور حزن وغم سے دل پارہ پارہ ہو رہا ہے کوئی چیز اچھی نہیں معلوم ہوتی ——— اسکے متعلق کہتا ہوں کہ اہل طریق کے نزدیک یہ حال اچھا ہی اور سالک کے اندر اسکا پیدا ہونا ضروری ہے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کے پیدا ہونے کیلئے یہ صورت مقدر فرمائی ہو۔ ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ صاحب الحزن یقطع من طریق اللہ مالا یقطعہ من فقد حزنہ سنین (یعنی حزن وغم والا اللہ تعالیٰ کے راستہ کو تھوڑی ہی مدت میں اتنا طے کر لیتا ہے کہ فاقد حزن اتنا راستہ سالہا سال میں بھی طے نہیں کر پاتا) اور میں کہتا ہوں کہ غیر اللہ سے قلب صاف نہیں ہوتا اور دوسرے علاقے ختم ہی نہیں ہوتے جبتک کہ محبت اور عشق قلب میں نہیں آجاتا محبت مثل جھاڑو کے ہے جو کہ غیر اللہ کے خس وخاشاک کو اور اسکے میل کچیل کو قلب سے کھرچ کر پھینک دیتی ہے اسی کو مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

ہر کرا جامہ ز عشقی چاک شد　　او ز عیب و حرص کلی پاک شد

یعنی جس کا جامہ عشق سے چاک ہوگیا یعنی وہ عاشق ہوگیا وہ عیوب نفس سے اور حرص دنیا سے بالکلیہ نکل گیا اسمیں طریق میں قطع تعلقات ماسوا اور زوال حرص دنیا کا بتلانا منظور ہے کہ اسکا حصول بذریعہ عشق کے بہت سہولت سے ممکن ہے اسکی بدولت آدمی حرص اور جمیع نقائص اور اخلاق ذمیمہ سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔

حضرت مصلح الامۃ کے مکتب اصلاح کے یہ وہ نمونے تھے جو عام سالکین کی اصلاح کے سلسلے میں حضرت کے یہاں دیکھے جاتے تھے۔ اب بعض وہ نمونے بھی ملاحظہ فرماتے چلئے جو خواص اور اخص الخواص، منظور نظر طالبین کی اصلاح کے سلسلے میں معرض وجود میں آتے رہے، اسمیں شک نہیں کہ ان چند ہی مکاتیب کے مطالعہ سے حضرت اقدس کی شان شفقۃ علی الامۃ اور ایک طالب خدا کے ساتھ حضرت کی قلبی محبت کا پورا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ افسوس اب کہاں یہ شفقت بھری اصلاح دیکھنے میں آئیگی اور کہاں ایسا ساقی نظر آئیگا، بس اب تو یہ حال ہو رہا ہے ؎

یہ حالت ہوگئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
کہ خم کے خم بھرے رکھے ہیں اور میخانہ خالی ہے

اب وہ خطوط ملاحظہ فرمائیے :-

بعض خواص کے مخصوص خطوط

حال: حضرت والا کے سمجھانے سے یہ بات دل میں جگہ پکڑتی جارہی ہے۔
تحقیق: نہایت مبارک ہے (یہ حال) یہی انتفاع بالعلم ہے اسکے بعد عمل ہے۔
حال: کہ اللہ و رسول کے دربار کے محبین جو نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح معنوں میں حق ادا کر رہے ہیں ان حضرات کی جیسی کچھ کہ شان و عظمت ہے اس اعتبار سے ان سے تعلق و محبت کا دعوی کرنا جھوٹ ہی ہے۔ تحقیق: اور کیا۔
حال: اور جسقدر بھی تعلق حاصل کیا جائے کم ہے۔ تحقیق: بیشک
حال: اس راہ میں اصل چیز شیخ سے قلبی محبت و انس اور تعلق ہے۔ تحقیق: بیشک
حال: دل میں اکثر یہ خیال آیا جایا کرتا ہے کہ یہ قرب جو حضرت والا سے حاصل ہے یہ بھی بہت بڑا فضل ایزدی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ، بیشک۔
حال: ظاہر دولت اس سے جتنی بھی حاصل ہو جائے ہو جائے مگر باطنی دولت جو کہ اللہ و رسول کی سچی محبت و معرفت ہے وہ تو حضرت والا کی جوتیوں کے صدقہ

ہی میں حاصل ہوسکتی ہے (یعنی محض قرب بدنی اس کے لئے کافی نہیں)

تحقیق، بالکل صحیح ہے۔

حال، حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ فہم ظاہری اور فہم باطنی سے نوازیں

تحقیق: دل سے دعا کرتا ہوں

حال، اور حضرت والا کی سچی معرفت اور قلبی انس وتعلق سے نوازیں۔ **تحقیق**، آمین ثم آمین ثم آمین

حال، تاکہ اپنی بگڑی بن جائے۔ **تحقیق**، آمین ثم آمین ثم آمین۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدسؒ کا معمول عام طور سے تو یہ تھا کہ کسی طالب دعا کے جواب میں ایک مرتبہ آمین تحریر فرمایا کرتے تھے یہاں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دو دفعہ تین تین بار آمین تحریر فرمایا (یعنی یہ کہ آمین، ثم آمین، ثم آمین تحریر فرمایا) اس سے حضرت والا کے طالب موصوف کے حال کیجانب اعتنا کا اندازہ ہوتا ہے کہ جس رفتار پر انکو چلنا دیکھنا چاہتے تھے دیکھا اور جس حال کی توقع فرمائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ سے اصرار والحاح کے ساتھ اسکی دعا فرمائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

(انھیں سالک کا دوسرا خط ملاحظہ فرمائیے)

(حضرت مرشدی نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے یہاں درس وتدریس کا بھی سلسلہ قائم فر رکھا تھا اپنے چاروں نویسش کو خود ہی پڑھایا کرتے تھے اس درس میں خانقاہ میں مستقل قیا کرنے والے بعض حضرات بھی شریک رہتے تھے، چنانچہ ان طلبا سے بھی خانقاہ کے طرز کا امتحان ہوتا تھا مثلاً یہی کہ کبھی کبھی یہ سوال ہوتا تھا کہ میں جو آپ لوگوں کو پڑھا رہا ہوں اسکے لئے وقت دے رہا ہوں اسکا کیا ثمرہ مرتب ہو رہا ہے اسکو بیان کیجئے ورنہ یہ سمجھ لیجئے کہ میرا ضمیر اس پر راضی نہیں ہے کہ میں بلا کسی نتیجہ کے اپنا وقت ضائع کروں۔ ایک مرتبہ اسی نوع کا کچھ سوال ہوا اس پر ایک صاحب نے یہ جواب پیش فرمایا):۔

حال: حضرت والا نے فرمایا کہ سبق اسلئے ہوتا ہے کہ علم سے مناسبت پیدا ہو، عقل صحیح اور فہم سلیم اور تجربہ کی زیادتی ہو (اور دیکھتا ہوں کہ) یہ نہیں ہو رہا ہے اسلئے میرا

اسکے لئے راضی نہیں کہ میں اپنا وقت ضائع کروں، تو حضرت والا کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے بیشک حضرت والا جتنی کاوش اور تکلیفیں برداشت کر کے اور اپنا خون پسینہ ایک کر کے پوری توجہ اور رغبت سے پڑھاتے ہیں اس اعتبار سے تو حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ بالکل ہی خالی خولی ہیں اور حضرت والا کی سعی گرانمایہ کی قدر کچھ تو عام قویٰ کی کمزوری اور کچھ بیفکری اور ناعاقبت اندیشی اور خلوص کی کمی کی وجہ سے نہیں ہو رہی ہے اور یہ چیز ہمارے لئے افسوس صد افسوس خون رونے کی چیز ہے، اور حضرت والا کے لئے بھی بہت گھٹن اور روحی کوفت کا باعث ہے۔

حضرت والا اس سلسلہ میں میں تو اپنے آپ کو (بالکل ہی) طفیلی سمجھتا ہوں کہ کوزۂ مصری کے ساتھ ساتھ ایک حقیر دھاگے کا بھی گذر ہو جاتا ہے بلکہ اسی قیمت کو فروخت ہو جاتا ہے اسلئے میری زبان یہاں نہیں کھلتی کہ میں علم سے مناسبت اور استعداد کے متعلق حضرت سے عرض کروں۔ ہاں البتہ یہاں دو چار اشخاص ایسے ہیں کہ حضرت والا کی سعی (انشاء اللہ تعالیٰ) رائیگاں نہیں جائیگی۔

یوں تو حضرت والا کے اعلیٰ معیار اور کسوٹی کے سامنے (سب ہی لوگ) نکمے ہی ثابت ہوں گے مگر عام حالات کے اعتبار سے جیسا کہ (عام طور سے) مدرسہ اور اہل مدرسہ کے حالات دیکھے جارہے ہیں کہ مدارس زیادہ ہوتے جارہے ہیں اور علم نایاب اور پڑھنے پڑھانے والے کمیاب ہو رہے ہیں، اس دنیا میں ان میں حضرت والا کے فیوض و برکات کے طفیل میں امید ہے کہ چند لوگ کام کے ثابت ہوں گے اور حضرت والا کی سعی وصول ہو جائیگی اور ان ہی حضرات کے طفیل میں ہم جیسے بد استعداد اور بدفہم کے کانوں میں بھی قرآن وحدیث کے صحیح معنی ومطلب حضرت والا کی زبان مبارک سے سنکر پڑ جاوے گا اور ایسے ہی سنتے سناتے بہت کچھ پلے پڑ جانے کی امید ہے کہ ؎

مستی کے کیلئے بوئے مئے تند ہے کافی میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

حضرت والا دعا فرماویں اور اللہ تعالیٰ اس حقیر خادم پر اپنا فضل فرماویں اور حضرت والا کے فیض سے نوازیں۔

الحمدللہ حضرت والا کی توجہ سے پہلے کے اعتبار سے بداستعدادی اور بدفہمی میں فرق پاتا ہوں (یعنی استعداد وفہم بہ نسبت پہلے کے بہت کچھ بڑھی ہے، اور کوشش کرونگا کہ اور بڑھے۔

(حضرت مصلح الامۃ کا انتہائی شفقت آمیز جواب)

آپ نے سب صحیح تحریر فرمایا ہے، اب میری (داستان) سنو اور غور سے سنو! شاید دیوبندیوں میں (یعنی مدرسہ دیوبند میں) اور اہل تھانہ بھون میں مجھ سے بداستعداد کوئی نہ تھا مگر اب دیکھ رہا ہوں کہ جائے استاد خالی است بجز اس خاکسار کے کوئی کام کرنیوالا نہیں، یہ اسوقت کی بات ہے جو مشاہدہ کر رہے ہو پہلے کی سُنو! ہمارے سَرگروہ سید احمد صاحب بریلویؒ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے یہاں پڑھنے گئے، کافیہ پڑھتے تھے ایک دفعہ مولانا کے پاس رونے لگے کہ مجھکو تو کافیہ کے حروف ہی نظر نہیں آتے مجھکو علم کیا آویگا۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) نے فرمایا کہ پڑھنا چھوڑ دو تم کو کتاب سے علم نہ آویگا علم لدنی ملیگا، چنانچہ اس دور کے علماء فحول انکے شاگرد ہوئے۔ مولانا مملوک علی صاحب جب دہلی پڑھنے گئے تو دو تین دن پڑھانے کے بعد ہر استاد انکار کر دیتا تھا کہ تم غبی ہو یہ مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کے پاس گئے کہا کہ ہمکو پڑھنے کا شوق ہے کوئی پڑھاتا نہیں مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ (تمکو) ہم پڑھائیں گے (صرف) تین دن پڑھایا اور فرمایا کہ جاؤ اب جس استاد سے پڑھوگے پڑھائیگا، چنانچہ استاذ العلماء ہوئے، مولانا گنگوہی، مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے استاد تھے۔ خوب سمجھ لو۔

(ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت والا کی یہ بازپرس اور بظاہر عتاب کسقدر سخت ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے کہ تعلیم دین اور درس وتدریس سے جو میرا مقصد تھا آپ لوگوں میں اسکا حصول نہیں دیکھ رہا ہوں اسلئے میرا ضمیر اسکے لئے راضی نہیں کہ (خوامخواہ آپ لوگوں کو وقت دیکر اپنا وقت ضائع کروں ——— لیکن طالبعلم موصوف نے بھی جو کہ سالک بھی تھا اسکا کیسا جواب لکھا اور کس درجہ پستی اور تواضع، انقیاد اور کسرنفسی اختیار فرمائی کہ جس نے

س عتاب والا کو ترحم اور شفقت کا جامہ پہنا دیا اور پھر اسکے بعد حضرت اقدسؒ نے
الب مذکور کی کیسی کچھ دلداری فرمائی ہے کہ سبحان اللہ ۔ اسکی یاس کو آس سے بدلنے
کے لئے اپنے نیز بزرگوں کے واقعات بیان فرما کر کسقدر تسلی فرمادی گویا زخم پر مرہم
رکھدیا اور امید لگا دی کہ علم اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور منجملہ موہبت الٰہیہ کے ہے اللہ تعالیٰ
س کو چاہتے ہیں اپنی جانب سے بخشدیتے ہیں، ذہن اور کوشش پر اسکا مدار نہیں ہے
ر کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف یہ سنانا ہی مقصود تھا یا اس کے ضمن میں اشارہ بھی ہو سکتا ہے
انشاء اللہ تعالیٰ تمکو بھی اسی راہ سے جو ملنا ہوگا ملیگا اور پھر خود حضرت والاؒ نے ان
ترم کیلئے اللہ تعالیٰ سے کیسی کچھ دعا رنہ فرمائی ہوگی ۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

(سالک موصوف کا تیسرا خط)

سکی صورت یہ ہوئی کہ ایک دن خود حضرت اقدسؒ نے بذریعہ تحریر انکو مخاطب کرکے تحریر فرمایا کہ

" میں آپ سے ایک بات دریافت کرتا ہوں، وہ یہ کہ آپ کو مجھ سے کامل اعتقاد ہوگیا یا کچھ کسر باقی ہے ؟ دوسرے یہ کہ طریق سے مناسبت کسقدر ہوئی ؟ ——— یہ میں کسی وجہ سے لکھ رہا ہوں آپکو تہمت کیوجہ سے نہیں لکھ رہا ہوں ۔ والسلام ۔ وصی اللہ عفی عنہ "

(اس سوال کا جواب اور اسپر حضرت والا کا ارشاد)

گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ حضرت اقدس نے عقیدت کامل و طریق سے
حال مناسبت کے متعلق دریافت فرمایا ہے جو کہ اس راہ کی بہت ہی اہم اور بنیادی چیز
ہے ۔ (عرض ہے کہ) عقیدت کے متعلق جرأت کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ (الحمد للہ)
حضرت والا سے عقیدت ہے، اگر حضرت والا سے عقیدت نہ ہوگی تو کس سے ہوگی ؟ اگرچہ
پنے اندر اتنی قوت فکریہ و علمیہ نہیں ہے کہ حضرت والا کے درجات عالیہ کو سمجھ سکوں، مگر
ی استعداد اور ذی رائے لوگوں کے (یعنی علماء و فضلاء کے) رجوعات سمجھنے کیلئے کافی ہیں۔

(جسکو) بدفہم انسان بھی سمجھ سکتا ہے اور عقیدت مند ہو سکتا ہے۔

تحقیق: یہ بہت سمجھ کی بات لکھی یہی بہت بڑی دلیل ہے ایسے شخص کے حق پر ہونیکی اللہ تعالیٰ تمھیں فہم کامل عطا فرماوے۔ آمین۔

حال: اب رہی طریق سے مناسبت (تو عرض ہے کہ نہ تو میری ماں ہی عالمہ تھیں اور نہ میرے باپ دادا عالم وفاضل تھے، ایک کسان جاہل گھر کا رہنے والا، ان ہی لوگوں کی بود وباش گھٹی کی طرح سرایت کئے ہوئے ہے اور ذہن ودماغ میں بھی ان ہی لوگوں کی ہمت وحوصلہ موجود ہے۔

تحقیق: یہ حقیقت ہے ہر آدمی ابتدار میں ایسا ہی پیدا ہوا ہے، اسکا یہ تواضع ہی ہے کہ اپنی حقیقت پیش نظر ہے۔ میں بھی تو پہلے ایسا ہی تھا کسی کی برکت پہونچی ہے

حال: یہ تو صرف حضرت کے طفیل اور حضرت والا کی توجہ خاص کی بدولت الف، بار پہچاننے لگا اور اب کچھ انسانی زندگی بسر کرنے کا خاکہ ذہن میں آگیا ہے

تحقیق: الحمدللہ! یہی دریافت کرنا چاہتا تھا، الحمدللہ کہ زندگی بسر کرنے کا خاکہ ذہن میں آگیا ہے، ذہن خالی نہیں ہے جس نے اتنا دیا ہے اور دے سکتا ہے۔

حال: کہ اس طرح انسان کو ایک انسان کے ساتھ باہم رہنا سہنا چاہیئے۔

تحقیق: اخلاق کا اعلیٰ درجہ یہی ہے، یعنی انسانیت۔

حال: اور پنجوقتہ نماز کی ادائیگی کا خیال کہ وقت مقرر پر اور اچھی طرح ادا کرنا چاہیئے۔

تحقیق: اس سے زیادہ (یعنی بڑھکر) دین میں کوئی چیز نہیں (کہ کوئی شخص نماز وقت پر پڑھے اور اچھی طرح پڑھے)

حال: ہم جیسے جاہل اور نااہل کے لئے حضرت والا کی توجہ کی برکت سے اسی پہ زندگی گذر جائے۔ کافی ہے اور بہت بڑی کامیابی ہے۔

تحقیق: بیشک کافی ہے۔ بیشک کامیابی ہے۔

حال: حضرت والا دعار فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عطا فرماویں۔ والسلام

تحقیق: دل سے مزید توفیق کی دعار کرتا ہوں۔ آمین۔

دیکھا آپ نے مصلح الامۃ کے یہاں کا معاملہ؟ طالبین کی کس کس طرح تربیت اور نگہداشت فرمائی جاتی تھی اور عقیدت و مناسبت جو کہ طریق کی رُوح اور طریقت کا جوہر ہیں انکا کیسا جائزہ لیا جاتا تھا اور اپنی خداداد بصیرت سے طالب کی گفتگو اور اسکے عرض و معروض سے ہی اسکا حال معلوم فرما لیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جسطرح سے کہ لوگ ہانڈی کا سالم ہونا یا اسکا ٹوٹا ہوا ہونا اسکی آواز سے معلوم کر لیتے ہیں اسی طرح سے ہم لوگ بھی سالک کی گفتگو اور اسکی تحریر سے اسکے قلبی احوال کا کچھ اندازہ کر لیتے ہیں، شاید اسی مضمون کو عارف سعدیؒ نے اس شعر میں بیان فرمایا تھا کہ ؎

تا مرد سخن نگفتہ باشد　　عیب و ہنرش نہفتہ باشد

انسان جب تک زبان نہیں کھولتا اسکے عیب و ہنر مخفی رہتے ہیں بولنے سے اس کا اندازہ لگ جاتا ہے یہ الگ بات ہے کہ ہوتا ہے یہ حکم ظنی ہی اور شیخ سے اس باب میں خطا بھی ہو سکتی ہے لیکن غیب کا علم چونکہ انسان کو ہوتا نہیں اسلئے انسان بس ظن غالب ہی کا مکلف ہے، یوں چونکہ ایک شیخ کامل کا تمامتر معاملہ للہ فی اللہ ہوتا ہے اور وہ کسی بات کا حکم لگانے سے پہلے باطنی طور پر حق تعالیٰ کی طرف رجوع بھی کر لیتا ہے اس لئے عموم احوال میں اللہ تعالیٰ اسکو لغزش سے بچا ہی لیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں بھی سالک موصوف سے یہی سوال ہوا مگر چونکہ مکتب وصی اللہی کے تربیت یافتہ تھے کیا عمدہ تواضع میں ڈوبا ہوا جواب دیا اور یہ قاعدہ ہی ہے کہ من تواضع للہ رفعہ اللہ یعنی جو تواضع اور پستی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو بلند فرماتے ہیں حضرت والا کے قلب پر اسکا اثر ہوا اور حضرت کو انکی بے مائیگی اور بے چارگی پر رحم آگیا فوراً تسلی فرمائی کہ یہ فلو سب ہی کو پیش آتا ہے میں بھی پہلے ایسا ہی تھا پھر کسی کی برکت پہونچی اسی طرح سے تم بھی خاطر جمع رکھو تم نے جو یہ تواضع اختیار کی ہے تو یہ بھی انشاء اللہ ایک دن اپنا رنگ لائیگی اور تم پر بھی کسی کی نظر فیض اثر ہو جائے گی اور انشاء اللہ تم بھی کامیاب ہو گے سبحان اللہ کس قدر ڈھارس اور بشارت کے کلمات ارشاد فرمائے۔ دیکھنے کی چیز یہ ہے یعنی شیخ کا انداز تربیت ملاحظہ ہو کہ ابتداء میں سوال تو ایسا سخت کیا کہ طالب دہل ہی جائے

اور گھبرا ہی جائے لیکن آخر کلام میں کیسا تلطف اور کیسی شفقت بھر دی کہ ایک محب ذبح ہی ہو جائے۔ اسی بات کو حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے متعلق یوں فرمایا تھا کہ ؎

مزا آتا ہے انکو چھیڑنے میں اپنے عاشق کے کبھی مغموم کرتے ہیں کبھی مسرور کرتے ہیں

اسی کو احقر نے عرض کیا تھا کہ "اندریں رہ می تراش و می خراش" کا منظر یا حضرت حکیم الامتؒ کے یہاں دیکھنے میں آتا تھا یا پھر حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کے یہاں دیکھا جاتا تھا خود فرماتے تھے کہ مشائخ طریق نے لکھا ہے کہ جب مرید کا حال اچھا دیکھئے اور اپنے کام میں جسکو چاق و چوبند پائے تو اسپر مزید مشقت لازم کرے تاکہ وہ یکسو ہو کر راہ مولیٰ اور طلب مطلوب میں لگے کیونکہ یہ طریق ہی تنگی اور عزیمت و مشقت کا ہے اگر سالک نے رخصت کا راستہ اختیار کیا تو ہو سکتا ہے کہ حصول مطلب سے رہ جائے چنانچہ ہمارے حضرتؒ کا بھی اسی پر عمل تھا مرید کی سستی اور بے عملی جو اسکی جانب سے اپنے گھر یا وطن میں جو ہیں آتی رہی ہو (جسکا ذکر اس نے کبھی اپنی مکاتبت میں کر دیا ہو) تو ملاقات ہوتے ہی سب سے پہلے اسی پر اس سے جواب طلب ہو جاتا تھا کہ جب کچھ کام نہیں کرنا ہے تو کیا دوڑ دوڑ کر میرے پاس آتے ہو۔ چنانچہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا طالب کو اپنی یہ بدحالی یاد بھی نہ رہ جاتی اور وہ شش و پنج میں پڑ جاتا کہ مجھ سے کونسی ایسی غلطی ہو گئی جسپر یہ جواب طلب کیا گیا ہے، غرض یہ تو بازپرس کا اول مقام ہوتا، پھر اثنائے قیام میں کبھی کبھی اسی نوع کے امتحانات ہوتے کہ میں نے آج مجلس میں کیا بیان کیا ہے لکھکر لائیے یہ دوسرا مقام ہوتا تھا اور تیسرا اور آخری مقام وہ ہوتا جب وہ ایکدن قبل واپسی کی اجازت اور مکان جانے کا خیال ظاہر کرتا اسوقت بھی اسکے مناسب حال جو امور ہوتے دریافت فرماتے تب چھٹی ملتی تھی اور اجازت ہوتی تھی۔ اسی لئے (چونکہ ایک مرید پر اتنی اور ایسی محنت صرف فرماتے تھے) کبھی کبھی ہم لوگوں کو کام پر لگانے کیلئے فرمایا کرتے تھے کہ اب مین مانا دھرے ہیں مشائخ ؟ کسکو ایسی غرض دل سوزی اور دماغ سوزی کی پڑی ہے کہ وہ ایک ایک مرید پر اتنا وقت صرف کرے، اور آہ یہ بھی فرماتے تھے کہ تم لوگ میری ان تنبیہات کا برا مانتے ہو قدر نہیں کرتے افسوس مجھے کوئی اسطرح سے کہنے والا نہیں ملا تھا نہیں تو ہم کچھ ٹھیک ہی ہو جاتے اور تم لوگوں سے آج اسطرح حجامت نہ بنواتے۔ حضرتؒ کی قلبی شفقت طالب سے دلی لگاؤ اور ہم جیسے نالائقوں پر غم کا ان الفاظ میں نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کو انکی ان محنتوں پر اجر عظیم عطا فرماوے۔ آمین

نخشبی از خدا مشو نومید
اہل دل خود ہمیشہ دل شاد ند
کہ بصدق درون نزد آں در
کہ بر و قفل بستہ بکشادند

"اے نخشبی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے جو لوگ کہ اللہ والے ہیں وہ ہمیشہ شاداں و فرحاں رہتے ہیں جس شخص نے اپنے باطنی صدق کے ساتھ اسکے دروازے کو کھٹکھٹایا ہے تو اسکے لئے اسکا بند قفل ضرور کھولدیا گیا ہے"

سلک صد و چہل و یکم

بباید دانست کہ ابراہیم ادہم کہ سلطان دنیا و دین و سیمرغ کوہ یقین بود در ابتدا، حال عالم در تحت ضبط سلطنت خود داشت وقتی او بر سریر مملکت خود بود مردے باہیبت در خانۂ او آمد ابراہیم گفت کجا؟ گفت دریں سرائے فرو خواہم آمد گفت ای خواجہ ایں سرائے نیست ایں خانۂ من است گفت پیش از تو دریں خانہ کسی بود گفت بود گفت نشان سرای ہمیں باشد کہ یکی درآید و دیگرے برود۔ موجب انتباہ ہمیں سخن شد۔ پیش او در خانہ نشست۔ ابراہیمؒ میگوید پانزدہ سال محنت کشیدم آنگاہ در سرمن فرو خواندند کن عبیدا فاسترحت یعنی فاستقم کما امرت چنیں گویند روزی ابراہیمؒ درویشی را دید کہ او

سلک ۱۴۱ (واقعات حضرت ابراہیم ادہمؒ)

جاننا چاہیئے کہ حضرت ابراہیم ادہمؒ جو کہ دین و دنیا کے بادشاہ تھے اور کوہ یقین کے سیمرغ تھے اپنے ابتدائی دور میں ایک بڑی سلطنت کے مالک تھے اور ایک عالم انکا زیر نگین تھا' ایک مرتبہ اپنے تخت شاہی پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے محل کے اندر ایک ہیبتناک شخص آگیا اور اندر گھستا چلا گیا آپ نے فرمایا کہاں کہاں؟ اس نے کہا اسی سرائے (ہوٹل) میں میں بھی قیام کرونگا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ کوئی ہوٹل نہیں ہے یہ تو میرا گھر ہے۔ اس نووارد نے کہا کہ کیا آپ یہاں ہمیشہ سے ہیں یا آپ سے پہلے بھی اس میں کوئی رہتا تھا؟ فرمایا ہاں دوسرے لوگ تھے' کہا بس سرائے کی نشانی یہی ہے کہ ایک آتا ہے ایک جاتا ہے۔ یہی بات آپکے انتباہ کا سبب بنی اسکے بعد حضرت ابراہیم خانہ نشین ہوگئے اور ریاضت و مجاہدہ میں لگ گئے فرماتے تھے کہ پندرہ سال تک میں نے مجاہدہ کیا اسکے بعد مجھے الہام ہوا کہ ابراہیم! میرے بندے ہوجاؤ راحت پاجاؤگے

از درویشی برخود می نالید فرمود مگر تو درویشی رائیگاں یافتہ کہ ازو می نالی! گفت ای خواجہ! درویشی بہ بہا ہم ستانند؟ گفت آری من بملک بلخ خریدہ ام اما چوں بہ نیکو بنگریستم بیش ازاں می ارزد ہم او گفتی دریں راہ کامل کسی است کہ اگر ہر دو عالم بدو دہند خوش نشود و اگر باز ستانند اندوہ ناک نگردد و بہیچ مدح و ستائش غرہ نشود۔ چند بار ابراہیم در حج رفت بہیچ وقت آب زمزم نخورد گفتند دریں زیر چہ سر ست؟ گفت وجہ رسن و دلو او از خزانہ سلاطین است و در بیت المال ایشاں شبہتی ست و آں وجہ از وجہ نیست۔ وقتی او را پرسیدند پیشۂ تو چیست؟ گفت نمی دانید کہ کارکنانِ خدائی بہ پیشہ محتاج نہ اند روزی یکی او را گفت ای بخیل! ای خواجہ کسی کہ ملکی ہمچو توئی را بخشد او را بخیل نتواں گفت وقتی طائفہ نشستہ بودند ابراہیمؒ

یعنی جس بات کا تم کو حکم دیا گیا ہے (یعنی اوامر شرع) ان پر مستقیم ہو جاؤ۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابراہیم ادہمؒ نے ایک درویش کو دیکھا کہ اپنی غربت اور فقر و فاقہ کی شکایت کر رہا ہے، حضرتؒ نے فرمایا شاید تمکو درویشی مفت ہی مل گئی ہے کہ اسکی قدر نہیں ہے اور یہ سب شکوہ و شکایت ہے۔ اس نے کہا جناب من! کیا فقر و فاقہ کو بھی روپیہ پیسہ کے ذریعہ خریدا جاتا ہے؟ فرمایا ہاں ہاں مجھے دیکھو نا کہ سارا ملک بلخ دیکر اسکو خریدا ہے۔ اور سچ جو پوچھو تو اس اتنے میں بھی یہ سودا سستا ہی تھا۔ آپ ہی کا ارشاد ہے کہ اس راہ باطن میں کامل وہ ہے کہ اگر دونوں عالم اسکو دیدیا جائے تب بھی اسکو کچھ خوشی نہو اور اگر اسکو اس سے چھین لیں تو رنجیدہ نہو، کسی کی مدح و ستائش پر اترائے نہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے کئی حج کئے لیکن آب زمزم نہ پیا لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت اسکی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ اس پر جو رسی اور ڈول پڑا ہے وہ شاہی خزانہ سے خریدا ہوا ہے اور انکا بیت المال مشتبہ ہے اس لئے یہ صحیح مصرف سے حاصل نہیں ہوا ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا پیشہ کیا ہے (یعنی آپ کھاتے کہاں سے ہیں! اہل دنیا کو اسکی بڑی فکر ہر زمانہ میں رہی ہے) فرمایا کہ نہیں جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کے کارخانہ کے مزدور ہوتے ہیں انکو کسی دنیوی پیشہ کی حاجت نہیں ہوا کرتی۔ ایک دن

میان ایشاں درآمد گفتند
ای خواجہ باز گرد کہ از تو بوی دنیا
می آید۔ سبحان اللہ جائی کہ بتارکی
چوں ابراہیمؒ ایں سخن گویند
با دیگراں چہ خواہند گفت؟
وقتی او را پرسیدند اگر یکی چیزی
ندارد و گرسنہ است چہ کند
گفت صبر کند گفت اگر بمیرد؟
گفت دیت بر کشندہ باشد
روزی ابراہیمؒ قصد حمامی کرد
و چوں چیزی بدست نداشت
در حمام او را نگذاشتند میگفت
امروز از شما دست تہی را در خانہ شیطان
راہ نمی دہند فردا در خانہ رحمٰن چگونہ
راہ خواہند داد۔ روزی یکی
او را برنجانید او را دعا کرد
او گفت چگونہ است من آنچناں
کنم تو ایں چنیں مکافات بجای آری
ابراہیم گفت من آں ساعت
از سبب تو مستوجب بہشت
شدم نخواستم کہ تو از سبب من
مستحق دوزخ شوی۔ آوردہ اند
روزی ابراہیمؒ بسر وقت مستی

کسی نے حضرت ابراہیم کو اے بخیل! کہکر پکارا فرمایا کہ جو شخص
اپنا ملک تجھ جیسے شخص کو بخشدے اسکو تو بخیل نہ کہنا چاہیے
ایک دن ایک جماعت صوفیہ کی موجود تھی حضرت ابراہیمؒ
بھی ان لوگوں کے درمیان آبیٹھے ان لوگوں نے کہا کہ
جناب من! آپ ہمارے درمیان سے اٹھ جائیے آپکے
اندر دنیا کی بو آتی ہے، اے سبحان اللہ! دیکھو جس زمانہ
میں ابراہیم ادہم جیسے تارک دنیا کے متعلق یہ بات کہی
جا رہی ہے تو اور دوسروں کو تو وہ لوگ کیا کہتے ہوں گے
اسی سے سمجھ لو۔ ایک دفعہ آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر
کسی کے پاس کوئی چیز کھانے کو نہیں ہے تو کیا کرے؟
فرمایا کہ صبر کرے۔ کہا کہ اگر اسکی وجہ سے مرجاوے تب؟
فرمایا کہ پھر تو کیا ہے اسکی دیت (خونبہا) مارنے والے
کے ذمہ ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے حمام جانا چاہا (غسل وغیرہ
کے لئے) پاس پیسہ نہ تھا اسلئے ملازمین نے اندر نہیں جانے
دیا (عارف تو تھے ہی) فرمایا کہ ہائے افسوس آج کے
دن تم لوگ خالی ہاتھ والے کو شیطان کے گھر میں بھی [حمام ۱۲]
نہیں جانے دیتے ہو تو کل کو کسی تہیدست کو
رحمان کے گھر میں کون داخل ہونے دیگا۔ ایک دن [جنت ۱۲]
کسی شخص نے آپ کو کچھ ایذا پہونچائی آپ نے اسکے
لئے دعا فرمادی اس نے پوچھا کہ یہ کیسے کہ میں نے تو
آپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا اور آپ نے اسکا یہ بدلہ دیا
حضرت ابراہیم ادہم نے فرمایا کہ میں اسوقت تمہاری وجہ
سے مستحق جنت ہوا تو یہ نہ چاہا کہ تو میری وجہ سے مستحق دوزخ

بگذشت دہاں او آلودہ دید آب
بیاوردو دہان او بشست و
میگفت در دہنی کہ نام حق گذشتہ باشد
اورا آلودہ نتواں گذاشت
چوں مست ہوشیار شد اورا
ازاں حال اطلاع دادند در زمان
توبہ کرد ابراہیم را در خواب نمودند
اگر تو دہان اورا از آلودگی ظاہر
شستی ما بموافقت تو دل اورا
از آلودگی باطن شستیم۔ وقتے
ابراہیم بر سر کوہی نشستہ بود کسی
اورا پرسید مرد کامل کرا گویند
گفت کسی را کہ اگر او کوہ را
بگوید برو! کوہ رواں شود
درحال کوہ در جنبش آمد
وخواست تا رواں شود
ابراہیمؒ تبسم کرد و گفت
اے کوہ جمع باش من ترا
نمی گویم قطعہ

نخشبی نرم کن دل سنگیں
آنچہ نرم است زود گرم شود
ہر کہ او کوہ دل چو موم کند
کہ بہ پیشش چو موم نرم شود

ہو جائے (اسلئے یہی بدلہ صحیح تھا) بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم کا گذر ایک شخص کے پاس سے ہو جو شراب پئے مست پڑا تھا اسکے منہ میں شراب لگی دیکھی اسکا منہ دھونے لگے اور کہنے لگے کہ توبہ توبہ جس منہ نے خدا کا نام لیا ہوا سکا شراب سے آلودہ ہونا مناسب نہیں ہے، جب اس مست کو ہوش آیا تو لوگوں نے اس واقعہ کی اطلاع دی اس نے فوراً اپنے معاصی سے توبہ کرلی ادھر حضرت ابراہیمؒ نے خواب میں حق تعالےٰ کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ ابراہیم! اگر تم نے میری حرمت میں اسکے منہ کو ظاہری آلودگی سے پاک کیا تو میں نے تمھاری خاطر اسکے قلب کو بھی باطنی آلودگی سے دھوکر پاک کر دیا۔ ایک دفعہ حضرت ابراہیم ادہم ایک پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ مرد کامل کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ اس کو کہتے ہیں کہ اگر وہ اس پہاڑ کو کہدے کہ جاؤ ہٹو یہاں سے تو پہاڑ ٹل جائے۔ اسی وقت اس پہاڑ میں حرکت ہوئی اور اس نے چلنے کا ارادہ کیا، حضرت ابراہیم ہنسے اور فرمایا کہ اے پہاڑ ٹھیر میں تجھے جانے کو تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں (میں نے تو ایک مثال بیان کی تھی) ؎

"اے نخشبی تم اپنے سخت دل کو ذرا نرم کرو اس لئے جو چیز کہ نرم ہو جاتی ہے وہ گرم بھی جلد ہو جایا کرتی ہے جس شخص کہ اپنے پتھر جیسے دل کو مانند موم کے نرم کرلیا تو اسکے آگے پہاڑ بھی مانند موم کے نرم (یعنی مسخر) ہو جایا کرتا ہے"

سلک صد و چہل و دوم

بباید دانست کہ خواجہ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سلطان العارفین و برہان المجتہدین بود و مآثر و مناقب او بسیار است چنانکہ یک روز جنیدؒ میگفت ابویزید میان ما ہماں شرف دارد کہ جبرئیل میان ملائکہ ہم او گفتی نہایت کار جملہ روندگان راہ توحید بدایت کار ابویزید است چنین گویند در آنچہ ابویزید در شکم مادر بود تا مادر او لقمۂ شبہہ خوردی او در آن وقت در شکم بطپیدن آمدی تا مادر او آں لقمہ را مراجعت نکردی ساکن نہ شدے چنیں گویند از خانہ او تا مسجد چہل گام بود از سبب حرمت مسجد گاہی در خانہ آب دہن بداں جانب نینداختی ہر گاہ کہ در مسجد آمدی بایستادی و یک لحظہ بگریستی اگر گفتندی ایں چہ میکنی گفتی من خود را چون زن مستحاضہ می بینم می ترسم اگر درون بروم مسجد آلودہ گردد۔ چنیں گویند کہ وقتی ابویزید در کوچہ رفت

سلک ۱۴۲ (حالات حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ)

جاننا چاہیے کہ خواجہ ابو یزید بسطامی سلطان العارفین اور برہان المجتہدین تھے ان کے بھی مناقب اور مآثر بہت ہیں۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ ایک دن فرمانے لگے کہ ہماری جماعت (صوفیہ) کے درمیان ابو یزید کو گویا وہی شرف اور مرتبہ حاصل ہے جو کہ فرشتوں میں حضرت جبرئیل کو حاصل ہے۔ نیز حضرت جنیدؒ ہی کا ارشاد ہے کہ راہِ توحید کے سالکین کی جہاں پر انتہا ہوتی ہے ابو یزید بسطامی کی وہاں سے ابتدا ہوتی ہے بیان کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت ابو یزید بسطامی شکم مادر میں تھے انکی والدہ نے کوئی لقمہ مشتبہ طعام کا کھایا اسی وقت حضرت پیٹ میں تڑپنے لگے اور جبتک کہ والدہ نے اسکو قے نہیں کر دیا آپ کو سکون نہیں ہوا اسی طرح سے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے مکان سے مسجد کا فاصلہ چالیس قدم کا تھا لیکن مسجد کے احترام میں آپ اپنے گھر کے اندر بھی اس طرف منہ کر کے تھوکتے نہیں تھے، نیز آپ جب مسجد میں تشریف لیجاتے تھے تو باہر تھوڑی دیر کھڑے ہو کر روتے تھے تب اندر جاتے تھے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں فرمایا کہ بھائی میری مثال مستحاضہ عورت کی سی ہے (جو کہ نجاست سے آلودہ اور ناپاک ہوتی ہے) اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مسجد میرے جانے کی وجہ سے بھی

سگی او را پیش آمد، راہ بسگ ایثار کرد گفتند این چہ بودہ است گفت این سگ بزبان حال با من می گفت در ازل از من چہ نقصان در وجود آمدہ بود واز تو چہ توفیر حاصل شدہ کہ پوستین سگے در بر من کشیدند و خلعت بایزیدی در بر تو افگندند شکرانۂ این راہ بدو ایثار کردم چنیں گویند روزی خواجہ ابویزید در راہی میرفت سگے او را پیش آمد خواجہ دامن خود از وی چید سگ گفت ای خواجہ اگر من خشکم در من ہیچ خللی نیست و اگر ترم میان من و تو بہفت آب صلح می گردد اما اگر تو این دامن از سر رعونت چیدۂ اگر تو خود را در ہفت دریا بشوئی پاک نشوی خواجہ این سخن بشنید گفت ای سگ تو پلیدی ظاہر داری و من پلیدی باطن بیا امروز ہر دو یکجا باشیم تا فطا پاک کہ بیروں آید۔ وقتی خواجہ احمد خضرویہ ابویزید را گفت ابلیس را دیدم پیش در تو بر دار کردہ اند گفت

آلودۂ نجاست نہو جائے (سبحان اللہ کس قدر خوف طاری تھا) بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو یزید بسطامیؒ گلی میں جا رہے تھے سامنے سے ایک کتا آگیا آپ نے کتے کے لئے راستہ چھوڑ دیا لوگوں نے اسکا سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کتے نے زبانِ حال سے مجھ سے (معرفت کی ایک بات کہی) کہا کہ جناب من! ازل میں میرے اندر کیا خامی تھی اور آپ کے اندر کیا کمال تھا کہ میرے اوپر تو کتے کی کھال ڈالی گئی اور آپ کو (نہ صرف انسان کی بلکہ) بایزیدی کی کھال پہنائی گئی، اسی بات کا شکریہ ادا کرنے کیلئے میں نے اسوقت راستہ کا ایثار اسکے لئے کر دیا۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابویزیدؒ کہیں جا رہے تھے کہ اچانک ایک کتا سامنے سے آگیا خواجہ نے اپنا دامن اس سے سمیٹ لیا، کتے نے کہا حضور والا! اگر میں خشک ہوں تب تو میرے اندر نجاست کا کوئی سوال ہی نہیں اور تر ہوں تب بھی میرے اور آپ کے درمیان صلح کرانے کیلئے سات سمندر موجود ہے (اسکے پانی سے کپڑا دھو کر پاک کیا جا سکتا ہے) باقی اگر آپ نے اپنا دامن رعونت اور تکبر اور اپنے پاکدامن ہونے کی وجہ سے سمیٹا ہے تو یہ ایسی ناپاکی ہوگی جو کہ سات سمندر کے پانی سے دھونے سے بھی پاک نہوگی خواجہ نے یہ بات سنکر اس سے کہا کہ اے کتے (میں تجھ سے بہتر ہرگز نہیں ہوں) تو ظاہری نجاست رکھتا ہے اور میرا باطن گندہ ہے آؤ آج ہم تم دونوں

آری او با ما عہد کردہ است
کہ گرد آستانۂ ما نگردد
امروز بدزدی آمدہ است
و مریدی را وسوسہ کردہ است
و جزای دزدان آنست
کہ بادشاہان آنہا را بردار کنند
روزی پیش او یکی میگفت
عجب دارم از کسی کہ خدای
را بشناسد و طاعت کند
یعنی عجب نباشد کہ برجای بماند
ابو یزید گفتے اول قدمی کہ دریں
راہ برداشتم بعرش رسیدم
عرش را دیدم چوں گرگ
دہن آلودہ و شکم گرسنہ
گفتم ای عرش بعضی بحکم
الرحمن علی العرش استوی
مطلوب ما را ہم تو نشان
میدہند عرش گفت
ای خواجہ چہ جای سخن
است ما را ہم تو نشان
میدہند انا عند
المنکسرۃ قلوبہم۔ ابو یزید
را پرسیدند کہ بندہ

ایک ساتھ ہولیں (کہ ناپاکی میں یہاں شریک ہیں) کل کو خدا ہی جانتا ہے کہ کون پاک ظاہر ہوتا ہے ایک مرتبہ خواجہ احمد خضرویہؒ نے ابو یزیدؒ سے فرمایا کہ میں نے ابلیس کو دیکھا کہ آپ کے دروازہ کے سامنے اسکو سولی پر لٹکا دیا گیا ہے، فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے اس (کمبخت) نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہماری خانقاہ کے گرد نہ پھٹکے گا لیکن آج چوری سے آیا ہے اور ہمارے ایک مرید کو وسوسہ میں مبتلا کر دیا ہے اور چوروں کی یہی سزا ہے کہ انکو بادشاہ لوگ (محل کے سامنے) سولی پر لٹکا دیتے ہیں۔ ایک دن آپ کے سامنے کسی نے یہ کہا کہ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ کوئی خدا تعالیٰ کا عارف بھی ہو اور عابد بھی ہو یعنی اسکے راہ پر لگے ہونے پر کوئی تعجب نہیں ہے ابو یزید بسطامی نے فرمایا کہ پہلا قدم جو میں نے اس راہ میں رکھا تو اس سے عرش پر پہونچ گیا عرش کو دیکھا کہ منہ شکار کے خون سے آلودہ اور پیٹ پچکا ہوا (بھوکا سا) تھا، میں نے اس سے کہا کہ اے عرش! قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ رحمان عرش پر مستوی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا محبوب و مطلوب تیرے پاس ہے (مجھے اسکی جستجو ہے) عرش نے جواب دیا کہ حضرت! یہ کیسی بات آپ فرما رہے ہیں ہم سے تو یہ کہا گیا ہے کہ ہم انسانوں میں سے جو لوگ شکستہ دل ہیں ان کے پاس رہا کرتے ہیں، پس ہمیں تو آپکے یہاں کا پتہ بتلایا گیا ہے (کہ ع دل شکستہ میں ملتا ہے بادۂ عرفاں) (لہٰذا آپ نے یہاں زحمت بلا وجہ فرمائی وہیں اس کو

بدرجہ کمال کے رسد گفت
وقتے کہ عیب خود شناسد
وتہمت از خلق بردارد
آنگاہ او را بقدر دوری او
از نفس خود نزدیک
گردانند او را پرسیدند
درویش چیست گفت
آنکہ سیکھے را در گنج خویش
پاسے در گنج فرو شود
ابویزید بیشتر مریداں را
مجاہدہ فرمودی ہر کہ
گفتے ایں چیست گفتے
اگر فرعون گرسنہ بودے
نہ گفتے انا ربکم الاعلیٰ
وقتے او را گفتند
چونست کہ تو بر سر آب
میروی؟ گفت آنگاہ
چہ آبرو ست خس
بر آب ہمے رود
وے می گفت ہر کسی
در دریائے عمل
غرق شد اما دریائے
عمل در من غرق شد۔

تلاش کیجئے) حضرت ابویزید سے لوگوں نے پوچھا کہ بندہ درجۂ کمال کو کب پہونچتا ہے؟ فرمایا جس وقت کہ اپنے عیب کو سمجھ لے اور مخلوق کی جانب سے تہمت اور طعنہ برداشت کرے اس وقت وہ جسقدر اپنے نفس سے دور ہوتا ہے اسیقدر حق تعالےٰ اس کو اپنے سے قریب فرما لیتے ہیں۔ ان سے لوگوں نے دریافت کیا کہ درویش کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا کہ درویش وہ ہے جو گوشۂ تنہائی میں ہوتے ہوئے خزانوں کو اپنے قدم کے نیچے تصور کرے حضرت ابویزید اپنے مریدوں سے مجاہدہ بہت کراتے تھے اگر کوئی کہتا کہ حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرماتے بھائی اگر فرعون بھوکا ہوتا تو اسکو اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ (میں تمہارا بڑا رب ہوں کی نہ سوجھتی۔ ایک دفعہ آپ سے لوگوں نے پوچھا سنا ہے کہ آپ پانی پر چل لیتے ہیں فرمایا تو اس سے کیا مرتبہ بڑھ گیا؟ ارے بھائی! تنکا اور خس بھی پانی پر چل لیتا ہے۔ نیز آپ فرماتے تھے کہ ہر شخص عمل کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے اور عمل کا دریا میرے اندر ڈوبا ہوا ہے۔

سوال میں جتنا ناشائستہ جزو ہو اسکو نکالدے اگر سارا ہی ناشائستہ ہو تو جواب ہی نہ دے اور اگر جواب دے تو یہ ضروری نہیں کہ سبکا جواب دے بلکہ جتنا مناسب ہو اتنا جواب دے مجھے یاد آیا کہ:۔

حکایت: مجھ سے ایک شخص نے پوچھا کہ قرضے سود لینا کیوں ناجائز ہے؟ تو انکی مرضی کے موافق تو یہ تھا کہ میں دو ورق میں مدلل جواب دیتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ایسا کرنا انکی مصلحت کے خلاف تھا بلکہ میں نے یہ لکھا کہ فرعورت سے زنا کرنا کیوں ناجائز ہے یہ اس سوال کا جواب تحقیقی ہی تھا لیکن اسوقت کم علمی اسقدر چھا گئی ہے کہ وہ اسکو سمجھے ہی نہیں حاصل اس جواب کا یہ تھا کہ جو حرام قطعی ہے وہ کسی محل میں بھی جائز نہیں یہ تھا جواب اسکو سمجھکر وہ جتنے شبہے کرتے وہ صحیح ہوتے۔ اتفاق سے وہ شخص ایک مرتبہ مجھ سے ملے وہ تو مجھے پہچانتے تھے لیکن میں نہ پہچانتا تھا کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھے نہ پہچانا ہوگا میں نے کہا بیشک میں نے نہیں پہچانا کہنے لگے کہ میں وہی شخص ہوں جس کے پاس سے اس قسم کا سوال جناب کے پاس آیا تھا اور اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ نے اس قسم کا جواب کیوں دیا تھا؟ جب میں نے دیکھا کہ یہ جواب کو ابھی تک نہیں سمجھے تو میں نے انکی سمجھ کے موافق اس استفسار کا دوسرا جواب دیا۔ میں نے کہا کہ آپ ایک عہدے دار ہیں آپ کو ہر قسم کے آدمیوں سے سابقہ پڑتا ہے کیا آپ سب کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرتے ہیں یا احباب کے ساتھ دوسری قسم کا برتاؤ ہے اور اجانب کے ساتھ دوسری قسم کا کہنے لگے کہ ہر قسم کے آدمیوں سے علحدہ برتاؤ ہوتا ہے میں نے کہا کہ جب یہ ہے تو افتار کا بھی ایک محکمہ ہے اس میں بھی اسی طرح کسی کو ضابطہ کا جواب دیدیا جاتا ہے کسی کو دوسری قسم کا چونکہ آپکی حالت سے واقف نہ تھا اسلئے میں نے آپکو ضابطہ کا جواب دیا اور اب چونکہ آپ سے ملاقات ہوگئی اب انشاء اللہ اس قسم کا جواب نہ آئیگا لیکن ملاقات کا اثر جیسا مجھ پر ہوگا آپ پر بھی ہوگا آپ کے پاس سے اس قسم کا لغو سوال کبھی نہ آئے گا۔ غرض اسوقت یہ ایسی آفت ہے کہ مجیب سائل کے تابع ہو جاتے ہیں مگر ان محقق کا جواب نہایت ہی نفیس تھا کہ اگر فیض لینے والا اہل نہیں ہے تو نہیں ہوتا مقصود یہ ہے کہ قیود سے جو فیض ہوتا ہے

تو صاحب نسبت خلا کو ہوتا ہے۔

(۱۴۴) قبور سے فیض حاصل کرسکنے پر بھی شیخ سے استغنا نہیں ہوتا

طالب اگر صاحب کشف بھی ہو جائے تب بھی اسکو شیخ سے استغنا رجائز نہیں کیونکہ اسمیں کفایت نہیں ہوتی وجہ یہ کہ فیض کی دو قسمیں ہیں ایک یہ دلالت لفظیہ یعنی تعلیم و تلقین ایک غیر لفظیہ یعنی تقویت نسبت افادہ اور استفادہ میں لفظیہ بہت مفید اور مدد ہے۔ پس صرف قبور سے استفادہ پرس کرنا غلطی ہے کیونکہ قبور سے اتنا فیض ہوتا ہے کہ حالت موجودہ میں ترقی ہوتی ہے وبس بخلاف زندہ کے کہ اگر کوئی شبہ ہو تو پیش کر کے حل کر سکتا ہے خوب مشبع طور سے، تو اسکے برابر ہرگز فیض قبور نہیں ہو سکتا۔

(۱۴۵) علوم دینیہ سے بے التفاتی اور عمل میں کوتاہی کی شکایت اور مضرت

یہ تو معلوم ہے کہ اسوقت کتنی بے التفاتی علوم دین سے ہو رہی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ مضر ہے یا نہیں تو یوں سمجھیئے کہ جس حکومت کے ماتحت کوئی شخص رہتا ہے اسکو اس حکومت کے قوانین جاننے کی ضرورت ہے اور قوانین ہوتے ہیں دو قسم کے ایک تو وہ کہ جن میں محض مالیت ہو جیسے مال کے قوانین سو اول تو انکا جاننا بھی ضروری ہے لیکن اگر انکو نہ بھی سیکھا جائے تو زیادہ ضرر نہیں اسلئے کہ مارا جانا خسارہ ہے جرم نہیں دوسرے وہ قوانین ہیں کہ انکی خلاف ورزی جرم اور بغاوت ہے ان کا سیکھنا واجب ہوتا ہے خواہ پڑھکر یا پوچھکر تو اب میں یہ سوال کرتا ہوں کہ ہملوگ خدا تعالیٰ کی عملداری میں ہیں یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے کچھ قوانین ہیں یا نہیں اگر ہم اسکی عملداری سے باہر ہوتے یا وہ صاحب قوانین نہ ہوتا تو چنداں فکر نہ بھی اور جبکہ یہ دونوں باتیں ہیں تو اب بدون قوانین سیکھے چارہ نہیں۔ اب یہ بات رہ گئی کہ وہ قوانین کس قسم کے ہیں آیا ان میں صرف اپنا نقصان ہے یا انکی مخالفت جرم اور بغاوت بھی ہے سو قرآن شریف کو اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ تمام قرآن اس سے بھرا پڑا ہے کہیں احل اللہ البیع وحرم الربوٰ ہے کہیں لا تقربوا الزنا ہے غرض تمام قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ

خدا تعالیٰ نے ہماری معاشرت اور معاملات دونوں کے متعلق کافی انتظام فرمایا ہے۔ اور عدم اطاعت پر وعید بھی فرمائی ہے۔ پھر کیا شبہ رہ گیا اتو صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ قوانین شریعت کا سیکھنا اشد ضروری ہے

(۱۴۶) قوانین خداوندی کو لوگ صرف نماز روزہ میں منحصر سمجھتے ہیں بلکہ بعضے تو نماز روزے کی بھی حاجت نہیں سمجھتے

آجکل لوگ قوانین خداوندی صرف نماز روزہ کو سمجھتے ہیں باقی دوسرے امور میں اپنے کو آزاد محض سمجھتے ہیں سو اول تو میں یہ پوچھتا ہوں کہ آپ نے نماز روزہ ہی میں کونسا اہتمام کیا ہے افسوس کہ معاملات سے یہ آزادی شروع ہوئی مگر چونکہ زمانہ ترقی کا ہے ہر چیز کو ترقی ہونی چاہئے اسکو بھی یہاں تک ترقی ہوئی کہ یہ کہا جاتا ہے کہ اب نماز ہی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تہذیب اخلاق کے لئے مقرر ہوئی تھی اور تہذیب اخلاق دوسرے طرق سے ہو جاتی ہے لہذا نماز کی ضرورت نہیں رہی، تو اول تو اس زمانہ کی تہذیب کے تہذیب ہونے ہی میں کلام ہے اور اگر مان بھی لیا جاوے تو اسکی پائداری میں کلام ہوگا اور یقیناً وہ بالکل ناکافی ہے تو اگر تہذیب نفس ہی نماز روزہ کی علت ہوتی تب بھی ہمکو نہ چھوڑنا چاہیئے تھا کیونکہ ہمکو تو تہذیب بھی حاصل نہیں، بالخصوص جبکہ نماز روزہ سے غرض بھی دوسرا ہو کہ یہ ثابت ہو کہ یہ کسی کا غلام ہے کہ اسکے حکم پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور اگر کہو کہ بعض نصوص کے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے میں شہوت کا انکسار ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ حکمت ہے علت نہیں ہے وجوب تو محض خدا کے حکم سے ہوا اب اس پر یہ حکمتیں مرتب ہو گئیں۔

(۱۴۷) ہمارا منصب احکام کی علت سے سوال کرنیکا نہیں ہے

اگر کوئی علت ہو بھی تو جب موجب نے اسکو متعین نہیں فرمایا تو ہماری کیا مجال کہ ہم اسے متعین کرنے لگیں۔

حکایت: کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ معراج میں خدا تعالیٰ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

کیا باتیں ہوئی تھیں؟ انھوں نے جواب میں فرمایا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں بلبل چہ گفت وگل چہ شنید وصبا چہ کرد

(بھلا اب کس میں یہ تاب کہ باغبان سے یہ پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا، پھول نے کیا سنا، اور صبا نے کیا کیا؟)

حقیقت میں ہمارا کیا منصب ہے کہ ہم احکام کی علل دریافت کریں ہمارا تو یہ مذہب ہونا چاہئے کہ

زباں تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

(بس زبان کو آپ کے اقرار سے تازہ کرتے رہنا چاہیئے باقی آپکے کاموں کی علت نہیں تلاش کرنا چاہیئے)

(۱۴۸) حق تعالیٰ سے علاوہ انکے حاکم ہونے کے ہم کو ان سے محبت کا بھی علاقہ ہے

دیکھئے خدا تعالیٰ کے تو بہت سے حقوق ہیں حاکم ہونے کا بھی محبوب ہونے کا بھی تو فرض کیجئے اگر کسی بازاری عورت سے پوری محبت ہو جاوے اور وہ بے ڈھنگے ہی حکم کرے تو اسکو نہایت خوشی سے پورا کروگے یا نہیں تو اگر خدا تعالیٰ کی طلب ہی نہیں تب تو ایسے لوگوں سے گفتگو ہی نہیں اور اگر طلب ہے تو یہ حالت ہونی چاہیئے کہ ؎

زندہ کنی عطائے تو، ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو، ہر چہ کنی رضائے تو

(آپ زندہ کریں تو آپکی بخشش، اور اگر مار ڈالیں تو ہم آپ پر قربان ہوں، دل آپکا شیدا ہو چکا ہو جو معاملہ بھی آپ فرمائیں ہم دل سے راضی ہیں)

آجکل لوگوں کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے کچھ بھی علاقہ نہیں اگر محبت ہوتی تو کیا اتنا بھی نہ کیا جاتا جتنا ایک بازاری عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ؎

عشق مولےٰ کے کم از لیلےٰ بود گوئے گشتن بہر او اولےٰ بود

(مولیٰ تعالیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہے پس اسکی خاطر گیند بن جانا تو لائق تر ہے)

بہر حال محبت کی رو سے دیکھئے یا حکومت کی رو سے ہر طرح سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے اور محبت تو ایسی چیز ہے کہ اسمیں لوگوں نے اپنی جانیں دیدی ہیں۔

حکایت: ایک وکیل صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ ایک بزرگ صاحب حال جنکو لوگ مسخرا سمجھا

کرتے تھے حج کے لیے گئے جب خانہ کعبہ کے سامنے پہونچے تو مغلوب کی زبان سے نکلا کہ یہ کعبہ ہے اسوقت ان پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہوئی اور یہ شعر انکی زبان سے نکلا سہ

چو رسی بکوے دلبر بسپار جان مضطر کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا

یہ کہتے ہی ایک چیخ ماری اور جاں بحق ہو گئے۔

حکایت: حضرت نجم الدین کبریٰ کے سامنے کسی نے یہ پڑھ دیا کہ "جاں بدہ وجاں بدہ وجاں بدہ" آپ نے فرمایا محبوب جان طلب کر رہا ہے مگر افسوس کوئی جاں دینے والا نہیں اور پھر فرمایا کہ "جاں دادم وجاں دادم وجاں دادم" اور کہتے ہی جان نکل گئی۔

(۱۴۹) دین کے تیسرے جزو یعنی عمل کا بیان

بس اب تیسری چیز یہ کی ہیں عمل ہے اگر وہ نہو تو علم کچھ بھی نہیں تو عمل کی تقسیم یہ ہے کہ ایک تو اعمال ظاہری ہیں اور ایک اعمال باطنی اسوقت جو لوگ عمل کرتے بھی ہیں وہ صرف اعمال ظاہری پر متوجہ ہیں ورنہ باطن کی یہ حالت ہے کہ سہ

از بروں چوں گور کافر پر حلل و اندروں قہر خدائے عز و جل

(باہر اور اوپر سے کافر کی قبر کی طرح سے بارونق لیکن اسکے اندر خدائے عز و جل کا قہر موجود)

از بروں طعنہ زنی بر بایزید وز درونت ننگ می دارد یزید

(غیر کے ظاہر کو دیکھ کر تم بایزید تک پر بھی طعنہ زنی کرتے ہو اور خود تمہارا باطن ایسا ہے جس پر یزید کو بھی ننگ آوے)

کیا معنی کہ باطن اکثر لوگوں کا درست نہیں باطن کی درستی ایک تصحیح عقائد ہے جس کو کم و بیش حاصل بھی کیا جاتا ہے، دوسرے تہذیب اخلاق جس کو تصوف کہتے ہیں اور وہ متروک ہے، جسکی دو وجہیں ہیں ایک تو بے التفاتی اہل دنیا کی دوسرے بے عنوانی منتسبین الی التصوف کی یعنی آجکل رسوم کا نام تصوف رکھ چھوڑا ہے، حقیقت تصوف کی ہے تعمیر الظاہر والباطن۔ ظاہر کا درست کرنا یہ ہے کہ اقوال و افعال سب شریعت کے موافق ہوں اور باطن کی درستی یہ ہے کہ قلب کی حالت درست ہو یعنی ایک تو اخلاق باطنی درست ہوں توکل ہو شکر ہو رذائل کو دور کیا ہو جیسے حب دنیا وغیرہ یہ ہے تصوف تو اسوقت لکھے پڑھے

ملہ [illegible]

بھی صرف ظاہر کو لئے ہوئے ہیں اور جنھوں نے باطن کو لیا انھوں نے ظاہر کو چھوڑ دیا تو گویا تقسیم کر لیا کہ جو ظاہر کو لیں وہ باطن کو چھوڑ دیں اور جو باطن کو لیں وہ ظاہر کو چھوڑ دیں اور بعض نے دونوں کو چھوڑ دیا وہ نہ نماز روزہ کرتے ہیں نہ تصفیۂ باطن بلکہ حب دنیا و حب جاہ میں غرق ہیں اور یہ تینوں قسم کے لوگ تصوف سے بمراحل دور ہیں۔ غرض تصوف اصلاح ظاہر و باطن کا نام ہے نہ کہ رسوم کا بلکہ احوال متعارفہ کا نام بھی نہیں یہ احوال اگر نہ بھی ہو تو نسبت مع اللہ پیدا ہو سکتی ہے جسکا اثر یہ ہے کہ طاعت میں سہولت ہو اور دوام ذکر پر توفیق ہو۔

رہے رسوم کہ قبر پر کپڑے چڑھانا، عرس کرنا، کپڑے رنگین پہننا، سماع سننا سو انکو کوئی تعلق تصوف سے نہیں ہے۔ احوال اگرچہ کبھی مقامات پر مترتب ہو جاتے ہیں لیکن وہ تصوف کے اجزاء یا اسکے لوازم سے نہیں۔ اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر ذکر میں کبھی انکو وجد وغیرہ ہونے لگے تو سمجھتے ہیں کہ اصل مقصود حاصل ہو گیا اور اگر نہ ہو تو سمجھتے ہیں کچھ فائدہ ہی نہیں ہوا حالانکہ ذکر سے مقصود یہ نہیں ہے بلکہ مقصود حقیقی یہ ہے کہ حکم ہے کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (پس تم لوگ مجھکو یاد کرو میں تمکو یاد کروں گا) جسکا ظہور آخرت میں ہوگا اور عاجل مقصود یہ ہے کہ کثرت ذکر سے نسبت مع اللہ ہو جائے اور اس سے سہولت فی الطاعۃ ہو، تو یہ ایک غلطی تو متصوفین کو ہوئی دوسری غلطی منکرین کو ہوئی کہ انھوں نے صوفیہ کو خشک دماغ بتلایا حالانکہ وجد وغیرہ کا سبب یہ نہیں ہے اگرچہ اسمیں بھی شک نہیں کہ کبھی اس میں تھوڑا دخل احوال طبعیہ کو بھی ہوتا ہے لیکن ہمیشہ اور ہر جگہ کو ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ غرض انکو عین تصوف سمجھنا بھی غلطی ہے اور بالکل مباین خارج سمجھنا بھی غلطی ہے فیصلہ یہ ہے کہ داخل تو نہیں مگر متعلق ہے اور ایک درستی قلب کی یہ ہے کہ عقائد درست ہوں جسکا ضروری ہونا ظاہر ہے اور عمل ظاہری کا ضروری ہونا بھی ظاہر ہے۔

(۱۵۰) قربِ الٰہی سے مراد

قال اللہ تعالیٰ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ

مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ
الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ (اور تمھارے اموال واولاد ایسی چیز نہیں جو تم کو درجہ میں ہمارا مقرب بنا دے
ہو تو وعلت قرب کی بھی نہیں) مگر ہاں جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے (یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب
ہو) ایسے لوگوں کیلئے ان کے (نیک) عمل کا دونا صلہ ہے اور وہ (بہشت کے) بالاخانوں میں چین سے (بیٹھے) ہوں گے)
ن مجید کی ایک آیت ہے اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک بڑی دولت
اور اسکے حصول کا طریقہ بتایا ہے اور جو غلطیاں ان سے واقع ہوگئی ہیں ان پر
فرمائی ہے اس آیت کے ترجمہ سے اس دولت کا پتہ چل جائے گا مگر اول مجملاً
پتہ بتلاتا ہوں کیونکہ بہت کم لوگ اسکو دولت سمجھتے ہیں اور اہل دنیا تو کیا سمجھتے اکثر اہل دین
اس پر نظر بہت کم کرتے ہیں اور وہ دولت قرب خداوندی ہے اور وہی اس آیت میں
ہے اور قرب کی حقیقت عنقریب معلوم ہوگی اسلئے کہ وہاں قرب جسمانی تو ہے نہیں کہ
لکم ہو جائے کیونکہ یہ خواص جسم سے ہے باقی جو چیزیں مادی نہیں ہیں اگرچہ حادث اور
ن ہوں ان میں قرب متصور نہیں ہے تو جو ذات پاک امکان اور حدوث سے بھی منزہ ہے
میں یہ قرب کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔

۱۵۱) جہلا صوفیہ کی قرب کے معنی سمجھنے میں غلطی

اور یہاں سے ان عوام الناس کی غلطی معلوم ہوگئی جو خواص کی صورت میں ہیں اور
ن سے علماء و امراء مراد نہیں کیونکہ یہ لوگ تو ایسی غلطیوں سے محفوظ ہیں بلکہ مشائخ اور صوفیہ
ہیں تو جو ان حضرات کی صورت بنائے ہوئے ہیں اور حقیقت میں عامی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ
خداوندی قرب جسمانی ہے اور اسکا پتہ آنکی مثالوں سے چلتا ہے اگر محققین سے اس قسم
دی مثال منقول بھی ہو تو ہم اس میں تاویل کریں گے لیکن یہ عوام اس قسم کے اقوال میں
ب بھی نہیں کرتے بلکہ ان کے ظاہری متبادر معنی مراد لیتے ہیں اور اس قسم کے اقوال
لنے والے بعض تو وہ ہیں کہ خدا کو دریا اور اپنے کو موج کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور بعض لوگ
وہ اور دریا کی تشبیہ دیتے ہیں تو اگر تشبیہات کسی معتبر کلام میں پائی جاوینگی تو ہم آنکی تاویل کریں گے

(۱۵۲) علی الاطلاق تشبیہ کا انکار کرنا غلو مذموم ہے

کیونکہ محض تشبیہ پر انکار کرنا تو غلو ہے قرآن شریف میں خود تشبیہ موجود ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ الآیۃ اس میں تصریح ہے کہ نور خداوندی کی صفت ایسی ہے جیسے کہ ایک طاقچہ ہو کہ اس میں ایک چراغ ہو اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو اور اس چراغ کی یہ حالت ہو جیسے ایک درخشاں ستارہ پس جب قرآن میں خود تصریح تشبیہ کی ہے تو اگر مطلق تشبیہ مذموم ہوتی تو قرآن میں یہ تشبیہ کیوں مذکور ہوتی اور یہ اسواسطے میں نے ذکر کردیا کہ آجکل بعض متشددین بہت غلو کرنے لگے ہیں کہ محض ظاہری الفاظ دیکھکر معنی میں غور نہ کرکے کفر و بدعت کا فتویٰ لگا دیتے ہیں حالانکہ ارشاد خداوندی ہے لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ کہ حق سے آگے نہ بڑھو کہ یہ غلو فی الدین ہے مثلاً جس چیز کی نظیر قرآن میں موجود ہو اسکو علی الاطلاق حرام کہدیا جائے۔

(۱۵۳) تشبیہ کی حقیقت

ہاں وجہ شبہ متعین کرنی چاہیئے تو سمجھو کہ تشبیہ میں مشارکت ہوتی ہے دو چیزوں کی کسی خاص امر میں مثلاً کسی کے چہرہ کو چاند سا کہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس میں یہ اور چاند شریک ہیں یہ مطلب نہیں ہوتا کہ چہرہ بھی اسی قدر بڑا جسم ہے جسقدر چاند یا چاند میں بھی آنکھ ناک، کان خد و خال موجود ہیں یا جیسے چاند کے ہاتھ پیر نہیں اس شخص کے بھی نہیں۔ علی ہذا خدا تعالیٰ نے جو تشبیہ دی ہے کہ کمال نورانیت میں اسکے مشابہ ہے اگرچہ یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں کمال ایک نہیں جسطرح کلی مشکک کے افراد مختلف ہوتے ہیں برابر نہیں ہوتے مگر کوئی امر اسمیں مشترک ضرور ہوتا ہے مثلاً شدت ضیا اور مشبہ بہ کا اکمل ہونا بھی ضروری نہیں البتہ واضح یا اشہر ہونا ضروری ہے تو اسیطرح سے اگر کسی محقق کے کلام میں خدا کو دریا اور اپنے کو قطرہ کے ساتھ تشبیہ دی ہو تو وہ کسی خاص امر میں ہوگی جیسا کہ مغربی نے کہا ہے ؎

ز دریا موج گوناگوں بر آمد ز بے رنگی بہ رنگ چوں بر آمد

حامل مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ ۲۰ عنہ بیس روپئے

چندہ ششماہی ۱۰ عنہ دس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ — دو روپے

مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۵	رجب ۱۴۰۱ھ مطابق مئی ۱۹۸۱ء	جلد ۴

فہرستِ مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

(طریقہ اصلاح امت حضرت مصلح الامۃ کی نظر میں)

ایک مولوی صاحب کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ——— آپ جس تاثر کو لیکر یہاں سے واپس ہوئے اسے معلوم کرکے مسرت ہوئی اور مزید خوشی اسپر ہوئی کہ آپ نے میرا مقصد سمجھ لیا چنانچہ آپ نے لکھا بھی ہے کہ :۔

"جس اہم اور مبارک موضوع کیطرف توجہ دلائی ہے وہ میری اصلاح وتعلیم کیلئے بہت مفید تھی ہم لوگوں نے اس موضوع ومضمون کو بالکل فراموش ونظرانداز کر دیا ہے"

تو واقعہ یہ ہے کہ آج یہی حال ہوگیا ہے۔ آپ خود خیال فرمایئے کہ جس جنت وآخرت کے ذکر نے حضرات صحابہ کو کھڑا کر دیا تھا اور جس کی ترغیب سے قرآن وحدیث بھرا ہوا ہے آج مسلمانوں کے عوام کو اس سے کیا مناسبت اور شوق جبکہ دیکھتے ہیں کہ خواص اس سے خالی ہیں۔

امت کی اصلاح انھیں مضامین سے ہوگی جن سے اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اصلاح فرمائی ہے۔ اور آپ کو تو تجربہ ہوگا بڑی سی بڑی فلسفیانہ تقریر کانوں کو کچھ لطف بخشدے تو بخشدے ایمان پیدا نہیں کرسکتی۔ ایمان میں جب حرکت ہوگی تو انھیں چیزوں سے جن کو اللہ ورسول نے ایمان ہی میں حرکت دینے کے لئے وضع کیا ہے ورنہ تو جنت تو آخرت میں ملے گی اسکی اتنی مفصل بحث قرآن کریم میں کیوں فرمائی جاتی۔

لوگوں کے اعتراض کرنے کا یا متوحش ہونے کا وقت نکل گیا اب تو ضرورت ہے کہ اور لوگ اگر نہیں بیان کرتے تو نکریں ہم لوگ تو اسکو اپنا وظیفہ بنالیں اور بلا خوف لومۃ لائم بیان کریں کوئی سنے یا نہ سنے۔ جس کے لئے بیان کریں وہ جانتا ہے کہ مضمون حق ہے اور وہ خوب سنتا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ اور لوگ آپکا ساتھ نہ دیں گے سب تائید کریں گے اسی دن سنا کہ آپ کے بعد جو کھڑا ہوتا وہ آپ کا نام لیتا اور آپ کے موضوع پر

کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا۔ باقی بات یہ ہے کہ بدون حال پیدا کئے اس موضوع پر تقریر کرنا آسان نہیں۔ آپ نے اتنا بھی محسوس فرمایا اوروں کو اسکی بھی خبر نہیں ہے۔

باقی آپ نے ابن قیم کی کتاب کا ترجمہ کرنے کا جو خیال ظاہر فرمایا ہے تو اس قسم کی چیزوں میں میرا نظریہ ذرا دوسروں سے مختلف ہے وہ یہ کہ کیسی ہی کتاب کیوں نہ لکھدی جائے کوئی کتاب کتاب اللہ سے مستغنی کرنے والی نہیں ہوسکتی بلکہ مجھے تو مسلمانوں کی موجودہ مصیبت کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے کتاب اللہ کی ناقدری کی، چنانچہ دوسری کتابوں کی تو نظروں میں کچھ قدر و منزلت بھی ہے۔ اپنے مشائخ کی کتابیں کس قدر شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں لیکن اسکی فکر ہی نہیں کہ آخر کلام اللہ میں کیا لکھا ہوا ہے؛ بس جب ہماری طرف سے یہ معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی کتاب کے آگے کسی کی کتاب کو چلنے نہیں دیتے۔ شامی میں ہے قال المزنی قرأت کتاب الرسالة علی الشافعی ثمانین مرة فما من مرة الا وکان یقف علی خطاء فقال الشافعی ھیه ابی اللہ ان یکون کتاباً صحیحاً غیر کتابه حضرت مزنی فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ پر اسی بار کتاب الرسالہ پڑھی اور ہر بار اس میں کوئی نہ کوئی غلطی نکلی اس پر امام شافعیؒ نے فرمایا ہو جی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں کہ انکی کتاب کے علاوہ اور کوئی دوسری کتاب صحیح ہو۔

اسی لئے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بہر حال مضمون کی فی الجملہ وضاحت کے لئے تو علماء کی کتاب سے استعانت لے سکتے ہیں تاہم اصل مضمون کے بیان کے لئے قرآن بھی کافی ہے، اور قرآن شریف میں آخرت کا بیان مجمل نہیں مفصل آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ تو جانتے ہیں اس پر ایمان ہے کہ قرآن شریف معنی کے ساتھ ساتھ اپنے نظم کے اعتبار سے بھی معجز ہے اور وجہ اعجاز میں گو علماء کے مختلف اقوال ہیں تاہم میں سمجھتا ہوں کہ الفاظ قرآنی میں جو تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھدی ہے وہ دوسری چیز سے حاصل ہی نہیں ہوسکتی اگرچہ اسکا ترجمہ ہی کیوں نہو، کیونکہ ترجمہ کا نام قرآن نہیں ہے بس ترجمہ کا فائدہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منشا کو اپنی زبان میں تعبیر کر دیا گیا ہو یہی وجہ ہے کہ

ترجمہ پڑھ لینے کا نام تلاوت قرآن نہیں تلاوت تو اسی وقت کہلائیگی جب وہی الفاظ پڑھے جائیں جو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے نازل ہوئے ہیں۔

اسلئے میں اس سلسلہ میں کام کرنیوالوں کو یہ مشورہ دونگا کہ وہ ان مضامین سے پہلے تو خود متاثر ہوں کیونکہ عالم ہی کے تاثر کا اثر عوام پر پڑتا ہے۔ دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے شوق، دوزخ کے خوف، اللہ تعالیٰ کی خشیت، اللہ تعالیٰ کی محبت ان تمام چیزوں میں سب سے زیادہ متاثر تھے اسلئے حضرات صحابہ کا حال ان امور میں جیسا تھا معلوم ہی ہے دوسرے پر اثر جسقدر حال کا پڑا کرتا ہے قال کا نہیں پڑتا اسی کو میں نے اپنے بعض احباب کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے اسکو بہت پسند کیا اور میں نے کہا کہ دین دینداری کی صفت ہے کتاب کی نہیں اور اگر کسی شخص پر کسی کی کتاب سے اثر پڑا ہے تو دراصل وہ بھی صاحب کتاب کے حال کا اثر ہے جو کلام میں شامل رہتا ہے، لہٰذا قرآن شریف ہی سے ان مضامین کو بیان کرنا چاہیئے تاکہ الفاظ کی برکت اور اثر اور اللہ تعالیٰ کی شان جلال وجمال جن کا وہ کلام مظہر ہے اسکا اثر بھی سننے والے پر پڑے اور علماء اسکو زبانی بیان کریں اور پہلے خود متاثر ہوکر بیان کریں تاکہ طریق سنت کے اتباع کی برکت سے فائدہ کامل حاصل ہو۔

مثال کے طور پر آپ کو ایک حدیث لکھتا ہوں کہ ایسے مضامین بیان کرنے کی اس زمانہ میں زیادہ حاجت ہے۔ ابوسعید خدریؓ: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا وضعت الجنازۃ فاحتملها الرجال علی اعناقهم فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وان کانت غیر ذلک قالت لاهلها یا ویلها این یذهبون بها یسمع صوتها کل شیٔ الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق ۔(رواہ البخاری)

حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب جنازہ لایا جاتا ہے اور اسکو لوگ اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ صالح ہوا تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی آگے بڑھاؤ ورنہ اپنے اہل سے کہتا ہے میرے لئے ہلاکت ہو تم مجھے کہاں لئے جارہے ہو اور اسکی اس آواز کو سوا انسان کے سب سنتے ہیں اور اگر انسان اس کو

سن لے تو بیہوش ہو جائے۔

اس زمانہ میں بھی بڑے بڑے منکرِ آخرت تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات پڑھ پڑھکر سب کے قلوب کو ہلا کر رکھدیا آج بھی اثر ان ہی مضامین سے پڑ سکتا ہے اور مسلمان تو بہت جلد متاثر ہو سکتا ہے مگر ہاں پیش کرنے والوں کی کمی ہے۔ اب یہ پیش کرنے والے کہاں سے آئیں اور کس طرح سے یہ لوگ اہل دل اور اہل اثر بنیں یہی بات سمجھنے کی اور سمجھکر کام کرنے کی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

کسی بھی کلام کا محمل سمجھنا چاہیئے

فرمایا کہ محققین کے کلام میں تعارض نہیں ہوا کرتا البتہ بادی النظر میں کبھی کچھ اشکال واقع ہو جاتا ہے اور عوام کو اسکی وجہ سے کچھ تردد ہو جاتا ہے لیکن کوئی محقق جب ان کے مطالب کو سمجھا دیتا ہے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شبہ ہی نہیں تھا۔ اور ہر کلام کا محمل جدا ہے۔

اسوقت آپ کے سامنے بزرگوں کا کلام اور اس پر جو اشکال ہوتا ہے نقل کرتا ہوں پھر اسکا جواب بھی دونگا جس کے بعد آپکو خود معلوم ہو جائیگا کہ مسئلہ کتنا واضح اور صاف ہے اور ان حضرات کے کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ہماری فہم ہی کا قصور ہے۔ بات یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں کبھی مختلف جہت ہوتی ہیں ایک شخص نے ایک جہت کو سامنے رکھکر کلام کیا حالانکہ دوسری جہت سے اسکا دوسرا حکم تھا اسکو نہیں بیان کیا۔ دوسرے نے دوسری جہت کو لیا پہلی کو چھوڑ دیا بس اس سے غیر محقق کو اشکال واقع ہو جاتا ہے اور محقق کے سامنے چونکہ اس مسئلہ کے تمام پہلو اور سارے گوشے ہوتے ہیں اس لئے وہ ان سب کلاموں کو جمع کرلیتا ہے۔ اب اشکال کی تقریر سنیئے۔ مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ؎

فقر خواہی آں بصحبت قائم است   نے زبانت کار می آید نہ دست

دانش انوارست در جان رجال ۔ نے زراہ دفتر و نے قیل وقال

(یعنی اگر تم درویشی چاہتے ہو تو وہ صحبت کے ذریعہ ہی حاصل ہوگی اسکی تحصیل کے لئے نہ زبان کام آسکتی ہے اور نہ ہاتھ معرفت جسکا نام ہے وہ اللہ والوں کی جان میں انوار ہوتے ہیں جو کہ دفتر اور قیل وقال سے حاصل نہیں ہوسکتے۔) مولانا روم کے اس کلام سے ظاہر سے معلوم ہوا کہ صحبت ہی اصل چیز ہے اور کتاب وغیرہ کو حصول فقر میں مطلقاً دخل نہیں اور گویا یہ سب چیزیں بیکار ہیں، لیکن علمائے محققین تصریح فرماتے ہیں کہ بصیرت اور معرفت کا ذریعہ کتب نافعہ بھی ہیں چنانچہ شامی میں ہے کہ :۔

(قولہ بتنویر الابصار) الباء للسببیۃ فان الانسان بنور بصرہ ینظر الی عجائب المصنوعات للہ تعالیٰ والی کتب النافعۃ وغیر ذلک مما یکون سبباً فی العادۃ لتنویر البصیرۃ باکتساب المعارف (شامی ص ۱۲ ج ۱)

ان دونوں کلاموں کو دیکھنے کے بعد اشکال ہوتا ہے کہ مولانا تو فرماتے ہیں کہ ؏ نے زراہ دفتر و نے قیل وقال یعنی دانش کے حصول کا یہ چیزیں ذریعہ نہیں اور علامہ شامی لکھتے ہیں کہ انسان اپنے نور بصر سے عجائب مصنوعات کو نیز کتب نافعہ وغیرہ کو دیکھتا ہے تو عادۃً اسکا یہ دیکھنا سبب بن جاتا ہے بصیرت قلبی (یعنی معرفت و دانش) کے حصول کا۔ لہٰذا اب اگر مولانا صحیح فرماتے ہیں تو علامہ شامی کی عبارت کا مفہوم کیا ہے؟ اور اگر علامہ شامی ٹھیک لکھ رہے ہیں تو مولانا کے کلام کا محمل کیا ہے؟ یہ ہے وہ اشکال جو اس مقام پر ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں الگ الگ ہیں ایک ہے علم اور معرفت اور ایک ہے حال تو اسکا کوئی بھی انکار نہیں کرتا کہ کتابوں کے ذریعہ سے علم اور معرفت حاصل ہوسکتی ہے اور اسکا انکار کیسے کیا بھی جا سکتا ہے جبکہ علماء لکھتے ہیں کہ کتب کے مطالعہ سے بصیرت روشن ہوتی ہے۔ بلکہ اسکا بھی انکار نہیں کہ کسی کو کتب نافعہ قرآن وحدیث یا بزرگان دین کی تصانیف کے دیکھنے سے یا کسی دیوان وغیرہ کے ایک شعر ہی سے ایسا حال پیدا ہو جائے کہ پھر وہ عمر بھر قائم رہ جائے تو یہ بھی ہو سکتا ہے اس کا بھی کوئی

لیکن یہ کتابوں کے ذریعہ سے حال کا انسان میں پیدا ہونا ایک امر اتفاقی اور شاذ و نادر بات ہے جس پر کلی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ عادۃ اللہ تو یونہی جاری ہے کہ جس طرح سے کہ حدادی آتی ہے حداد کی صحبت میں رہنے سے اور نجاری آتی ہے کسی نجار کی صحبت اختیار کرنے سے اسی طرح سے علم آتا ہے کسی عالم کی صحبت میں رہنے سے اور حال پیدا ہوتا ہے کسی صاحب حال ہی صحبت اختیار کرنے سے۔

اب اگر وہ بزرگ جو صاحب حال ہیں صاحب قال بھی ہوئے تو ان سے مریدین کو دونوں قسم کا نفع پہونچتا ہے کیونکہ وہ اپنے اقوال سے علوم و معارف بیان فرماتا ہے اور اپنے حال سے اپنے پاس بیٹھنے والوں میں حال پیدا کرتا ہے۔ اور شیخ کو صاحب قال بھی ہونا چاہیئے کیونکہ بہت سی باتیں قول ہی پر موقوف ہوتی ہیں ورنہ تو بقول شاعر اس کا مصداق ہوگا ؏ ہم ہیں مشتاق سخن اور ان میں گویائی نہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ شیخ کو لسان ہونا چاہیئے اور مرید کو کان۔ اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ مرید کے آداب سے تو یہ ہے کہ سراپا کان بنکر پیر کی باتیں سنیں اور شیخ کو چاہیئے کہ اپنی تقریر سے ان کے قلوب میں علوم حقہ اور معرفت بھردے اور یہی کامل حالت ہے گو تنہا حال بھی بدون قال کے کافی ہو سکتا ہے لیکن اکمل حالت نہیں ہے۔ باقی صرف قال ہو اور حال بالکل نہو تو نفع کے لئے یہ کافی نہیں بلکہ بعض دفعہ تو مضر ہوتا ہے اور الٹا اثر پیدا کرتا ہے

غرض تین صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ صرف قال ہی ہو تو یہ تو موثر نہیں دوسرے یہ کہ صرف حال ہی ہو یہ تربیت کیلئے مفید ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ حال و قال دونوں جمع ہوں نفع کے لئے یہ اکمل طریق ہے۔ حضرت رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ ـــــ "مرد وہ ہے جو اپنے حال سے (مریدوں کی) تربیت کرے نہ وہ جو تنہا باتوں ہی سے تربیت کرے اور جو شخص حال اور مقال دونوں کا جامع ہو وہ تو بڑا کامل مرد ہے"

ایک جانب اس تفصیل کو سامنے رکھئے اور پھر مولانا روم کے کلام کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مولانا اس قال کی مذمت فرما رہے ہیں جو حال سے عاری ہو اور یہ فرما رہے ہیں کہ اس سے حال نہ پیدا ہوگا۔ رہا یہ کہ علم اور معرفت بھی نہ پیدا ہو مولانا اسکا انکار نہیں فرماتے

اسی طرح علامہ شامی قال سے حال پیدا ہونے کے مدعی نہیں بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ —
کتب نافعہ سے بصیرت حاصل ہوتی ہے سو کتب کے ساتھ نافعہ کی قید ہی سے بہت سے قال کی نفی ہوگئی کیونکہ جو کتب نافعہ ہونگی وہ وہی ہونگی جو کسی نہ کسی صاحب حال ہی سے متعلق ہونگی۔

خلاصۂ بحث یہ کہ جو بات علامہ شامیؒ فرما رہے ہیں مولاناؒ اسکا انکار نہیں فرماتے بلکہ مولانا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ لوگ کتابوں کی جانب اس درجہ انہماک کے ساتھ نہ متوجہ ہوں کہ انکو صحبت ہی سے مستغنی کر دینے والی چیز تصور کرنے لگ جائیں کہ یہ غلو اور افراط ہوگا صحبت ہو یا کتاب ہر ایک کا ایک درجہ ہے نہ کتاب کے مفید ہونے کا انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ صحبت کے فوائد کا انکار ہو سکتا ہے۔ آخر مولانا یہ بات جو فرما رہے ہیں تو اسکا علم ہمیں اور آپ کو کتاب ہی کے ذریعہ سے تو ہوا۔ اور جو حضرات کتاب کے مفید ہونے کو بیان فرماتے ہیں انھوں نے یہ بات کسی کی صحبت ہی میں رہکر تو سیکھی ہوگی۔ اگر تنہا کتاب ہی کافی ہوتی تو سب سے زیادہ مستحق کافی ہونے کیلئے اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن شریف ہوتا اسکو نازل فرما دیا جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ بھیجا جاتا لیکن جب کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ بھی برابر رہا تو معلوم ہوا کہ صحبت بھی کوئی چیز ہے دیکھئے صحابی کو جو شرف حاصل ہے وہ صحبت ہی کی بدولت حاصل ہے۔ غرض نفع میں اصل صحبت ہے، باقی کتابوں سے ایک خاص قسم کا نفع پہونچتا ہے اسکا انکار نہیں۔

ارشاداتِ مصلح الامّۃؒ

فرمایا کہ ——— آج پھر کل ہی کے مضمون کے متعلق کہتا ہوں ذرا غور سے سنیئے
، ایک حدیث شریف سنیئے پھر اسی کے متعلق کچھ بیان کرونگا۔ یہ حدیث پہلے بھی کئی بار
چکا ہوں اسلئے آج اسکا صرف ترجمہ بیان کرتا ہوں:۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
وسلم نے فرمایا مثال اس شخص کی جو قرآن پڑھتا ہے نارنگی کی طرح ہے کہ جسکا مزہ بھی طیب
خوشگوار ہے اور خوشبو بھی بہت ہی عمدہ اور وہ شخص جو قرآن نہیں پڑھتا یعنی اسکی تلاوت
ں کرتا اسکی مثال کھجور کی سی ہے کہ مزہ تو اسکا شیریں لیکن خوشبو اس میں کچھ نہیں۔ اور اس فاجر
ر ایک روایت کی رو سے) اس منافق کی جو قرآن پڑھتا ہے مانند تلسی کے ہے کہ خوشبو تو
ی عمدہ لیکن مزہ نہایت کڑوا۔ اور مثال اس فاجر کی (اور ایک روایت کی رو سے) اس
فق کی جو قرآن نہیں پڑھتا مانند حنظلہ (اندرائن) کے ہے کہ مزا بھی جسکا کڑوا اور خوشبو
ی اس میں کچھ نہیں۔

ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ مثال اس مومن کی جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پہ
ل بھی کرتا ہے اسی طرح سے مثال اس مومن کی جو قرآن نہیں پڑھتا اور نہ اس پر عمل کرتا ہے الخ
وایت کیا اسکو بخاری اور مسلم وغیرہ نے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مثالیں بیان فرمائی ہیں جو قرآن شریف
پڑھنے نہ پڑھنے والوں کی ہیں جن میں سے دو مومن کی ہیں اور دو فاجر یا منافق کی۔ پہلی مثال
س مومن کی ہے جو قرآن شریف کی تلاوت بھی کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے، جیساکہ فی
روایۃ کہکر صاحب ادب النبوی نے اسکی تصریح فرمادی ہے اور ایک روایت دوسرے کی
وضاحت کرتی ہے اسلئے قرینہ تقابل سے دوسری مثال اس مومن کی ہے جو قرآن پڑھتا تو نہیں
مگر اس پر عمل کرتا ہے کیونکہ یہاں وہ اگر تلاوت نکرنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی نکرتا ہو تب تو
یہ چوتھی قسم کا مصداق ہو جائے گا کہ اس میں ایسے شخص کی مثال حنظلہ سے دی گئی ہے جو ایک الگ

ہم ہے۔ تیسری مثال اس فاجر یا منافق کی ہے جو عمل تو نہیں کرتا مگر تلاوت کرتا ہے اور اسکی
ثال ریحانہ (تلسی) سے دی ہے، اور چوتھی مثال اس فاجر یا منافق کی فرمائی ہے جو نہ عمل کرتا
ہے اور نہ تلاوت ہی کرتا ہے اور اسکی مثال حنظلہ سے فرمائی ہے۔ غرض وہ مومن جو تلاوت
رآن کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اسکی مثال اترجہ یعنی نارنگی فرمائی اسلئے کہ اسکا مزہ بھی
لیب ہوتا ہے اور اسکی خوشبو بھی پاکیزہ ہوتی ہے۔ طیب کے معنی سمجھتے ہیں کیا ہیں؟ طیب
سے کہتے ہیں کہ جیسے آپ لوگ آجکل افطار کے وقت شربت پیتے ہیں (یہ مجلس کسی گرمی
کے رمضان المبارک کی ہے) یا خربوزہ کھاتے ہیں تو وہ آپ کو کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے
س بطور مثال کے طیب کے یہی معنی سمجھ لیجئے ورنہ تو تلاوت کا جو مزہ ہوتا ہے وہ نارنگی
سے کہیں بڑھکر ہوتا ہے ——— اسکے بعد ایک مولوی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے
فرمایا کہ ——— مولوی . . . صاحب کہئے اب کیا حال ہے؟ آپ تو کہتے تھے کہ لوگوں
یں اثر ہی نہیں اب ذرا لوگوں سے پوچھئے دیکھئے اثر ہے یا نہیں؟ اور سنئے ایک جگہ
بلسہ میں لوگ تقریریں کر رہے تھے ایک نابینا بھی اس میں بیٹھا ہوا تھا جب کوئی نیا واعظ کھڑا ہوتا
تو یہ اپنے پاس والے سے دھیرے سے پوچھتا کہ اب کون صاحب کھڑے ہوئے ہیں اور
سنکر چپ ہو جاتا یہاں تک کہ وہ مولوی صاحب کھڑے ہوئے جنکا یہ منتظر تھا بس ان کے وعظ
شروع کرتے ہی اس نے رونا شروع کیا تو لوگوں نے دیکھا کہ مولوی صاحب کے وعظ کیوجہ
سے ایک شخص پر اتنا اثر ہوا کہ اس پر گریہ طاری ہو گیا سب لوگ بہت متاثر ہوئے بعض لوگ
اسکے رونے کی وجہ سے رونے بھی لگے چنانچہ اسکا اثر خود ان مولوی صاحب پر بھی ہوا اور
انھوں نے تقریر اور طویل کر دی جب بہت دیر گذر گئی تو اس اندھے نے مجلس وعظ ہی میں زور
سے کہدیا کہ اجی چار آنے میں اب جان ہی لے لوگے کیا؟ اسکی اس بات کو لوگوں نے بھی
سن لیا تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ارے توبہ توبہ یہ تو کرایہ کا ٹٹو نکلا اور رونے ہی کے خیال
سے لایا گیا تھا تاکہ اور دوسرے لوگ مولوی صاحب کے وعظ کے معتقد ہوں۔ تو دیکھئے
بعض تاثر اور بعض رونا ایسا بھی ہوتا ہے یعنی ظاہری اور ریائی، حقیقی نہیں ہوتا۔
خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ مومن عامل، قاری قرآن کی مثال آپؐ نے اترجہ سے اسلئے

بیان فرمائی ہے کہ جس طرح سے اترجہ کا ظاہر طیب ہوتا ہے اور اسکا باطن یعنی خوشبو بھی اسکی اچھی ہوتی ہے اور مزہ بھی اسکا عمدہ ہوتا ہے اسی طرح مومن کا حال بھی یہی ہے کہ اگر تم اسکو چکھو یعنی معاملات اور معاشرت میں اسکو آزماؤ تو اسکو ایک مرد وفا شعار پاؤ گے حق کی تقدیس کرنے والا اور باطل کا ابطال کرنیوالا پاؤ گے۔ اور اسکو سونگھو گے تو خوشبو بھی اسکی عمدہ پاؤ گے اور کیوں نہو یہ آخر ہے بھی تو قرآن کی خوشبو، جس طرح سے کہ خوشبو کسی ڈبہ میں ہو اور اسکا ڈھکن کھولدیا جائے تو اسکی خوشبو پھیلے گی اسی طرح سے اس شخص کے اندر سے اسکی تلاوت کی خوشبو پھیلتی ہے اور وہ خوشبو اسکے قلب سے پھوٹ رہی ہے جو کہ زندہ ہے اور معطر ہے اور ایسی لسان سے پھیل رہی ہے جو کہ معطر ہے تو اسکی ظاہری خوشبو کا حال ہے کہ اسکی تلاوت کی وجہ سے ہر شخص کو لطف آرہا ہے جس طرح سے کہ کہیں کوئی خوشبو ہو تو اسکے آس پاس کے سب ہی لوگوں کا دماغ معطر ہو جاتا ہے یا کسی کے گھر پر کوئی درخت ہو تو ہم نے دیکھا ہے کہ بعض مرتبہ صرف ایک درخت کی وجہ سے شب میں سارا مکان بلکہ پورا محلہ مہک اٹھتا ہے اور معطر ہو جاتا ہے اسی طرح سے اسکی تلاوت سے مشام جاں معطر ہو جاتا ہے اور اسکی خوشبو سے ہر شخص کو حصہ ملتا ہے ؎

مستی کے لئے بوئے مے تند ہے کافی ۔۔۔ میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

مطلب یہ کہ مستی کے لئے کچھ بھی ضروری نہیں کہ آدمی شراب نوش ہی کرے بلکہ اگر تند و تیز شراب ہوتی ہے تو اسکی بو ہی مستی پیدا کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہے اسلئے میخانہ سے اگر کسی کو شراب نہیں بھی ملی تو وہ محروم نہیں کہا جائے گا کیونکہ شراب پینے سے جو مقصود ہے یعنی مستی وہ دوسروں کو تو پی کر حاصل ہوتی اور اسکو بو ہی سونگھ کر حاصل ہے پس جب یہ شخص حاصل اور نتیجہ میں شریک ہے تو پھر محروم کہاں رہا؟ اسی کو کہا ہے کہ ؎

مستی کیلئے بوئے مے تند ہے کافی ۔۔۔ میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

مصنف ادب النبوی نے ظاہری خوشبو کو زیادہ نہیں لیا ہے حالانکہ جب یہ کلام اللہ ہے تو کیا اسکی ظاہری خوشبو بھی ظاہر ہے کیسی کچھ ہوگی؟ خوشبو کے ادراک کا ذریعہ ناک ہے یہی ہے کہ زبان سے کسی خوشبو کے اچھے یا خراب ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا بعض خوشبو

ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انکو چکھو تو کڑوی مگر مہک نہایت ہی عمدہ ہوتی ہے۔ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ میں نے خواب دیکھا کہ تم نے میرے ناک میں پھونکا اور اسکا اثر میرے دماغ تک پہونچ گیا میں نے کہا وہ کوئی خوشبو ہی ہوگی اسلئے کہ اسی کے ادراک کا آلہ ناک سے اور محسوس کرنے کا ذریعہ دماغ ہے۔ اب جو میں یہ سب بیان کر رہا ہوں تو آپ لوگ کہتے ہونگے جلدی سے آگے چلو اتنی دیر سے اسی میں پڑے ہو ابتک تو کوئی اور ہوتا تو نہ معلوم کتنی تقریر کرڈالتا اور ہم سن سنا کر بازار بھی چلے جاتے اور ایک تم ہو کہ اسی ایک بات میں پڑے ہوئے ہو اور اسی کو بار بار کہے جا رہے ہو۔ ذرا غور سے سنئے :-

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت یوسفؑ کی قمیص مصر سے چلی تو اسکی خوشبو حضرت یعقوبؑ نے یہاں اپنے یہاں کنعاں میں سونگھ لی اور فرمایا کہ اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ مگر ان لوگوں نے اسکی تصدیق نہیں کی اور یہی کہتے رہے کہ تَااللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ لیکن بعد میں جب بشیر آیا تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ نے جو خوشبو سونگھی تھی وہ صحیح تھی بالآخر آپ نے اس کرتہ کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور بینا ہو گئے۔

مولانا روم اس قصہ کو بیان کرکے فرماتے ہیں کہ اسی طرح سے میرا یہ بیان اور میرے یہ سب کلمات معرفت پیراہن یوسف کیطرح ہیں کہ ان سے بھی محبوب حقیقی کی خوشبو سونگھی جاسکتی ہے کیونکہ خوشبو سونگھنے کے لئے نزدیک ہونا ہی ضروری نہیں ہے وہ بہت بہت دور سے بھی سونگھی جاسکتی ہے اور اسکے لئے نظر آنا بھی شرط نہیں ہے۔ بدون نظر آئے بھی خوشبو اپنی اس ذات کے وجود کا جس کی یہ خوشبو ہے پتہ دیتی ہے۔ اسی طرح سے محبوب کی بھی خوشبو محبوب کا سراغ دیتی ہے اور اسکا راستہ بتاتی ہے اور زبان سے بڑھکر اس راہ کی ترجمانی کرتی ہے چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

بوئے آں دلبر چوں پراں می شود　　　ایں زباں ہا جملہ حیراں می شود

یعنی اس دلبر کی خوشبو جس وقت کہ اڑتی ہے تو وہ محبوب کے راستہ کی ایسی ترجمانی کرتی ہے کہ ترجمان میں جو اصل ہے یعنی زبان وہ بھی حیران رہ جاتی ہے کہ اس نے تو مجھ سے بڑھکر میرا کام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مومن کی جو تلاوت کرتا ہوا اور عامل بھی ہو مثال نارنگی کے ساتھ جو دی تو سبحان اللہ نہایت ہی عمدہ مثال دی اسکی خوبی اور شرح پر کوئی قادر ہی نہیں ہو سکتا کہ جس طرح سے وہ حسن النظر اور حسن الذائقہ ہوتی ہے اسی طرح سے اسکا بھی حال ہے کہ ظاہر بھی اچھا اور باطن کا تو کہنا ہی کیا۔

پہلا شخص وہ ہے کہ ایمان جسکے قلب میں بھر گیا ہو جس طرح سے کہ پانی برتن میں بھرا ہوتا ہے اور پھر بھر کر اسکے اوپر بھی چھلک آیا ہو اور ایمان جب دل میں بھر جاتا ہے تو اسکا اثر جوارح پر بھی ہو ہی جاتا ہے چنانچہ اسکی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کا موقن، اسکے رسول کا مومن اسکی کتاب کا مُصدِق اور اسکے دین کا عامل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا موقن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، حشر و نشر تمام کا یقین دل سے کرتا ہے۔ اس نے اپنے نفس کے لئے قرآن کا ایک حصہ مقرر کر لیا ہے جسکو کہ وہ رات کی ساعات میں تلاوت کرتا ہے يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللهِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۔ دیکھتے ہیں اب قرآن شریف موجود ہے اور ہم غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی یعنی یہودیوں کی اور نصرانیوں کی اوپر سے مذمت بیان فرماتے چلے آرہے ہیں اسکے بعد فرماتے ہیں کہ لَيْسُوْا سَوَاءً یعنی ان میں سب برابر نہیں ہیں بہت سے ان میں اچھے بھی ہیں مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ آيٰتِ اللهِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ یعنی ان اہل کتاب میں ایک جماعت عادلہ ایسی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اسکی آیتوں کو رات کی ساعات میں تلاوت کرتی ہے درانحالیکہ وہ لوگ سجدے میں ہوتے ہیں، یہ اسلئے کہ محبوب کی یاد زیادہ تر رات ہی کو ستاتی ہے اور یہ لوگ سامان تسلی اسی کو بناتے ہیں، اسی سے اپنی تسلی کرتے ہیں سبحان اللہ کیا مدح فرمائی ہے اور سبب مدح انکی حقیقی اور دلی تلاوت ہی کو قرار دیا ہے

ایک صاحب نے حاضرین مجلس میں سے عرض کیا کہ حضرت نے کل فرمایا تھا کہ حدیث زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ کو یاد دلانا بیان کرونگا۔ فرمایا کہ ہاں میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ

کبھی ایک شے ہوتی ہے مگر اسکی حقیقت منکشف نہیں ہوتی۔ حضرت حاجی صاحب اس مضمون سے یہ مسئلہ خوب واضح ہو جاتا ہے۔ حکایت: سنیئے! خانصاحب نے کہ حضرت حاجی صاحب کے سامنے ایک حدیث زملونی زملونی کا تذکرہ آیا جبکہ حضر صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دفعہ جبرئیل کو دیکھا تھا اور آپ مضطرب ہو کر واپس تشریف لائے اور فرمایا مجھے کمبل اڑھاؤ مجھے کمبل اڑھاؤ! عرض کیا گیا کہ کیا حضرت صلی اللہ علیہ جبرئیل سے خائف ہو گئے فرمایا کہ نہیں بلکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت اپنی حقیقت تحمل نہیں فرما سکے جو کہ جبرئیل کو دیکھکر آپ پر منکشف ہوئی اور یہ قاعدہ ہے کہ غیر جنس پر اپنی حقیقت محجوب رہتی ہے اور ہمجنس کو دیکھکر منکشف ہو جاتی ہے۔ جیسے مشہور ہے کسی شخص نے شیر کا بچہ پال لیا تھا اور اسے اپنی بکریوں میں چھوڑ رکھا تھا شیر کو ان بکر میں رہکر اپنی حقیقت کی خبر نہ تھی وہ بھی مثل بکریوں کے مسکین بنا ہوا تھا اتفاق سے پانی پیتے ہوئے اس نے اپنا چہرہ دیکھ لیا اور اپنی شجاعت و بسالت کی تصویر اسکی آ کے سامنے آگئی اور پھر جو بکریوں کو دیکھا تو سمجھا کہ میں بکری نہیں ہوں کچھ اور ہی ہوں یہ پاکر جو بکریوں میں گیا تو سب بکریوں میں غل غدر مچ گیا کسی کو پھاڑ ڈالا کسی کو مارا کسی کو کا پھر فرمایا کہ ایک جزیرے میں فرض کرو سب بد رو، بد شکل بستے ہوں ایک خوبصورت پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے ان میں رہکر وہ بھی اپنے کو انھیں جیسا سمجھتا رہے گا اور ا خوبصورتی کی حقیقت اس پر بوجہ ناجنسی اختلاط کے منکشف نہوگی اسلیئے نہ ناز و انداز نہ کرشمہ وغمزہ کی راہ چلے گا لیکن اگر اتفاق سے وہاں اس جیسا کوئی دوسرا حسین آ نکلے۔ ساتھ ناز و کرشمہ اور ادائیں ہوں تو ضرور ہے کہ اُسے دیکھکر اسے اپنی حقیقت فوراً منکشف ہو جائیگی اور وہ بھی ناز و انداز کرنے لگے گا۔ اسی طرح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل شیر کے اور مثل اس حسین کے مکہ کے جاہلوں کے درمیان تھے اور آپ پر اپنی حقیقت منکشف نہ تھی لیکن جونہی آپ نے چہرۂ جبرئیل کو دیکھا جو اس معنی کر آپ کے ہمجنس تھے کہ انکی بھی صفت علم کرتی ہے اسی لئے وحی و ابحاکی خدمت انکے سپرد ہوئی اور انبیاء علیہم کی تربیت بھی صفت علم سے ہوا کرتی ہے، اُنکے چہرے میں آپ کو اپنی حقیقت نظر

لیکن وہ اتنی عظیم الشان تھی کہ یکایک آپؐ اسکا تحمل نہ کر سکے اور اضطراب میں زملونی زملونی
فرمایا، یہ نہیں کہ آپ جبرئیلؑ سے خائف ہو گئے تھے پھر حاجی صاحبؒ نے یہ شعر پڑھا (اشعار
یاد نہیں رہا) اس پر خانصاحب فرماتے ہیں کہ میں نے یہ شعر پڑھا ؎

دیکھو امت و یکھیو کہ آئینہ — غش تمھیں دیکھکر نہ آجائے

خانصاحب فرماتے تھے کہ مولانا محمود حسن صاحب بار بار اس واقعہ کو مجھ سے سنا کرتے
اور جھومتے تھے۔

یہ واقعہ میں نے بالکل بے جوڑ بھی نہیں بیان کیا بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حقیقت عرب کے جاہلوں میں رہکر نہ منکشف ہو
اسی طرح سے اگر کوئی عالم بھی جاہلوں میں پھنس جاتا ہے تو ان کے درمیان میں پڑ
وہ بھی اپنی حقیقت کو بھول جاتا ہے اور انھیں کی طرح سے اپنے کو بھی سمجھنے لگتا ہے
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ فارغ ہو کر آتے ہیں اور دیہات میں رہ پڑتے ہیں تو آہستہ
ان میں سے علم کے سارے اثرات ختم ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ انکی زبان بھی بالکل قوم کی زبان
ہو جاتی ہے وہی اجڈپن اور بات بات میں گالی زبان پر چڑھ جاتی ہے ایک مدرسہ کے
مہتمم صاحب نے ایک عالم سے فرمایا کہ مدرسہ کا یہ اشتہار مرتب کر دیجئے، جب وہ چلے تو
سنئے! اردو میں لکھئے گا! یہ تمام ہندوستان میں جائے گا اپنے یہاں کی زبان نہ استعمال
کر دیجئے گا، حالانکہ وہ بڑے عالم تھے مگر بات کیا ہے کہ آدمی جیسی صحبت اور ماحول میں
رہتا ہے غیر محسوس طور پر بھی اس سے متاثر ہو ہی جاتا ہے۔

اب آپ خود غور فرمائیے کہ جب جاہل کا جہل عالم پر اثر انداز ہو جاتا ہے تو
جاہل پر اسکا کیسا کچھ اثر نہ پڑتا ہوگا؟ عالم جاہلوں میں رہکر انکو کیا درست کرے گا اپنے کو ان
ضرر سے بچالے یہی اسکا بہت بڑا کمال ہے۔ آج لوگ اسکو نہیں سمجھتے ان کے ساتھ رہکر خراب
ہو جاتے ہیں جاہل انکو اپنی برادری میں داخل کر لیتے ہیں لیکن یہ مگن ہیں کہ ہم عالم ہیں ہم کو
لوگ عالم کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عالم کا وجود ان جاہلوں پر شاق ہوتا ہے یہ سمجھتے ہیں
ہمارے درمیان رہ گیا تو ہر وقت کی ایک ضیق رہیگی اور ہماری آزادی میں فرق آجائے

ہر ہر موقع پر شریعت کو پیش کریگا اور ہماری قدیمی شریعت یعنی باپ دادا کی رسوم میں خلل آئے گا' اس لئے یہ لوگ برابر اس کی کوشش میں رہتے ہیں کہ اسکو اپنے منصب سے ہٹا دیں۔ اور یہ بھی جب دیکھتے ہیں کہ ہماری قدر ان کی نگاہوں میں جب ہوگی جبکہ ہم ان سے شریعت پر عمل کا مطالبہ معاف کردیں تو بالآخر معاف کردیتے ہیں اور ان سے صلح کرلیتے ہیں اور عوام ان کو اسطرح سے لے لیتے ہیں پھر ان میں رہتے رہتے ان کو اپنی حقیقت کا بھی احساس نہیں رہ جاتا اس طرح سے عوام ان سے خوش تو ہوجاتے ہیں مگر معتقد وغیرہ کوئی نہیں ہوتا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری طرح تو یہ بھی ہیں ہم نماز نہیں پڑھتے تو یہ بھی ناغہ کردیتے ہیں ہم گالی بکتے ہیں تو یہ بھی بکتے ہیں لہٰذا ان میں فوقیت کیا ہے جسکی وجہ سے ہم معتقد ہوں اور یہی چیزیں اگر معتقد ہونے کے لئے کافی ہیں تو پھر ہم دور کیوں جائیں اپنے ہی معتقد کیوں نہ ہوجائیں کیونکہ یہ سب باتیں تو ہم بھی کرتے ہیں مگر اپنے معتقد اسلئے نہیں ہوتے کہ سمجھتے ہیں کہ ہم فلاں کام کرتے ہیں' فلاں عیب ہمارے اندر موجود ہے تو جس طرح ہم کچھ نہیں ہیں اسی طرح یہ بھی ہیں۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ عالم تو جاہل سے متاثر ہوسکتا ہے مگر انبیاء علیہم السلام کسی سے متاثر نہیں ہوتے ہاں اپنی بات نہ سمجھی جانے پر اور مخلوق کی نااہلیت کی بنا پر انکو ایک ضیق اور اس پر ایک افسوس ضرور ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر کامل بھی ہو مگر آخذین اسکے اچھے نہوں تو اسکو بیان میں تنگی ہوتی ہے ہاں اگر سننے والے اہل ہوں اور ذی استعداد ہوں تو اسکے علوم و کمالات کو دیکھو کہ دریا معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور کچھ دور جاکر واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ انی لوجدتہ بحراً یعنی میں نے تو اسکو مانند دریا کے رواں پایا۔

مرید اور پیر یعنی مفید اور مستفید میں مناسبت شرط ہے استفادہ کیلئے اسکا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اس پر ایک واقعہ سنئے۔ دہلی کے ایک بزرگ گذرے ہیں خواجہ باقی باللہ انکے یہاں ایک دفعہ کچھ مہمان آئے شیخ کا جی چاہا کہ انکو کچھ کھلائیں پلائیں مگر ابھی کسی سے کہا نہیں تھا کہ حضرت کا جو باورچی تھا وہ اپنے گھر سے کھانا پکوا کر خوان میں لیکر حاضر ہوا

حضرت نے فرمایا یہ کیا؟ عرض کیا مہمانوں کے کھانے کے لئے کچھ لایا ہوں حضرت خوش
ہو گئے اور فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے کہا ملیگا جو مانگوں گا؟ کہا ہاں ملے گا۔
اس نے پھر کہا کہ جو مانگوں گا ملیگا فرمایا ہاں۔ پھر اس نے کہا کہ جو مانگوں گا ملے گا؟ فرمایا ہاں
ملیگا۔ حضرت نے سمجھا کہ غریب آدمی ہے دنیا کا سوال کریگا زیادہ سے زیادہ بادشاہی
مانگے گا مگر اس نے کہا مجھے اپنے جیسا کر دیجئے فرمایا یہ مت مانگ اس نے کہا نہیں یہی مانگتا ہوں
جب اصرار کیا تو حضرت نے اسکا ہاتھ پکڑا اور حجرہ کے اندر لے گئے اور دروازہ بند کر دیا
اور اسکو توجہ اتحادی دی اور دروازہ کھولکر باہر تشریف لائے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ حضرت
کون ہیں اور باورچی کون ہے صورت و شکل تک بدل گئی تھی مگر استعداد چونکہ نہیں تھی
اسلئے بالکل مبہوت سا رہا اور تین دن کے بعد مرگیا برداشت نہیں کر سکا یہ کیا تھا یہ مناسبت
کی کمی تھی، استعداد کا نقص تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بھی توجہ دی ہو گی حضرت
شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی کو بھی دی ہو گی مگر یہ حضرات چونکہ ذی استعداد تھے اور
حضرت سے آہستہ آہستہ فیض حاصل کیا تھا اسلئے برداشت کر لے گئے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے وقت میں خدیو مصر بھی مکہ معظمہ آئے نہایت کامل
شخص تھے انکے متعلق خود حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ شاہی لباس میں شیخ کامل
ہیں وہ حاجی صاحب سے ملنے آئے اور پہلے اپنے خادم کو بھیجا کہ دیکھ آؤ شیخ بالا خانے
سے اترے یا نہیں حضرت حاجی صاحبؒ اوپر کے حصے میں رہا کرتے تھے، حضرت کی
خدمت میں بیٹھکر حضرت کے قلب کی جانب متوجہ ہو گئے، حضرت نے تسبیح اٹھالی اور
اللہ اللہ کرنے لگے اسکی وجہ سے اتنی گرمی ہوئی کہ اور لوگ تو اٹھکر چلدئیے یہ بھی چونکہ کچھ تھے
اس لئے پسینے پسینے ہو گئے مگر آخر تک بیٹھے رہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے اس پر
انکو کچھ نہیں فرمایا ورنہ تو اگر کوئی حضرت کے قلب کی جانب متوجہ ہوتا تو فرماتے کہ لَاتَدۡخُلُوۡا
بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ اپنے گھروں کو چھوڑ کر دوسروں کے گھروں میں مت داخل ہو۔ اور
فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص اپنی دولت کا پتہ نہ بتائے تو کوئی معلوم کر سکتا ہے؟
یہ واقعہ میں نے اس پر سنایا کہ کسی سے فیض حاصل کرنے کا طریقہ مناسبت ہے

بدون مناسبت کے اور باتیں تو کیا معلوم ہوں گی اسکے علوم تک سمجھ میں نہیں آتے اب یہی سمجھ لیجئے کہ آپ لوگ میری باتیں سن رہے ہیں لیکن سب ایک درجہ کے تو نہیں ہیں جنکو مناسبت ہے وہ میری باتوں کو سمجھ رہے ہونگے اور جن کو مناسبت نہیں ہے وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں گے۔

فرمایا کہ ——— ایک بار سیاہ جانا ہوا تھا جن صاحب کا مہمان تھا انکے یہاں ایک قلمی کتاب تھی چند باتیں بہت پسند آئیں انکو یاد کر لیا تھا اور اپنے دل میں کہا کہ یا اللہ انکو کبھی نہ بھولوں ایک بات ان میں سے یہ تھی کہ لکھا تھا کہ زمانہ میں جو بُری باتیں ہو رہی ہوں انکی جانب التفات نکرنا ہی اسلم ہے بدن کے لئے بھی اور دین کے لئے بھی مطلب یہ کہ جن برائیوں کا شیوع ہو جائے اور انکی اصلاح پر قدرت بھی نہو تو انکی طرف التفات ہی نکرنا چاہیئے کیونکہ التفات کریگا اور اصلاح نکرسکیگا تو خواہ مخواہ کی ضیق ہوگی جسکی وجہ سے بدنی تکلیف بھی پہونچے گی اور اسکے دین کا بھی ضرر ہوگا اسلئے اسلم اسکی جانب سے بے التفاتی ہی ہے۔

دوسری بات یہ دیکھی تھی کہ حدیث میں یہ جو آتا ہے کہ الصبر عند الصدمة الاولی اسکی شرح لکھی تھی کہ مطلب یہ ہے کہ مصیبة محبوب کی طرف سے آتی ہے اسکا تحفہ ہے اور محبت کا امتحان اس سے مقصود ہوا کرتا ہے لہٰذا محب کو چاہیئے کہ نہایت خندہ پیشانی سے اسکا استقبال کرے جسطرح سے کہ اپنے کسی عزیز مہمان کا کرتا ہے چنانچہ حضرت رابعہ بصریہ کے حالات میں لکھا ہے کہ انکو جب بخار آتا تھا تو بہت خوش ہوتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ محبوب کا پیام آیا ہے۔ فرمایا کہ مصیبة کو برداشت کرنا اور اس پر جزع فزع نکرنا یہ تو صبر ہے اور اسکو ہنسی خوشی قبول کرنا اور مصیبت پڑنے پر مسرت کا اظہار کرنا یہ محبت ہے۔ اگر کسی کے امتحان اور سختی پر طبعاً ناگواری ہو مگر عقلاً اس پر راضی ہو تو صبر کا درجہ اسکو حاصل ہے اور جب تکلیف میں لذت اور مزہ آنے لگے تو یہ درجہ محبت کا ہے۔

(بقیہ مکتوب نمبر ۱۰۸)

(فائدہ) اخلاق ذمیمہ کے اور علاج ہیں ایک جزئی یعنی خاص وہ یہ ہے کہ ہر ہر خلق کا جدا جدا علاج کیا جائے جیسا کہ احیاء العلوم وغیرہ میں لکھا ہے اسکو طریق سلوک کہتے ہیں۔ دوسرا کلی یعنی عام وہ یہ ہے کہ ذکر و شغل سے یا جس طرح سے شیخ کامل تجویز کرے حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت قلب میں پیدا کرلی جائے جب اس کا غلبہ ہو جائیگا اپنی ہستی و خودی مضمحل ہونا شروع ہوگی اور سب اخلاق ذمیمہ جو کہ اس خودی اور دعوی ہستی سے پیدا ہوتے ہیں زائل ہو جائیں گے۔ اسکو طریق جذب کہتے ہیں اول گو بیخطر ہے مگر طویل ہے اور ثانی گو خطرناک ہے مگر قریب ہے۔ اور ہر شیخ کا مذاق مختلف ہوتا ہے۔ مولانا روم پر چونکہ مذاق ثانی غالب ہے اس لئے اسکی تعلیم فرماتے ہیں (یعنی طریق عشق و جذب کی) اور اسکی طرف رغبت دلاتے ہیں۔

ایک مضمون اور سنو!

حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کا خط آیا آپ کی حسرت عدم حصول مطلب اگرچہ عدم ہے مگر بندہ کے نزدیک عمدہ حالت ہے جیسا کہ حصول مطلوب کی فرحت و مسرت حالت بسط کہلاتی ہے ایسا ہی عدم حصول مطلوب کی حسرت قبض کہلاتی ہے۔ قبض و بسط دونوں حالت نیک ہیں۔ اگر حسرت عدم حصول ہے تو الحمدللہ کہ طلب ہے اور نایافت ہے"

ہمارے شیخ الشیوخ قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر کسی کو بعد مجاہدۂ ہزار سالہ حسرت درد نایافت حاصل ہو جائے تو سب کچھ اسکو حاصل ہوگیا ہائے افسوس کہ درد نایافت نہیں ملتا کہ کام تمام ہو جائے"

(مکاتیب رشیدیہ)

(راقم عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت قطب العالمؒ نے عدم وصال کی حسرت رکھنے والوں

کے الم رسیدہ قلوب پر کیسا مرہم رکھدیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اور سالک مذکور کا یہ حال تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ الم رسیدہ شکستہ اور دریدہ صفحۂ قلب پر خون دل کی روشنائی سے لکھا گیا ہے اور حضرت اقدس کے جواب کا بھی کیا کہنا! حضرت والا کو خوشی بھی ہوئی ہوگی اور قلب والا کو اطمینان بھی ہوا ہوگا کہ الحمد للہ آنے جانے والوں میں کچھ اللہ کے بندے مخلص اور طالب خدا بھی ہیں)

(مکتوبات نمبر ۱۰۹)

حال: یہ ناکارہ "نقش اسم ذات" کا شغل کئی سال سے کر رہا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ نقش کا تصور تو قائم ہوگیا ہے مگر یہ تصور بہ نسبت دل کے دل سے باہر یعنی خیال و ذہن میں تو قائم رہتا ہے اور اگر آنکھ بند کرکے اس نقش کو دل پر قائم کرتے ہیں تو کچھ دیر تک تو قائم رہتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے۔ یہ نقش دل میں بہت دیر تک قائم نہیں رہتا اور زیادہ کوشش سے الجھن ہونے لگتی ہے اور شغل کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کیونکر قائم کیا جائے۔ حضرت کی اسکے متعلق جو ہدایت ہوگی اس پر عمل کرونگا۔ اوائل میں نماز و ذکر میں مراقبۂ رویت کئی سال تک کیا اور جب اس پر کافی حد تک رسوخ ہوگیا تو میری درخواست پر اسم ذات کی اجازت ملی، اللہ پاک کے فضل سے اس میں بھی رسوخ ہوگیا اور کافی عرصہ سے نماز وغیرہ میں اسم ذات کا تصور رہتا ہے اسوقت کبھی کبھی صرف ذات کا (یعنی وہ ہیں بغیر کسی رنگ روپ، جسامت اور شباہت کے) تصور کرلیتا ہوں لیکن ابھی اس میں رسوخ نہیں ہوا ہے۔

میری ایک عادت یہ بھی ہے کہ نماز وغیرہ میں کبھی مراقبۂ رویت کرلیا کبھی اسم ذات اور کبھی صرف ذات، یہ ترکیب غیر مفید تو نہیں ہے؟ یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ نماز میں یا ذکر میں تصور عموماً قائم رہتا ہے اگر اتفاقاً توجہ ہٹ گئی تو پھر اسکو قائم کرلیا گیا۔ مگر کسی روز ایسا بھی ہوتا ہے کہ توجہ تھوڑے تھوڑے وقفہ پر منتشر ہونے لگتی ہے جب کسی خارجی اسباب کی بنا پر متفکر ہو جاتا ہوں تو پریشان کن خیالات موجوں کی طرح ابھرنے لگتے ہیں اور اسوقت توجہ کو قائم رکھنا دشوار ہو جاتا ہے اور بار بار اسکی تجدید کرنی پڑتی ہے۔ بہت

دنوں تک تو اس غلط فہمی میں رہا کہ یہ خود بخود رفع ہو جائے گا مگر جب رفع ہونے کے عوض اس میں کچھ ترقی ہونے لگی تو اسکی اصلاح شروع کی اور کچھ کامیابی بھی ہوگئی مگر اس مرض کا پورا پورا ازالہ نہیں ہوا ہے کیونکہ جہاں غفلت ہوئی خیالات آنے لگتے ہیں مگر اب چند ہی سکینڈ میں تنبہ ہو جاتا ہے۔

ہفتہ عشرہ کے اندر ایک بات خیال میں آئی ممکن ہے وہی اس مرض کا سبب ہو، مدت دراز سے میرے اندر حدیث النفس (وسوسہ) کا مرض ہے پہلے تو اس کی برائی کا احساس بھی نہ تھا مگر حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں پڑھا تو آنکھ کھل گئی، اسوقت سے اسکی اصلاح میں لگا ہوں اور جس حد تک کمی ہوگئی ہے اوپر عرض کر چکا ہوں حضرت سے میری استدعا ہے کہ اسکے ازالہ کی کوئی تدبیر تجویز فرما دیں کہ اس ناپاک مرض سے چھٹکارا ہو جائے۔

عبادت میں تو میرے بھلے توجہ قائم رہتی ہے مگر فارغ ہونے پر مشغولیت میں ذہول ہو جاتا ہے گفتگو میں پورا وقت غفلت میں گذر جاتا ہے تنہائی میں کبھی توجہ ہو جاتی ہے اور کبھی ذہول ہو جاتا ہے۔ ذکر دوام کی دولت سے محرومی ہے اس کے حصول کی کوئی تدبیر تجویز فرما دیں، ور اسکے حصول کی دعا بھی فرما دیں۔

ایک بات اور ہے کہ تعلق مع اللہ جس کو نسبت بھی کہتے ہیں وہ ہمیں حاصل ہے یا نہیں؟ اپنا گمان تو یہی ہے کہ حاصل ہے مگر پورا یقین نہیں ہے۔ ہم نے اپنی ضروری حالت پوری اوپر لکھدی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ میرے معمولات حضرت رحمۃ اللہ کی زندگی سے ایک طرح سے ادا ہو رہے ہیں منہیات اور بدعات وغیرہ سے اللہ پاک عرصہ دراز سے بچائے ہوئے ہیں اور حقوق العباد کا بھی برابر خیال رہتا ہے نوافل کا بھی پورا اہتمام ہے۔ ضعیفی اور صحت کی خرابی سے وتر سے پہلے ہی تہجد پڑھ لیتا ہوں۔ پہلے کئی مرتبہ اسکو اپنے وقت پر پڑھنے کی کوشش کی مگر اسکا صحت پر خراب اثر پڑا بیمار ہو ہو گیا۔ حضرت والا اگر دعا فرمادیں تو کیا عجب ہے کہ یہ کم نصیب بھی اس دولت سے مالا مال ہو جائے۔ اپنی پوری حالت

بلا کم وکاست لکھدیا ہے تاکہ نتیجہ پر پہونچنے میں آسانی ہو۔

اب حضرت یہ فرمائیں کہ ہمیں نسبت حاصل ہے یا نہیں؟ اور اگر حاصل نہیں ہے تو اسکے حصول کے لئے حضرت جو فرمائیں گے اس پر عمل شروع ہو جائے گا۔ اگر حاصل ہے تو میرے خیال میں کمزور ہے اور عرصہ سے اس میں ترقی نہیں ہو رہی ہے۔ حضرتؒ کی زندگی میں جس قدر ترقی ہوئی ہے اسکے بعد سے اس میں نہ تنزل ہے نہ ترقی۔ دعا بھی فرمائیں اور اسکی ترقی کے لئے تدبیر بھی تجویز فرمائیں۔

تحقیق: خط سے آپ کے مفصل حالات معلوم ہوئے ان سب کے جواب میں ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ مشائخ اہل حق کا بھی طریقہ تعلیم و تربیت کے باب میں مختلف ہوتا ہے اسلئے مجھ سے رجوع کرنے سے پہلے مناسب تو یہ تھا کہ آپ چند دن کے لئے میرے پاس تشریف لاتے اور میرا طریقہ اصلاح اور اس سے اپنی مناسبت معلوم کرتے اسکے بعد تعلق قائم فرماتے لیکن جب یہ نہیں ہو سکا تو آپ یہ کیجئے کہ میرے رسائل اور کتابیں ملاحظہ فرمایئے ان سے بھی آپ کو فی الجملہ اندازہ ہو جائے گا کہ میں کن امور پر زور دیتا ہوں اور کن کا اہتمام رکھتا ہوں، لہٰذا اب پہلے یہی کر لیجئے اسکے بعد مجھے خط لکھئے۔

دوسری بات جو آپ نے نسبت کے حصول یا عدم حصول کے متعلق دریافت کی ہے اسکے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ حصول نسبت کے بھی درجات ہوتے ہیں نسبت کبھی ضعیف ہوتی ہے کبھی قوی ہوتی ہے کبھی اقوی ہوتی ہے چنانچہ سب اللہ والوں میں یہ بطور قدر مشترک کے ہوتی ہے باقی مرتبے ہر ایک کے الگ ہوتے ہیں اور اسی نسبت ہی کا دوسرا نام دوام ذکر ہے اور عام طور پر تو دوام ذکر کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ بس قلب میں ایک سرور سا قائم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی یاد اسطرح سے قلب میں قائم ہو جائے (بس جائے) کہ ذرا سی دیر کے لئے بھی ذہول وغفلت نہو، مشہور یہی ہے۔

لیکن میرے نزدیک تو نسبت کا مطلب یہ ہے کہ ایک اور دوسری شئے ہے قوی ہے یعنی انسان کا نفس وہ ضعیف ہو اور کمزور ہو جائے اور بقدر اسکے ضعف

اور نقاہت کے نسبت میں قوت اور دوام ہوجائے مگر اب دیکھا جاتا ہے کہ ذکر و وظائف شغل و مراقبہ ہی کا تو اہتمام بہت ہے اسکی وجہ سے کچھ سکون قلب میں پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بھی اپنے آپ کو صاحب نسبت سمجھتا ہے اور لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ ہو گیا ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ ان سب خوبیوں کے باوجود نفس جہاں کا تہاں ہی ہوتا ہے۔

اس لئے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آدمی اپنے نفس کو پہچانے اور اسکو مارے یہی دوام ذکر ہے۔ اور یہی نسبت ہے، ورنہ بدون اسکے یہ دوام وغیرہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی درجہ نہیں رکھتے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے جو سب سے بڑا مانع اور حجاب ہے وہ یہی نفس ہے۔ اس بات کو آپ نے سمجھا ہو تو لکھئے کہ کیا سمجھا آپنے؟ میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۱۱۰)

حال: رقیمہ گرامی بجواب عریضہ شرف صدور لایا باعث تسکین وسکون قلب ہوا حسب الحکم صاحب۔۔۔۔ وغیرہ کو بھی دکھلایا تھا بحمداللہ کہ توجہات عالیہ کا اثر برابر قلب پر محسوس اور مشاہد ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ متاثر ہونے کی توفیق بخشتے رہیں۔

بار ہا جی چاہا کہ عرض کروں کہ کچھ دنوں قبل نماز میں عجیب حال رہتا تھا جوں ہی نیت باندھتا تھا یہ محسوس اور متصور ہوتا کہ حق تعالیٰ کے پرعظمت وجلال دربار میں حاضری ہوئی ہے جہاں حق تعالیٰ مشاہدہ فرما رہے ہیں، اس تصور سے نماز میں بہت لذت اور حلاوت نصیب ہوئی تھی لیکن پھر اسکے بعد سے یہ تصور ختم ہو گیا اور عجیب بے کیفی سی ہو گئی تھی، لیکن ادہر کچھ عرصہ سے تلاوت قرآن وذکر میں تو ایک سکون واطمینان اور فرحت وخوشی نصیب ہوتی ہے مگر نماز میں وہ بات نہیں ہو پاتی البتہ کبھی کبھی نماز میں بھی ایک لطف اور انشراح نصیب ہوتا ہے۔ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری نماز کو بھی قرۃ العین بنا دیں بحمداللہ مجلس میں برابر حاضری کی توفیق ہو رہی ہے جسکی وجہ سے حضرت والا کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات سننے کا موقع نصیب ہوتا ہے اور اس سے نفع بھی معلوم ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ اسکو قائم و دائم رکھیں۔

حضرت والا میرے لئے دعا فرمادیجئے کہ میرا دل ٹھیک ہو جائے اور مجھے وہ نفس مل جائے جس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے اسئلك نفسا بك مطمئنة تومن بلقائك و ترضیٰ بقضائك وتقنع بعطائك۔ نیز اللہ و رسول کی محبت نصیب ہو اور انکی مرضیات پر عمل کی توفیق ہو۔

تحقیق: تمہارا حال ٹھیک چل رہا ہے انھیں حالات کو چاہتا تھا، ٹھیک چل رہے ہو اسی طرح چلتے رہو گے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ تم لوگوں سے خوش ہوں اور دعا کرتا ہوں، کام میں لگے رہو۔

(مکتوب نمبر ۱۱۱)

حال: کبھی کبھی معمولات میں کوتاہیاں ہو جاتی ہیں مگر کوشش کرتا ہوں کہ ایسا نہو دعا فرمائیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: عمل میں مزہ بڑھ گیا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: جہاں باتیں سمجھ میں آتی ہیں آنکھوں میں آنسو جاری ہو جاتے ہیں، جسم تھرا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دم ہی باقی نہیں ہے اور ایسی حالت کبھی کبھی نماز میں بھی ہو جاتی ہے ہمیشہ اپنے کو فکر میں مبتلا دیکھتا ہے غمگین رہتا ہے، ہمیشہ برائیوں سے توبہ کرتا ہے خوف بڑھتا جا رہا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: کوئی نہ کوئی چھوٹی چھوٹی پریشانیاں سامنے آتی رہتی ہیں، کوئی اپنے علم پر ناز کرتا ہوگا کوئی اپنے عمل پر مگر میرے پاس نہ تو علم ہے نہ عمل اور انگریزی داں کے پاس دین کا علم و عمل ہوتا ہی کیا ہے جبکہ کچھ جانتا ہی نہیں لہٰذا ناز کس پر ہو ہر طرح خالی ہاتھ ہے۔ حضور والا ہی کے سامنے مثل مردہ کے سر تسلیم خم ہے، جہاں تک اس ناکارہ کو دین پہونچا آپ ہی کا کرم ہے آپ ہی کے بھروسہ ہوں۔

حضرت اقدس کے خصوصی معاملات بھی اپنے مسترشدین کے ساتھ آپ نے ملاحظہ فرمائے نیز طالبین کے امتحانات بھی دیکھے اور مخصوصین محبین کے ساتھ عنایات بھی دیکھیں اب اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ حضرت والا کا ایک ہدایت نامہ جو اصلاح عامہ سے متعلق تھا اسکو بھی پیش نظر کردوں، ہے تو وہ حضرت والا کے زمانۂ قیام بمبئی کے آخر آخر کا تاہم کہیں پر کچھ دینی کام کر لینے کے بعد حضرت والا لوگوں کی جو جانچ فرماتے رہتے تھے اسکا کچھ خاکہ و نقشہ اسکی وجہ سے ضرور ناظرین کی آنکھوں میں پھر جائے گا۔ اور عالم تصور میں بہت سے محبین کی نظروں میں حضرت والا کا سراپا سامنے ہوگا۔

صورت حال یہ ہوئی تھی کہ شہر بمبئی چونکہ بڑا شہر ہے اور حضرت کا قیام کرلا میں تھا یہاں سے اصل بمبئی کا تقریباً دس میل کا فاصلہ تھا آنے والے لوگ بیان کرتے تھے کہ کبھی کبھی تو شرکت مجلس والا کے لئے چار چار گھنٹے نکالنے پڑتے ہیں اسطرح پر کہ گھنٹہ گھنٹہ بھر بس کے انتظار میں کھڑا رہنا پڑتا ہے پھر بیس چالیس منٹ کا راستہ اور پھر اسی طرح سے واپسی کا حال اسلئے لوگوں نے اپنی سہولت کے لئے یہ خواہش ظاہر کی ہفتہ بھر میں دو دن خاص بمبئی میں کسی جگہ مجلس ہوجایا کرے تو ان لوگوں کو آسانی ہو، حضرت والا نے اسکو منظور فرمالیا اور تین چار ہفتے گئے اسکے بعد ایک مرتبہ راقم کے ذریعہ ایک پیغام کہلا بھیجا اور خود تشریف نہیں لے گئے اس پیغام کا خلاصہ یہ تھا کہ فرمایا کہ — میں بہت دنوں سے آپ کے شہر میں ہوں اور یہاں بھی کئی بار آچکا ہوں اسلئے آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ ہر ہفتہ آنا جانا کچھ سودمند بھی ہو رہا ہے یا صرف آنا ہی جانا ہو کر ختم ہوجاتا ہے لہٰذا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے کیا نفع ہوا اگر اب تک بلا فائدہ ہی یہ آنا جانا رہا تو اب سے یہ زائد کام نہیں کرنا چاہتا اسکے بارے میں آپ کے خیالات معلوم کرنا چاہتا ہوں — اسکے جواب میں لوگوں نے اطمینان دلایا اور نفع کا اظہار کیا اور اپنے اپنے تاثرات لکھے جسکی مفصل کیفیت تو "قیام بمبئی" کے عنوان میں انشاء اللہ تعالیٰ آئیگی اسوقت اسی معاملہ کا ایک حصہ پیش کرنا چاہتا ہوں، ربط کے لئے اتنی تمہید عرض کردی اب حضرت والا کا ارشاد ملاحظہ ہو :-

(عمومی ہدایت برائے اہل بمبئی)

فرمایا کہ میں نے گذشتہ ہفتہ جو پیغام بھیجا تھا اس سلسلہ میں وہاں لوگوں نے یہ بھی کہا تھا کہ فلاں فلاں (چند معزز حضرات کا نام لیا کہ یہ) لوگ میرے پاس آکر (پیغام کے جواب کے سلسلے میں) زبانی بھی کچھ فرمائیں اسکے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسکی کیا ضرورت تھی؟ حضرت مولانا جب کسی سے خفا ہوتے اور وہ خوشامد کرتا تو فرماتے تھے کہ کیا میں خوشامد کا منتظر تھا؟ اسکو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ بزرگوں کے یہاں اور اصلاح کے معاملہ میں خوشامد کیسی؟ اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ خوشامد سے ان حضرات کو راضی کر لیگا تو یہ ان سے پوری بداعتقادی ہے کہ اپنے شیخ کو خوشامدی سمجھتا ہے اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ اسکی کیا ضرورت ہے اور دین کے معاملہ میں یہ سب کیا؟ میرا مقصد تو اس پیغام اور سوال سے یہ تھا کہ آپ سب لوگوں کو عمل کی ترغیب دوں اور کام کرنے پر آمادہ کروں اسلئے کہ عمل کا وجود تو عمل کرنے ہی سے ہوگا اور یہ ہر ہر شخص کا ذاتی فعل ہے۔ اسکے لئے تو لی نمائندگی کافی نہیں ہے یعنی بالفرض اگر شہر کے چند معزز حضرات نے مجھ سے آکر کچھ کہہ بھی دیا تو اس سے کیا ہوا؟ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوگا کہ ان حضرات کو بے اعتنائی نہیں ہے بلکہ میری جانب اور میرے کام کی جانب اعتنا رہے، لیکن اور دوسرے لوگ بھی عمل پر لگ گئے ہیں یا لگنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو محض ان حضرات کا تشریف لانا اس کا توضامن نہیں ہوسکتا۔ اور میرا مقصد اس پیغام سے یہی تھا کہ عام لوگوں کے خیالات اور رجحانات کا اندازہ لگاؤں۔

باقی یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگوں نے میری باتوں کا اثر لیا ہے اور وہ لوگ میرے کام کی قدر کرتے ہیں، مجھ سے کچھ سیکھنا اور حاصل کرنا چاہتے ہیں انکی طلب کا اندازہ ان کے طرز عمل سے ہورہا ہے اور ایسے لوگوں کو میں خوب جانتا ہوں۔ اور یہ سب اسلئے کرتا ہوں کہ جانتا ہوں کہ احکام شرعیہ پر لوگوں کو لگانا اور مسلمانوں کو دین پہونچانا اس زمانہ میں آسان نہیں ہے اس لئے پہلے ان میں طلب اور دین کا شوق پیدا کرنا ہوتا ہے، اور

یہ مشکل چیز ہے آپ کو کیا معلوم بزرگوں کو اس معاملہ میں کتنی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور کسقدر یہ حضرات فکر مند رہتے ہیں۔

ایک بزرگ نے آخر وقت میں کہا کہ اب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت ہے اب امت محمدیہ علی صاحبہا السلام والتحیۃ کی باگ ہم فلاں کے ہاتھ میں نہیں دیں گے تو دیکھئے کہ جو امانت انکو بزرگوں سے ملی تھی اسکی فکر تھی کہ نااہل کو کیسے حوالہ کر دیں خدا تعالیٰ سوال فرمائیں گے تو کیا جواب دیں گے اور اہل کوئی نظر آتا نہیں پس کس طرح اس دین کی گاڑی کو آگے بڑھایا جائے۔ اب کام کے لوگوں کا پیدا کرنا کتنی مشکل چیز ہے؟ وعظ کہدینا آسان ہے اور کسی کو پاکر اسکے بدن پر گرنا (یعنی کسی سے صرف بدنی اور ظاہری قرب حاصل کرنا) یہ بھی بہت زیادہ آسان ہے اس میں لگتا ہی کیا ہے ابھی چلو دکھلا دیں کہ مصافحہ کے لئے کتنے لوگ گرے پڑتے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو بہت ہی مانتے ہیں لیکن اگر کوئی عملی اور کام کی بات کہدوں تو سب بھاگ نکلیں گے الا ماشاءاللہ میں کہتا ہوں کہ یہ کیا؟ ایک جانب تو اتنا اعتقاد اور ایک طرف ایسی بدعقیدگی! یہی آج زمانہ کا حال ہے۔

تو لوگوں کا یہ حال چونکہ جانتا ہوں اس لئے پوچھ لیا تھا کہ آپ لوگوں کا یہاں آنا آخر کس مد میں ہے؟ اس میں علماء اور امراء ہی سے خطاب نہیں تھا بلکہ سب لوگ اسکے مخاطب تھے اہل اللہ ظاہر سے راضی نہیں ہوں گے ان کے یہاں خلوص، صدق اور طلب ان امور کو پیش کرو۔

اور کام کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ اپنے گھر میں دین پھیلاؤ۔ اپنے بچوں کو دین سکھلاؤ اس طرح سے کہ انکا نشو ونما دینی ماحول میں ہو، وہ لوگ اپنے کو مسلمان بنائیں اسی پر زندہ رہیں اور اسی پر مریں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح امتی بنیں۔ یہ سب کام کرنے کے ہیں۔

اسی کو کہنا چاہتا تھا کہ دین کے جاننے کی ضرورت ہے۔ حلال وحرام کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں جو پیشی ہونے والی ہے اسکے جاننے اور پیش نظر

...نے کی ضرورت ہے ۔ جب دنیا میں پیدا ہو گئے ہو تو اب تو حسن عمل کا مطالبہ ہو گا ہی
...برے اعمال پر مواخذہ بھی ہو گا۔
مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
... دریافت کیا کہ یا رسول اللہ لوگوں میں سے سب سے اچھا کون ہے؟ آپ نے
...کہ جسکی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔ پھر انھوں نے دریافت کیا کہ سب سے بُرا
...شخص ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس کی عمر زیادہ ہو اور عمل بُرے ہوں۔
پہلے زمانہ میں جوان لوگ بوڑھوں کا بہت زیادہ ادب اور احترام کرتے تھے
...ن کے ساتھ تواضع سے پیش آتے تھے اس خیال سے کہ انکی عمر زیادہ ہے تو عمل صالح
...ن کے زیادہ ہونگے۔ اسی طرح سے بوڑھے بھی جوانوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ
...آتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ تم لوگ ہم سے اچھے ہو اسلئے کہ تمھاری عمر کم ہے تمھارے
...بھی ہم سے کم ہیں۔
سبحان اللہ! عمل صالح پر ابھارنے والا اس سے بڑھکر اور کون سا مضمون ہو سکتا
...یہی سب باتیں آپ کو سنانا چاہتا ہوں اور سمجھانا چاہتا ہوں۔ اور میں کیا سمجھا سکتا ہوں
...میں کسی بات کو اتارنا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ایک مولانا صاحب جو کہ اچھے آدمی
... صاحب دل بھی تھے ایک جگہ گئے مسجد کو دیکھا کہ بالکل ویران ہے لوگوں نے کہا کہ حضرت
... فلاں شخص با اثر آدمی ہے اگر یہ نماز پڑھنے لگے تو سب لوگ پڑھنے لگیں گے۔
مولوی صاحب نے اس سے کہا اس نے جواب دیا کہ نماز تو پڑھ سکتا ہوں لیکن
...کرنا میرے لئے ایک مشکل امر ہے۔ مولانا نے فرمایا اچھی بات ہے آپ بلا وضو ہی
... نماز پڑھ لیا کیجئے۔ چنانچہ مسجد گئے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے مولانا نے
...تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ آپ کے دربار میں میں نے اس کو لا کھڑا کر دیا ہے
... اتنا ہی میرے بس میں تھا اب اسکے قلب کو دین کی طرف پھیرنا یہ آپ کے اختیار
...ہے آپ اسکے قلب کو پھیر دیجئے چنانچہ اسکے بعد سے وہ باوضو نماز پڑھنے لگا۔
بہرحال دین حق پہونچانے والے اللہ کے کچھ بندے ہر زمانہ میں رہیں گے۔

وڑے ہوں گے لوگوں میں اجنبی اور غیر معروف ہوں گے مگر ہوں گے ضرور اور ایسے
اًوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا ہے
بدئ الاسلام غریبًا و سیعود غریبًا کما بدئ فطوبی للغرباء من امتی قیل
ارسول اللہ ومن الغرباء من امتک قال الذین یصلحون ما افسد الناس
ن بعدی من سنتی۔ یعنی اسلام کی ابتدا غربت میں ہوئی ہے یعنی وہ لوگوں
کے نزدیک اجنبی اور غیر مانوس تھا پھر ابتدا ہی کی مانند آخر میں بھی غریب ہو جائے گا
ں امت کے جو غربا ہیں ان کے لئے خوشخبری ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کی
مت کے غریب لوگ کون ہیں؟ فرمایا کہ وہ لوگ غریب ہیں جو میری ان سنتوں (طریقوں)
ں اصلاح کر دیں جنھیں لوگوں نے میرے بعد فاسد کر دیا ہے۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ آئیے کچھ کام کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
ن بشارات سے کچھ حصہ حاصل کیا جائے۔ مومن جتنی بھی ترقی کرتا ہے وہ اپنے عمل
مالحہ کی بنا پر کرتا ہے، اصل چیز ایمان ہے پھر عمل صالح سے اس میں اور ترقی ہوتی
ہتی ہے عملوا الصلحت کی ترقی کو آپ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ ایک صاحب نے کل ہی
ہا کہ کعبہ کے پاس بیٹھا رو رہا تھا کہ بس ایسا معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جاؤ معاف کر دیا
جو ترقی عمل کے ذریعہ ہوتی ہے وہ عمل ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہے اور
یمان کے ذریعہ سے جو ترقی ہوتی ہے تو مرنے کے بعد بھی چونکہ ایمان باقی رہتا ہے اسلئے
ہ بھی باقی رہتی ہے۔

اسی بات کو سمجھانا چاہتا تھا، جو کچھ پیغام کہلا بھیجا تھا۔ آپ لوگوں نے سمجھا
ہم خوشامد چاہتے ہیں۔ خوشامد تو ہم آپ کی کریں، یہ سب کیا آئیے مل جل کر کچھ کام
یا جائے۔ دین کے کام کے لئے دنیا مانع تھوڑا ہی ہے اسکو معین بنانا چاہیئے۔ ابھی
ں نے پہلے آپکو حدیث سنائی تھی کہ لاباس بالغنیٰ لمن اتقی اللہ عزوجل والصحۃ
لن اتقی خیر من الغنیٰ وطیب النفس من النعیم اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم
نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے ایک تو غنیٰ کا دوسرے صحۃ کا تیسرے طیب نفس کا

یعنی یہ فرمایا کہ متقی شخص کے لیے غنیٰ اور مالداری میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور متقی آدمی کو اگر صحت کی دولت مل جائے تو یہ اس سے بھی بڑھکر اور طیب نفس یعنی طبیعت کا خوش رہنا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے اور حضرت سفیان ثوریؒ کا قول بھی سنایا تھا کہ مال کا ہونا پہلے زمانہ میں مکروہ سمجھا جاتا تھا بہر حال اس زمانہ میں تو وہ مومن کی ڈھال ہے۔ اور یہ فرمایا کہ اگر ہمارے پاس یہ دنانیر نہوتے تو امراء اور سلاطین تو ہمکو صافی بنا لیتے۔ اور یہ فرمایا کہ جس کے پاس کچھ مال ہو وہ اسکو تجارت وغیرہ کرکے بڑھائے اسلئے کہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر آدمی حاجت مند ہوا تو سب سے پہلے اپنے دین ہی پر ہاتھ صاف کرے گا۔ اور یہ فرمایا کہ حلال آمدنی اسراف کی متحمل نہیں ہوا کرتی۔

آج دنیا جو ہمارے پاس نہیں ہے تو اسلئے کہ اخلاق ہمارے پاس نہیں ہے جب اخلاق آدمی میں ہوتا ہے تو دنیا بھی آتی ہے۔ اور دین ہو یا دنیا ان دونوں کی درستگی عقل پر موقوف ہے جسقدر عقل زیادہ ہوگی اسی قدر آدمی دین کو بھی سمجھے گا اور دنیا کو بھی سمجھے گا۔ دنیا کو بھی پہچانے گا اور آخرت کو بھی پہچانے گا خدا کو بھی پہچانے گا رسول کو بھی پہچانے گا۔ اور دنیا کے زہر کو جو چیز مارنے والی ہے وہ فکر آخرت ہی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ فکر الآخرۃ اذا استولی علی قلب المومن لا یترک شیئاً من الدنیا۔ یعنی فکر آخرت جب قلب مومن پر مسلط ہو جاتی ہے تو پھر دنیا کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑتی۔

غرض یہی ایمان، عمل صالح اور فکر آخرت کو قلب میں پیدا کرنے کے لئے کچھ کہتا سنتا رہتا ہوں اور اسی کا جائزہ لیتا رہتا ہوں کہ کچھ فکر پیدا ہوئی یا نہیں؟ اور اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں ملتی ہیں اہل اللہ ہی سے، جب تک کسی اہل اللہ کو نہیں پاؤگے ایمان نہیں پاؤگے۔ اور اہل اللہ کا پانا بھی مشکل ہی سے ہوتا ہے۔

ایک دفعہ حضرتؒ بیٹھے ہوئے تھے ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہملوگ اللہ تعالیٰ کو تو کیا پہچان سکتے ہیں آپ کا بھی پہچاننا آسان نہیں ہے حضرت ان کے اس کہنے سے بہت خوش ہوئے اور ہم لوگ بھی ان کے بہت ممنون

ہوئے کہ ایسی بات کہدی کہ حضرت کو خوش کر دیا۔ سبحان اللہ
بس یہی کہنا ہے کہ ایمان درست کرو اور اس کے لئے کسی مومن کو تلاش کرو بدون مومن کامل کی صحبت کے ایمان کامل کبھی نہیں پاؤگے۔
ملاحظہ فرمایا آپ نے ان جواہر پاروں کو مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اگر صدق دل کے ساتھ اس مضمون کا بار بار مطالعہ کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ سے اسکو تعلق ضرور پیدا ہو جائیگا۔ ابتداءً بظاہر تو عتاب نامہ تھا مگر انتہا کس قدر شفقت و محبت اور قلبی درد کا مظہر ثابت ہوا اہل بمبئی تو سمجھے کہ حضرت والا ان سے ناراض ہوگئے ہیں لئے خوشامد کرنے اور وہاں حالات کا جائزہ مقصود تھا اور اصل کا رپر لگانا منظور تھا۔ اور نہ صرف اپنے سے بلکہ دین سے، دیانت سے، رسولؐ سے اور خدا تعالیٰ سے قریب کرنا چاہتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا کہا ہوا شعر یہاں پر بھی کسقدر چسپاں ہے فرماتے ہیں کہ ؎

عجب سرکار ہے ان کی ستم ہی میں کرم دیکھا
وہی مقبول ہوتا ہے جسے وہ دور کرتے ہیں

(ایک ضروری اعلان)

"مسلمانوں کی موجودہ پریشانیوں کے اسباب اور انکا دینی علاج" ــــ اس موضوع پر حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے مضامین اور ملفوظات کی روشنی میں ایک کتابچہ زیر طبع ہے ان شاء اللہ بہت جلد منظرِ عام پر آرہا ہے۔

(احوال وکوائف)

ہمارے ناظرین کو علم ہوگا کہ شیخنا و مرشدنا حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو عرصہ سے سنگ گردہ کا عارضہ لاحق ہے علاج کا سلسلہ جاری ہوا ادھر چند مہینوں سے ایک نئی تکلیف وجع قلب کی بھی ہوگئی ہے قلب اور حوالی قلب میں درد رہتا ہے اسکے علاج کے سلسلہ میں کم وبیش تین ماہ کوپاگنج اور گورکھپور میں مقیم رہے علاج و معالجہ سے کسیقدر نفع ضرور ہوا مگر مکمل افاقہ نہیں ہے ناظرین اور محبین دعا فرمائیں کہ مکمل آرام حاصل ہو۔ اہل اللہ حضرات کی کہیں آمد ورفت کے ظاہری اسباب وعلل خواہ کچھ ہوں مگر سب کچھ یہی نہیں ہیں بلکہ اسکے فوائد ونتائج دوسری اور مفید وبابرکت صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ حضرت والا کا قیام کوپاگنج و گورکھپور ظاہر تو بغرض علاج تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ خود طبیب جانی بنکر مخلوق کے امراض روحانی کا علاج فرماتے رہے چنانچہ آپکے مبارک قیام سے ان حلقوں میں ایک نئی ذوق و شوق بیدار ہوا ایمان وعمل میں جان پڑگئی بالخصوص گورکھپور میں حضرت کے قیام نے تو دہی اثر ظاہر کیا جو مردہ زمین پر باران رحمت کی بوچھار کیا کرتی ہے تشنگان محبت و معرفت خوب خوب سیراب ہوئے، مردہ قلوب نے از سرنو زندگی پائی، دلوں میں ایمان کی حرارت، ذوق عمل کی حلاوت، عشق و محبت کی طراوت پیدا ہوئی غفلت کا زنگ دور ہوا، ذکر و فکر کی چاشنی نصیب ہوئی کہنا چاہیئے کہ اہل گورکھپور کا بخت خفتہ جاگ اٹھا اللہ تعالیٰ اس کیفیت کو باقی رکھے اور ہم غلام کو نصیب فرمائے۔

۲۰ اپریل کو حضرت والا مع اہل و عیال کے بمبئی تشریف لیگئے یہاں بھی ظاہری سبب یہی علاج و معالجہ کی ضرورت ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہ کی چھوٹی صاحبزادی مولانا ارشاد احمد صاحب برادر خورد حضرت والا دامت برکاتہم کی اہلیہ کو عرصہ سے پیٹ کی تھیلی میں پتھری کی تکلیف تھی بہت علاج و معالجے ہوئے مگر کوئی نفع نہوا آخر آپریشن کی ٹھہری چنانچہ وہ بمبئی تشریف لے گئیں ۲۳ اپریل کو آپریشن ہونا تھا اسلئے حضرت والا بعجلت تمام، ۱۷ اپریل کو کوپاگنج سے الہ آباد تشریف لائے اور ۲۰ کو بمبئی تشریف لیگئے الحمدللہ آپریشن ہوگیا اور خدا کے فضل سے کامیاب ہوا، رسالہ جب تک ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچےگا ان شاء اللہ وہ ہسپتال سے آچکی ہونگی انکی صحت کاملہ کیلئے دعا فرمائیں اغلب یہی ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم بمبئی ہی میں تشریف رکھیں گے گرمیوں میں دردگردہ کا عارضہ کسیقدر شدت اختیار کرلیتا ہے بمبئی کی معتدل آب و ہوا ان شاء اللہ کسی حد تک تسکین بخش ثابت ہوگی۔ متعلقین ومنتسبین کے خطوط الہ آباد کے پتہ پر آتے ہیں پھر یہاں سے بمبئی بھیجے جاتے ہیں اسطرح جواب میں بہت وقفہ ہو جاتا ہے اب اس پتہ پر خط و کتابت کریں ـــــ مبین منزل کمرہ علا دوسرا مالا (سکنڈ فلور) آگرہ روڈ کرلا بمبئی ۷۰

حضرت والا مدظلہ کی معیت میں جناب مولانا عبدالرحمان صاحب جامی مدظلہ بھی بمبئی تشریف لے گئے ہیں امید ہے کہ مولانا موصوف جلد ہی الہ آباد تشریف لائیں گے ان شاء اللہ۔

(یکے از خدام حضرت والا)

چنیں گویند کہ ابو یزید ہفتاد بار
بحضرت عزت قرب یافتہ
ہر بار کہ باز آمدی زنار بستے
باز بریدی چوں آخر عمر شد
در محراب شد باز زنار بربست
پوستین باژگونہ پوشیدہ و کلاہ
دگونہ برسر نہادہ میگفت الہٰی
ریاضت ہمہ عمر نفروشم
نماز ہر شب عرض نمی کنم و
روزہ ہمہ عمر جلوہ نمی دہم
ختمہای قرآن نمی شمرم
اوقات مناجات و قرب
باز نمی گویم تو میدانی کہ ہیچ
باز نمیگرم ایں کہ بزبان شرح
میدہم نہ از طریق تفاخر و اعتماد
است، بلکہ شرح میدہم کہ من
ہرچہ کردم ازاں ننگ می دارم
و ایں صفت ہم تو دادہ کہ خود را
چناں نبدانم کہ بدگمانی بودہ ام
ہفتاد سال موئے در گبرے
سپید کردم در بیاباں اکنوں می ترسم
وخدای گفتم اکنوں می آموزم و
زنار اکنوں می برم و قدم در دائرہ

بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو یزید بسطامی کو ستر بار حق تعالےٰ کا قرب خاص حاصل ہوا جب اس سے فارغ ہوتے زنار پہن لیتے تھے پھر توڑ دیتے تھے۔ جب آخر عمر ہوئی تو ایک دن محراب میں تشریف لے گئے اور پھر زنار باندھا اور پیوند دار گدڑی پہنی اور گوشہ والی ٹوپی سر رکھی اور یوں دعا کی کہ پروردگار! اسوقت اپنی تمام عمر کی عبادت کو بیچنے کے لئے نہیں آیا ہوں، راتوں کی نمازیں اور اپنے قیام لیل کو آپ کی خدمت میں نہیں پیش کرنا چاہتا ہوں اپنی ساری عمر کے روزہ کا بھی اظہار مقصود نہیں ہے اور جتنے قرآن تلاوت میں ختم کئے ہیں انکو بھی گنوانا نہیں چاہتا اسیطرح سے آپ سے قرب و مناجات کے اپنے مخصوص اوقات جو گذرے ہیں انکا بھی ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ آپ جانتے ہیں کہ ان سب کے باوجود میری رہائی ممکن نہیں ہے باقی ان سبکا تذکرہ جو زبان سے کر دیا ہے (آپ جانتے ہیں) وہ ناز و تفاخر اور اعتماد کے طور پر نہیں کیا بلکہ کھول کھول کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج اپنے ان سب کئے ہوئے نیک اعمال پہ مجھے رنج و افسوس ہے اور یہ بھی آپ ہی کی عنایت ہے اور ان اعمال کو اور اپنے کو ایسا ایسا سمجھنے کی توفیق بھی آپ ہی کی بخشی ہوئی ہے۔ اس عاصی نے بہتر سال گبری (کفر و بت پرستی) میں جنگل جنگل مارے مارے پھر کر اپنا بال سفید کیا ہے (ابتک کام کے لائق کچھ نہیں کیا) آج آپ سے ڈر پیدا ہوئی ہے اور آج آپکو خدا کہنا سیکھا ہے۔ اور آج یہ زنار (کفر و شرک) توڑ رہا ہوں اور دائرۂ اسلام میں

اسلام اکنوں می نہم و زبان بشہادت
اکنوں می کشایم کار تو بعلت نیست
قبول تو بطاعت نیست من ہرچہ
کردہ بودم ہمہ ناکردہ انگاشتم
تو ہرچہ از من دیدہ و نہ پسندہ خط عفو
بروی من کش و گرد معصیت
از من فرو شوی کہ من گرد پندار
طاعت خود فرو شستم ۔ بزرگی
اورا بعد از فوت در خواب دید
گفت مرا پندی بدہ گفت خلق
چوں دریای بے نہایت اند و
دروی انسان بمنزلہ کشتی ست
جہد کن تا خود را دریں کشتی
اندازی و تن مسکین خود را ازیں
قاعدہ غرقاب خلاص دہی ۔

قطعہ

نخشبی خلق را غم جان ست
نیست زیں غم دو دیدہ از غم دور
تا توانی ز خلق دوری جوے
ہرکہ از خویش دور از غم دور

سلک صد و چہل و سوم

بباید دانست خواجہ جنید رحمۃ اللہ علیہ

قدم رکھ رہا ہوں اور کلمہ شہادت زبان پر لا رہا ہوں۔ بارالہا آپ کا کام کسی علت اور سبب کا محتاج نہیں ہے۔ آپکی مقبولیت رہین طاعت نہیں ہے۔ میں نے ابتک جو کچھ کیا اسکو ناکردہ شمار کرتا ہوں اور آپ نے میرے اعمال ناپسندیدہ جو دیکھے ہوں اسپر معافی کا حکم پھیر دیجئے اور میرے دامن سے معصیت کی گرد کو جھاڑ دیجئے کہ میں ابتک اپنی طاعت و عبادت کے پندار ہی میں گرفتار رہا ایک بزرگ نے حضرت بطائیؒ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا عرض کیا کہ حضرت مجھے کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا خلق خدا دریائے بے پایاں ہے اس میں انسان کی مثال کشتی کی ہے لہٰذا کوشش کرو کہ خود کو اسی کشتی میں ڈالدو (یعنی صحیح انسان بنو) اور اپنے تن مسکین کو اس طور سے اس دنیا کے بحر ناپیدا کنار میں غرق ہونے سے بچالے جاؤ ۔ اے نخشبی تمام مخلوق کو اپنی جان کی فکر پڑی ہے لیکن یہ غم نجات دونوں آنکھوں کے تر کرنے سے (یعنی صرف رونے سے دور نہوگا) (عرفی اگر بگریہ میسر شدی وصال ۔ صدسال میتواں بہ تمنا گریستن) (بلکہ اسکا طریقہ یہ ہے کہ) جہاں تک تم سے ہو سکے مخلوق سے دوری اختیار کرو (اور اس میں تمہارا نفس بھی داخل ہے چنانچہ جو شخص اپنے نفس سے دور ہو جاتا ہے وہ تمام غموں سے دور ہو جاتا ہے

سلک ۱۴۳ (ارشادات امام الطائفہ حضرت جنیدؒ)

جاننا چاہیئے کہ حضرت جنیدؒ سب کے مانے ہوئے شیخ

شیخ علی الاطلاق و قطب علی الاستحقاق
و منبع اسرار و مربع انوار بود و اول
و آخر او ہمہ پسندیدہ و مقبول و محمود
خلائق بود و سخن او میان اہل طریقت
حجت است و او خواہر زادہٴ
سری سقطیؒ بود و مرید او بود وقتی
سری سقطیؒ را پرسیدند درجہ مرید
از درجہٴ پیر بلند تر تواند شد گفت
اینک ہم امروز درجہٴ جنید از
درجہ ما بلند تر ست مع ہذا از
حساد خلق خلاص نمیتواں یافت
چنانچہ خلیفہ را باو بدگماں کردند روزی
خلیفہ بر سبیل امتحان کنیز کے کہ
عشق صورت او زہاد را از صومعہٴ
بمصطبہٴ بردے بزو فرستاد کہ
برو بگو اے شیخ مرا بزنی قبول کن
چوں کنیزک در خدمت خواجہ آمد
و خواجہ آثار امتحان درو مبرہن یافت
دست دعا برآورد کنیزک از پای
در افتاد و بیجان شد خلیفہ چوں
آں بشنید بغایت متامل شد و
میگفت ہر کہ با ایشاں آں کند
کہ نباید کرد ضرورۃ ایں بیند کہ نباید دید

اور قطب طریق کہلائے جانے کے مستحق تھے اسرار کے
خزانہ اور انوار کے موسم بہار تھے اور اہل زمانہ
میں سے سب اگلوں اور پچھلوں کے منظور نظر
سب کے نزدیک مقبول اور سب کے محبوب تھے
انکا کلام اہل طریق کے نزدیک حجت ہوتا تھا۔ آپ
حضرت سری سقطی کے بھانجے تھے اور انھیں کے
مرید بھی تھے۔ ایک مرتبہ سری سقطی سے لوگوں نے
پوچھا کہ مرید کا درجہ پیر کے درجہ سے بڑھ سکتا ہے فرمایا
ہاں ہاں، دیکھتے نہیں ہو کہ آج بھی جنید کا درجہ مجھ سے
بلند ہے بایں مرتبہ مخلوق میں سے حاسدوں سے
آپ خلاصی نہ پا سکے۔ چنانچہ لوگوں نے خلیفہ وقت کو
آپ سے بدگمان ہی کر دیا۔ ایک دن خلیفہ نے امتحان
لینے کی غرض سے (کہ واقعی جنید بزرگ ہیں یا بنے بزرگ ہیں)
ایک باندی کو جس کے حسن صورت سے مفتون ہو کر زاہد
عبادت خانہ چھوڑ دیں آپ کے پاس بھیجا کہ جاؤ ان سے
کہو کہ حضرت مجھے اپنی زوجیت میں قبول فرمایئے
جب وہ باندی آپ کے پاس آئی آپ نے
اس کے آنے میں انداز امتحان تاڑ لیا پس آپ نے
دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے باندی پھسل کر گری اور مر گئی
خلیفہ نے یہ حال سنا تو بہت پریشان ہوا اور کہا جس نے
میری اس حسینہ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے اب لازمی طور پر
وہ اپنا ایسا حال دیکھے گا جو نہ دیکھنا چاہیئے یہ کہکر حضرت
جنیدؒ کو اپنے محل میں طلب کیا آپ نے فرمایا کہ

خواست تا جنید را به بیند گفت ایں
شعلۂ آتش را در خانہ خود نباید آورد
ہمدراں روز او بر جنید رفت و گفت
ای خواجہ از دل چگونہ رخصت یافتی
کہ اینچنیں صورتے ناچیز کردی گفت
تو از دل چگونہ رخصت یافتی کہ خواستی
تا ریاضت چہل سالہ درویشی را
باطل کنی من دریں میاں کیستم
مکن تا نکنند، چنیں می فرماید مدتے
چناں بودہ ام کہ اہل آسمان و زمین
بر من گریستند باز چناں شدم کہ من
برایشاں گریستن گرفتم اکنوں چنانم
کہ من از خود خبر دارم نہ از ایشاں ہم او
گفتی دہ سال بر درِ دل نشستم و
پاسبانی او کردہ ام و او را نگاہ داشتم
و دہ سال دیگر دل بر درِ من نشست و
و پاسبانی من کرد مرا نگاہ داشت اکنوں
بیست سال است کہ نہ من از دل
خبر دارم و دل از من ہم او گفتی تا مرا
سران الکلام لفی الفؤاد و انما جعل اللسان
علی الفؤاد دلیلا معلوم شد سی سال را
نماز قضا کردہ ام ہم او گفتی شصت سال
مرا در جماعت تکبیر اول فوت نشد و

کہ اس آگ کے شعلہ کو اپنے گھر نہ بلا۔ چنانچہ اسی دن وہ خود
حضرت کے پاس آیا اور بطور عتاب کے پوچھا کہ حضرت
آپ کے دل نے آپ کو کیسے اجازت دی کہ ایسی
حسینہ و جمیلہ کو آپ نے نیست و نابود کر دیا؟ فرمایا کہ
آپ کے دل نے کیسے چاہا کہ میری چالیس سالہ بزرگی
کو ایک آن میں خاک میں ملا کر رکھدیں۔ میں کیا چیز ہوں
تم خود کوئی ایسی حرکت نکرو تاکہ خدا تمھارے ساتھ
ایسا معاملہ نہ فرمایا کرے۔ حضرت جنید فرمایا کرتے تھے
کہ میں اس حال میں رہا کہ آسمان و زمین مجھ پر روتے
تھے پھر ایسا ہو گیا کہ میں ان پر روتا تھا اور اب ایسا
ہو گیا ہوں کہ مجھے خود اپنی بھی خبر نہیں ہے اور نہ انکی۔
یہ بھی فرماتے تھے میں دس سال تک اپنے قلب پر
بیٹھا رہا اور اسکی نگرانی کرتا رہا اور ہر جانب سے اسے
بچاتا رہا پھر اس کے بعد دس سال تک دل میرے
دروازے پر بیٹھکر میری نگرانی کرتا رہا اور مجھکو ہر سو
سے بچاتا رہا۔ اب بیس سال سے یہ حال یہ ہے کہ نہ تو
مجھے دل کی کچھ خبر ہے اور نہ دل ہی کو میری کچھ خبر ہے
نیز آپ ہی کا ارشاد ہے کہ جب سے مجھ پر اس امر کی حقیقت
کھلی کہ کلام تو حقیقۃً دل میں ہوا کرتا ہے یہ زبان تو
مافی الضمیر کی صرف ترجمان ہے تو اسکے بعد سے میں نے
اپنی تیس سال کی نماز دہرالی (خیال فرمایا ہوگا کہ اب تک
جو کچھ ہوا بدون قلب کی شرکت کے ہوا اسلئے اس کا
اعتبار کیا) نیز فرمایا کہ ساٹھ سال سے میری تکبیر اولے

در نمازی مرا اندیشۂ دنیا در خاطر
لذشتی آں نماز را باز گردانیدمی
ا اگر اندیشہ عقبیٰ در خاطر گذشتی سجدۂ
مہو بجا می آوردمی چنیں گویند
جنیدؒ خرقہ کم پوشیدی وقتے
ورا گفتند چرا خرقہ نپوشی گفت
ہر ساعت در چہار حد باطن من
یں ندا می کنند لیس الاعتبار بالخرقۃ
نما الاعتبار بالخدمۃ یکے جنیدؒ را
گفت یک ساعت حاضر باش
ا با تو سخن گویم گفت ای خواجہ
سالہاست تا می خواستم یک ساعت
حاضر می شوم دست ورنمیدہد
بزرگی می گوید شبے پیغامبر صلی اللہ علیہ
وسلم را در خواب دیدم فتویٰ داشتم
خواستم تا در دست مبارک پیغمبر
ہم جنیدؒ حاضر بود مرا بجنید اشارت
رد گفتم یا رسول اللہ تو جواب فرما
رمود چنانکہ انبیا را بجملہ امت خود
مباہات است مرا بجنید است
نیدؒ می گوید وقتی زحمتی داشتم
بوں برمن وقت تنگ شد گفتم
للّٰہم اشفنی! در سرمن فرو خواندند

فوت نہیں ہوئی۔ اگر نماز میں مجھے کبھی دنیا کا خیال آجاتا تھا تو میں اس نماز ہی کا اعادہ کرلیتا تھا اگر عقبیٰ کا خیال آجاتا تھا تو سجدۂ سہو کرتا (یعنی جب نماز میں صرف خدا کا دھیان ہوتا تو اسکو صحیح سمجھتا)۔ حضرت جنید (فقیرانہ) گدڑی بھی کم پہنتے تھے ایک دفعہ لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہر وقت میرے چاروں طرف سے یہ آواز آتی ہے کہ خرقہ کا اعتبار نہیں ہے خدمت کا اعتبار ہے۔ ایک شخص نے حضرت جنید سے کہا تھوڑی دیر کے لئے آجائیے اور موقع دیجئے آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ بھائی جان سالہا سال سے اس کوشش میں ہوں کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے کو فارغ کروں مگر موقع ہی نہیں ملتا ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ایک شب میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا مجھے ایک فتوے کا جواب لینا تھا چاہا کہ حضورؐ کے دست مبارک میں وہ فتویٰ دیدوں اسی جگہ حضرت جنیدؒ بھی موجود تھے سرکار نے جنید کی جانب اشارہ فرمایا (کہ ان کو دیدو) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری خواہش ہے کہ آپ ہی اسکا جواب عنایت فرمادیں۔ فرمایا کہ (جنید کو کم سمجھتے ہو) جسطرح سے تمام انبیاء کو اپنی اپنی امتوں پر فخر مجھے تنہا جنید کی ذات پر فخر ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے کچھ تکلیف تھی جب بہت زیادہ ضیق ہوئی تو میں نے

ای جنید ایں چہ تصرف است کہ
میان بندہ و خدا ی در می آئی روزے
یکی جنید را میگفت خوشی دل چہ وقت
باشد گفت آں وقت کہ دوست
در دل باشد چناں گویند وقتی یکے
بجنید ہزار دینار آورد تا باشد کہ
قبول کند اورا پرسید ازیں
جنس دیگر ہم داری گفت بسیار
گفت ایں ہم بر تو بہ کہ ازیں جنس
داری نہ بر من کہ ازیں جنس ہیچ ندارم
چنیں گویند وقتی در بغداد دزدے
را بر دار کردند جنید چوں اورا بدیدن
رفت بوسہ بر پاے او زد و
می گفت رحمت بر ایں بیچارہ باد
کہ در کار خود چناں چست بود کہ
جان در سر کار خود کرد و شبی
در خانہ جنیدؒ آمد جز پیراہن جنیدؒ
چیزی نیافت آں را برد روز دیگر
بدلال داد آنرا من یزید کردہ بود
خریدار آشنا می طلبید جنیدؒ
آں جانب می رفت چوں پیراہن
خود دید بشناخت گفت ای خواجہ
بہا بستاں کہ آشنائی ایں پیرہن منم

دعا کی کہ بار الٰہ مجھے اس سے شفا بخش دیجئے۔ میرے
باطن میں الہام ہوا کہ اے جنید یہ خدا اور اسکے بندہ
کے درمیان کیا تصرف کرنا شروع کر رکھا ہے (مطلب
یہ کہ بالکل خاموش رہو اور ہماری تقدیر پر دل سے
راضی رہو) ایک دن حضرت جنید سے کسی نے
کہ حضرت آپ کا دل خوش کس وقت ہوتا ہے فرمایا
اسوقت جبکہ دوست (کا ذکر) دل میں ہوتا ہے
بیان کرتے ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت جنید
خدمت میں ایک ہزار دینار بطور ہدیہ کے پیش
اور قبولیت کا منتظر رہا آپ نے اس سے پوچھا
کہ اس نوع کا سکہ اور بھی تمھارے پاس
یا نہیں اس نے کہا کہ بہت سے ہے فرمایا کہ پھر تو اس
بھی تمھارے ہی پاس رہنا مناسب ہے کہ اس
کے اور بھی سکے تم رکھتے ہو میرے پاس تو اس
جنس کا کوئی ایک سکہ بھی نہیں ہے تو میں اس
کس میں ملاؤں؛ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بغداد
میں کسی چور کو سولی پر لٹکا رکھا تھا حضرت جنیدؒ
جب اسکو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اس
قدم کو چوم لیا اور فرمایا کہ اس غریب پر خدا رحم فرمائے
اور معاف فرمائے (اسکی استقامت تو دیکھو) اپنے
عزم میں ایسا صادق نکلا کہ اپنے حصول مقصد
جان تک کی بازی لگا دی۔ ایک شب کوئی چور
حضرت کے دولت خانہ میں گھس گیا سوا حضرت

روزی یکی بر جنید آمد و از گرسنگی
و برہنگی گلہ کردن گرفت جنیدؒ
فرمود تو بعد از یں از گرسنگی
و برہنگی ایمن باش کہ او
گرسنگی و برہنگی بکسے ندہد
کہ او ازاں گلہ کند روزے
مردے ہزار دینار برگرفت
کہ بر جنید برم باز اندیشید کہ
حضرت او حضرت دنیا نیست
بدیں چہ آلودہ کنم کنارہ
آب پیش بود یگاں یگاں در
آب انداخت چوں بخدمت
خواجہ آمد فرمود چیست راہی
کہ بیک قدم تواں رفت
امروز بہ ہزار قدم پیمودہٗ
وقتے در دلِ مریدے از
مریدان جنیدؒ اندیشہ گناہ
شد تمامی روئے او سیاہ شد
سیوم روز بیدار کہ او
بکوشید خواجہ برو رقعہ نبشت
کہ دریں راہ چرا قدم
بہوش نمی نہی سہ روز است
کہ ما بکار روئی تو مشغولیم

ایک گدڑی کے اور کچھ نہ پایا اسی کو چرا لے گیا دوسرے دن دلال کو دیا کہ اس کو نیلام کردے خریدار نے کہا کہ تم جو یہ مال بیچ رہے ہو یہ تمہارا ہی ہے یعنی چوری کا مال نہیں ہے اسکا ثبوت دو! حضرت جنید اسیوقت ادہر کو جا رہے تھے اپنی گدڑی دیکھکر پہچان لیا صورت حال معلوم کرکے خریدار سے کہا ہاں جناب! آپ اسکو قیمۃً خرید لیجئے میں اس سامان کو اچھی طرح پہچانتا ہوں ایک دن ایک شخص حضرت جنید کی خدمت میں حاضر ہوا اور فقر و فاقہ اور اپنی عریانی کی شکایت کرنے لگا فرمایا کہ تم بالکل مطمئن رہو اب اسکے بعد سے تم بھوکے اور ننگے نہیں رہوگے کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ فقر و فاقہ اور عریانی اسکو کبھی نہیں دیتے جو اسکا گلہ اور شکوہ کرتا پھرے۔ اسی طرح سے ایک دن ایک شخص نے ہزار دینار لیا اور ارادہ کیا کہ حضرت کی خدمت میں اسکو پیش کرے پھر خیال گذرا کہ حضرت کا دربار دنیاداری کا دربار تو ہے نہیں آپ کو اس دینار سے کیا ملوث کروں دریا کے کنارے جا رہا تھا ایک ایک کرکے اس میں وہ سب ڈالدیا (یہ سوچا ہوگا کہ جب حضرت کو نہیں تو اب خود بھی اسکو استعمال نکروں) جب خدمت والا میں حاضر ہوا تو حضرت جنید نے فرمایا کہ خوب یہ راستہ بھی کیسا عجیب ہے کہ جسکو ایک قدم میں طے کیا جا سکتا تھا تم کو اس راہ میں ہزار قدم چلنے پڑے (یعنی قلب سے ترک حب دنیا جسکو ایک آن میں طے کیا جا سکتا تھا تم نے اسکو

مرید ازیں حال متحیر شد کہ شیخ را از حال من کہ خبر کرد وقتی جنید را پرسیدند اخلاص چیست ؟ گفت فرض فی فرض یعنی ہرچہ آں فریضہ است اخلاص ہم درو فریضہ است ۔ گفت بلا چیست ؟ گفت بوتہ امتحان ۔ تنہا بودن کے درست آید گفت وقتے کہ از نفس خود عزلت گیرند گفت صحبت کرا اختیار باید کرد ؟ گفت کسیکہ نیکوئی در حق تو کند و آں او را یاد نماند گفتند حجاب چیست ؟ گفت حجاب عوام نفس و خلق و دنیا و حجاب خواص نظر در طاعت و نظر در ثواب و نظر در کرامت

ہزار دینار کے ذریعہ طے کیا خیر چلو مبارک) ایک دفعہ حضرت جنید کے ایک مرید کے دل میں کسی گناہ کا خیال پیدا ہوا بس اسی وقت اسکا سارا چہرہ کالا پڑ گیا تیسرے دن اسکی تلافی کی فکر ہوئی (حضرت کو اطلاع کی) حضرت جنیدؒ نے اسی پرچہ پر لکھکر بھیجا کہ اس میں قدم ہوش کے ساتھ کیوں نہیں رکھتے ہو تین دن سے ہم تمھارے معاملہ میں پریشان ہو رہے ہیں مرید یہ سنکر بہت زیادہ متفکر ہوا کہ آخر شیخ سے میرا حال اسی دن کس نے بیان کر دیا ؛ ایک دن حضرت جنید سے لوگوں سنے دریافت کیا کہ حضرت اخلاص کسے کہتے ہیں ؟ فرمایا وہ ایک فریضہ ہے دیگر فرائض میں جو جو چیزیں فرض ہیں ان میں سے ہر ایک میں اخلاص بھی فرض ہے (بدون اسکے انکا کلی اعتبار نہیں پس وہ رأس الفرائض ہوا) لوگوں نے پوچھا کہ حضرت بلا کسے کہتے ہیں فرمایا کہ امتحان کی کٹھالی ۔ عرض کیا گیا کہ حضرت تنہائی کب زیب دیتی ہے فرمایا کہ جب انسان اپنے نفس سے تنہائی اختیار کرے (یعنی اس کو چھوڑے اور ترک کرے) عرض کیا کہ کسکی صحبت اختیار کی جائے ؟ فرمایا کہ اس شخص کی جو کہ تمھارے ساتھ سلوک کرے اور وہ اسکو یاد نہ رہ جائے ۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ طریق میں حجاب کیا چیز کہلاتی ہے ؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے عوام کے لئے تو حجاب انکا نفس ہوتا ہے اور دوسری مخلوق بنجاتی ہے اور دنیا بنتی ہے اور خواص کا حجاب اپنی طاعت پر نظر کرنا اجر و ثواب پر نظر ہو جانا اور اپنی کرامت و بزرگی پر نظر کا ہو جانا ہوتا ہے

(باقی آئندہ)

افسوس ہے کہ یہ حالت ہے کہ جنھوں نے ایک پارہ قرآن کا بھی نہیں پڑھا وہ ان اشعار کو پڑھتے اور سنتے ہیں اور اس پر وجد کرتے ہیں حالانکہ خاک بھی نہیں سمجھتے اور اگر کچھ سمجھتے ہیں تو یہی کہ خدا پھیلا ہوا ہے اور ہم اس سے نکلے ہیں اور یہ سمجھکر اپنا دین برباد کرتے ہیں ایسے اشعار کا ان کے سامنے پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۵۴) خلاف قاعدہ شریعت کے عبادت بھی گناہ ہے

اور اس عدم جواز کے حکم سے کوئی تعجب نکرے دیکھئے حکمائے امت نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ بعض لوگوں کے لئے حج کو ناجائز کہدیا ہے مثلاً ایک ایسا شخص کہ جس کے پاس زادراہ بھی نہو بیوی بچوں کو دینے کو بھی کچھ نہو اسکے لئے سفر حج کو بالکل ناجائز کہا جاویگا اور یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں دیکھو عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا نصاً ناجائز ہے حالانکہ نماز کتنی بڑی عبادت ہے علی ہذا عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر عبادت میں کچھ قیود وجوب کے ہوتے ہیں اور کچھ شرائط جواز کے ہوتے ہیں تو حج میں استطاعت وجوب حج کی شرط ہے اور اہل و عیال کا حق ضائع نہونا جواز حج کی شرط ہے اسکو حضرت مسعود بکؒ خوب فرماتے ہیں اور واقعی حضرت کا کلام بدون علم باطنی کے سمجھنا نہایت دشوار ہے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمانے کا ہر شخص مخاطب ہے مگر واقع میں مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں، سو فرماتے ہیں ؎

اے قوم بحج رفتہ کجا ئید کجا ئید   معشوق دریں جاست بیا ئید بیا ئید

یعنی تمہارے لئے معشوق اسی جگہ ہے کیونکہ مقصود رضائے حق ہے، تو اگر بحالت مذکورہ بالا مکہ جاویگا تو خلاف رضائے حق ہوگا اسلئے خدا نہ ملیگا کیونکہ محض سفر مکہ سے خدا تعالیٰ نہیں ملتا مثلاً اگر کوئی نفل حج کرکے بیوی کا حق ضائع کردے تو خدا تعالیٰ کب راضی ہو سکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں حج کرنا بھی ناجائز ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کے سامنے کعبہ کی حالت بیان کرنا جس سے وہ مغلوب الشوق ہوکر سفر میں چلا جائے جائز نہیں۔ دیکھو ظاہر نظر میں یہ بات سمجھ میں بھی نہیں آتی لیکن واقع میں بہت صحیح فرمایا اسواسطے کہ حالات سنکر سفر کا شوق پیدا ہوگا اور بوجہ عدم استطاعت کے یہ سفر معصیت ہوگا تو اسکا جو سبب ہے وہ بھی معصیت ہوگا۔ واقعی اول اول جس نے امام غزالیؒ

کا یہ قول سنا ہوگا اس نے امام کو ضرور کافر کہا ہوگا حالانکہ امام بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ جب سفر معصیت ہے اور تذکرہ اسکا سبب ہے تو تذکرہ بھی معصیت ہوگا۔ غرض کیسی ہی عبادت ہو وہ کسی نہ کسی وقت ناجائز ہو جاتی ہے۔ ایک اور مثال یاد آئی نیک کام میں چندہ دینا عبادت ہے لیکن بعض اوقات یہ بھی جائز نہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا چندہ لینے سے اسلئے انکار فرمایا کہ وہ اس واقعہ سے پہلے خود سوال کر چکا تھا تو اس چندہ دینے کا مآل یہ ہوتا کہ جب اپنے پاس کچھ نہ رہتا تو پھر سوال کرتا۔ خوب سمجھ لو بس شریعت جو کچھ حکم کرے وہ کرو جہاں شریعت بڑھنے کی اجازت دے بڑھو اور جہاں روکے رک جاؤ۔

(۱۵۵) مسلمان کی اصلی شان عبدیت ہے

مسلمان کی بالکل وہ حالت ہونی چاہیئے جیسے ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا تم کیا کھایا کرتے ہو کہنے لگا جو کچھ آپ کھلاویں گے وہی میری غذا ہے اور بزبان حال یہ کہا ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو جان شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(آپ اگر ہمکو زندہ رکھیں تو آپکا احسان اور مار ڈالیں تو ہم آپ پر قربان، ہمارے جان و دل تو آپکی محبت میں مبتلا ہو چکے ہیں آپ جو کچھ بھی کریں ہم راضی برضا ہیں)

جب غلام کی شان آقا کے سامنے یہ ہے تو کیا خدا تعالیٰ کے سامنے بندہ کی یہ شان بھی نہو۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے سامنے ایسا ہو جائے جیسے مردہ بدست زندہ اور آپکے احکام جیسے کبھی منصوص ہوتے ہیں اسی طرح غیر منصوص اور مستنبط بھی ہوتے ہیں اور یہ سب حضور ہی کے احکام ہیں اور فقہ اور حدیث میں یہی فرق ہے کہ حقیقت ایک ہے اور لباس جدا جدا ہے جیسے کسی نے کہا ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم

(آپ جس طرح سے چاہیں جامہ پوشی کریں میں تو آپ کے قد و قامت ہی سے آپ کو پہچان لیتا ہوں)

عاشق کی یہ شان ہوتی ہے کہ محبوب جس جوڑے میں بھی آوے وہ پہچان لیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ عاشق نہیں۔ تو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں انکو حدیث و فقہ سب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

ہی کے ارشادات نظر آتے ہیں۔ بہرحال شریعت کے احکام یہ ہیں اور یہ واجب العمل اور متبوع ہیں توجب حج کو جانا بعض کو ناجائز ہے تو یہاں سے قیاس کرکے دیکھ لو کہ جب بعض اوقات عبادت ناجائز ہو جاتی ہے تو ایسے اشعار کا گو وہ صحیح ہوں ذکر کرنا ان لوگوں کے سامنے جبکہ ان میں کوئی مفسدہ ہو اگر ناجائز ہو جائے تو کیا عجب ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کلموا الناس علی قدر عقولھم ایک اور حدیث میں ہے کہ جب کسی کے سامنے اسکی عقل سے بڑھکر کلام کیا گیا تو وہ اسکے لئے فتنہ ہوگیا۔

(۱۵۶) مضامین غامضہ کو دیکھنا اور سننا عوام کو ممنوع ہے

تو اب جو ایسے اشعار عوام کے سامنے پڑھے جاتے ہیں کہ انکی سمجھ میں نہیں آتے اگرچہ وہ فن اور مغربی ہی کے ہوں تو یہ عوام کے لئے فتنہ ہوں گے یا نہیں؟ ان حضرات کے کلام کے صحیح ہونے میں کلام نہیں جو کچھ انھوں نے کہا ہے صحیح ہے لیکن انکے سمجھنے کے لئے فہم صحیح اور طبیعت سلیم درکار ہے مولانا اپنے ہی نازک مضمون کی نسبت فرماتے ہیں ؎

نکتہا چوں تیغ پولاد ست تیز گر نداری تو سپر واپس گریز

کہ بہت سے نکتے تلوار کی طرح تیز ہیں اور سپر سے مراد فہم ہے یعنی اگر سپر نہ ہو تو دور رہو

پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدن تیغ را نبود حیا

کہ اسکے سامنے بدون سپر مت آؤ کیونکہ ایمان اگر اسکے سامنے پڑیگا یہ اسکو قطع کردیگا اور اسی واسطے ابن العربی نے کہا ہے کہ یحرم النظر فی کتبنا رہا یہ شبہ کہ جب کتاب کے دیکھنے کی اجازت نہیں تو پھر لکھا تھا کیوں یہ شبہ اکثر بڑے لوگوں کو بھی ہوجاتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ وہ حالات جو ان پر طاری ہوئے دوسرے لوگوں پر بھی طاری ہو سکتے ہیں تو انھوں نے اپنے سے پچھلے لوگوں کے لئے جنپر وہ حالات طاری ہوں اپنے اقوال اور احوال کو مدون کیا ہے تاکہ پچھلوں کے پاس معیار رہے ورنہ یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ہماری طاعت مقبول ہے یا مردود اور جب پہلوں کے حالات مدون ہیں تو نہایت آسان ہے کہ اس پر منطبق کر کے دیکھ لو اگر مطابق ہو تو صحیح ورنہ باطل تو خلاصہ یہ ہوا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے جیسوں کے لئے لکھا ہے۔ عوام الناس کے لئے اسکو دیکھنے سے منع کردیا بلکہ وہ اخفا کا اس قدر

اہتمام کرتے ہیں کہ انکے سامنے ان مضامین کا اگر کوئی انکا بھی کرتا ہے تب بھی انکو جوش نہیں آتا اور وہ بیان نہیں کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی　　بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

(دعوی کرنے والے سے عشق و مستی کے رموز بیان نکرو اور اسکو اپنے رنج خود پرستی ہی میں گرفتار رہکر مرجانے دو)

رسول کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے علوم کا اعلان کرے اور ولی کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے علوم کا اخفار کرے اسلئے انکو کبھی ہیجان بھی نہیں ہوتا البتہ اپنے خواص سے بیان کرتے ہیں، تو کوئی کلام غیر اہل کے سامنے مت بیان کرو

(۱۵۷) احوال و اسرار کا اخفار عوام سے ضروری ہے

تصوف کے اجزار بہت سے ہیں منجملہ ان کے احوال بھی ہیں انکو کسی سے بیان نکرنا چاہئے کیونکہ وہ اپنے خاص معاملات ہیں خداتعالیٰ کے ساتھ، ان کے ظاہر کرنے سے اپنا باطنی نقصان ہوتا ہے نیز ایک جزو اس میں سے علم مکاشفہ اور اسرار بھی ہیں انکو بھی کسی کے سامنے ظاہر نکرنا چاہیئے کیونکہ وہ اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے اور بہت سی غلط فہمیاں سننے والوں سے ہوجاتی ہیں جن سے ان کا بہت نقصان ہوجاتا ہے۔ اور عوام کے نہ سمجھنے کی ایک مثال بیان کرتا ہوں، دیکھو اگر کسی شخص نے کبھی آم نہ دیکھا ہو اور اس کے سامنے آم کی کیفیت بیان کیجاوے تو کیسی ہی جامع مانع حقیقت بیان کرو لیکن اسکی سمجھ میں نہیں آسکتی اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ ؎

پرسید یکی کہ عاشقی چیست　　گفتم کہ چو ما شوی بدانی

(کسی شخص نے کسی عاشق سے پوچھا کہ عاشقی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میری طرح ہوجاؤگے تو خود بخود سمجھ جاؤگے)

اور وجہ اسکی یہ ہے کہ امور وجدانیہ وجدان ہی سے سمجھ میں آتے ہیں اور وجدان محض سننے سے پیدا نہیں ہوتا۔ اسی واسطے محققین اجانب پر کبھی نظر نہیں کرتے۔ اب بے احتیاطی ہوگئی ہے کہ عام مجالس میں اس قسم کی غزلیں پڑھی جاتی ہیں اور کوئی نہیں سمجھتا میں ایسے بہت لوگوں سے ملا ہوں کہ ان الفاظ کے معنی غلط سمجھتے ہیں۔

حکایت: ایک ایسا ہی شخص مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ تصور شیخ جائز ہے یا نہیں میں جائز کہنے کو

تھا بشر الغطا ' مگر میرے ذہن میں آیا کہ شاید یہ تصور شیخ کے معنی غلط سمجھ رہا ہوں اس لئے میں نے اس سے پوچھا کہ تصور شیخ کے کیا معنی ہیں ؟ کہنے لگا خدا کو بشکل شیخ سمجھنا ' انا للہ ۔ حالانکہ قرآن شریف میں تشریح ہے لیس کمثلہ شیئ اور یہ جو بعض آیات میں ید اللہ فوق ایدیھم وغیرہ آیا ہے وہاں ید وغیرہ سے یہ مراد نہیں کہ ہم جیسے ہاتھ پیر ہیں بلکہ جو اسکے مناسب ہوں ہم اسکی حقیقت نہیں دریافت کر سکتے ہماری مثال عدم احاطہ حقیقت میں ایسی ہے جیسے ایک پانی کا کیڑہ انسان کی مصنوعات ریل اور وغیرہ کو دیکھے اور ان کی ناتمام حقیقت دریافت کر کے اندازہ کرے کہ جس نے یہ بنایا ہوگا وہ اس قسم کا ہوگا کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ وہ کیڑا ہمارے ہاتھ پاؤں کی حقیقت کو دریافت کر سکتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بھی بالاتر ہیں لیکن تقریب فہم کے لئے اس مثال کے ضمن میں اسکو ظاہر کیا گیا کسی نے خوب کہا ہے ؎

ای برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(اے اللہ آپ ہر وہم وگمان وخیال وقیاس سے بالاتر ہیں اور جو کچھ بزرگوں نے کہا ہے اور ہم نے سنا اور پڑھا ہے اس سے بھی برتر ہیں ' دفتر تمام ہوگیا اور عمر اختتام کو پہونچی لیکن ایک وصف بھی آپ کا بیان نہ کر سکے)

(۱۵۸) حق تعالیٰ کی کنہ کا ادراک طاقت بشریہ سے خارج ہے

غرض خدا تعالیٰ کو کوئی کیا پہچان سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلم باللہ تھے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا ہے انی اعلمکم باللہ آپ بھی اس کا اپنا عجز ظاہر فرماتے ہیں کہ لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک (شمار نہیں کر سکتا ہوں میں صفتوں کو اوپر تیرے الخ جیسا کہ تونے صفت کی ہے آپ اپنی ذات کی) یہاں تو منتہائے ثنا یہ ہے کہ عجز خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست ۔ اور یہی خاموشی حاصل ہے حدیث مذکورہ کا حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اس عجز کو عجیب عنوان سے فرماتے ہیں کہ ؎

خدا در انتظار حمد ما نیست — محمد چشم بر راہ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفیٰ بس — محمد حامد حمد خدا بس

(حق تعالیٰ ہماری حمد کے منتظر نہیں ہیں (اسی طرح سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری ثنا کے انتظار میں چشم براہ نہیں ہیں

(اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خدا کی مدح ہی کافی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات والاصفات کیلئے خدا کا مادح ہونا ہی بس ہے)
خدا کی طرف سے حضورؐ کی تعریف اور حضورؐ کی طرف سے خدا کی تعریف کافی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ؎

مناجاتے اگر خواہی بیان کرد　　　به بیتے هم قناعت میتوان کرد
محمدؐ! از تو می خواهم خدا را　　　الٰہی! از تو حُبِّ مصطفیٰ را

(یوں اگر تم کوئی مناجات ہی بیان کرنا چاہتے تو بس صرف اس ایک شعر پر قناعت کرو (وہ یہ کہ یوں کہو) کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپکے ذریعہ سے خدا تک پہونچنا چاہتا ہوں اور اے خدا میں آپ سے بس حصولِ عشقِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خواستگار ہوں)
حقیقت میں بے مثل مضمون ہے باقی کوئی یہ نہ کہے کہ حضور تو فرماتے ہیں لا احصی ثناءً علیك اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ حضور کا ثنا کرنا کافی ہے بات یہ ہے کہ یہ کفایت ہمارے اعتبار سے ہے ورنہ خدا تعالیٰ کو کما حقہٗ کوئی نہیں پہچان سکتا ؎

دور بینانِ بارگاہ الست　　　جز ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

(بارگاہ الست کے دور اندیش حضرات نے صرف اتنا جانا ہے کہ ایک ذات حی وقیوم موجود ہے اور بس)
یعنی اتنا معلوم ہوا کہ موجود ہے، باقی یہ کہ کیا ہے کیسا ہے اسکے لئے بس یہ سمجھیے کہ ؎

اندریں رہ ہرچہ می آید بدست　　　حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

(اس راہ (معرفت وحقیقت) میں جو کچھ ہاتھ آتا ہے وہ صرف حیرت ہی حیرت ہے)
شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم　　　کہ حیرت گرفت آستینم کہ قُم
محیط است علمِ ملک بر بسیط　　　قیاسِ تو بر وے نگردد محیط
دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار　　　کہ پیدا نشد تختہ بر کنار

(کیا راتیں تھیں جب میں سیر (معرفت) میں گم بیٹھا رہتا تھا یہانتک کہ، حیرت نے میری آستین کو پکڑا اور کہا کہ اٹھ (یعنی ایک عالم حیرت مجھ پر طاری ہوگیا اور میں نے دیکھا کہ) تمام عالم بسیط پر علم ملک (اسطرح) محیط ہے کہ تمہارا قیاس وگمان بھی احاطہ نہیں کرسکتا، ہزاروں کشتیاں اس (بحر حقیقت) کے بھنور میں ڈوبی ہوئی تھیں کیونکہ اس کا ساحل ناپید تھا
کون احاطہ کرسکتا ہے خدا تعالیٰ کے کمالات کا ہاں ہم ایمان لاتے ہیں ہم اس سے آگے رائے سے کام نہیں کرسکتے۔ دیکھو افعال تک کا تو پتہ لگ ہی نہیں سکتا تو صفات کا کیا پتہ لگ سکتا ہے یہاں

قرار عجز کی بالکل وہ حالت ہونا چاہیئے جیسے کہ ؎

حکایت: ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ شب معراج میں کیا کیا گفتگو خدا تعالیٰ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی انھوں نے جواب میں فرمایا کہ ؎

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں — بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

(اب کس کو دماغ ہے کہ باغباں سے پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا؟ حقیقت میں کس کی مجال ہے اور جو کچھ کہہ دیتے ہیں وہ او پچھے ہیں کہ اچھلتے ہیں ورنہ اہل کمال کا یہی مشرب ہے جو میں نے بیان کیا۔ اسی طرح اسرار خداوندی کا بھی جو متعلق اکوان کے ہیں احاطہ نہیں ہو سکتا انکی نسبت حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

حدیث مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

(بس مطرب مے ہی کا افسانہ بیان کرو (یعنی ذکر خدا میں مصروف رہو) راز دہر جاننے کے پیچھے نہ پڑو کہ علم و حکمت کے ذریعہ بھی اسکا جاننا ممکن نہیں) جب راز دہر کے پیچھے پڑنے سے منع کرتے ہیں تو راز حق کی تو کیا انتہا ہے۔

(۱۵۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر شفقت کیوجہ سے غیر ضروری علوم میں پڑنے سے روک دیا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر شفیق تھے کہ جس چیز کو بے سود دیکھا اور فلاح دین یا دنیا میں اسکی حاجت نہ دیکھی اس گفتگو کرنے سے منع کر دیا' اور ایسے دقائق و غوامض پر چونکہ نجات موقوف نہیں اسلئے اسکی حاجت نہیں پس اس میں کلام کرنا پسند نہیں کیا گیا کہ اضاعۃ عمر ہے اور احتمال ضرر ہے۔

حکایت: صحابہ کرام ایک مرتبہ مسئلہ قدر میں کچھ گفتگو فرما رہے تھے کہ حضور تشریف لے آئے اور سنا' فرمایا تم لوگ کیا گفتگو کر رہے ہو؟ معلوم ہوا تو عتاب فرمایا کہ تم اس میں گفتگو کرتے ہو! کیا میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں اور فرمایا کہ جو اس میں گفتگو کرے گا اس سے باز پرس ہوگی، یعنی پوچھ گچھ ہوگی کہ کیوں اس میں گفتگو کی' اور ایک لطیف معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ سوال ہوگا ذرا ہم بھی سنیں تم نے اس بارے میں

کیا تحقیق کی ہے اس سے وہ شخص دم بخود رہ جائے گا اور عجز کی وجہ سے کچھ جواب نہ دے سکے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس قسم کے علوم میں گفتگو کرنے سے ممانعت کیطرف اشارہ کردیا

(۱۶۰) علم اسرار وہبی ہے دلائل سے حل نہیں ہوتا کمال کے بعد قیل وقال کی حاجت نہیں رہتی

کیونکہ یہ علم وہبی ہے دلائل سے کبھی حل نہیں ہوسکتا اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ان امور کے اظہار کی حاجت تو ہے نہیں اور الفاظ وضع ہوئے ہیں حاجت کی چیزوں پر دلالت کرنے کے لئے سوان مفہومات کے لئے الفاظ موضوع نہیں ہیں تو اگر ان مضامین کو الفاظ سے تعبیر کیا جاویگا تو وہ تشبیہات ہوں گی اور وہ بالکل ناکافی ہیں تشبیہات کے ناکافی ہونے کی مثال کے لئے ایک قصہ عرض کرتا ہوں۔

حکایت : مشہور ہے کہ ایک اندھے مادرزاد کی دعوت اسکے کسی شاگرد نے کی حافظ جی نے پوچھا کیا پکاؤ گے شاگرد نے کہا کھیر پکاؤنگا کہنے لگے کھیر کیسی ہوتی ہے شاگرد نے کہا کہ سفید کہنے لگے کہ سفید کسکو کہتے ہیں اس نے کہا جیسے بگلا حافظ جی نے کہا کہ بگلا کیسا ہوتا ہے شاگرد نے ہاتھ سے اسکی ہیئت بتائی حافظ جی نے اسکو ٹٹول کر دیکھا اور کہنے لگے کہ بھائی یہ کھیر تو بہت ٹیڑھی ہے حلق سے کیسے اتریگی؟ اب غور کیجئے کہ کھیر جو اتنی ٹیڑھی ہوگئی اسکا کیا سبب ہوا یہی کہ اسکو تشبیہات میں بیان کیا تو اس اندھے مادرزاد کو اگر ساری دنیا بھی سمجھا دینے کی کوشش کرتی تو اسکی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا ہاں سمجھانے کی یہ صورت ہے کہ انگلی لیکر اسکے منہ میں دیدی جاوے کہ ہونٹ چاٹتا رہے اور دیکھئے اگر کسی نابالغ بچہ کو لذت مجامعت سمجھانا چاہیں تو عمر ختم ہو جائے لیکن اسکی سمجھ میں نہیں آسکتی البتہ جب وہ بالغ ہوجائیگا تو خود بغیر سمجھائے سمجھ میں آجاویگی اسطرح کملا رکے سامنے نا اہل لوگ مثل اطفال نابالغ کے ہیں بڑے بڑے حکمار ارسطو افلاطون ان کے سامنے ایسے ہیں جیسے بچے تو ایسوں کے سامنے یہ مضامین بیان کرنا بچے کے سامنے لذت مجامعت بیان کرنا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

خلق اطفالند جز مرد خدا		نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(خدا رسیدہ آدمی کے علاوہ تمام مخلوق بچوں کے مانند ہے بس بالغ وہی ہے جو اپنی ہوائے نفسانی سے نکل چکا ہے)

مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی الٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ
۲۰؍
بیس روپئے

چندہ ششماہی
۱۰؍
دس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | ۲؍ دو روپئے

شمارہ ۶ | شعبان ۱۴۰۱ھ مطابق جون ۱۹۸۱ء | جلد ۴

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ان سطور میں رسالہ وصیۃ العرفان کے متعلق ہر بار ہی کچھ نہ کچھ لکھا جاتا ہے لیکن یہ خیال برابر رہتا ہے کہ کہیں یہ اپنے آپ میاں مٹھو بننے کا مصداق نہ ہوتا ہو مگر احباب میں سے جب کوئی مخلص اپنے جذبات اور قلبی تاثرات کا اظہار کر دیتا ہے تو اس سے بڑی ہمت افزائی اور تقویت ہوتی ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ یہاں سے لکھا جاتا ہے وہ بہت کم ہے افادیت رسالہ اس سے کہیں زائد ہیں جتنا کہ ہمارا خیال ہے۔ فللّٰہ الحمد۔

ابھی چند روز ہوئے ایک محترم کا خط دہلی سے آیا جی چاہا کہ ناظرین کو بھی ان کے قلبی تاثرات اور رسالہ سے ان کے دلی تعلقات کا علم کرا دیا جائے کہ انسان پر دوسرے انسان کے خلق اور عمل کا اثر ہوتا ہی ہے عجب کیا جو اللہ تعالیٰ ایسے امثال مزید پیدا فرما دیں۔ محترم بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"پیش لفظ کے ذریعہ چندہ کے بارے میں معلومات ہوتی رہتی ہیں یہ معلوم ہو کر کہ ایسے بھی خریدار ہیں کہ جن لوگوں نے سنہء کا چندہ بھی ابھی تک ارسال نہیں کیا بڑا ہی دکھ ہوا اسلئے کہ ایک ایسا ادارہ جو اس ہنگائی کے دور میں دنیاوی تمام وسائل کو چھوڑ کر صرف اللہ کے توکل پر اس رسالہ کی اشاعت کر رہا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ صاحب حیثیت حضرات اس ادارہ کی امداد کرتے بجائے اسکے ایسے لوگ بھی ہیں جو اسکی معمولی سی قیمت بھی ادا نہیں کرتے جو انکی طرف واجب ہوتی ہے حالانکہ رسائل کا چندہ پیشگی ہی لیا جاتا ہے، یہ بھی منتظمین حضرات کا خلوص ہے کہ اتنے دن بعد بھی رسالہ جاری رکھتے ہیں۔ دنیاوی وسائل سے میری مراد یہ تھی کہ اس رسالہ میں کوئی بھی کسی قسم کا اشتہار نہیں ہوتا جو آجکل اخبارات وغیرہ کی معقول آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد آپ حضرات کے ساتھ ہے ورنہ اس طرح اور ان حالات میں رسالہ نکالنا ناممکن ہے اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اسکا اجر عظیم عطا فرمائے اس رسالہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں۔

آجکل کا ماحول بہت بدل چکا ہے، سیاسی اخبار فلمی اخبار من گھڑت خیالات

اور افسانے زیادہ چل رہے ہیں لیکن "وصیۃ العرفان" جیسے نایاب ہیرے کو وہی لوگ پسند کرتے ہیں جن کو اللہ نے توفیق عطا فرمائی ہے، یا اسکی لذت محسوس کرتے ہیں آجکل معیار زندگی اور سطح اخراجات انسان کی اتنی بڑھ چکی ہیں کہ بیسؔ روپئے کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے پھر بیس روپئے ایک سال کے لئے نہ دینا بہت افسوس کی بات ہے۔

اب رہ جاتا ہے اس رسالہ کی اشاعت کا سوال تو جس طرح عطر کو سونگھ کر اسکی خوشبو کا پتہ لگا لیا جاتا ہے، پھل کو چکھ کر اسکی مٹھاس اور ذائقہ کا اندازہ لگا لیا جاتا ہے اسی طرح کسی کتاب یا رسالہ کی سطریں پڑھکر اسکی اہمیت کا پتہ لگ جاتا ہے۔ میں نے ۱۹۷۸ء میں اس رسالہ کی چند لائنیں پڑھیں مجھے پسند آگئیں فوراً رسالہ کا خریدار بن گیا اور ابتک ہوں لیکن میں نے بیحد کوشش کی میں دوسرے دو چار خریدار بنا دوں مگر میں بالکل کامیاب نہ ہوسکا۔ ایک ایک آدمی کو پورا سیٹ کا سیٹ پورا رسالہ پڑھنے کے لئے دیدیتا ہوں اور کئی کئی ہفتے چھوڑے رکھتا ہوں لیکن نہ معلوم یہ لوگ پڑھتے بھی ہیں یا نہیں؟ ایسے ایسے حضرات کو دکھایا جن کے لئے بیس روپئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے مگر مسلمان سے دین کے لگاؤ کا یہ حال ہے کہ ادھر توجہ نہیں۔ ہاں کوئی فلمی رسالہ ہوتا تو شاید مجھے واپس بھی نہ ملتا خدا رحم فرمائے اس امت پر کس لئے آئے تھے اور کیا کر رہے ہیں؟ کدھر جا رہے ہیں؟ ہم دوسروں کو راستہ دکھانے آئے تھے اور خود اپنا بھی بھول گئے۔

حضرت میں بہت دن سے ان خیالات کا اظہار کرنے کا ارادہ کر رہا تھا آج میں نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی لیکن نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟ کوئی بے ادبی ہو تو معاف فرمائیں"۔

ایک اور محترم جو حضرت مصلح الامۃؒ کے خدام میں سے تھے سفر ہند سے واپسی پر پاکستان سے اپنے ایک دوست کو بنارس خط لکھا کہ:۔

"احقر اپریل ۱۹۸۰ء میں ہردوئی پھر الہ آباد حاضر ہوا تھا، حضرت قاری صاحب مدظلہ

کے یہاں الہ آباد میں رات کا کھانا کھانے کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت اقدس مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کی مسند کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت قاری صاحب نے بڑے اکرام سے مجھ ناکارہ کو نوازا اور مزید احسان یہ فرمایا کہ حضرت مصلح الامۃ (مولانا شاہ وصی اللہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ کی آواز کا ایک ٹیپ بھی مجھکو نقل کر کے عطا فرمایا۔ حضرت قاری صاحب کے صاحبزادے میاں مکین سلمہ اللہ تعالیٰ نے بہت خاطر فرمائی۔ جامی صاحب سے ملکر بیحد مسرور ہوا اور سب بزرگوں کی زیارت حاصل ہوئی

آنجناب کی وضعداری کا احقر بے حد ممنون ہے کہ جب سے آپ تشریف لے گئے ہیں برابر رسالہ وصیۃ العرفان پابندی سے آرہا ہے یہ آپ کا بہت بڑا احسان ہے جو مجھ ناکارہ کے ساتھ فرمایا ہے اگر یہ پرچہ نہ آتا تو وفات مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات احقر کو نہ معلوم ہوتے۔ وفات کے تفصیلی حالات اور پھر قلم حضرت قاری صاحب کا جو کہ درد اور جذبات میں ڈوبا ہوا ہے انھیں کا حق ہے کہ عکاسی فرمائی اور تفصیلی حالات بے کم و کاست منصۂ شہود پر آگئے ہیں۔

ویسے بھی تعلیمات مصلح الامۃ کے عنوان سے مسلسل جو مضامین آرہے ہیں وہ بیحد مقبول و نافع ہیں۔ رسالہ پڑھکر میں یہاں دوسرے احباب کو بھی دکھلاتا رہتا ہوں کہ ہمارے حضرت اقدس کی تعلیمات عام ہوجائیں اور آپ سب حضرات کو صدقہ جاریہ ہوگا۔ جو جو حضرات اس میں تعاون فرما رہے ہیں وہ سب کے سب ثواب کے مستحق ہیں۔

(ایک جدید و مفید کتابچہ "درد و درماں")

گذشتہ شمارہ میں ص ۳۱ پر " ایک ضروری اعلان " کے تحت حضرت مصلح الامۃ کے ایک مضمون کی عنقریب طبع ہونے کی اطلاع دی گئی تھی چنانچہ الحمد للہ رسالہ کتابت و طباعت کی منزلوں سے گذر کر منصۂ شہود پر آگیا ـــــ دفتر سے طلب فرمائیے ـــــ

۵ فارم یعنی ۸۰ صفحات کی کتاب ہے اسکولی سائز پر، طباعت اور کتابت صاف کاغذ و ٹائیٹل عمدہ ہے۔ قیمت اصلی چار روپیہ ـــــ کم سے کم پانچ سے لیکر پچیس عدد لینے والے کو ۲۵٪ کمیشن دیا

اس سے زائد منگوانے والے حضرات کو ۲۴٪ کمیشن دیا جائیگا ۔ محصول ڈاک بہرصورت یعنی چاہے ایک کتاب ہو یا ایک سو ہو بذمہ خریدار رہے گا ۔

نوٹ : بک پوسٹ، پارسل ڈاک، پارسل ریلوے ۔ جس طرح سے بھی منگوانا چاہیں تصریح ضرور فرمادیں اور پتہ میں ڈاکخانہ مقام، اور ریلوے پارسل کی صورت میں اسٹیشن کا نام بھی صاف صاف تحریر فرمادیں ۔ نیز بوقت آرڈر کم از کم چوتھائی رقم پیشگی ضرور آجانی چاہیئے۔
بک پوسٹ وصول نہ ہونے کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہیں ہوگا ۔

اس کتابچہ سے متعلق مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی کا ایک مختصر تاثراتی و تعارفی مضمون اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں ۔

(ادارہ)

ایک خوشخبری

"مناجات مقبول کریمی" جو عرصہ سے نایاب تھی اب ہمارے بعض احباب نے اسکو طبع کرادیا ہے ۔
قیمت دس روپئے فی نسخہ ہے ۔ تاجر حضرات خط وکتابت سے معاملے فرمادیں محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا جو کہ رجسٹری سے ایک نسخہ پر تقریباً چار روپے پڑجائیگا اسلئے چار پانچ حضرات اگر یکمشت آرڈر دیں اور ایک ساتھ منگائیں تو کفایت رہے گی ۔
یہ کتاب دفتر سے بھی مل سکتی ہے ۔

پتہ : دفتر وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد

"دردودرماں"

(عنوان بالا پر حضرت مصلح الامۃؒ کے ایک زیر طبع کتابچہ پر احقر جامی کے تاثرات)

آج دیکھا جاتا ہے کہ کسی گھر میں اگر ایک شخص بیمار ہو جاتا ہے تو بعض مرتبہ اسکی وجہ سے سارے گھر والے اور اگر شریف، خلیق، احساس والے ہوئے تو پاس پڑوس کے لوگ بھی پریشان ہو جاتے ہیں اور خود مریض کو اور اسکے ساتھ ساتھ ان سبکو بھی فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ یہ کس طرح سے صحتیاب ہو جائے اور اسکے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اور اگر کہیں کوئی بیماری وبار کی شکل اختیار کرلے اور اس کا ابتلار عام ہو جائے اسوقت نہ صرف گھر اور محلہ ہی کے لوگ بلکہ شہر اور ملک اور بعض دفعہ تو بیرونِ ملک والے بھی اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور پھر کہیں سے مالی امداد اور کہیں سے طبی اعانت اور کہیں سے بیماروں کی دیکھ بھال کے لئے رضا کاروں کے کیمپ آ آ کر لگا دیئے جاتے ہیں اور سب ہی لوگ اس امر کی کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ کسی طرح سے یہ وبا یہاں سے ختم ہو اور لوگ صحت و آرام کی زندگی گذاریں۔

آج دنیا والوں کا عام حال اسی اصول کے تحت چل رہا ہے اسکے برخلاف اب آپ یہ تصور کیجیے کہ اگر کسی مرض اور اسکے علاج کی فکر دوسروں کو چھوڑیئے خود اس مریض ہی کو نہ ہو وہ بیمار ہے اور مہلک بیماری کا شکار ہے مگر چہ غم بھی ہے، اپنے ظاہری ورم کو صحت سمجھ رہا ہے اور طبیب جو اسے اسکی زبوں حالی سے باخبر کرتا ہے اسی کو مجنوں اور غیر ناصح قرار دے رہا ہے، جو شخص اس سلسلہ میں اسکی کچھ امداد و اعانت کرنا چاہتا ہے اسکو دشمن اور اپنا مخالف سمجھ رہا ہے تو اب آپ ہی فرمائیے کہ ایسے مریض کے لئے حصول صحت کی اور اس بیمار کے علاج کی کیا صورت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اسی حالت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم سے

اسکی بدحالی کو دور نہیں فرمایا کرتے جبتک کہ وہ خود اپنی بدحالی کے دور کرنے کا ارادہ نکرے چنانچہ اسی مضمون کو کسی نے یوں ادا کیا ہے کہ ؎

خدانے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی	نہو جسکو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اور اسی مضمون کو حالی مرحوم نے بھی یوں بیان فرمایا ہے ۔ فرماتے ہیں ؎

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا	مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا	کہ جسکی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

معلوم ہوا کہ مریض کے لئے بڑی مصیبت کی چیز اسکی اپنی بے حسی ہوا کرتی ہے غفلت اور لاپروائی ہوتی ہے۔ چنانچہ امت مرحومہ میں اسی وصف کا احساس کرکے کسی ذی حس مصلح نے اپنا قلبی تاثر یوں ظاہر کیا تھا ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا	کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یعنی اپنی ناکامی پر یوں بھی روتا ہوں کہ قافلہ لٹ گیا اور اسکا سارا مال و متاع قزاقوں کی نذر ہو چکا ہے لیکن اپنے قافلے والے بھائی ایسے ہیں کہ انکو اپنے اس زیاں اور نقصان کا بھی کچھ احساس نہیں ہے اور جب اسکی فکر و احساس ہی ان کے دل سے رخصت ہو چکی ہے تو ان سے کیا توقع کیجائے کہ وہ آئندہ اپنے اس زیاں کی کچھ تلافی کریں گے ؛ یہ ایک غم بالائے غم ہے ورنہ کم از کم اگر انکو احساس زیاں ہی ہوتا تو پھر درستگی کی امید تھی۔

بس آج ہماری بدقسمتی بلکہ شامتِ اعمال سے امت مسلمہ کا بھی یہی حال ہے جسکی وجہ سے پوری قوم کی قوم بدحالی ، امراض باطنی ، نکبت اور گوناگوں پریشانیوں کی شکار ہے اور مصلحین امت اور قائدین ملت غرق غم رنجیدہ اور پریشان ہیں۔

ان حضرات کی فہم و عقل بھی کچھ کام نہیں کر رہی ہے کیونکہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ امت کے اس مرض کا مداوا کیونکر ہو اور یہ نہیں کہ ان حضرات کو علاج معلوم نہیں ہے بلکہ دشواری یہ ہے کہ جو دوا ہے قوم اسکے استعمال کے لئے تیار نہیں ہے ظاہر ہے کہ تیماردار کے

پینے سے مریض تو اچھا نہ ہو جائے گا۔

باایں ہمہ علماء اور مشائخ تو نیابۃً للنبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کو صحیح طریقۂ اصلاح در صحت کا حقیقی علاج بتلاتے ہی رہیں گے تاکہ ان کے ذمہ سے فریضہ کی سبکدوشی ہو جائے ور انھیں اجر و ثواب ملے' امت و ملت کے لوگ اسکو سنیں یا نہ سنیں، جب صورت حال یہ ہے تو اب گذارش ہے کہ

یوں تو اس زمانہ میں اطراف واکناف عالم میں سب ہی جگہ مسلمان پریشان ہیں مارے یہاں ہند میں بھی مسلمانوں کی دینی حالت کچھ اچھی نہیں ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہی سبب ہے انکی دنیوی پریشانیوں کا بھی ہذا اسلئے جی چاہا کہ امت مرحومہ کو ان کی دینی و دنیاوی پریشانیوں کے علاج کیجانب متوجہ کیا جائے چنانچہ شیخنا و مرشدنا مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے ارشادات و ملفوظات مطبوعہ سے اقتباس کرکے اس موضوع پر فرمائے ہوئے جواہر پاروں کو ایک لڑی میں منسلک رو یا گیا ہے۔ یہی مجموعہ اس وقت آپ کے پیش نظر ہے اور اس جمع و ترتیب پر حضرت مصلح الامۃؒ کے جانشین جناب مخدومی و محترمی قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی نے وجہ دلائی۔ اسی مضمون کا مختصر نام "درد و درماں" ہے جو طبع ہو گیا ہے۔

حضرت مصلح الامۃ نے اپنے اس مضمون میں قوم کے جن امراض کی نشاندھی فرمائی ہو اسکا حاصل یہی ہے کہ متعدی امور (جنکا تعلق فی الجملہ غیر سے ہے اس) کا درجہ تو پھر بھی بعد کا ہے اور اسکے لئے بھی پہلے امور لازمہ سے اتصاف ضروری ہے' اور آج ہماری بد حالی کا حال یہ ہے کہ امت اسی پہلی صفت ہی سے عاری ہے لہذا ضروری ہے کہ نفس سے رذائل کو دور کیا جائے، نفاق کی جگہ اخلاص، کبر کی جگہ تواضع، انہماک کے ساتھ فکر معاش کی جگہ فکر معاد، خوف آخرت، شوق جنت، اتباع سنت و شریعت' باہمی اخوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت، اللہ تعالےٰ سے انس و نسبت اور اپنی جملہ حاجات میں انھیں کی جانب رجوع و انابت (یعنی دعاء) کو اختیار کیا جائے چنانچہ یہی وہ اجزاء ہیں جنکے استعمال سے امت کی موجودہ علالت مبدل بصحت

ہو سکتی ہے اور ان صفات کے ساتھ اتصاف ہی کی وجہ سے مسلمان سے حق تعالیٰ راضی ہو سکتے ہیں اور امت مرحومہ فضل خداوندی اور اسکی عنایت و رحمت کی مستحق ہو سکتی ہے جیسا کہ اس آسمان نے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کا پہلا دور دیکھا بھی ہے اور بقول اکبر الہ آبادی ؎

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہے
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

بہر حال حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے منشا اور حکم سے یہ ترتیب وجود میں آئی اللہ تعالیٰ موصوف کو انکی اس بر وقت تجویز کا اجر عظیم عطا فرما دے اور امت مرحومہ کے لئے حضرت کے اس مضمون کو نسخۂ شفا بنا دے۔ خدا کرے لوگ اس سے اثر لیں اور مسلمانوں کو اس سے نفع پہونچے۔ آمین۔

ایک ملفوظ :- فرمایا کہ — حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ اور کافر کیلئے جنت ہے کتاب دلیل الفالحین شرح ریاض الصالحین میں شارح نے اس حدیث کے تحت ایک لطیفہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ علامہ قرطبی نے اپنی کتاب جمع الحرص بالقناعۃ میں سہل صعلوکی کا جو کہ خراسان کے ایک بڑے عالم تھے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک مرتبہ سفر میں تھے کسی مقام پر قیام کیا تھا وہاں حمام میں ایک یہودی نکلا جس کے کپڑے نہایت ہی گندے اور خراب تھے (اور حضرت سہل اپنے شاہانہ لباس میں تھے انھیں دیکھکر اس نے اعتراضاً) کہا کہ حضرت کیا آپ کا یہ خیال نہیں ہے کہ آپکے نبی صاحبؐ نے فرمایا ہے کہ دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے اور میں ایک کافر غلام ہوں میرا حال ملاحظہ فرمایئے اور آپ مومن ہیں اپنی حالت دیکھ لیجئے۔ حضرت سہل نے فی البدیہہ فرمایا کہ میاں کل جب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمھارا سابقہ ہوگا تو یہ دنیا کی حالت تمھیں جنت ہی معلوم ہوگی اور میں جب جنت میں جاؤنگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا مشاہدہ کرونگا اور وہاں کی نعمتوں کو دیکھونگا تو اسکے مقابلہ میں یہ دنیا کی حالت قید خانہ ہی معلوم ہوگی —— واقعی جواب خوب دیا اور اسمیں شک نہیں کہ نہایت ہی مسکت جواب دیا لیکن حضرت مولانا تھانوی نے اپنے کسی وعظ میں فرمایا ہے کہ قید خانہ سے مراد یہ ہے کہ جہاں انسان کا دل تنگ ہو اور جنت سے مراد یہ ہے کہ جہاں اسکا خوب دل لگ جائے پس حقیقی مومن کتنا ہی رئیس کبیر ہو جائے اسکا دل دنیا میں نہیں لگتا اور کافر کتنا ہی غریب فقیر ہو دنیا کا عاشق رہیگا اس صورت میں ظاہری امارت و ریاست تحقیق کے منافی نہیں ہے۔

انابت الی اللہ

فرمایا کہ ——— حدیث شریف میں آیا ہے کہ خیارکم کل مفتّن توّاب یعنی تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو فتنہ میں پڑ جائے (یعنی ارتکاب معصیت کرنے) کے بعد کثرت سے توبہ کرے۔ ایسے شخص کو مفتون اسلئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ گناہوں کے ذریعہ اسکا امتحان لیتے ہیں اور بار بار لیتے ہیں، چنانچہ اس سے گناہ صادر ہوتا ہے اور وہ توبہ کرتا ہے پھر گناہ کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے۔ اسی طرح لوٹتا پوٹتا راستہ طے کرتا چلا جاتا ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ امت کے خیار لوگ بھی زلل اور لغزش سے محفوظ نہ ہونگے اور یہ کہ انکا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا انکو گناہوں سے باز نہ رکھ سکے گا۔ اسلئے گناہ ہوگا تاکہ اللہ تعالیٰ کیطرف توبہ اور انابت کے ساتھ رجوع ہوں۔

یہ انابت اور توبہ اللہ تعالیٰ کو نہایت پسند ہے چونکہ یہ معصیت پر موقوف ہے اسلئے ان حضرات سے بھی اسکا صدور ہوجاتا ہے یہی مطلب ہے اس قول کا جو بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ رب ذنب یکون للمومن انفع من کثیر من الطاعات من وجلہ وانابتہ یعنی بعضے گناہ ایسے ہیں جو مومن کے حق میں بہت سی طاعات سے بڑھکر نافع ہوجاتے ہیں اسلئے کہ وہ اسکے ارتکاب کے بعد اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں لاتا ہے اور اسکی جانب انابت کرتا ہے، اسی وجہ سے کثرت سے توبہ کرنے والا ہوجاتا ہے اور درحقیقت توبہ کیلئے وجل وانابت لازم ہے اسکی وجہ سے یہ شخص خیار محبوبین میں سے ہو جاتا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ (خوف) توبہ کرنے والے کو پسند فرماتے ہیں اور توبہ سے مراد یہاں وہ توبہ ہے جو قلب سے ہو اور وہ شخص کہ جو زبان سے استغفار کرے اور اسکا قلب معصیت پر مصر ہو تو یہ استغفار خود استغفار کا محتاج ہے۔ علامہ حرالی کہتے ہیں کہ نفس کے وساوس اور شیطان کے مکائد سے یہ بھی ہے کہ وہ گنہگار رہے کہتا ہے کہ ابھی جب تک یہ نہ معلوم ہوجاوے کہ اب پھر اس

ناہ کو تم نکرو گے تو بہ نکرنا چاہیئے کیونکہ ایسی توبہ سے کیا فائدہ جو ٹوٹ جائے
یہ شیطان کے مکائد میں سے ہے اور انسان کے ہوائے نفس کے قبیل سے ہے
لہٰذا انسان کو توبہ کی جانب سبقت کرنی چاہیئے، پھر اگر توبہ ٹوٹ جائے تو مکرر توبہ
رلے اسلئے کہ اللہ تعالےٰ کو انسان کا یہ حال نہایت پسند ہے کیونکہ اسی کی وجہ
سے اسکی طاعات کا عُجب ٹوٹتا ہے اور رہی معصیت تو اسکو توبہ محو کر دیتی ہے
الآخر دونوں ہی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یعنی نہ عجب ہی انسان میں رہ جاتا ہے
نہ گناہ ہی کا اثر باقی رہتا ہے۔ یہ حق تعالیٰ کی تربیت ہے اس طرح سے جب
وہ پاک وصاف ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ خیار المحبوبین تو ہو ہی جائے گا۔ اس سے
معلوم ہوا کہ انسان جب طاعت کرتا ہے تو اس کی وجہ سے ضرور کچھ عجب پیدا
ہو جاتا ہے جس سے اسکو نکالنا ضروری ہوتا ہے اور طاعت کا عجب جاتا نہیں
جب تک کہ انسان اپنے کو مبتلائے معصیت نہیں دیکھ لیتا۔ پس اس معصیت کے
عیب سے اس عجب کے عیب کا تو خاتمہ ہی ہو جاتا ہے، اب رہ گئی معصیت
تو اسکے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے توبہ کو مشروع فرمایا ہے۔ چنانچہ انسان جب
صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اسکے دل میں وجل یعنی خوف و انابت کی صفت
پیدا ہو جاتی ہے تو وہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔ اسی چیز نے اولیاء اللہ کی کمر توڑ دی
ہے یعنی یہ حضرات چاہتے ہیں کہ گناہ سرزد نہ ہو مگر اللہ تعالےٰ چاہتے ہیں کہ طاعت
پر انکی نظر نہ ہو اسلئے گناہ کا صدور ان سے بھی ہو جاتا ہے اور گو ان حضرات کو
انابت الی اللہ طاعت میں بھی نصیب ہوتی ہے مگر اس میں خوف نہیں ہوتا اسی لئے
انسان عجب وغرور میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے بخلاف اس انابت کے جو اہل معاصی کو
ارتکاب معصیت کے بعد پیدا ہوتی ہے کہ اس میں خوف بھی ہوتا ہے، اسی لئے یہ انابت
اس انابت سے بڑھ جاتی ہے۔ اور واقعی انسان ایسی طاعت کرے جس سے وہ
سمجھتا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر رہا ہوں اور پھر اسکی وجہ سے اسکے قلب میں خوف
بھی پیدا ہو جائے یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ طاعت کی وجہ سے اسکو ایک کیف و

سرور حاصل ہوتا ہے جسکا نتیجہ عجب و پندار تو ہو سکتا ہے باقی خوف نہیں ہوا کرتا۔ الا ماشاء اللہ۔ اسی وجہ سے یہ عابد درجہ میں اس گناہگار سے کم ہو جاتا ہے نہ اسوجہ سے کہ اس نے عبادت کی بلکہ اس وجہ سے کہ اس کے ساتھ رذائل کو بھی شامل کرلیا۔ اسی طرح سے جو گنہگار کہ انابت اور وجل کے ساتھ متصف ہو وہ درجہ میں عابد سے بڑھ جاتا ہے نہ اسوجہ سے کہ اُسنے وہ معصیت کی ہے بلکہ اس لئے کہ اسکے بعد اس نے وجل و انابت جیسی باطنی طاعت بھی کی ہے، اس چیز نے اسکا درجہ بڑھا دیا۔ آج ہماری ایمانی ترقی جو نہیں ہو رہی ہے تو اسی لئے کہ ہم اپنے باطن سے غافل ہیں اور پہلے جو لوگوں نے ترقی کی تھی تو اسلئے کہ انکی نظر باطنی اعمال پر بھی ہوتی تھی اور باطنی عمل کا یہ حال ہوتا ہے کہ اور لوگ تو اسکو عمل سے عاری سمجھتے ہیں اور وہ اندر اندر اپنا کام کرتا رہتا ہے، مثلاً یہی خوف و انابت ہی ہے کہ جسکے قلب میں جاگزیں ہو جائے گی تو اسکو چین نہ لینے دیگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس شخص نے اپنے قلب و جگر کو خون کرلیا ہے یہی ایمان ہے اور کسی دوسرے شخص کو اسکی اطلاع بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ مومن کے قلب میں خوف و رجا ہر وقت موجود رہتی ہے اور اسکی وجہ سے وہ اپنے دماغی توازن کو ٹھیک رکھتا ہے، اگر طاعات سے عجب کا کچھ خیال ہوا تو خوف کو اپنے پیش نظر کرلیتا ہے اور اگر خوف و یاس کا غلبہ ہوا تو رجا کو مد نظر کرلیتا ہے اسلئے کہ آپ نے سنا ہوگا کہ "الایمان بین الخوف والرجاء" یعنی ایمان نام ہی اسکا ہے کہ انسان امید و بیم کے مابین رہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی وعیدوں کا اسکو خوف لگا ہو اور وعدوں سے رجاء قائم ہو۔ اللہ تعالےٰ نے جنت کا وعدہ بھی کیا ہے اور دوزخ کا ذکر کرکے وعید بھی سنائی ہے، اسی لئے مومن کا دونوں پر ایمان ہوتا ہے اور اسکے قلب میں یہ دونوں صفتیں موجود ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ جو کہ بہت زبردست عالم تھے اور حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحبؒ کے خلیفہ بھی تھے ان سے کسی نے دریافت کیا مولانا مزاج کیسا ہے؟ فرمایا کہ بھائی مومن کا مزاج کیا پوچھتے ہو؟ دنیا

ں تو وہ بین الخوف والرجاء ہی رہتا ہے اور جو شخص خوف ورجاء کے درمیان ہو
کا مزاج ہی کیا، مزاج کا حال تو اسوقت بیان کیا جا سکتا ہے جب دخول جنت
ی بشارت سن لیں ۔ سبحان اللہ کیسا عمدہ عالمانہ اور صوفیانہ جواب دیا، علماء نے
ں جواب کو بہت پسند کیا ہے ۔ غرض مومن کے قلب میں بیم ورجاء برابر ہی موجود
ہتے ہیں اس سے اسکو قلق نہیں ہوتا۔ آج بمبئی سے ایک صاحب کا خط آیا ہے
یہاں سے جانے کے بعد اپنے تاثرات کو ان صاحب نے ایک شعر میں ادا کیا ہے وہ
یہ ہے ؎

ایسا ہے کائنات کا نقشہ ترے بغیر بے رونقی، جمود، تعطل، سکوت مرگ

یہ انھوں نے لکھا ہے میں کہتا ہوں کہ بھائی جس قلب میں خوف ورجا متمکن ہو اور باہم
دونوں متلاطم ہوں یعنی کبھی یہ غالب ہوا اور کبھی وہ غالب ہوا اس میں بھلا سکون و
سکوت کہاں ؟

مطلب یہ کہ آپ کا جو یہ حال ہے وہ آپکی محبت اور تعلق دلی پر دال
ہے ، اسی پر اللہ والوں کے حال کو قیاس کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک لگن
اور اشتیاق لقاء و دید انھیں اس دنیا میں حیران و پریشان کئے رہتی ہے جسکی وجہ سے
انھیں کسی کل چین نہیں پڑتی لوگ تو سمجھتے ہیں کہ یہ بہت راحت و آرام سے ہیں اور یہ ہیں
کہ ہر وقت ایک تراش و خراش سے دوچار ہیں اور زبان حال سے یوں ترنم ریز رہتے ہیں
کہ ؎

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دل بیتاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے ہوتے یاد انکی دلنشیں ہوتی

(احکام دین کا شارع ہونا اور انکا شارح ہونا اور ہے)

فرمایا کہ ——— ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم سے تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوا کہ میرے گلے میں ایک سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپؐ نے اسکو دیکھکر فرمایا کہ اے عدی! اس بت کو نکالکر پھینکدو۔ اور میں نے سنا کہ آپ اسوقت سورۂ براۃ کی یہ آیۃ تلاوت فرما رہے تھے وَاتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ جسکا ترجمہ یہ ہے کہ ان یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء کو اور مشائخ کو خدا کے ماسوا رب بنا رکھا تھا۔ اور یہ فرمایا کہ یہ لوگ انکی پرستش نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ جب وہ کسی چیز کو انکے لئے حلال کر دیتے تھے تو اسکو حلال سمجھتے تھے اور جس حلال شے کو ان کے لئے حرام کر دیتے تھے اسکو حرام سمجھتے تھے۔ (یہ حدیث غریب[1] ہے)

حضرت سعید بن منصور کی تفسیر میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ سے دریافت کیا گیا کہ اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے؛ تو فرمایا کہ بھائی وہ لوگ انکی نماز تھوڑا ہی پڑھتے تھے، ہاں البتہ جس حرام چیز کو وہ لوگ ان کے لئے حلال کر دیتے تھے اسکو وہ حلال سمجھتے تھے اور جس شے کو ان کے لئے حرام کر دیتے تھے اسکو حرام سمجھتے تھے، یہی ان کو رب بنانا تھا (کیونکہ تحلیل و تحریم جو منصب خاص ہے حق تعالیٰ کا اسکو یہ لوگ احبار اور رہبان کے لئے ثابت کئے ہوئے تھے)

طبرانی میں حضرت عدیؓ سے یہی حدیث مرفوعاً بھی نقل کی گئی ہے اور اسکو حضرت ابن عباس اور ابو العالیہ کا قول کہا گیا ہے۔

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کو احمد اور ترمذی نے متعدد طرق سے روایت اور درمنثور میں اسی بات کو ابن سعد، عبد ابن حمید اور ترمذی کی جانب منسوب کیا گیا ہے اور ابن منذر ابن ابی حاتم طبرانی، ابو الشیخ اور ابن مردویہ وغیرہ نے بھی اسکی تحسین کی ہے۔

غرض تحکیم عقول رجال نہ کہ شرع (یعنی اپنے اوپر حاکم لوگوں کی رائے اور عقل کو بنا لینا نہ کہ شرع کو) یہ ایک بہت بڑی اصل ہے جس پر اہل بدعت کی ساری عمارت قائم ہے، یعنی انکا یہ خیال ہے کہ اصل چیز تو عقل ہے اب اگر شرع اسکے موافق ہوگی تو قبول کیجائیگی ورنہ نہیں، یعنی اصل تو عقل ہے شرع اسکے تابع ہے۔

ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ تحکیم رجال بدون اس امر کا اعتبار رکھے ہوئے کہ یہ حضرات حکم شرعی جو کہ مطلوب ہے اسی کے وسائل ہیں گمراہی ہے اور اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا کا مصداق ہے ورنہ تو حجت قاطع اور حاکم اعلیٰ صرف شریعت ہی ہے، اور یہی حق ہے۔ اسکے بعد صاحب اعتصام فرماتے ہیں :-

اذا ثبت ان الحق ھو المعتبر دون الرجال ـ فالحق ایضا لا یعرف دون وسائطھم بل بھم یتوسل الیہ والادلاء علی طریقہ ــــــ (جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ امر حق کا اعتبار ہے اشخاص کا نہیں ہے تو اب یہ بھی سمجھ لو کہ کوئی امر حق بدون رجال کے واسطہ کے جانا بھی نہیں جا سکتا بلکہ انہیں حضرات کے ذریعہ کسی تک وہ حق بات پہونچ سکتی ہے۔ چنانچہ یہ اشخاص ہی گویا (ہمارے لئے) اس حق تک رسائی کے دلائل ہوتے ہیں) (لہٰذا سرے سے انکا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا)۔

اسکا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح سے یہ ثابت ہوا کہ حق معتبر ہے رجال نہیں اسی طرح سے یہ بات بھی ماننی پڑیگی کہ حق بھی بدون توسط رجال کے نہیں پہچانا جا سکتا۔

ماشاء اللہ تعالیٰ کیا عمدہ اور ضروری مضمون ہے۔ کتاب و سنت کے اتباع کے زعم میں، رجال معتبرین کے انکار پر، کیسا صریح رد ہے۔ بہت سی گمراہیاں اس باب سے بھی داخل ہو جاتی ہیں (چنانچہ صحابہ اور انکا برامت کے معیار حق ہونے کے قول کا فتنہ بھی اسی سے ناشی ہے) فالحق ھو التوسط۔

حاصل یہ ہوا کہ اگر کتاب وسنت کے حکم کے خلاف آنکھ بند کر کے رجال کی تقلید کیجائے تو یہ تقلید مذموم ہے اور گمراہی ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ کی تقلید اسی نوع کی تھی اور یہی اتخذوا احبارھم کا مصداق تھا۔ اسی طرح سے کفار بھی اپنے آباء و اجداد کی جو تقلید کرتے ہیں وہ بھی اسی میں داخل ہے اسپر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

نام نیک رفتگان ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

لیکن اگر ان حضرات سے کتاب وسنت ہی کو پہچانا جائے اور ان کے احکام کو سیکھا جائے تو یہ تقلید مذموم نہیں ہے بلکہ محمود ہے بلکہ ضروری ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ جب انصار نے مسئلہ امامت میں اختلاف کیا اور یہ کہا کہ "منا امیر و منکم امیر" (ایک امیر ہم میں سے ہوگا ایک تم میں سے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے پیش فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الائمۃ من القریش (امام تو صرف قریش کا کوئی شخص ہوگا) روایات میں آتا ہے کہ اسکے سنتے ہی تمام صحابہ اذعنوا لطاعۃ اللہ و رسولہ و لم یعبأوا برای من رای غیر ذالک اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت کیلئے سرنگوں ہوگئے اور پھر جس کسی نے اسکے خلاف کوئی بات کہی اس کی طرف التفات تک نہیں کیا۔

دیکھئے اس سے صاف ثابت ہوا کہ حق اس معاملہ میں صحابہؓ کو حضرت صدیقؓ سے پہونچا، اور حضرت صدیق ہی اسکے پہونچنے کے لئے واسطہ بنے۔ اور تمام صحابہ نے بطوع و رغبت اسکا اذعان و یقین کیا، اس طرح سے سب ہی صحابہؓ کا گویا یہ اجماعی مسئلہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ارشاد گو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تھا لیکن اسکو بیان کیا صرف حضرت صدیقؓ نے تو لوگوں نے آپکی امانت، عظمت شخصیت ہی کے پیش نظر اسکو سب کی رائے پر ترجیح دی اسکا منشا آپکی ذات ہی بنی۔ واللہ اعلم)

(بقیہ مکتوب نمبر ۲۱)

حال: حضور والا کی عظیم الشان ہستی کو دیکھکر بیتاب ہو جاتا ہوں اور ایسے عالم میں جو مانگنا چاہتا ہوں وہ خیالات دل ہی دل میں رہ جاتے ہیں تحریر میں نہیں آرہے ہیں، اسکے بیان کرنے سے قاصر ہوں حضرت مجھکو رانہ چھوڑیے گا اپنی محبت عطا فرمائیے گا کہ وہ سب محبتوں کو جلاکر خاک کردے جس سے کسی لائق ہو جاؤں تحقیق: اللہ تعالیٰ کسی لائق بنادے۔

حال: اور ایسا نور عطا فرمائیے کہ وہ سب پر غالب رہے کہ دوسرے لوگ ناکارہ سمجھکر ہنسنے نہ پائیں اسکی بڑی فکر رہتی ہے اور کچھ منھ سے کہہ بھی دیتے ہیں (باتیں دل سے نکل رہی ہیں اور آنکھ میں آنسو آئے جاتے ہیں) ضرور کچھ عطا فرمائیے جہاں تک پہونچا دیا ہے اسکا دل سے شکر گذار ہوں۔

ایک صاحب جو کہ خط کے ذریعہ حضرت والا سے بیعت تھے ابھی چند دن ہورہے ہیں کہ انکا انتقال ہوگیا وہ ایک حرف بھی پڑھے لکھے نہ تھے اور دیہات کے رہنے والے تھے لیکن جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو اپنے آپ کلمہ طیبہ خوب صاف اور صحیح صحیح پڑھتے تھے اور اتنا عمدہ اور خوشنما جملوں میں ترجمہ کرتے تھے کہ اسکا کیا کہنا (ایسا زندگی میں پڑھانے پر بھی وہ نہ پڑھ سکے تھے) تحقیق: الحمد للہ۔

حال: ان مرحوم کے لڑکے حافظ قرآن ہیں اور حضرت والا سے بیعت بھی ہیں اپنے والد ماجد کے مرنے کے بعد خواب دیکھا کہ انکی قبر پہ مسرت کی مجلس لگی ہوئی تھی تجلیں، اکا

حال: اور خوشی کی چہل پہل کی آواز آرہی ہے یہ واقعہ ہم غریبوں کے لئے عبرت حاصل کرنے کا ذریعہ بن گیا۔ بہت ہی نصیحت ہوئی اور ایمان تازہ ہوگیا۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: حضرت کس دل سے کس یقین کے ساتھ کہوں کہ جو آپ کی ذات گرامی کو پالیگا

کبھی محروم نہیں ہوسکتا اور جو آپ کی الفت میں لٹ جائے گا اس کا دونوں جہان بن جائیگا۔ پس دست بستہ گذارش ہے کہ اپنی محبت کاملہ اب ضرور اپنے کرم سے عطا فرما دیجئے جو سب سے مقدم اور سب امور کی جڑ ہے آپ کی محبت کے لئے بیچین ہوں، جی چاہتا ہے کہ کیا کیا نہ کہہ ڈالوں اور کیا کیا نہ لکھ جاؤں مگر بعد ولولہ دل میں ہے وہ کاغذ پہ نہیں آپاتا تحقیق: بیشک

(مکتوب نمبر ۲۱۲)

ح: حضرت والا کی صحت اور دینی کام کی ترقی کا حال معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی بدرگاہ خداوند قدوس حضرت کی صحت اور طاقت میں روز افزوں ترقی کے لئے دست بدعا ہوں۔

ق: دعاؤں کا ممنون ہوں

ح: میں تو باوجود بعد جسمانی کے حضرت کی روحانی توجہات کا فیض یہ محسوس کررہا ہوں کہ بفضلہ معمولات پابندی سے جاری ہیں اور کسی وجہ سے گاہے کوئی معمول ترک ہوجائے تو سخت تاسف ہوتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

ح: البتہ جو کمی محسوس کررہا ہوں وہ یہ کہ حضرت کی فیض صحبت کا یہ اثر ہوتا تھا کہ نماز وذکر اور قلبی حالات میں ایک عجیب بیداری کی کیفیت محسوس کرتا تھا اس میں اب کمی محسوس کررہا ہوں۔ تحقیق: ہاں یہ تو ہوگا

ح: البتہ یہ بھی حضرت ہی کی صحبت کا فیض ہے کہ جتنی دیر تک حضرت کے مکان پہ حاضری رہتی ہے ایسا محسوس کرتا ہوں کہ گویا حضرت بہ نفس نفیس روحانی فیض پہنچا رہے ہیں اور ایک خاص حال قلب محسوس کرتا ہوں۔ فالحمدللہ۔

ق: ماشاءاللہ تعالیٰ یہ دلیل ہے مجھ سے انس ومحبت کی۔

ح: بہر حال مکان کی حاضری اور حضرت والا کے رسالوں کے مطالعہ سے اپنے اندر عملی تحریک محسوس کرتا ہوں۔ تحقیق: بارک اللہ تعالیٰ

حال: لیکن ہم جیسے غافلوں کے لئے جنھیں ہمہ وقت تنبیہ کی ضرورت ہو بعد جسمانی یقیناً فیض صحبت سے محرومی کا سبب ہے۔

تحقیق: یہ راستہ روحانی ہے کام پر لگے رہیئے تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ کسی حال میں بھی محرومی نہ ہوگی۔

حال: حضرت والا سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ حضرت کی تعلیمات پر اتنی توجہ ہو جائے کہ حضرت سے قوی تعلق پیدا ہو جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کر سکوں

تحقیق: یہ بات گر کی لکھا ہے آپ نے اسکی طرف توجہ فرمایئے۔

حال: اصل کوتاہی تو اپنی ہی ہے ع باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

تحقیق: خیر۔

(مکتوب نمبر ۲۱۳)

حال: میرا خط اور حضرت کا جواب پرسوں ملا خوش قسمتی سے حضرت کا رسالہ "تصوف اور نسبت صوفیہ" اور "وصیۃ السالکین" خرید لیا ہے اور اسکو چند مرتبہ پڑھ چکا ہوں اور سیری نہیں ہو رہی ہے۔ تصوف کا ہر پہلو اور اسکے نکات جس شرح وبسط سے اس میں حل ہوئے ہیں انکی تعریف جسقدر بھی کیجائے کم ہے حضور نے جو سوال ہم سے کیا ہے اور جواب طلب فرمایا ہے وہ اس رسالہ میں بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے اور اپنا مرض اور اسکا علاج بھی معلوم ہوگیا، یعنی مجاہدہ اور کثرت ذکر، کثرت ذکر کے متعلق تو کچھ کہنا نہیں ہے۔ رہا مجاہدہ اسکے متعلق عرض ہے کہ شیخ سے خط وکتابت شروع ہوتے ہی مجاہدہ شروع ہوگیا، اپنے ایک عیب کو لکھ بھیجتا تھا اور اس پر جو ہدایت ہوتی تھی عمل شروع ہو جاتا تھا۔

اللہ پاک نے بہت سے کبائر سے محفوظ رکھا ہے اور بری صحبت سے قطعاً نفرت رہی ہے۔ عالم شباب میں اچھے کپڑوں اور لذیذ کھانوں کا بڑا شوق تھا۔ جوانی ڈھلتے ہی کپڑوں کا شوق کم ہو گیا، مگر کھانے کا شوق بہت دنوں تک

قائم رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معدہ بگڑ گیا اور ۱۹۶۰ء سے روکھا پھیکا کھا رہے ہیں
ملنے جلنے کی عادت بچپن سے کم ہے، تنہائی پسند ہوں، کتابوں کے دیکھنے کا
ذوق شروع سے ہے، مولانا شبلی اور انکے ادارے کی کتابیں زیادہ
دیکھی ہیں، ۱۹۴۵ء سے حضرت تھانوی کے مواعظ اور ملفوظات کو برابر دیکھ
کرتا ہوں ۱۷۱ مواعظ ۲۱ ملفوظات اور ۴۲ کتابیں ہیں، مواعظ اور ملفوظات کو
برابر دیکھتا رہتا ہوں اور یاد نہیں ہے کہ کتنی مرتبہ انکو پڑھا ہوگا۔ ہمارے نسبتی بھا
نے جو حضرت تھانویؒ کے مرید تھے حضرت تھانوی کی تفسیر بھی دلا دی تھی و
دیکھ رہا ہوں حاشیہ کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں لیکن حضرت تھانویؒ سے
ایسی محبت ہے کہ انکی باتیں ناسمجھی سے پڑھنے میں بھی ہمیں لطف آتا ہے خوا
کوئی ہمیں دیوانہ ہی سمجھے ہمیں اسکی پرواہ نہیں۔

ہمارے شیخ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ ایک معمول یہ ہے کہ ہر قسم
کے گناہ سے اجتناب رہے، اس معمول پر چلتے رہو۔ یہ معمول برابر میرے
پیش نظر رہا ہے اور ہے مگر یہ کہنا بھی آسان نہیں ہے کہ کس قدر اصلاح
ہوئی ہے اور ممکن ہے ایسا بھی عیب ہو جسکی خبر نہ ہو، جیسا ہم نے پہلے خط
عرض کیا تھا۔ حدیث النفس کے متعلق میں برابر بے خبر رہا یہاں تک کہ حضرت
تھانوی کے ملفوظات میں جب یہ مضمون نظر سے گذرا تو آنکھ کھل گئی۔ غفلہ
کا مرض ضرور ہے ستر برس سے اوپر کا سن ہے اسلئے شہوت کا سوال ہی نہ
ہے۔ کبر کا دائرہ بڑا ہے اور اسکی جڑ دور تک گئی ہے اسلئے اسکے متعلق
فیصلہ کرتے ہوئے کچھ کہنا دشوار ہے۔ معلوم تو ہوتا ہے کہ شاید کبر نہ ہو مگر
نہیں۔ ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق عرض کر دیا جو کچھ آپ فرمائیں گے اسپر انشاءاللہ
عمل شروع ہو جائے گا۔

ہاں یہ لکھنا بھول گیا کہ بعد نماز صبح پانچسو بار اثبات و نفی اور تین ہزار
اسم ذات کا ذکر کرتا ہوں اور نماز عشاء کے پہلے بارہ تسبیح کا ذکر ہوتا ہے جتنا

سے جواب آنے پر آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر کاربند ہو جاؤں گا۔
تحقیق: آپ نے لکھا ہے کہ کتاب "نسبت صوفیہ" کے مطالعہ سے بہت سی باتیں معلوم ہوئیں اسیطرح میرے اور رسائل خصوصاً "معرفت حق" (اب یہی رسالہ بنام "وصیۃ العرفان" شائع ہو رہا ہے) کو مطالعہ میں رکھیئے۔ انشاء اللہ ساری مشکلات کا حل نکل آئیگا۔ آپ کے حالات اور معمولات سے معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ تعالیٰ آپ کام پر لگے ہوئے ہیں احوال وغیرہ کے درپے نہ ہوجیئے اعمال کرتے جائیے اخلاص کی فکر رکھیئے انشاء اللہ تعالیٰ مقصود برآری ہو جائیگی۔

(مکتوب نمبر ۲۱۴)

حال: ہر حاضری زیادت محبت اور شدت تعلق کا باعث ہوتی ہے مگر حالیہ حاضری نے حضرت والا سے تعلق و محبت کو جس حد تک بڑھا دیا ہے وہ قلم زبان سے ادا ہونے کی بات نہیں ہے دل میرا جانتا ہے دل کا خدا جانتا ہے۔ تحقیق: بارک اللہ۔
حال: اس حاضری میں حضرت گرامی کی عظمت و عرفان کا ایک نیا باب کھل گیا
تحقیق: الحمد للہ
حال: اور یہ سمجھ میں آیا کہ حضرت محترم کی باتوں کو سمجھنے کے لئے صرف فہم ہی نہیں دل کی روشنی اور اعمال کی درستگی کی سخت ضرورت ہے۔
تحقیق: بڑی بات سمجھ میں آئی۔
حال: جو جس قدر ان چیزوں میں بڑھا ہوا ہوگا اسکو آپ کی فرمودات اسی تناسب سے کم و بیش سمجھ میں آئیگی اور سامع کا قلبی نشاط بھی اسی تناسب سے کم و بیش
تحقیق: یہ صحیح ہے۔
حال: اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس دولت سے حصہ وافر عنایت فرمائے۔ تحقیق: آمین
حال: میرے دل میں بھی روشنی پیدا ہو جائے، میرے اعمال و اخلاق بھی درست

ہوجائیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: یہاں مختلف مجلسوں میں اس حکمت بالغہ کا ذکر آیا جو حضرت گرامی نے اکابر کے احوال و تصانیف کے پڑھکر سنانے کے سلسلہ میں بیان فرمائی تھی۔ سننے والوں کو تحیرگی و نشاط و انوار حاصل ہوا۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اور بعضوں نے تو اسکے اہتمام کیطرف قدم بھی اٹھا دیا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: میں تو جب ذکر کرتا ہوں عجیب حلاوت ملتی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھیں تاکہ حضرت والا کی تریاق بر تعلیمات اس دور کے سمی اثرات سے جو مسلمانوں کے اعمال و عقائد میں بری طرح سرایت کر گئے ہیں پوری طرح حفاظت کا سبب بن سکیں۔

تحقیق: الحمدللہ اچھا ہوں۔ مزید صحت و قوت کے لئے دعا کریں۔

(مکتوب نمبر ۲۱۵)

حال: الحمدللہ بعد نماز صبح دعا سے پہلے مسجد میں معرفت حق کے مضامین ہفتہ میں دوبار سنا رہا ہوں حضرت والا کیا عرض کروں کہ سناتے وقت عجب کیفیت اور لطف قلب کے اندر محسوس کر رہا ہوں خیال ہوتا ہے کہ نہ صرف مجھ ایک ہی فائدہ ہو رہا ہے اور لوگ بھی پوری پوری دلچسپی لے رہے ہیں ایک ایک لفظ کا قلب پر اثر ہو رہا ہے بزرگوں کے ملفوظات کے اثرات کا اندازہ پورا پورا ہو رہا ہے۔ حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالےٰ استقامت عطا فرمائیں۔

یہ بات اچھی طرح سے سمجھ میں آرہی ہے کہ واقعی حق کی معرفت معرفت حق سے ہی پیدا ہو رہی ہے۔ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالےٰ جلد از جلد حضرت والا کی خدمت میں پہونچا دے اور تادم زیست زندگی حضرت کی ہی خدمت میں ختم ہو جائے۔

ت: الحمد للہ بخیریت ہوں۔ الحمد للہ کہ رسالہ معرفت حق سنا رہے ہیں اور اس کے جن فوائد کا اپنے اندر خود نیز اور لوگوں کے دلچسپی لینے کا جو ذکر کیا ہے اس سے بہت خوش ہوا، دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالےٰ استقامت عطا فرمائے اور عمل کی توفیق عطا ہو اور اللہ تعالیٰ اپنی معرفت نصیب فرمائے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمایا آپنے حضرت اقدس کے رسالہ (جو اسوقت ت حق" کے نام سے شائع ہو رہا تھا اور اب بھی " وصیۃ العرفان" کے نام سے ے سے نکل رہا ہے) اسکے سنانے اور اسکے مضامین سے اثر لینے کی خبر سے ت والا کس قدر مسرور ہوئے، یہی چاہتے تھے اور اس کام کو بہت پسند فرماتے ذ لوگ کبھی کبھی ایک جگہ جمع ہوکر اسطرح سے دینی باتوں کا تذکرہ کریں۔ حضرت اقدس ین ومتوسلین میں سے قابل ستائش وہ لوگ ہیں جنھیں اس معمول کی توفیق حاصل ے۔ اللہ تعالےٰ احباب میں یہ جذبہ عام فرما دے۔ آمین۔

(مکتوب نمبر ۲۱۶)

ل: بندہ حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ سے بیعت ہے تقریباً چھ سال کا عرصہ ہوا لیکن اس گنہگار کو چند یوم کے قیام بمبئی سے جسقدر نفع ہوا وہ چھ سال میں نہیں ہوا تھا، خاصکر شب بیداری اپنے لئے ناممکن سمجھنے لگا تھا الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ چند یوم کے قیام سے ابتک سوائے چند یوم کے ناغہ نہیں ہوا دوسرے فوائد کثیرہ سے مستفیض ہوا۔ تحقیق: الحمد للہ۔

(مکتوب نمبر ۲۱۷)

ل: گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ میری علمی و عملی بے مائیگی تو حضرت والا مدظلہ، نیز اور لوگوں پر بھی عیاں ہے

ق: اگر علمی و عملی مایہ ہوتا تو کیا ہوتا؟ جس طرح اسوقت اپنے کو خالی سمجھتے ہو اسوقت

شاید نہ سمجھتے (مطلب یہ کہ یہ خیال طریق میں سبب علو ہے جو الحمد للہ اسوقت حاصل ہے، اسوقت ہوتا یا نہ ہوتا)

تحقیق: اپنے آپ کو اسباب ترقیات، علم و ادب سے کورا اور جملہ مصائب سے بھرا پاتا ہوں۔ تحقیق: میں خود ایسا ہی ہوں۔

حال: یہی وجہ ہے کہ حضرت والا جیسی کامل و اکمل ہستی کے زیر سایہ ہونے پھر اپنی طرف توجہ تامہ و محبت و شفقت بے انتہا کے باوجود جیسا کچھ کہ ہونا چاہئے نہ ہو سکا

تحقیق: کیا اپنے اختیار سے ہو جاؤ گے کیا کوئی اس طرح ہوا ہے۔

حال: جتنا کچھ کہ اس فضائل و کمالات کے ابلتے چشمے سے پینا چاہیئے نہ پی سکا۔

تحقیق: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ پیا ہے۔

حال: حضرت والا کے صدر مبارک میں مشائخ اربعہ چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ کے فیض برکات، نور ایمان و عرفان و معارف و تجلیات صفات باری تعالیٰ، اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرما رکھی ہے اسکے سمجھنے سے فہم قاصر، حوصلہ تنگ، ہمت پست ہے۔ افسوس اور حسرگی کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں کہ چشمۂ فیض جاری ہے اور لوگ جوق در جوق حسب استعداد سیراب ہو رہے ہیں۔

تحقیق: حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک صاحب کو تحریر فرماتے ہیں کہ —— "آپکا خط آیا آپکی حسرت عدم حصول مطلب، اگرچہ عدم ہے مگر بندہ کے نزدیک عمدہ حالت ہے جیسا کہ حصول مطلوب کی فرحت و سرور حالت بسط کہلاتی ہے ایسا ہی عدم حصول مطلوب کی حالت قبض کہلاتی ہے، قبض و بسط دونوں حالت نیک ہیں۔ اگر حسرت عدم حصول ہے تو الحمد للہ کہ طلب ہے درد دونایافت ہے۔ ہمارے شیخ الشیوخ قطب عالم شیخ عبد القدوسؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو بعد مجاہدۂ ہزار سالہ حسرت و درد نایافت حاصل ہو جائے تو سب کچھ اسکو حاصل ہو گیا ہائے افسوس کہ درد نایافت نہیں ملتا کہ کام تمام ہو جائے" ——

حال: خیر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اُسنے ساحل پر کھڑا کر دیا اور اُسکے وابستہ کر دیا اب فضل خداوندی اور توجہ و عنایت حضرت والا پر بھروسہ ہے۔ تحقیق: بیشک

گذشتہ صفحات میں حضرت والاؒ کا طریقہ اصلاح و تربیت اور نگرانی وامتحان مسترشدین وغیرہ سے متعلق گفتگو کیجا رہی تھی آخر میں بمبئی میں فرمائی ہوئی ایک ہدایت کا بھی ذکر آگیا حالانکہ زمانہ کے لحاظ سے وہ بالکل آخر آخر کی بات تھی اور ہم زمانا ابھی فتحپور ہی کے حالات بیان کر رہے تھے۔ بہرحال ناظرین نے ان مجموعی حالات سے حضرت کی تعلیم و تربیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور لگا لیا ہوگا، راقم کا مقصد بھی اس سیرت نگاری سے یہی ہے کہ حضرت مرشدی مصلح الامۃؒ کا سراپا حضرت کو نہ دیکھنے والوں کی نظروں میں پھر جائے پھر جنکی نظر میں اللہ تعالیٰ کی طلب کا یہ راستہ اور اسکا سلوک مستحسن معلوم ہو وہ اس سے مستفید ہوسکے۔ اور اپنے خیال سے بھی نیز حضرت کی تصویب و تائید کی رو سے بھی بات یہی سمجھ میں آتی ہے کہ مرید رشید کا حق ہے کہ اس نے جس شیریں گھاٹ سے سیرابی حاصل کی ہے اسکا پتہ دوسروں کو بھی بتادے جسکی شکل یہی ہے کہ اپنے کردار و گفتار میں شیخ کا نمونہ رہے اور اپنی مجالس و محافل میں محاسن و فضائل شیخ کے ساتھ ساتھ افادات و تعلیمات مرشد کا بھی ذکر ضرور کیا کرے کہ اب شیخ کے بعد فیض شیخ کے باقی رکھنے کا یہی طریقہ ہے۔

راقم نے اپنی سہولت کیلئے حضرت اقدس کے حالات کو مختلف ادوار میں تقسیم کردیا ہے، طفولیت و تعلیم اور قیام دیوبند و تھانہ بھون کے بعد بعض دیگر مقامات پر عارضی قیام کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اسکے بعد اپنے وطن فتحپور (تال نرجا اعظم گڈھ) میں مسند ارشاد پر آپ رونق افروز ہوکر اپنے مخصوص طریق کار پر جو کہ اپنے شیخ حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ کے طرز سے ماخوذ تھا آپ نے کام کرنا شروع فرمادیا۔ اسی دور کے حالات اصالۃً ذکر ہو رہے تھے اور اگر کہیں کسی دوسرے مقام کی کوئی بات آگئی ہو تو وہ ضمنی تھی۔

چنانچہ آپ کا یہی وہ دور زریں تھا جسمیں (اکابر ہند کے دو عالم کی پہلی ملاقات حضرت اقدس سے ہوئی انہیں سے ایک عالم حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہٗ اور دوسرے عالم حضرت مولانا ابوالحسن صاحب ندوی مدظلہ العالی تھے

ثانی الذکر عالم کے بہت سے حالات تو ابتداء ہی میں ناظرین کی نظر سے گذر چکے ہیں تاہم حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی نے خود بھی اپنے قلم سے حضرت مصلح الامۃؒ کے ساتھ کے پیش آئے ہوئے اپنے واقعات اپنی ایک مشہور تالیف "پرانے چراغ" میں درج فرما دیئے ہیں، لیکن اول الذکر عالم کے حالات میرے علم میں نہ تھے اور نہ کوئی خط و کتابت ہی مجھے مل سکی اس لئے حالات میں یہ خانہ خالی تھا جس کو پر کرنے کا مجھے برابر ہی خیال لگا رہا، چنانچہ حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ نے بھی اپنے مشہور رسالہ "الفرقان" مجریہ اگست ۱۹۶۸ء میں "تحدیث نعمت" کے عنوان میں حضرت مصلح الامۃ کا خاص ذکر فرمایا ہے، جن میں بعض حالات اسی دور قیام وطن کے ہیں۔ اسلئے راقم نے مناسب جانا کہ اپنے ان دونوں بزرگوں کی تحریروں سے رسالہ وصیۃ العرفان کو بھی مزین کر دے تاکہ حضرت اقدس قدس سرہٗ کا تذکرہ جہاں تک ہو سکے یکجا ہو جائے۔ خدا معلوم کسے مطالعہ "تحدیث نعمت" کی توفیق ہو اور کسے نہو، اور "پرانے چراغ" ہو سکتا ہے کہ کسی کو نہ مل سکے تو ایسے حضرات کے لئے انشاء اللہ یہ رسالہ ذریعہ عرفان ہو جائے گا۔

اب ہم پہلے حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی کا تذکرہ تحدیث نعمت سے نقل کرتے ہیں اسکے بعد "پرانے چراغ" سے حضرت مولانا ندوی مدظلہ العالی کا بیان پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے نفع بخشے۔ آمین۔

("تحدیث نعمت")

از (مولانا) محمد منظور نعمانی (مدظلہ)

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ علیہ الرحمۃ

حکیم الامۃ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت و محبت اور اس عاجز و عاصی پر حضرت

ممدوح کی عنایت شفقت بھی اللہ تعالیٰ کی خاص قابل شکر اور لائق ذکر نعمتوں میں سے ہے۔ حضرت ممدوح کا اصل وطن ضلع اعظم گڈھ (یوپی) کے مشہور قصبہ کوپا گنج کے قریب ایک گاؤں "فتحپور تال نرجا" تھا" ــــــ حضرت کا تذکرہ تو بارہا بہت پہلے سنا تھا لیکن زیارت کا اتفاق پہلی دفعہ اب سے تقریباً ۲۰/ ۲۲ سال پہلے ۵۸ء یا ۵۹ء میں ہوا تھا۔ مہینہ غالباً جون کا تھا راقم السطور کا قیام اس زمانہ میں یلی میں تھا اور تبلیغی جماعتوں کے ساتھ سفر کرنے کی سعادت اس دور میں اللہ تعالےٰ کی توفیق سے کچھ زیادہ نصیب ہوئی تھی (جس میں پہلے تو ضعف ہمت اور بعض مصروفیات کی وجہ سے کمی آئی اور اب سفر سے معذور ہو جانے کی وجہ سے بالکل ہی محرومی ہوگئی جسکو یہ عاجز اپنا بڑا خسارہ سمجھتا ہے بہرحال اسی دور میں) ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ مشرقی یوپی کے چند اضلاع اعظم گڈھ گورکھپور وغیرہ کے دورہ کا پروگرام بنا ــــ اس جماعت میں ہمارے نہایت محترم بزرگ دوست صوفی سید عبدالرب صاحب (ایم۔اے) مرحوم بھی تھے اور ان کے خاص دوست اور رفیق مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری بی۔اے بھی (جو ابھی پچھلے مہینے انتقال فرما کر انھیں کے ساتھ جا ملے) رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃً واسعۃً) اور ان کے ایک دوسرے خاص رفیق ماسٹر محمد ابراہیم صاحب الٰہ آبادی (ایم۔اے) بھی ساتھ تھے، یہ تینوں حضرات ہم مشرب و ہم مذاق تھے انگریزی تعلیم گاہوں اسکولوں یا کالجوں کے اساتذہ تھے تینوں کو حکیم الامۃ حضرت مرشد تھانوی سے بیعت کا شرف حاصل تھا اور تینوں کو تبلیغی جماعت کے ساتھ سفر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا

ہماری یہ جماعت ضلع اعظم گڈھ کے مشہور قصبہ مئو پہونچی وہاں غالباً تین دن قیام کا پروگرام تھا یہ تینوں حضرات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے اچھی طرح واقف بلکہ ان کے نیازمندوں میں تھے ــــ میں صرف غائبانہ عقیدت رکھتا تھا ان تینوں حضرات نے کہا کہ مئو کے اس قیام ہی کے دوران میں ہم کسی وقت حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کی زیارت کے لئے فتحپور تال نرجا جانا چاہتے ہیں میں نے بھی ان حضرات کے ساتھ جانے کا ارادہ کرلیا۔ جماعت کے امیر ہمارے مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی تھے ان سے

اجازت لیکر فتحپور جانے کا پروگرام بنا لیا گیا۔ ہم چاروں میں سے کوئی بھی اس سے پہلے فتحپور نہیں گیا تھا ــــ اتنا معلوم ہوگیا تھا کہ یہاں سے کوپا گنج کے لئے یکے جاتے ہیں وہاں سے فتحپور پیدل جانا ہوگا ہم لوگ شام کو بعد مغرب روانہ ہو سکے اور پروگرام یہ بنایا کہ رات کو کوپا گنج کسی مسجد میں قیام کریں اور علی الصبح وہاں سے فتحپور کیلئے روانہ ہو جائیں۔ ہم لوگ رات کو کچھ دیر سے کوپا گنج پہونچ سکے کسی سے کھانے کی دوکان کے بارہ میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایسی کوئی دوکان یہاں نہیں ہے (یا یہ کہ اب بند ہو چکی ہے) جن صاحب سے ہم نے دوکان کے بارہ میں دریافت کیا تھا انکو ہم نے انکے دریافت کرنے پر یہ بتلا دیا تھا کہ ہم لوگ تبلیغی جماعت کے ساتھ مئو آئے تھے اسوقت فتحپور جانے کے لئے مئو سے آئے ہیں رات کو یہیں کسی مسجد میں قیام کریں گے اور صبح انشاء اللہ فتحپور حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کی زیارت کے لئے جائیں گے ــــ

ــــ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ اس وقت کھانا کسی دوکان سے نہیں مل سکے گا ہم لوگوں نے طے کیا کہ چنے یا دال موٹ یا مٹھائی جیسی کوئی بھی چیز مل جائے تو اسی سے کام چلا لیا جائے۔ اتنے میں کچھ صاحبان آئے اور انھوں نے کہا کہ آپلوگ کچھ نہ خریدیں ہم کھانا لاتے ہیں ہم لوگوں نے شکریہ اور دعا کے ساتھ مناسب انداز میں ان سے معذرت کر دی کیونکہ ہم اس سفر میں تبلیغی جماعت کے عام اصول کے مطابق کسی پر بار ڈالنا نہیں چاہتے تھے بہرحال اسوقت جو کچھ کسی دوکان سے مل گیا وہ لیکر مسجد میں آ گئے، پہلے عشاء کی نماز ادا کی پھر کھانے کے ارادے سے بیٹھے ہی تھے کہ ایک حاجی صاحب ایک طشت میں ہم تینوں کیلئے پورا کھانا لیکر مسجد میں تشریف لائے اور کہا کہ میں حضرت مولانا کا خادم ہوں آپ حضرت کے مہمان ہیں اور یہ کھانا گویا حضرت ہی کی طرف سے ہے اسکو آپ قبول فرمالیں، ان کی بات سے یہ اندازہ کر کے کہ اللہ کے مخلص بندے اور حضرت کے تربیت یافتہ ہیں ان کے شکریہ اور اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ اسکا کھانا ہی سعادت سمجھا اور اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھکر کھلیا کھانا بہت اعلیٰ قسم کا تھا جیسا کہ خاص مہمانوں کے لئے اہتمام سے تیار کیا جاتا ہے (یہ بات ظاہر تھی کہ فوری طور پر تیار نہیں کیا گیا تھا بلکہ پہلے سے تیار شدہ تھا یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان حاجی

صاحب نے کیوں تیار کراکے رکھا تھا) پھر صبح کو انھوں نے ناشتہ بھی ایسا ہی کرایا اور اپنے ذاتی یکہ سے جو بہت اعلیٰ قسم کا تھا ہم لوگوں کو فتحپور تال نرجا پہونچا دیا۔ اللہ تعالےٰ انکو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے، ۳۰، ۳۲ سال پہلے کی بات ہے افسوس ہے کہ انکا نام اب یاد نہیں رہا۔ (غالباً یہ صاحب حاجی سلیمان عطار مرحوم یا حاجی عبدالرب صاحب رہے ہونگے بجاتی)

راقم السطور کے لئے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری اور زیارت کا یہ پہلا موقع تھا، حضرت نے بڑی عنایت فرمائی جتنی دیر مجلس میں حاضری رہی اصلاح نفس اور تزکیہ اخلاق ہی حضرت کی گفتگو کا موضوع رہا —— اس وقت حضرت ممدوح میں ایک خاص اضطرابی اور سیمابی کیفیت محسوس ہوتی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ پورے وجود میں کوئی برقی رَو دوڑ رہی ہے۔ ہم لوگ صبح کو پہونچے تھے، اپنے پروگرام کے مطابق شام کو مئو واپس آگئے۔ حضرت کی خدمت میں اس پہلی حاضری اور زیارت کو راقم السطور نے اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت سمجھا۔

اسکے تین چار سال بعد ۱۹۴۹ء میں فتحپور تال نرجا ہی میں حضرت کیخدمت میں دوسری دفعہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی یہ وہ زمانہ تھا کہ کچھ ہی پہلے فرقہ وارانہ فسادات کی ایک طوفانی لہر بنگال سے اٹھ چکی تھی اور بہت سے مسلمانوں کے سامنے (۱۹۴۷ء کے بعد پھر یہ سوال اٹھ کھڑا ہوگیا تھا کہ وہ ہندوستان میں رہ سکیں گے یا نہیں —— یہ عاجز انھیں دنوں میں کسی ضرورت سے مئو گیا تھا وہیں ایک خواب دیکھا جس نے ذہن میں یہ سوال پیدا کردیا کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب ہندوستان ہی میں مقیم رہیں گے یا پاکستان تشریف لیجائیں گے؟ میں نے ضروری سمجھا کہ فتحپور حاضر ہوکر حضرت کی زیارت بھی کرلوں اور اگر موقع ملے تو اس بارہ میں دریافت کروں، چنانچہ حاضری کا پروگرام بنالیا (جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے مئو سے کوپاگنج تک یکے چلتے تھے آگے فتحپور کے لئے کئی میل پیدل چلنا ہوتا تھا) ایک دن میں ایک یکہ سے روانہ ہوگیا اس یکہ پر چار پانچ آدمی اور بھی سوار تھے جو سب کوپاگنج جانے والے تھے —— راستہ میں میں نے یکہ والے سے کہا کہ مجھے فتحپور تال نرجا جانا ہے اور آج ہی واپس لوٹنا ہے اگر تم مجھے فتحپور تک پہنچا سکو تو

پہنچا دو کرایہ جو تم کہوگے میں خوشی سے دونگا اور تمھارا احسان بھی مانوں گا ــ یکہ وا
سنے راستہ کی خرابی کا عذر کیا بالآخر وہ اس پر آمادہ ہو گیا کہ جہاں تک راستہ زیادہ خر
نہیں ہے وہ مجھے وہاں تک یکہ سے پہونچا دے گا ـــــ اسی یکہ پر ایک تعلیم یا
ہندو نوجوان بھی تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ فتحپور کس کے پاس جائیں گے ؟ میں ـ
کہا وہاں ہمارے ایک بزرگ ہیں میں ان سے ہی ملنے جا رہا ہوں ـــــ اس ـ
کہا اچھا وہ جو فتحپور کے شاہ صاحب ہیں آپ ان کے درشن کرنے جا رہے ہیں، م
کہا ہاں میں انھیں کے درشن کرنے جا رہا ہوں ـــــ میں نے اس نوجوان سے پو
آپ انکو جانتے ہیں ؟ اس نے کہا میں نے بس انکا نام سنا ہے ، مجھے بھی ان سے
درشن کرنے کا بہت شوق ہے ـــــ میں نے کہا کہ آپ کو ان کے درشن کرنے
کیوں شوق ہے ؟ اس نے کہا میں کانپور کا رہنے والا ہوں میرے ہاں رنگ کا بیو
ہوتا ہے میں اسکے سلسلہ میں ملک بھر میں گھومتا ہوں، ہزاروں ہندوؤں مسلمانو
سے میرا واسطہ پڑتا ہے یہاں کوپا میں بھی ہمارے ایک بیوپاری حاجی صاحب
ہیں وہ بڑے ایمان دار سچے اور دھرمی آدمی ہیں، جہاں تک ہیں ایسا آدمی میں نے کم
نہیں دیکھا نہ ہندوؤں میں نہ مسلمانوں میں ـ میں نے ان سے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ
ایسی سچائی اور ایمانداری کہاں سے آگئی تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ مجھ میں تو کچھ
اچھائی نہیں ہے میں تو بہت گندہ آدمی ہوں، ہاں یہاں سے قریب ہی فتحپور تال
ایک گاؤں ہے اس میں ایک بزرگ ہمارے مولانا صاحب ہیں میں ان کے پاس
آتا جاتا ہوں اگر تمھیں میرے اندر کچھ اچھائی نظر پڑتی ہے تو وہ انکا اثر ہوگا اور بھی
آدمیوں سے میں نے ان مولانا صاحب، شاہ صاحب کا ذکر سنا ہے اسلئے مجھے بھی
درشن کرنے کا شوق ہے ـ اس نوجوان نے اپنی یہ بات ختم کرتے ہوئے بڑے جو
سے کہا کہ میرا تو ایمان دھرم ہے کہ میرے ملک کا بگاڑ جب ہی ٹھیک ہوگا جب
(یعنی درویش لوگ) ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیں گے ـ

کوپا گنج پہونچکر یہ نوجوان اور دوسرے لوگ جو یکہ پر سوار تھے سب اتر ـــ

مجھے اس یکہ والے نے میل دو میل آگے وہاں تک پہونچا دیا جہاں تک راستہ یکہ کیلئے زیادہ خراب نہیں تھا اسکے آگے میں پیدل چل کر فتحپور پہونچ گیا۔

میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ میری حاضری سے کچھ ہی پہلے سخت خونریز فسادات کا ایک سلسلہ بنگال سے شروع ہو چکا تھا جس نے مسلمانوں کے سامنے ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد پھر یہ سوال کھڑا کر دیا تھا کہ وہ ہندوستان میں رہ سکیں گے یا انھیں یہاں سے جانا ہی پڑیگا اور ایک خواب کی بنا پر خود حضرت مولانا کے متعلق میرے ذہن میں یہی سوال پیدا ہو گیا تھا، میں ایسے وقت پہونچا کہ حضرت قیلولہ فرما رہے تھے —— جب حضرت ظہر کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو ملاقات ہوئی —— اسی وقت فرمایا "مجھے تم سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے —— ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت نے وہ گفتگو فرمائی اسوقت کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں تھا حضرت نے مجھے ملکی حالات اور حکومتی معاملات کے بارہ میں باخبر اور صاحب رائے سمجھتے ہوئے دریافت فرمایا کہ تمھارا کیا اندازہ ہے جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کا اقتدار ہے کیا وہ بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان فسادات اور لوٹ مار سے تنگ آکر مسلمان یہاں سے چلے جائیں یا یہ جو کچھ ہو رہا ہے انکی منشا کے خلاف ہو رہا ہے اور وہ قابو نہیں پا سک رہے ہیں —— میں نے اس بارے میں تفصیل سے اپنا خیال عرض کیا جسکا حاصل یہ تھا کہ حکومت کے جو اصل ذمہ دار ہیں یعنی پنڈت جواہر لال نہرو اور ان کے خاص رفقائے کار وہ تو نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس طرح کی زیادتیاں ہوں لیکن پچھلے سالوں میں مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان جس طرح کی کشمکش رہی اس نے اور پھر تقسیم کے فیصلہ اور پاکستان کے قیام نے عام ہندو ذہن کو بہت زیادہ مشتعل کر دیا ہے ان کا خیال ہے کہ بٹوارہ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی حق نہیں رہا۔ خود کانگرس والوں میں بھی اس مسلم دشمنی کے رجحان کا اچھا خاصا غلبہ ہو گیا ہے اسلئے ان فسادات کو روکنے کے لئے جس قسم کی سختی کی ضرورت ہے حکومت کے ذمہ دار اسکی جرأت نہیں کرتے۔

پھر میں نے حضرت سے دریافت کیا کہ خود حضرت کا ارادہ ان حالات میں ہندوستان میں قیام کا ہے یا یہاں سے تشریف لیجانے کا؟ حضرت نے فرمایا کہ اگرچہ مشرقی پاکستان کے

بعض احباب بہت دنوں سے اصرار کر رہے ہیں کہ میں وہاں منتقل ہو جاؤں لیکن میرا ارادہ یہیں رہنے کا ہے اور میں نے یہی فیصلہ کر لیا ہے۔

تنہائی کی یہ گفتگو غالباً آدھ گھنٹے سے بھی کم میں ختم ہوگئی اور اس کے بعد حضرت کی عام مجلس شروع ہوگئی جس کا انداز حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی ظہر بعد کی مجلس ارشاد سے بہت ملتا جلتا تھا۔ مجلس میں بعض طالبین اصلاح کے خطوط پڑھے گئے جن میں انھوں نے اپنے احوال لکھے تھے اور ہدایت فرمانی چاہی تھی اور حضرت کی طرف سے ان کے جو جوابات دیئے گئے تھے وہ بھی پڑھے گئے ——— اس دوسری حاضری سے قلب میں حضرت کی عظمت میں اور اضافہ ہوا۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں یہ حاضری ۱۹۴۹ء میں ہوئی تھی اسکے کافی عرصہ بعد تک حضرت کا قیام اپنے اصلی اور آبائی وطن فتحپور ہی میں رہا جہاں پہونچنا طالبین کے لئے آسان نہ تھا اسوجہ سے چند قریبی اضلاع کے سوا دوسرے علاقوں کے اہل طلب خال خال ہی پہونچتے تھے پھر تقدیر الٰہی سے کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ اپنے بعض اہل وطن کی کچھ بے عنوانیوں سے آزردہ ہو کر آپ گورکھپور تشریف لے آئے جو مشرقی یوپی کا بڑا اور مرکزی شہر ہے اور اسکو مستقر بنا لیا کئی سال وہاں قیام رہا اس زمانہ میں گورکھپور ایک دینی اور روحانی مرکز بن گیا اور طلب و استفادہ کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ راقم السطور گورکھپور کے اس زمانۂ قیام میں بھی ایک عقیدت مند زائر کی حیثیت سے طلب دعا اور استفادہ ہی کی نیت سے چند بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا پھر کچھ مدت کے بعد آپ نے وہاں سے الہ آباد منتقل ہونے کا فیصلہ فرمالیا۔ یہاں پہونچکر حضرت کی مقبولیت اسی پیمانہ پر ظہور ہوا جو کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کیطرف سے اپنے بعض خواص اولیاء کے ہوتا ہے۔

یہ عاجز اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہاں بھی حاضر خدمت ہوتا رہا اور اپنی نااہلی کے باوجود حضرت کی عنایت و شفقت میں برابر اضافہ محسوس کرتا رہا۔

(باقی آئندہ)

گفتند زلت چیست؟ گفت زلت
عوام میل از حلال بحرام و زلت
خواص میل از بقا بفنا و زلت
عارف میل از کریم بکرامت
گفتند فرق چیست میان دل
مومن و دل منافق گفت دل مومن
روزی هزار بار بگردد و دل منافق در
هفتاد سال یکبار هم نگردد
وگفتند که طائفه اند بر روی
آب می روند گفت طائفه
را بہ تشنگی می میرند بهتر از ان
طائفه اند گفتند که علم چیست گفت
دو حرف تصحیح ملت و تجدید خدمت
گفتند مدعی کیست؟ گفت آنکه
بے مشاهده الله گوید. گفتند
سالک کیست گفت کسی که علم او
به یقین رسیده باشد ویقین او
بخوف و خوف او بعمل وعمل او
بورع و ورع او به اخلاص
وا خلاص او بمشاهده وگفتند
نهایت ریاضت کدام است
گفت هرگاه که دل خود را بازجوید
ملازم حق یابد گفتند تفویض

لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ زلت کیا چیز ہوتی ہے؟ فرمایا کہ عوام کی زلت تو حلال سے حرام کی جانب پھر جانا ہے اور خواص کی زلت بقا سے فنا کی جانب مائل ہو جانا ہے۔ عارف کی زلت کریم سے کرامت کیجانب نظر کر لینا ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! قلب مؤمن اور قلب منافق میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ قلب مومن ایک دن میں ایک ہزار مرتبہ بدلتا رہتا ہے (اسے یدیر حیث دار الحق یعنی حق کے ساتھ پھرتا رہتا ہے) اور منافق کا قلب ستر سال تک بھی اپنی جگہ سے ہٹتا نہیں (اپنے جمود اور عناد عن الحق کی وجہ سے)۔ لوگوں نے فرمایا حضرت ایک جماعت ایسی ہے جو پانی پر چلتی ہے فرمایا کہ جو گروہ کہ خشکی پر پیاسا مر جائیں یہ اور وہ دونوں برابر ہیں لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت علم کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ علم دو حرف کا نام ہے تصحیح ملت یعنی ایمان کی درستگی) اور تجدید خدمت (یعنی بجا آوری احکام)۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت طریق میں مدعی کسے کہتے ہیں؟ فرمایا وہ شخص مدعی ہے جو بدون مشاہدہ کے زبان سے اللہ کہے (کہ دل سے خدا کا عارف نہیں ہے تو مدعی ہی ہے) لوگوں نے پوچھا کہ سالک کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ جسکا علم مرتبہ یقین تک پہونچ چکا ہو اور اسکے یقین کی رسائی خوف تک ہو چکی ہو اور خوف نے

عنت ذکری باجتماع ووجدی
ستماع وعملی باتباع و ہم او
گفتے عارف را چندیں مقامات
ست سیکے از آنہا فقدان
مرادات آں جہان ست
گفتند توحید چیست گفت
سالہاست کہ علم توحید
در نوشتہ ماند و مردماں از
اشی او سخن می گویند۔
گفتند صحبت دو کس کے
است آید گفت وقتی کہ
سیکے مرد دیگرے را گوید
ے من! گفتند محبت
چیست گفت آنکہ مراد او
خواہند نہ مراد خود۔ ہم او
گفتے اگر سیکے ہزار سال
روے بحق آرد بعدہ
ساعت اعراض کند
نچہ دراں یک ساعت
زو فوت شدہ باشد بیش
از آں باشد کہ دراں
ہزار سال حاصل کردہ باشد
یعنی احتمال آں دارد کہ دراں

داعیۂ عمل پیدا کر دیا ہو، اور عمل اسکا ورع اور پرہیزگاری کا ترجمان ہو اور ورع اخلاص کا ناشی ہو اور اخلاص اسکا مشاہدۂ حق کا رہین منت ہو۔

لوگوں نے دریافت کیا کہ ریاضت اور مجاہدہ کی انتہا آخر کہاں ہوتی ہے؟ فرمایا کہ جس وقت انسان اپنے قلب کو تلاش کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر باش پاوے۔

لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت یہ تصوف کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ جماعت کیساتھ مل کر (بذریعہ حلقہ) خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا، اور خدا کا ذکر کانوں سے سنکر وجد میں آجانا اور سنت اور شریعت کے اتباع کو اپنا طریقہ اور شعار بنالینا۔ نیز حضرت جنیدؒ ہی کا ارشاد ہے کہ عارف کے مقامات بیشمار ہیں، منجملہ ان کے ایک مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس جہان کی مرادات (یعنی ثواب طاعت اور جنت وغیرہ کا بالکل خواہشمند نہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت توحید کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ سالہا سال گذر گئے کہ توحید کا علم بس کتابوں کے متن ہی میں لکھا ہوا رہ گیا ہو باقی لوگ جو زبان سے بیان کرتے ہیں وہ حاشیہ کی باتیں کرتے ہیں (مطلب یہ کہ میاں آج حقیقی توحید والے ہیں کتنے تم اسکے متعلق کیا پوچھتے ہو؟ ع

اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے)

لوگوں نے دریافت کیا کہ دو شخصوں میں دوستی ہوتی کب

یک ساعت چیزی در دست
آرد کہ ہزار سال در دست
نتواں آورد گفتند توکل
چیست کسب کردن و یا
کسب ناکردن گفت
نہ آں و نہ ایں اما توکل دل
بستن است بوعدہ
بصدق رب العالمین
تعالی و تقدس گفتند
یقیں چیست گفت
غم رزق ناخوردن وقتی
جنید میگفت خداوندا
فردا مرا نابینا برانگیز
گفتند چرا گفت
آنکہ تا کسیکہ ترا دیدہ باشد
من او را نہ بینم نقل
است کہ جنید را رحمۃ اللہ علیہ
بعد از فوت در خواب
دید گفتند از منکر و نکیر
چگونہ خلاصی یافتی
گفت چوں آں دو فرشتہ
مقرب ماہیت مرا پرسیدند
من ربک من در ایشاں

ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب ان میں سے ایک شخص دوسرے کو اپنا نام لیکر پکارنے لگے (یعنی دو جان اور ایک قالب بنجائیں)۔ لوگوں نے دریافت کیا حضرت محبت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ محبوب ہی کی مراد پوری کرنے کی فکر کرے نہ کہ اپنی مراد۔ حضرت ہی کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص ہزار سال تک حق تعالیٰ کی جانب توجہ رکھے اور اسکے بعد ایک ساعت کیلئے ان سے اعراض کرے تو اس ایک ساعت میں جو کچھ اس سے فوت ہو جائے گا وہ اس سے کہیں بڑھکر ہو گا جو کہ ہزار سال میں اسکو حاصل ہوا ہو گا یعنی احتمال اس کا ہے کہ اس ایک ساعت میں اس سے کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جو کہ ہزار سال میں نہ پیش آسکی ہو۔ لوگوں نے حضرت سے دریافت کیا کہ توکل کسے کہتے ہیں کسب کرنا یا ترک کسب کرنا فرمایا کہ توکل نہ تو اسکا نام ہے اور نہ اسکا توکل تو نام ہے اللہ تبارک و تعالےٰ کے وعدوں کو دل سے سچا جاننا (اور وہ وعدہ ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا) لوگوں نے پوچھا کہ حضرت یقین کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ روزی کی فکر نکرنا اور اسکا غم نکھانا
ایک دفعہ حضرت جنید کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خداوندا مجھے کل بروز قیامت اندھا اٹھا لوگوں نے پوچھا کہ حضرت ایسا کیوں فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ (بار الہا) یہ اسلئے کہ جس نے تجھے دیکھا ہو میں اسکو نہ دیکھوں طریق میں یہ غیرت کہلاتی ہے جسکا حال یہ ہے کہ شعر۔ شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری

نگریستم و بخندیدم گفتم آں روز کہ پرسندہ الست بربکم مرا پرسید و من جواب بلیٰ گفتم شما آں روز کجا بودید کسے کہ جواب پادشاہاں دادہ باشد او از جواب غلاماں کے اندیشہ کند۔

قطعہ

نخشبی نیک زی چو خواہی رفت
مرد خوش عیش گوی دولت برد
تا ندانی کہ نیک و بد میرد
ہر کہ نیکو بزیست نیکو مرد

نقل ہے کہ حضرت جنیدؒ کو کسی نے وصال کے بعد خواب میں دیکھا عرض کیا حضرت منکر نکیر کے سوال و جواب سے کیونکر خلاصی ہوئی فرمایا کہ جب ان دو فرشتوں نے جو کہ حق تعالیٰ کے خاص فرشتے تھے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تو میں نے انکی جانب نظر اٹھا کر دیکھا اور ہنسا اور ان سے کہا کہ جس دن الست بربکم کے کہنے والے نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا اور میں نے بلیٰ کہکر جواب دیا تھا تو آپ لوگ اس دن کہاں تھے؟ ہاں بھائی جو بادشاہ کو جواب دے چکا ہو وہ بھلا اسکے غلاموں کے سوال سے کب ڈریگا؟

اے نخشبی اگر خدا کے یہاں تجھے جانا ہے تو نیک زندگی گذار خوش عیش انسان ہی بس یہ سمجھو کہ دولت لیگیا یعنی کامیاب ہوگیا کیا تم کو معلوم نہیں کہ نیک و بد سبھی کو ایک دن مرنا ہو لیکن یہ سمجھ لو کہ جو نیک جئے گا نیک ہی مرے گا۔

سلک صد و چہل چہارم

باید دانست کہ عبداللہ خفیف رحمۃ اللہ علیہ مقرب احدیت و مقدس صمدیت و برگشیدہ درگاہ و برگزیدہ اللہ تعالیٰ بود و اورا خفیف ازاں گویند کہ او کار افطار

سلک ۱۴۴ (حضرت عبداللہ خفیفؒ کے حالات)

جاننا چاہیئے کہ حضرت عبداللہ خفیفؒ حق تعالیٰ کے ایک مقرب اور مقدس بندے تھے، درگاہ خداوندی کے ایک بلند مرتبہ اور منتخب ہستی شمار ہوتے تھے۔ انکو خفیف اسلئے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے روزہ افطار کرنے کا معاملہ بالکل ہلکا پھلکا کر رکھا تھا یعنی روزہ رکھکر صرف سات دانے منقے پر افطار کرکے اگلے روز پھر روزہ رکھ لیتے تھے

ہفت مویز رسانیدہ بود وقتی
ادم ہشت مویز بردہ داد و ندانست
کی زیادت است آں شب
لاوت عبادت نیافت از خادم
ال مویز را تفتیش کرد او گفت
ن امشب ترا ہشت مویز دادہ بودم
فت ہر چہ گفت ترا دیدم بغایت
ضعیف شدہ گفتم در تو قوتے
اصل شود او گفت تو دشمن من
ودہ نہ دوست، دوست کسی را
گوید کہ مضرت رساند دوستی
آں بودی کہ مرا شش مویز دادی
امرا در عبادت بیش ازاں حلاوت
ودی آں خادم را معذرت کرد
بیش بر خود نگذاشت گویند کہ
یغامبر علیہ السلام بر سر دو نر انگشت
ی نماز گذاردی عبداللہ خفیف
فی بودہ است کہ ہیچ سنت ازو
ت نشدہ بود خواست کہ او نیز آں نماز
گذارد یک رکعت بر سر دو نر انگشت
گذارد و چوں خواست بدوم شروع کند
دی پیغمبر صلی اللہ علیہ از محراب سر برآورد و
فت ای خفیف ایں فعل خاصہ

ایک مرتبہ خادم نے بجائے سات کے آٹھ دانے منقے کے دیدیئے ان کو احساس ہوا کہ آج کچھ زیادہ کھا لیا گیا ہے اس رات کو عبادت کی حلاوت سے محرومی رہی خادم سے منقوں کی تعداد کا سوال کیا اس نے کہا ہاں حضرت میں نے آج کی شب آپ کو آٹھ دانے دیدیئے تھے پوچھا تم نے کیوں ایسا کیا؟ عرض کہ میں نے حضرت میں بہت ضعف اور ناتوانی محسوس کی اسلئے مقدار خوراک بڑھا دی تھی تاکہ حضرت کو کچھ قوت عبادت کی حاصل ہوجائے فرمایا کہ تم میرے دوست نہیں دشمن ہو۔ دوست وہ کہلاتا ہے جو تکلیف نہ پہونچائے۔ دوستی اور خیرخواہی تو یہ تھی کہ تو بجائے سات کے مجھے چھ ہی دانے دیتا تاکہ اس کمی خوراک کی وجہ سے مجھے عبادت کی حلاوت بیشتر نصیب ہوتی، یہ فرمایا کہ اس خادم (کے معافی طلب کرنے پر) اسکو معاف تو کر دیا لیکن اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا۔ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) پیر کے دونوں انگوٹھوں کے بل کھڑے ہو کر (نفل) نماز پڑھا کرتے تھے، یہ عبداللہ خفیف ایسے بزرگ تھے کہ کوئی سنت ان سے فوت نہ ہوتی تھی، چنانچہ چاہا کہ وہ اسی طرح دو انگوٹھے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھیں ایک رکعت پڑھ کر جب دوسری کے لئے کھڑا ہونا چاہا تو دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محراب سے اپنا سر مبارک نکالا اور فرمایا کہ اے خفیف یہ فعل میری خصوصیات میں سے ہے امت کے اتباع

نسبت بدیں تعرضے مرساں روزی خفیف خادم خود را گفت از برائی من زنی خطبہ کن ہمچناں کردند بر چند روزے و ماہ طفلے در وجود آمد و بمرد آن زن را رہا کرد و گفتند در زیر ایں چہ سِر بود گفت شبے قیامت را بخواب دیدم مردی را بر صراط دیدم درمانده و طفلی در آمد و دست او را بگرفت از آں جا سلامت بگذرانید مقصود من ازیں خطبہ آں بود کہ مرا ہم طفلی شود و ہم در طفلی مردہ باشد کہ چناں محلی دستگیری تواند کرد چنیں گویند وقتی دو صوفی از راہ دور بدیدن او آمدند او را در خانقاہ نیافتند پرسیدند شیخ کجاست گفتند کہ در سرای عضد الدولہ رفتہ است صوفیاں گفتند درویشاں را بر در سرای سلاطین رفتن چہ مصلحت، ایں بگفتند و از خانقاہ بیروں آمدند ایشاں را در زماں باتہامی متہم کردند در سرای عضد الدولہ بردند عضد الدولہ

کرنے کے لئے نہیں، لہٰذا اس میں مجھ سے تعرض نہ کرو۔ ایک مرتبہ حضرت خفیف نے اپنے خادم سے کہا کہ اجی میری جانب سے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دو (اور کہیں نسبت طے کرو) لوگوں نے کہیں طے کرکے آپ کا نکاح کرا دیا، چند مہینے اور ایام گذرنے پر بچہ تولد ہوا لیکن مرگیا آپ نے بیوی کو طلاق دیدیا لوگوں نے دریافت کیا اس میں کیا حکمت تھی فرمایا کہ میں نے ایک شب خواب دیکھا تھا کہ قیامت قائم ہے ایک شخص کو پل صراط پر حیران و پریشان دیکھا استنے میں یہ دیکھا کہ ایک نوزائیدہ بچہ آیا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر باطمینان وہاں سے گذارلے گیا پس میری غرض بھی اس پیغام نکاح اور عقد سے یہی تھی کہ میرے بھی کوئی بچہ ہو جاتا جو کہ بچپن ہی میں مر بھی جاتا اور ایسی بے بسی کے وقت میں وہ اسیطرح میری بھی دستگیری کرتا بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو صوفی بہت دور دراز سے آپکی زیارت کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ کو خانقاہ میں نہ پایا لوگوں سے دریافت کیا کہ شیخ خفیف کہاں ہیں لوگوں نے کہا کہ شاہ عضد الدولہ کے محل میں تشریف لے گئے ہیں۔ ان صوفیوں نے کہا کہ درویشوں کو بادشاہوں کے محل سے کیا کام؟ یہ کہکر خانقاہ سے باہر چلے گئے۔ اسی وقت ان پردیسیوں کو سپاہیوں نے (جاسوسی یا چوری کی) تہمت میں گرفتار کرلیا اور بادشاہ کے دربار میں لے گئے بادشاہ نے ہاتھ کاٹنے

بقطع دست ایشاں حکم فرمود شیخ گفت آری ہر کہ دست اعتقاد از دامن درویشان کوتاہ کند دست بباد دہد پس ایشاں را شفاعت کرد و میگفت ای عزیزان آمدن من بر در سلاطین بعبث نبود آمدن من برای آن بود تا شمارا بیدست کردن بگذارم نخشبی از عبث کراں ہمی کن کار بیہودہ جز خبیث نبود قول و فعل حکیم میباید کہ سر سوزنی عبث نبود

جانے کا حکم دیدیا۔ شیخ نے فرمایا کہ دیکھو بھائی جو شخص درویشوں سے اعتقاد کا ہاتھ اٹھاتا ہے (یعنی ان سے بداعتقادی ظاہر کرتا ہے) تو اسکا ظاہری ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ یہ تو ان سے کہا اور بادشاہ سے سفارش کرکے ان لوگوں کو چھڑوادیا اور پھر ان سے کہا عزیزان من! دیکھو ہم لوگوں کا سلاطین کے یہاں آنا اور ملنا سے فی الجملہ تعلق بیکار نہیں ہوا کرتا بلکہ ہمارا یہاں آنا اسی لئے تھا کہ تمھارے ہاتھ کاٹے جانے سے تمکو بچالوں • اے نخشبی لغو اور فضول کاموں سے بہت زیادہ کنارہ کشی اور دوری اختیار کرو اور یہ سمجھ لو کہ فضول کام میں خباثت ہی خباثت ہے عقلمند شخص کا قول و فعل سوئی کے ناکہ کے برابر بھی لغو ولاطائل نہ ہونا چاہیئے۔

سلک صد و چہل و پنجم

باید دانست کہ حسین منصور حلاج شیر بیشہ تحقیق و شجاع معرکہ تصدیق بود و او را حلاج ازان گویند کہ وقتی جانب پنبہ اشارت کرد در زماں محلوج بدو دانہ جدا شدہ شبلی گفت گرفت من و حلاج یکی ام دمرا بدیوانگی کردند خلاص یافتم

سلک ۱۴۵ (حالات حضرت حسین منصور حلاج)

جاننا چاہیئے کہ حضرت حسین منصور حلاج جو کہ بیشہ حقیقت کے شیر اور معرکہ تصدیق کے ایک جانباز سپاہی تھے انکو حلاج اسلئے کہا جاتا تھا کہ (ایک بار ان سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ) روئی کے ایک ڈھیر کی جانب اشارہ کیا اسی وقت دھنی ہوئی روئی ایک جانب اور اسکے بنولے دوسری جانب ہوگئے حضرت شبلی فرماتے تھے کہ ہم دونوں ایک ہی تھے مجھے دیوانگی دیدی تو میں نجات پاگیا اور انکو بہت زیادہ عقل اور سمجھداری سے فنا آگیا۔ ایک مرتبہ ان سے حضرت جنید فرمانے لگے

اما او را عقل عقیلی گشت وقتی او را جنیدؒ می گفت نزدیک است که تو چوب پاره سرخ کنی گفت آں روز که من چوب پاره سرخ کنم تو جامۂ اہل تصوف پوشی چنیں گویند آں روز که ائمہ بقتل حسین منصور فتوی دادند و جنید در جامۂ تصوف بود در مدرسہ رفت و دراعہ و دستار بپوشید آنگاه گواہی نبشت که نحن نحکم بالظاہر وقتی او را پرسیدند صبر چیست گفت آنکه یکی را دست و پا ببرند و او را بر دار کنند او جمع باشد و ایں ماجرا ہم با او برفت او در طبقۂ خویش از کار دیگر داشت چنانکه ابراہیم خواص را پرسیدند در چه کاری گفت راه توکل راست میکنم گفتند ہمہ عمر در عمارت شکم خواہی بود چنیں گویند چوں واقعہ او نزدیک رسید روزی شبلی را گفت خاطر جانب من دار که مرا کاری عظیم در پیش آمده است

کہ قریب ہی وہ وقت ہے کہ تم لکڑی کے ٹکڑوں کو سرخ کرو گے (اشارہ انکے سولی دیئے جانے کیطرف تھا) منصور نے کہا کہ حضرت جس دن میں لکڑیوں کو سرخ کرونگا اس دن آپ بھی تصوف کا جامہ اتار پھینکیں گے بیان کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا کہ جس دن کہ حسین منصور کے قتل کا فتوی علماء نے دیا حضرت جنید تصوف کا لباس پہنے ہوئے تھے مدرسہ تشریف لے گئے اور عبا و دستار زیب تن فرمایا اور فتوی لکھا کہ ہم تو ظاہر حال پر فتوی دینے کے مکلف ہیں (یعنی لفظ انا الحق زبان سے کہنا کفر ہے) ایکدفعہ منصورؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت صبر کسے کہتے ہیں فرمایا کہ صبر یہ ہے کہ کسی شخص کا ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسکو دار پر چڑھا دیں پھر بھی اس کا قلب مطمئن رہے، بالکل ایسا ہی معاملہ ان کے ساتھ ہوا کہ (لوگوں نے توانکو سولی دی اور) وہ اپنے طور پر کسی دوسری ہی جانب متوجہ تھے (اور اسکی ذرا بھی پروا نہیں کی) جسطرح سے کہ حضرت ابراہیم خواصؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت کس شغل میں ہیں فرمایا کہ مقام توکل کو درست کر رہا ہوں ان بزرگوں نے فرمایا کہ بس تمام عمر پیٹ ہی کے چکر میں رہیئے گا (یا کچھ آگے کا کام بھی کرنا ہے) لوگوں کا کہنا ہے کہ جب حضرت منصورؒ کا واقعۂ قتل قریب ہوا تو ایکدن انھوں نے اپنے پیر بھائی شبلی سے کہا کہ ذرا میری جانب توجہ فرمائیگا مجھے ایک عظیم مرحلہ پیش آنیوالا ہے

جو شخص نفسانی خواہش سے چھوٹ گیا وہی بالغ ہے اور باقی اس کے مقابلے میں سب نابالغ، تو ان کے سامنے جو کچھ بیان کیا جاویگا وہ تشبیہات سے بیان کیا جاویگا اور تشبیہات میں غلطیاں واقع ہونگی لہٰذا اسرار و حقائق کسی کے سامنے نہ بیان کرنے چاہئیں۔

(۱۶۱) محض عبارات تصوف کو یاد کر کے تصوف کا دعویٰ کرنے کی مذمت اور صدق کی ضرورت

آجکل افسوس ہے کہ لوگوں نے اسی جمع عبارات کا نام تصوف رکھ لیا ہے اور اکثر اس قسم کے اسرار کہنے والے خود بھی لوگ ہوتے ہیں، اسی کو کہتے ہیں ؎

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

(کیونکہ شخص درویشوں اور کاملوں کے الفاظ چراتا ہے اسکو یاد کرتا اور لوگوں کو سناتا ہے تاکہ لوگوں سے اسکو حصول دنیا کیلئے منتر بنائے) کہ چند الفاظ سنے سنائے یاد کر لئے اور انھیں کو چند مجالس میں گاتے پھرتے ہیں اور اگر کوئی آگے پوچھ بیٹھے تو خاک بھی نہیں، صاحبو! محض ملفوظات کے یاد کر لینے کا نام تصوف نہیں ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ملفوظات یاد کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اسکی کوشش کرو کہ تم بھی ایسے ہو جاؤ کہ تمہاری زبان سے بھی وہی باتیں نکلنے لگیں جو انکے منہ سے نکلیں اور وہ حالت بنالو کہ ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

(تم اپنے اندر انبیاء کے علوم دیکھوگے بغیر کتاب کے، بغیر کسی مددگار کے اور بدون کسی استاد کے) اور اگر یہ نہ ہو تو محض دعوی اور تصنع سے کیا ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ؎

گہ گہے آہے دروغے میزنی از برائے سکۂ دوغے میزنی
خلق را گیرم کہ بفریبی تمام در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
کارہا با خلق آری جملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
کارہا او راست باید داشتن رایت اخلاص و صدق افراشتن

(کبھی کبھی تو جھوٹی آہ نکالتا ہے (تاکہ معلوم ہو کہ قلب بریاں رکھتا ہے لیکن یہ ایسا ہے جیسے مکھن نکالنے کی خاطر دہی کا متھنا۔ یہ مانا کہ تم تمام مخلوق کو دھوکہ دے سکتے ہو

اور ہر خاص وعام کو فریب میں مبتلا کر سکتے ہو، لیکن مخلوق کو اگر اپنا معتقد بنا لیا تو خیر مگر یہ تو سوچو کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے تم کو یہ حیلہ اور مکاری کب زیبا ہے، اس کے ساتھ تو معاملہ بالکل صحیح اور صاف رکھنا چاہیئے۔ یعنی صدق و اخلاص کا جھنڈا اونچا اور بلند کرنا چاہیئے۔)

حکایت: امام صاحبؒ کا واقعہ ہے کہ آپ چلے جا رہے تھے ایک شخص نے کہا یہ امام ابوحنیفہ ہیں یہ پانچسو رکعتیں روزانہ پڑھتے ہیں آپ اسکو سنکر رونے لگے اور اسی روز سے اتنا ہی عمل شروع کر دیا کیونکہ جانتے تھے کہ مخلوق تو دھوکہ میں آسکتی ہے لیکن خالق کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں چل سکتا

(۱۶۲) طلب شہرت کا مذموم ہونا

آج یہ حالت ہے کہ لوگ اپنی نسبت تقویٰ وطہارت کے مشہور ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اسکے لئے تدابیر کیجاتی ہیں۔

حکایت: ایک شخص کلکتہ میں گیا اور اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے چند گرگے اس غرض کیلئے چھوڑ دیئے کہ اسکو مشہور کریں۔ بہرحال علم میں خواہ حال وقال میں تکبر کرنا سخت غلطی ہے۔

(۱۶۳) لایعنی امور سے بچنے کا محمود ہونا

غرض جو حال یا سر ہے بدون حصول سمجھ میں نہیں آتا اور جو سمجھ میں نہ آوے اسکے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے۔ تعلیم اسی چیز کی دینی چاہیئے کہ جسکی ضرورت ہو ورنہ محض مجلس گرم کرنے کیلئے بے ضرورت باتیں یا محتمل الضرر مسائل ہرگز بیان نہیں کرنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کے بارہ میں گفتگو کرنیکی ممانعت سے سبق لینا چاہیئے۔ دیکھو بچے کے سامنے کتنے ہی نفیس کھانے ہوں لیکن جب کافی مقدار پیٹ میں پہونچ جاتی ہے تو شفیق ماں کھانے سے روک دیتی ہے بچہ ضد کرتا ہے لیکن اسکی پروا نہیں کرتی اسکی نظر مصلحت اور فائدے پر ہوتی ہے اسی طرح ہمکو چاہیئے کہ جن امور کو ہمارے لئے غیر ضروری یا مضر قرار دیا ہے انکے درپے نہ ہوں

اور اپنا یہ مذہب رکھیں ؎

بُرو و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ انچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

(تمہیں صاف شراب یا تلچھٹ کسی چیز کے پینے کی اجازت نہیں تو دم نہ مارو اسلئے کہ ساقی ہمارے پیمانہ میں جو بھی ڈال دے اسکا کرم ہی کرم ہے)

(۱۶۴) قبولیت دعا میں تاخیر کسی مصلحت سے ہوتی ہے

اور اسی کی نظیر ہے کہ اگر دعا قبول نہو تو تنگ دل نہ ہو کیونکہ کبھی کبھی دیر لگانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنے بندہ کا گریہ وزاری پسند ہوتا ہے۔ بزرگوں نے اسی کی مثال لکھی ہے کہ جیسے کوئی حسین عورت کسی سے سوال کرے تو وہ اسکو ٹالتا ہے تاکہ اسکو مکرر سوال کی نوبت آئے اور اسکے ذریعہ سے اس سے خطاب کا موقع مل جاوے۔ اور دیکھئے آپ اپنے بچوں کے لئے کوئی چیز لاتے ہیں مگر اسکو دق کرکے دیتے ہیں حتیٰ کی بچہ رونے لگتا ہے اور آپ کو اسکا رونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اب جن لوگوں کی دعا قبول ہو جاتی ہے وہ بہت خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ سخت نالاں رہتے ہیں حالانکہ نہ قبولیت دعا مقبول ہونے کی علامت ہے نہ عدم قبولیت مردود ہونے کی علامت ہے۔ خدا تعالیٰ انسان کی اسی حالت کی شکایت فرماتے ہیں فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ آگے فرماتے ہیں كَلَّا یعنی جب خدا تعالیٰ انسان کو فراغت دیتے ہیں تو کہتا ہے خدا تعالیٰ نے میرا بڑا اکرام کیا اور جب رزق تنگ کر دیتے ہیں تو کہتا ہے خدا تعالیٰ نے مجھے ذلیل کیا اور خدا تعالیٰ مجھے چاہتے نہیں ارشاد ہوتا ہے کہ ہرگز یعنی یہ بات نہیں ہے کہ رزق کی فراغت دلیل اکرام ہو اور عسرت دلیل اہانت ہو۔ تو اسی طرح اگر دعا بھی قبول نہ ہو تو وہ دلیل عدم قبولیت اور مردودیت کی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ جو مناسب سمجھتے ہیں وہ دیتے ہیں تشریعاً بھی اور تکویناً بھی غرض جو علم نہ دیا اسکا نہ دینا ہی نعمت ہے جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدر میں گفتگو کرنے سے ممانعت فرمادی۔ اسی حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو امور غامضہ ہیں ان کی

حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی ان میں گفتگو نہ کرنی چاہیئے۔

(۱۶۵) حقیقت قرب الٰہی اور اسکو مقصود نہ سمجھنے کی شکایت

قرب کے معنی یہ نہیں کہ جو دریا اور قطرہ میں سمجھا جاتا ہے اور ایسے الفاظ کو لغوی معنی پر محمول کرنا غلطی ہے بلکہ مراد اس قرب سے جو اس آیت میں مذکور ہے رضا ہے یعنی خدا تعالےٰ کا راضی ہونا مراد ہے۔ کیونکہ قرب کے مختلف درجے ہیں۔ ایک تو قرب علمی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کیساتھ ہر چیز کو حاصل ہے چنانچہ ارشاد ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (ہم اس کے (یعنی تمہارے نفس سے) تم سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں ہو) اور ارشاد ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (اور ہم اس سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) اور ایک قرب رضا کا ہے اور وہ بعض کو حاصل ہے اور اس آیت میں قرب رضا مراد ہے قرب علم مراد نہیں کیونکہ وہ مومن و صالح کے ساتھ خاص نہیں اور یہ قرب رضا بڑی دولت ہے مگر اسکو اہل دنیا تو کیا مقصود سمجھتے بہت سے اہل دین بھی پوری طرح سے مقصود نہیں سمجھتے

(۱۶۵) طریق تحصیل قرب حق

بس اس آیت میں حق تعالیٰ نے اسکا طریق بیان فرمایا ہے اور ارشاد ہے وَمَآ اَمْوَالُكُمْ الاٰیہ یعنی مال اور اولاد جس کے پیچھے لوگ پڑے ہیں یہ ذریعہ قرب نہیں ہو سکتے بلکہ ایمان اور عمل صالح اسکے ذرائع ہیں اور ظاہر ہے کہ ایمان اور عمل صالح میں وہی درجہ مطلوب ہوگا جو کامل ہو کیونکہ ناقص پورا پسندیدہ نہ ہوگا اور وہ ذریعہ رضا کا کیسے بن سکتا ہے

(۱۶۶) ایمان و عمل صالح کا درجہ کمال علم و عمل دائم و حال پر موقوف ہے

اور اسکا کامل ہونا موقوف ہے تین چیزوں پر علم و عمل دائم اور حال اور دین کے یہی تین شعبے ہیں سو اگر علم نہیں تو احکام کی اطلاع ہی نہ ہوگی اور اگر عمل نہیں تو اس اطلاع کا نفع کیا ہوا اور اگر عمل ہے تو اگرچہ بظاہر عمل ہونا کافی معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد یہ حالت بھی کچھ

مفید نہیں کیونکہ اس میں خلوص اور بقا کی امید نہیں اور حال سے مراد ملکہ ہے اسکی ایسی مثال سمجھو کہ اگر کسی سے محبت ہو جاوے اور اسکو کھلاؤ پلاؤ تو ایک تو یہ حالت ہے، دوسرے یہ کہ اسکی محبت میں بے چینی ہونے لگے پہلی حالت عمل ہے اور دوسری حالت حال، اور پہلی حالت یعنی نرا عمل بدون حال کے پائدار نہیں اور حال ہو جانے کے بعد پائدار ہو جاتا ہے مثلاً ایک شخص نماز روزہ کرتا ہے لیکن صاحب حال نہ ہونے کی وجہ سے نفس پر جبر کر کے کھینچ تان کر کرتا ہے اگر ایک وقت چھوٹ بھی جاوے تو کچھ زیادہ قلق نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کی یہ حالت ہے کہ اگر ایک وقت بھی نماز چھوٹ جاوے تو زندگی وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ تو یہ دوسرا صاحب حال ہے، اسی کو کہتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے جبکہ اسکے باطنی حالات و کیفیات کے باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے)

اور اسکا پیدا کرنا گو واجب نہیں کیونکہ اگر تکلف سے بھی کرتا رہے لیکن اخلاص ہو کہ عبادت سے کوئی دوسری غرض نہ ہو تو خدا تعالےٰ کے یہاں مقبول ہے کچھ کمی اس میں نہیں لیکن ہے خطرناک حالت کیونکہ جب قلب میں تقاضا نہیں تو خدا جانے گاڑی کہاں اٹک جاوے اور کہاں پہونچکر عمل کا خاتمہ ہو جاوے اسلئے ضروری ہے کہ حال کو بھی پیدا کرے۔ اسی کو کہا ہے

صنارہ قلندر سزد ار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(اے میرے مرشد مجھے تو آپ راہ محبت سکھلائیے اگر وہ میرے حال کے مناسب ہو تو کیونکہ مجھے تو حصول مقصود کیلئے پارسائی یعنی اتباع شریعت کی راہ بہت طویل معلوم ہوتی ہے)

دور و دراز کے معنی یہی ہیں کہ عمل ہو اور حال نہ ہو تو رستہ قطع ہو جائے گا لیکن بڑی دشواری اور مشکل سے قطع ہوگا اسی معنی میں مولانا نے فرمایا ہے ؎ قال را بگذار مرد حال شو

آگے اسکا طریقہ بتلاتے ہیں کہ "پیش مرد کاملے پامال شو" یعنی یہ حالت لکھنے پڑھنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ محض صحبت سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہ ملکہ ہے اور ملکہ صحبت سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اڑزنگ چین لیکر خط کی مشق کرے تو کبھی وہ ملکہ پیدا نہ ہوگا مثلاً جو کہ منشی شمس الدین کی خدمت اور صحبت سے پیدا ہوگا اسیطرح حال باطنی کی بھی کیفیت ہے تو علم اور عمل اور حال ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہوئی اگر ان میں ایک بھی نہیں تو کچھ بھی نہیں یہی دین ہے اسی

تعلیم اس آیت میں بھی ہے اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ
مطلب یہ کہ اس طرف جلد توجہ کرو ایسا نہ ہو کہ ایک زمانہ گذر جانے سے قلب میں قساوت پیدا ہو جاوے
اس آیت سے معلوم ہوا کہ حال کی تاکید بھی کسی درجہ میں قرآن سے ثابت ہے۔ غرض
وہ اور قصد تو ضروری ہے اور حال مصلحت ہے کہ اس سے تسہیل ہو جاتی ہے۔

(۱۶۸) کمال اطاعت کی خاصیت

اور یہی وہ شان ہے جسکو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان خلقه القرآن جبکہ
شخص نے آپ سے پوچھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے تو آپ نے جواب دیا
قرآن آپ کا امر طبعی بن گیا تھا آپ کا جی اسی چیز کو چاہتا تھا جسکو خدا چاہے۔ جس شخص کی یہ
ت ہوگی وہ انشاء اللہ تعالیٰ کبھی راجع نہ ہوگا نہ واقف ہوگا بلکہ برابر ترقی کرتا چلا جائے گا
کہ اول تو قلب میں ایک چیز محرک ہے دوسرے اس حالت کی برکت سے یہ محب ہونے
کے ساتھ محبوب بھی ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات اسکی یہ حالت ہوتی ہے جس کو حضور صلی اللہ
وسلم فرماتے ہیں حضرت علیؓ کے لئے اللّٰھم ادر الحق معه حیث دار کہ یہ جس طرف
ئیں تو حق بھی اسی طرف جائے اور ظاہر تو یہ تھا کہ آپ یہ دعا دیتے کہ ادرہ مع الحق
اللہ انکو حق کے ساتھ رکھ) لیکن آپ نے بجائے اسکے یہ فرمایا ادر الحق معه (حق کو
اسکے ساتھ رکھیئے) اور یہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بہت بڑی بات فرمائی اور بہت بڑی
دعا دی اور یہ بتلا دیا کہ انکی محبوبیت ایسی ہو جاتی ہے کہ اگر ان سے معاملات یومیہ میں غلطی بھی ہو تو اسباب
ایسے جمع ہو جاتے ہیں کہ وہ حق واقعی ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر دو شخصوں میں لڑائی ہو جاوے
ایک ایسا ہی محبوب حق اپنے اجتہاد سے ان میں سے کسی ایک کی طرف ہو جاوے جو کہ
واقع میں حق پر نہ ہو تو خدا تعالیٰ حق کو اسی کے ساتھ اس طرح کر دیتے ہیں کہ وہ شخص تائب ہو کر
حق پر ہو جائے اور انکو اسکی طرف رائے سے پھرنا نہ پڑے یا اگر انھیں کو خود کسی مقابلہ میں غلطی
ہو جاوے تو خدا تعالیٰ حق کو ان کے ساتھ اس طرح کر دیتے ہیں کہ انکا مقابل جو ابھی تک
مظلوم تھا انتقام لینے میں حد جائز سے آگے نکل جاوے پس انتقام کی وجہ سے انکا ظلم عفو

ہوجائیگا اور مقابل کے اعتذار کی وجہ سے اب یہ مظلوم ہوجاویں گے اور حق ان کے ساتھ ہوجاویگا۔ الحمدللہ یہ بالکل نئی بات ہے اور اس تفصیل سے آج ہی ذہن میں آئی ہے اور اسکی ایک نظیر حدیث میں صاف آئی ہے فرماتے ہیں رب اشعث اغبر لا یوبأ لہ مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ یعنی بہت سے ایسے پراگندہ مو غبار آلود خستہ حال لوگ ہیں کہ کوئی انکی پرواہ بھی نہیں کرتا مگر حالت انکی یہ ہے کہ اگر کسی امر کے متعلق قسم کھا بیٹھیں کہ یوں ہوگا تو خدا تعالیٰ اسی طرح کر دیتے ہیں، تو یہ مضمون بھی اسی کے قریب ہے کہ واقعہ انکی قسم کے مطابق بدل جاتا ہے

حکایت: میں نے ایک سیاح سے سنا ہے کہ کسی مقام پر ایک ایسی چیز دیکھی کہ اسکا ایک حصہ پتھر ہے ایک لکڑی اور ایک کنکر اور ایک غیر معلوم الجنس اور لوگوں نے اسکا یہ قصہ بیان کیا کہ اندھیرے میں کسی بزرگ کی ٹھوکر لگی تھی انھوں نے فرمایا یہ کیا ہے پتھر ہے یا لکڑی یا کنکر یا کچھ اور تو اس میں ان سب چیزوں کا تھوڑا تھوڑا جزو پیدا ہوگیا یعنی کچھ حصہ لکڑی ہوگیا کچھ پتھر اور کچھ کنکر کچھ غیر معلوم الجنس۔

(۶۹) بزرگوں کے حسب خواہش کام ہوجانے سے حق تعالیٰ کا انکے کہنے میں ہونا لازم نہیں آتا!

مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ میاں ان کے کہنے میں ہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ حضرات خود اللہ میاں کے کہنے میں ہیں اور یہ اسی کی برکت ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ کبھی کبھی ان کے کہنے کے خلاف بھی کر دیتے ہیں، اور کسی کا تو کیا منہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دعائیں کیں ان میں سے دو مقبول ہوئیں اور ایک نا منظور ہوئی، سو اس سے سمجھ لیجئے کہ جب حضورؐ کی دو دعائیں منظور ایک نا منظور ہوئی تو اور کون ہوگا جسکا سب کہنا ہوجاوے۔ اور میں اس مضمون کو کہتا بھی نہ مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو مجھے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ غرض آپ فرماتے اللھم ادر الحق معہ حیث دار اور یہ کبھی کبھی ہوتا ہے، اور غالب تو یہ ہوتا ہے کہ وہ حق کے ساتھ ہوتے ہیں اور خداوند تعالیٰ ان کے ذہن میں ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ خلاف حق

سے چلتے ہی نہیں بغرض انکو مرتبہ محبوبیت کا عطا ہوتا ہے جس سے وہ خلاف نہیں کرسکتے یہ وجہ ہوتی ہے صاحب حال کی ترقی و استقامت کی

(۱۷۰) خلاصہ طریق قرب

پس علم و عمل و حال کا جمع کرنا طریقہ ہے قرب و رضا رکا جو کہ بہت بڑی دولت ہے کیونکہ دولت کا مقصود راحت قلب ہے تو اس سے بڑھکر اور کیا راحت ہوگی کہ اس کا محبوب حقیقی اس سے راضی ہو یہ راحت کسی کو بھی نصیب نہیں بلکہ اس دولت میں تو اگر کچھ محنت بھی ہوتی تو اس پر بھی راضی ہوتے۔

(۱۷۰) اہل اللہ کو کلفت و مصیبت میں بھی بوجہ قرب حق کے راحت ہوتی ہے

چنانچہ کبھی ایسی حالت ابتلا اگر پیش آتی ہے تو قانع ہوتے ہیں اسوقت انکی یہ حالت ہوتی ہے ؎

دمادم شراب الم در کشند   وگر تلخ بینند دم درکشند

(یہ لوگ گھنا گھٹ تکلیف اور مشقت کا گھونٹ پیتے جارہے ہیں اگر اسمیں کچھ تلخی بھی محسوس کرتے ہیں تو زبان سے اُف نہیں کرتے) لوگ جسکو کلفت سمجھتے ہیں وہ اسکو بھی راحت سمجھتا ہے مجنوں کو اسکے اقارب خانہ کعبہ میں لے گئے اور کہا کہہ اللھم ارحنی من لیلی وحبھا (اے اللہ میرے دل کو سکون بخشدیجئے لیلی کی محبت کو زائل کر کے) تو وہ کہتا ہے اللھم زد لی حب لیلی (اے اللہ میرے قلب میں لیلی کی محبت اور بڑھا دیجئے) اور یہ شعر پڑھا ؎

الٰھی تبت من کل المعاصی   الیک فقد تکثرت الذنوب
فاما من ھوی لیلی و ترکی   زیارتھا فانی لا اتوب

(اے اللہ میں آپ سے توبہ کرتا ہوں ہر قسم کے معاصی سے اسلئے کہ بہت گنہگار ہوں لیکن لیلی کی محبت سے اور اسکی ملاقات کو چھوڑ دینے سے توبہ نہیں کرتا)

حامل مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی عشہ دس روپئے		چندہ سالانہ عنہ بیس روپئے

وصیۃ العرفان

الہ آباد

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

دو روپئے	مدیر: عبدالمجید عفی عنہ	فی پرچہ

جلد ۴	رمضان سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۸۱ء	شمارہ ۷

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱ے۔ ڈی ۱۱۱

پیش لفظ

عرفت ربی بفسخ العزائم ۔ اپنی جانب سے انتہائی سعی کے باوجود آج برسہا برس کے بعد دو ماہ کا رسالہ ایک ساتھ بھیجنا پڑا چنانچہ یہ شمارہ جو آپکے ہاتھ میں ہے یہ جون اور جولائی سنہ کا شمارہ ہے ——— شعبان رمضان کے شمارے میں احباب کو خانقاہ، مدرسہ اور رسالہ سے قدرے واقف کرانے کا معمول تھا، سو حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کے بمبئی قیام فرمانے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ خانقاہ میں ایک مخصوص کمی پائی جارہی ہے تاہم سلسلۂ مجالس الحمدللہ جاری ہے مخلص احباب برابر حاضری دیتے رہتے ہیں، رسالہ کا حال آپکے سامنے ہی ہے لیکن اس سلسلہ میں ہمیں جو کلفت اٹھانی پڑ رہی وہ بعض احباب کے چندہ نہ ارسال فرمانے کی وجہ سے ہے۔

مدرسہ وصیۃ العلوم کے متعلق غالباً آپ پر یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ حضرت مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہ نے جب وطن کی سکونت ترک فرماکر الہ آباد کو اپنے شرف قدوم سے سرفراز فرمایا تو ایک طرف جہاں تصوف وسلوک اور حقیقت وطریقت کا بحر بیکراں موجزن ہوا وہیں اسکے پہلو بہ پہلو علوم کا فیضان بھی جاری کیا، چنانچہ اسی غرض کے لئے ایک مدرسہ قائم فرمایا جو آج بھی مدرسۂ وصیۃ العلوم کے نام سے علوم شریعت کیخدمت میں مصروف ہے۔ حضرت مصلح الامۃ کے خلیفہ وجانشین حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب دامت برکاتہم کی سرپرستی اور آپ کی توجہات عالیہ کی برکت سے بحمداللہ یہ مدرسہ نہایت خاموشی کے ساتھ نشر علوم میں اسی طرح مصروف ہے جیسے پہلے تھا پچاس اور ساٹھ کے درمیان بیرونی طلبا دارالاقامہ میں رہتے ہیں جنکے قیام وطعام کا انتظام مدرسہ ہی کے ذمہ ہے، دس مدرسین تدریس کی خدمت پر معمور ہیں عربی وفارسی کے چھ درجات اور حفظ کی تعلیم کا مکمل نظم ہے۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی خانقاہ امدادیہ میں جو مدرسہ قائم فرمایا تھا اسکے کچھ اصول عام مدارس سے ذرا مختلف تھے یہ تو ظاہر ہی ہے کہ مدارس عامۃ المسلمین کے چندے ہی سے قائم ہوتے اور باقی رہتے ہیں مگر حضرت حکیم الامۃ نے بعض مصالح کی بنا پر چندہ کا متعارف طریقہ نہیں اختیار کیا تھا بلکہ مخلصین متعلقین جو کچھ برضا ورغبت پیش کر دیتے تھے اسے قبول کر لیا جاتا ——— بس توکل واعتماد پر سارا دار ومدار تھا ——— حضرت حکیم الامۃ علیہ الرحمۃ کے بعد حضرت مصلح الامۃ کا دور آیا تو جس طرح آپ طریق سلوک میں اپنے پیر ومرشد کے نقش قدم پر چلے ٹھیک اسی طرح مدرسہ بھی اسی انداز پر قائم فرمایا جیسا حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کے یہاں تھا یعنی خانقاہ کے تابع مدرسہ چلتا رہا، یوں کہہ لیجئے کہ یہ ادارہ علوم ظاہرہ اور علوم باطنہ کا مجمع البحرین تھا ——— اللہ کا شکر ہے کہ آج بھی مدرسہ کی وہی شان باقی ہے اور حضرت قاری صاحب دام مجدہم ہر دو پیش رو بزرگوں کے نقش قدم ہی پر مدرسہ کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت قاری صاحب دام مجدہم کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رہے اور انکے فیوض وبرکات عام وتام ہوں اور مدرسہ وخانقاہ کا فیضان بایں ہمہ برکات وحسنات جاری وساری رہے، اور ہم خدام کو بھی اس سے حصہ نصیب ہو۔ آمین ۔

(ادارہ)

مشائخ پس رو ہیں

فرمایا کہ ـــــ اس وقت آپ کے سامنے ایک نہایت ہی ضروری مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں جو کہ دین کا ایک بنیادی اصول ہے جس کے پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے دین میں ایک بڑا رخنہ پیدا ہو گیا ہے اور لوگ افراط و تفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ گو یہ مسئلہ ذرا دقیق ہے لیکن غور کرنے سے سمجھ میں آجائے گا اور پھر آپ اپنے اندر ایک نور محسوس کریں گے آپ کو ایسا معلوم ہوگا جیسے کہ اندھیرے سے اجالے میں آگئے ہوں میں اسوقت جو کچھ لکھنا چاہتا ہوں اسکا ماخذ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا یہ ارشاد ہے، تفہیمات میں فرماتے ہیں:۔

ہر کسے کہ برائے دعوت خلق اللہ بجائے نشست و مردم بجانب وے متوجہ شدند وے را ہماں باید کرد کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زیرا کہ وے دریں مقام مقلد و پس رو ایشان است	جو شخص کہ مخلوق خدا کی دعوت و اصلاح کے لئے بیٹھے اور لوگ اسکی طرف متوجہ ہوں تو اس کو بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو حضرات انبیاء علیہم السلام نے کیا تھا اسلئے کہ وہ اس مقام (دعوت و تبلیغ و اصلاح) میں ان حضرات کا مقلد ہے۔

دیکھئے حضرت شاہ صاحب اس عبارت میں دعوت خلق اللہ میں انبیاء علیہم السلام کو اصل اور متبوع اور دوسرے مشائخ کو مقلد اور پس رو قرار دے رہے ہیں، میں اسی کو قدرے وضاحت سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ حق بات یہ ہے کہ دین خدا کا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطاع اور متبوع ہیں اور علماء و مشائخ کی جو اتباع کیجاتی ہے تو صرف اسی لئے کہ یہ حضرات ہم سے زیادہ عالم بالسنۃ اور عامل بالشریعت ہوتے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع اور پس رو ہوتے ہیں پس ان حضرات کی اتباع حقیقۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع ہوتی ہے۔ چنانچہ مشائخ میں کامل اور عظیم المرتبہ وہی سمجھا جاتا ہے جو اتباع

ہیں سب سے زیادہ ہو کیونکہ ولایت میں نور اور کمال اتباع سنت ہی کی راہ سے آتا ہے اور جس کو اس راستہ میں جو کچھ ملا ہے وہ اسی کی برکت سے ملا ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے ؎

پندار سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز برپئے مصطفیٰ

(سعدی یہ ہرگز مت سمجھنا کہ راہ صفا (صراط مستقیم) بدون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے اور آپ کے قدم بقدم چلے طے کیا جا سکتی ہے)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(سن لو! کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو شخص چلا وہ منزل مقصود تک کبھی نہیں پہونچ سکتا)

مشائخ اور مصلحین نے ہر زمانہ میں جو سعی کی ہے اسکا حاصل یہی ہے کہ اس راہ میں اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس آپؐ کا اتباع قولاً و فعلاً اور حالاً ضروری ہوگا جیسا کہ آپ نے ابھی حضرت شاہ صاحبؒ کی عبارت میں ملاحظہ فرمایا یعنی یہ کہ "داعیٔ الی اللہ را ہماں باید کرد کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام زیراکہ وے دریں مقام مقلد و پس رو ایشاں است"

اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ اپنی وصیت کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:۔

"و دائما تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن" یعنی یہ بھی ضروری ہے کہ مسائل فقہیہ کو کتاب و سنت پر پیش کیا جائے جو ان کے موافق ہوں انھیں لیا جائے ورنہ اس کے ساتھ بُرا سامان خاوند کی داڑھی پر کا معاملہ کیا جائے۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"امت را بر ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست"

دیکھئے! اس میں امت کے متعلق فرما رہے ہیں کہ مجتہدات کو کتاب و سنت پر پیش کرنے سے انکو استغناء نہیں ہے لہٰذا مشائخ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں ان پر بھی لازم ہے کہ کتاب و سنت کو محک و معیار بنائیں اور اپنے جملہ اقوال و افعال کو اس پر تطبیق دیں کہ اسی سے انکا مقلد و پس رو ہونا معلوم ہوگا ورنہ سمجھا جائیگا کہ مشائخ مستقل ہیں۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے وہ یہ کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ "القول الجمیل" میں منجملہ شرائط شیخ کے ایک شرط یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان یکون مستبداً برائہ یعنی مستقل مزاج اور صائب الرائے ہو یعنی خود اپنی ایک رائے رکھتا ہو امعہ نہ ہو کہ جو شخص بھی کوئی بات کہدے بس اسی کے ساتھ ہولے ایسا نہیں ہونا چاہیئے اور آیہ کریمہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ (اے ایمان والو اللہ اور اسکے رسول سے (کسی معاملہ میں) پیش قدمی نہ کرو) کے تحت مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں امر و نہی میں استبداد بالفعل کی ممانعت ہے ۔ اس سے تو خود اعتمادی کی ممانعت معلوم ہوتی ہے !

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اسلئے کہ استبداد وہاں منع ہے جہاں کتاب و سنت کی جانب مراجعت کئے بغیر کوئی رائے قائم کر لی گئی ہو یا کوئی عمل کر لیا گیا ہو ورنہ تو اگر اپنے ہر قول و فعل میں کتاب و سنت کو اصل اور متبوع قرار دیا جائے تو اسکے ساتھ ساتھ آدمی کا ذی رائے ہونا اور مستقل مزاج ہونا منشار شارع کے خلاف نہیں ہے بلکہ انسان کی کمال عقل پر دال اور شرائط شیخت میں سے ہے ۔ خیر یہ ایک ضمنی بات تھی جو موقع سے یاد آگئی بیان کر دی، ورنہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مشائخ متبع اور پیرو ہیں ۔ ہر زمانہ میں مصلحین امت نے بانگ دہل اسکا اعلان کیا ہے اور امت کو اسی اصول پر رکھنا چاہا ہے کیونکہ خیریت بھی اسی میں ہے اسلئے کہ مشائخ اگر اس اصل سے باہر قدم رکھیں گے تو تصوف مستقل ہو جائے گا اور اسکی وجہ سے دین میں ایسا رخنہ پڑے گا جو کبھی بند نہ ہو سکیگا ۔ سنت مستور ہو جائیگی اور بدعات کا شیوع ہو جائے گا، حقیقت مٹ جائے گی اور رسوم کا دور دورہ ہو جائے گا، اور سالکین کی گویا لائن ہی بدل جائیگی اور میں تو کہتا ہوں کہ ان خطرات کا اندیشہ ہی نہیں وقوع بھی ہو گیا ہے، چنانچہ آج علمائے ظاہر اور اہل تصوف میں جو جنگ ہے وہ اسی کا ثمرہ تو ہے کہ ان دونوں جماعتوں نے اپنی اپنی لائن چھوڑ دی ہے ورنہ محققین نے تو تصریح کی ہے کہ طریقت عین شریعت ہے

در شریعت عین طریقت ہے دونوں میں فرق صرف لفظی ہے مقصود و نتیجہ دونوں کا
یک ہے۔ چنانچہ اسی پر تفریع کرتے ہوئے حضرت سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں :-

"میرے نزدیک جو صوفی فقیہ یعنی عالم کی حالت پر انکار کرے اور اسکو برا کہے وہ یقیناً مبتلائے قہر ہے اور جو فقیہ صوفی کی حالت پر انکار کرے وہ بھی راندۂ درگاہ ہے۔ ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے تکلم کرتا ہو شریعت کی ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ کرتا ہو شریعت کے موافق نہ چلتا ہو تو پھر ایک دوسرے کو برا کہنے میں کسی پر گناہ نہیں ہے"

(البنیان المشید)

دیکھا آپ نے کامل صوفی اور فقیہ عارف میں کوئی جنگ نہیں ہے اس لئے کہ
نوں مخلص ہوتے ہیں اور ہر ایک کے پیش نظر رضائے مولیٰ ہوتی ہے لیکن جہاں کسی
بھی لائن بدلی یعنی اس نے اپنے آپ کو مستقل جانا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لائی ہوئی شریعت اور بتلائے ہوئے راستہ کے خلاف قدم رکھا تو بس راہ سے بھٹکا
، پر میں نے شیخ سعدیؒ کے یہ اشعار پڑھے تھے کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا | تواں رفت جز بر پئے مصطفےٰ
خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ن اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے لئے براہ راست کتاب وسنت سے دین کا
عمل اخذ کرنا آسان نہیں ہے اس لئے ہم تحصیل علم وعمل اور اخلاص میں علماء و مشائخ کے
ال محتاج ہیں یعنی ہمارے لئے ان حضرات کا اتباع از بس ضروری ہے چنانچہ
ئخ نے سالکین کو اسپر بہت ابھارا ہے اور طریق کو اتباع و انقیاد میں گویا منحصر ہی
ا ہے۔ جن امور میں اتباع حضرات انبیاء علیہم السلام کا کیا جاتا ہے انھیں امور
مشائخ کا بھی کیا جاتا ہے۔

اور وہ جو بعض معتبر مشائخ سے صادر ہوا ہے کہ "شیخ عین رسول ہے" تو اسکی
یہی ہے کہ اسکا اتباع ایمان حقیقی کی تحصیل میں ایسا ہی ضروری ہے۔ ورنہ تو

اصل و فرع اور متبوع اور تابع میں فرق بیّن ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ غیر رسول عین رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ پس مقصود ان بزرگوں کا اس قسم کے کلمات سے یہ ہوتا ہے کہ طالبین کے قلب میں مشائخ کی کما حقہٗ عظمت و احترام پیدا کر دیں کیونکہ طریق میں یہی کلید کامیابی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ شیخ نائب رسول ہوتا ہے۔ اور تعلیم و تربیت کے باب میں خود مجتہد ہوتا ہے لہٰذا اصلاح نفس کے سلسلہ میں مرید کے لئے ضروری ہے کہ اسکے سامنے اپنی رائے کو فنا کر دے اور جس طرح سے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے تو اسکی مخالفت یا اس میں مزاحمت جائز نہ ہوتی اسی طرح سے منیب کی عدم موجودگی میں اب نائب کی بھی وہی حیثیت ہو جاتی ہے لہٰذا وہ تمام احکام جو منیب کے لئے ضروری ہوتے ہیں اب نائب کے لئے ضروری ہو جاتے ہیں بجز ان امور کے کہ جو منیب کے ساتھ مخصوص ہوں، نائب ان میں شریک نہ ہوگا۔

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اصل اور منیب ہیں اور علماء و مشائخ یہ سب نائب اور پس رو ہیں۔ لہٰذا جو احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہوں گے علماء و مشائخ کے ساتھ انھیں نہ برتا جائے گا مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کو بلائیں تو اسکے ذمہ اجابت واجب تھی فرض نماز بھی پڑھتا ہو تو اسکو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجابت واجب تھی لیکن یہ آپ ہی کی خصوصیات میں سے ہے آپ کے بعد اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی کے بلانے پر فرض نماز توڑ دے ہاں والدین کے لئے اب بھی مسئلہ ہے کہ اگر نفل نماز پڑھ رہا ہو اور انھیں اس کے نماز میں ہونے کا علم بھی نہو تو اسکے لئے ضروری ہے کہ نفل نماز توڑ کر ان کی اجابت کرے اور اگر وہ جانتے ہوں کہ نماز پڑھ رہا ہے تو نفل کا توڑنا بھی جائز نہیں۔

اور اگر وہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں تو پھر نائب ہونے کی حیثیت سے مشائخ کے ساتھ بھی انھیں برتنا ہوگا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین بھی تھے جنکا شعار ہی کذب بیانی اور خداع تھا جس پر نصوص میں بہت مذمت آئی ہے تو جس طرح سے یہ سب معاملات رسول کے ساتھ منع اور

حرام تھے آج اگر کوئی شخص علماء و مشائخ کے ساتھ ان رذائل کو برتے گا تو منافقین کی طرح اسکی بھی مذمت کیجائیگی اور آج بھی یہ چیزیں مثل سابق کے ناجائز اور حرام ہی رہیں گی۔

یہی مطلب ہے اسکا کہ شیخ عین رسول ہے" اگر یہ تفصیل جو ابھی میں نے بیان کی ہے نہ ملحوظ ہو تو اس قسم کے کلمات سے لوگوں کو توحش ہو لیکن جب تشریح سامنے آگئی تو اب معلوم ہوا کہ بات بالکل صحیح اور عین حقیقت ہے۔

لیکن میں یہاں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ مشائخ کے وہ ارشادات جن سے اتباع شیخ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اپنی جگہ پر بالکل بجا و درست کیوں نہوں تاہم جس طرح سے کہ علمائے ظاہر کا قاعدہ ہے کہ احکام شرع سے متعلق اپنے اقوال بیان کر کے وہ یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ اترکوا قولی بخبر الرسول یا یہ کہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی چنانچہ شامی میں ہے کہ علامہ شعرانی نے اس قسم کے قول ائمہ اربعہ کا نقل فرمائے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ حدیث کے آگے میرے قول پر عمل نکرنا بلکہ اسے ترک کر دینا اور دیوار پر پھینک مارنا۔ اسی طرح سے مشائخ کو بھی لازم تھا کہ اپنی اتباع اور تقلید پر مرید کو ابھارتے لیکن ان سے یہ بھی فرماتے کہ اس مطالبہ کا حق صرف ان مشائخ کو ہے جو اپنے قول و فعل میں کمال درجہ متبع سنت ہوں تاکہ انکی اتباع بعینہ اتباع سنت ہو جائے۔ باقی جو مشائخ کہ اس درجہ کے نہ ہوں انکو یہ حق نہیں پہونچتا کہ دوسروں سے اپنے ہر قول و فعل کا اتباع کرائیں اور مرید کو اس پر زور دیں۔ اسلئے کہ انکا جو قول و فعل کہ ظاہر شرع کے مطابق نہ ہوگا مرید و سالک کو ان مواقع پر ایک ضیق پیش آئیگا کیونکہ وہ اگر انکی اتباع کرتے ہیں تو نصوص صریحہ کے خلاف ہوتا ہے اور اگر نہیں کرتے تو ان حضرات کی مخالفت لازم آتی ہے۔

غرض تحفظ دین کا تقاضا تو یہی تھا کہ مشائخ اہل حق اپنے قول و فعل اور عمل ہر ہر طریقہ سے اس بات کو واضح فرماتے رہتے کہ مشائخ مستقل نہیں ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع اور پس رو ہیں انکی اتباع اسی حد تک لازم ہے جب تک کہ خود متبع سنت رہیں، خلاف شریعت امور میں انکی اتباع لازم نہیں۔ ضرورت تھی کہ اس

ہر ہر شیخ اپنی زبان سے کہتا لیکن اس میں کچھ کمی ضرور رہی اور مشائخ بھی چونکہ معصوم نہیں تھے اسلئے کسی کسی سے کوئی امر خلاف شرع بھی صادر ہو گیا ہے تو اس منزل پر مرید کو اتباع کے باب میں تو خلش رہتی ہی ہے خود شیخ کے متعلق بھی تردد ہو سکتا ہے کہ اسکو خلاف شرع امر کا مرتکب دیکھکر بھی اپنے قلب کو اسکے خلاف آنے والے وساوس سے کیونکر بچائے؟ نیز غیر مرید کے لئے یہیں سے انکار طریق کی راہ کھلتی ہے ان لوگوں کو کیونکر مطمئن کیا جائے؟

اسکے متعلق کہتا ہوں کہ چونکہ ان حضرات کا اہل حق میں سے ہونا دوسرے قرائن سے ثابت ہو چکا ہے اسلئے ان کے کسی قول و فعل کی وجہ سے ان حضرات کو ترک نہیں کیا جائیگا بلکہ ان کے اس قول یا فعل ہی کو چھوڑ دیا جائے گا، اور دیگر امور مشروع میں اب بھی انکا اتباع کیا جائیگا اور ان حضرات سے بدظن بھی نہ ہوں گے اور نہ انکی بدگوئی کریں گے بلکہ انکے معاملہ کو فیما بینہ و بین اللہ کر دیں گے کہ وہ جانیں اور حق تعالیٰ جانے محض اس استنے کیوجہ سے انکا انکار کر دینا یا طریق ہی کا منکر ہو جانا "افراط" ہوگا جس طرح سے خلاف نصوص امور میں بھی انکی اتباع کو ضروری سمجھنا یہ "تفریط" ہے۔ اور ناجائز دونوں ہی چیزیں ہیں کیونکہ ان مقامات پر بھی اتباع کرنا عظمت شرع سے بے خبری کی دلیل اور فرع کی اصل پر ترجیح ہے اور اسکی وجہ سے طریق ہی کا منکر ہو جانا کور باطنی ہے۔ اسلئے کہ یہ سلسلہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا سلسلہ ہے کہ حضرات مشائخ آپ کے معجزات اور باطنی کمالات کا نمونہ اور آپ کے روحانی ترجمان ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور اور نسبت کے حامل ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی فرماتے ہیں:۔

"نسبتہائے صوفیا غنیمتے است کبریٰ" — حضرات صوفیاء کرام کے یہاں "نسبت" جو شے ہے وہ بلاشک ایک غنیمت کبریٰ یعنی دولت بے بہا ہے۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینہ درویشاں باید جست" — پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور باطن (نسبت) کو درویشوں کے سینے سے طلب کرنا چاہیئے اور اس

(در سینۂ خود را روشن باید کرد) نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہیئے۔

ہی وہ دولت ہے جس کے متعلق ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین دنیا کو ہماری
س دولت کا علم ہو جائے تو اسکو چھیننے کے لئے ہم پر فوج کشی کریں۔

بہرحال ہم اپنے باطن کی اصلاح کے لئے یقیناً حضرات صوفیاء کے محتاج ہیں
و. بیشک دین کا ایک بڑا حصہ ہم کو انھیں حضرات سے ملا ہے بایں ہمہ انکی اتباع کا
مطلب نہیں کہ اگر وہ کوئی کام خلاف شرع بھی کر گذریں تو ہم بھی اسکو کئے جائیں ایسا نہیں
ہے بلکہ اتباع تو شریعت ہی کی کیجائیگی کیونکہ یہ حضرات مشائخ نبی نہیں ہیں اور نہ
معصوم ہیں پس ان سے غلطی کیا اگر خدا نے مقدر ہی کر دیا ہے تو گناہ تک ہو سکتا ہے
لا طاعۃ لمخلوقٍ فی معصیۃ الخالق (مخلوق کی طاعت ان امور میں کیجائیگی جنکے ارتکاب میں خالق کی
معصیت ہوتی ہو) لہٰذا ان امور میں نہ اتباع جائز اور نہ انکا اتباع پر مجبور کرنا جائز ہے۔ بلکہ اس
خلاف شرع چیز کو خود ان کے لئے بھی کرنا جائز نہیں اور نہ ان کا اسکو زبان پر لانا جائز
یں نے یہ جو کہا کہ مشائخ معصوم نہیں ہیں تو اسکے متعلق دیکھئے کہ خود علمائے باطن کیا
یا فرماتے ہیں صاحب رسالۂ قشیریہ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

ولا ینبغی للمرید ان یعتقد	مرید کیلئے جائز نہیں کہ وہ مشائخ کے لئے عصمت کا اعتقاد رکھے
فی المشائخ العصمۃ وان کانوا	اگرچہ یہ لوگ (بحمد اللہ معصوم نہ ہو کر بھی) محفوظ ہوتے ہیں
محفوظین لان ذلک یخالف	اسلئے کہ اعتقاد عصمت ایک تو خلاف واقعہ ہوگا اور اسلئے
الواقع ولانہ یؤدی الی نفرتہ	بھی منع ہے کہ ان حضرات سے نفرت کا سبب اور انکے عدم انتفاع
و عدم انتفاعہ بھم اذا صدر	کا ذریعہ ہو جائیگا جبکہ ان سے کوئی معصیت کا صدور ہوگا اور مرید
منھم ذنب	ضیق میں پڑ جائے گا)۔
والفرق بین العصمۃ والحفظ	اور عصمت میں اور حفظ میں فرق یہ ہے کہ عصمت کی وجہ سے
ان العصمۃ تمنع من جواز	تو معصیت ہو ہی نہیں سکتی اور حفاظت کی وجہ سے اکثر احوال میں
وقوع الذنب والحفظ لا یمتنع	وہ بچا تو رہتا ہے مگر گناہ کا صدور بھی ممکن رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ
منہ ولان اللہ تعالیٰ یحفظ من	ہی جسے چاہتے ہیں بچائے رکھتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں اس سے

وبترك عصمتهم لان الاولياء لايقدح ضررهم فى قواعد الدين بخلاف الانبياء فان المعجزات دَلّت على عصمتهم فيما يخبرون به عن الله تعالىٰ و فيما يفعلونه بياناً للتكليف فعلم انه ليس للمريد ان يعتقد العصمة فى المشائخ۔

حفاظت اٹھا لیتے ہیں اللہ اولیاء کے لئے معصوم ہونا لازم یوں نہیں کہ انکی زلات امور دین پر اثر انداز نہیں ہوا کرتیں بخلاف حضرات انبیاء علیہم السلام کے کہ انکے معجزات دلالت کرتے ہیں کہ وہ جن باتوں کی خبر دے رہے ہیں وہ صحیح ہیں اور خدا کی طرف سے ہیں اور ان کے افعال حق ہیں (لہٰذا اگر ان حضرات سے لغزش ہو جائے تو اتباع مشتبہ ہو کر دین ہی میں رخنہ پڑ جائے لہٰذا ان کا معصوم ہونا ضروری ہے نہ کہ اولیاء کا) پس معلوم ہوا کہ مرید کا مشائخ کو معصوم جاننا صحیح نہیں۔

(حاشیہ رسالہ قشیریہ ص ۲۰۱)

دیکھئے اس میں تصریح فرما رہے ہیں کہ مشائخ میں عصمت کا اعتقاد جائز نہیں ہے معصوم انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں۔ اولیا محفوظ تو ہوتے ہیں معصوم نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اور ولی میں یہی فرق فرمایا ہے، اسلئے کہ نبی صاحب شریعت ہوتا ہے اس سے اگر معصیت کا صدور ہوگا تو اسکا اعتماد ہی اٹھ جائے گا اور اس کے ہر امر میں یہ شبہ ہونے لگے گا کہ معلوم نہیں یہ عمل صحیح ہے یا غلط اسلئے اللہ تعالیٰ انکو معصوم فرما دیتے ہیں بخلاف ولی کے کہ وہ خود صاحب شریعت نہیں ہوتا بلکہ کسی نبی صاحب شریعت کا پیرو ہوتا ہے پس اسکے معاصی کی نسبت شرع کیجانب نہیں کیجائے گی بلکہ خود اسی کی جانب کیجائیگی ـــــ پس جب معصوم نہ ہونے کی وجہ سے ولی سے معصیت تک کا صدور بھی ہو سکتا ہے تو پھر اب کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسکو معصوم قرار دے اسلئے کہ اسمیں ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ خلاف واقعہ ہے اور دوسرا نقص یہ ہے کہ بوقت صدور معصیت اس سے نفرت پیدا ہو جائیگی جس کی وجہ سے ہدایت کا سد باب ہی ہو جائے گا کیونکہ اب کوئی نبی آنیوالا نہیں یہی حضرات نائب رسول ہیں جو کہ معصوم نہیں ہیں پس اگر انکی لغزش کی بناء پر لوگ ان سے متنفر ہو جائیں گے تو پھر انکے ہدایت یاب ہونے کی کیا صورت ہوگی؟

اسلئے اسلم طریق مرید و سالک کے لئے اس باب میں یہی ہے کہ وہ ابتداءً اپنا متبوع در ہبر بنائے تو یہ دیکھ لے کہ وہ متبع شریعت ہے یا نہیں قرائن وحالات سے جب اسکا متبع شریعت ہونا معلوم ہو جائے تو پھر اسکے ہاتھ میں ہاتھ دیدے اور اب اسپنے اوپر اسکا اتباع لازم کرے بجز ان امور کے جو کہ صراحۃً نص کے خلاف ہوں کہ انمیں انکی اتباع تو نکرے لیکن یہ بھی نکرے کہ انکو ترک کردے بلکہ اس فعل کو انکیں کے لئے خاص رکھے اور یہ سمجھے کہ یہ بشر ہیں نبی نہیں ہیں ان سے غلطی ممکن ہے ہمیں انکا اتباع اس امر میں جائز نہیں رہا انکا معاملہ تو وہ فیما بینہ و بین اللہ ہے، ممکن ہے وہ توبہ کرلیں اور اللہ تعالےٰ انھیں معاف فرمادیں۔

میں کہتا ہوں کہ اسی عصمت کے مسئلہ نے اولیاء کی کمر توڑ دی ہے اسکی وجہ سے یہ حضرات لرزاں و ترساں ہی رہتے ہیں کہ معلوم نہیں تقدیر الٰہی ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہے۔ حضرت جنیدؒ سے کسی نے پوچھا ھل العارف یزنی ؟ (کیا عارف سے زنا کا صدور ہو سکتا ہے) لکھا ہے کہ انھوں نے اپنا سر جھکا لیا اور دیر تک جھکائے رکھا پھر بہت دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا وکان امر اللہ قدراً مقدوراً یعنی اللہ تعالےٰ نے اگر مقدر ہی کردیا ہو تو وہ ہو کر رہتا ہے، اس مسئلہ نے انکا ناز ختم کردیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مشائخ جب معصوم نہیں ہیں تو کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ انکو ہر امر اور ہر حال میں معصوم سمجھے اسی لئے اہل اللہ کہتے آئے ہیں کہ مشائخ بھی شریعت کا اتباع کریں اور مریدین سے بھی اتباع کرائیں اور غلطی پر اسکا اظہار کردیں تاکہ تلبیس نہو اور غلوسے محفوظ رہیں۔ پس مشائخ میں کسی طرح استقلال نہیں ہے، یہ خود ہی تابع ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور دوسروں کو بھی تابع بننے کی ترغیب دینے والے ہیں اور یہی تبعیت انکے خلوص اور اخلاص کی دلیل ہے۔

نوٹ: مسودہ کی کاپی پر مضمون کی تصحیح فرماتے ہوئے مذکورہ بالا خط کشیدہ عبارت حضرت اقدسؒ نے بنفس نفیس اپنے قلم سے لکھا تھا اسلئے یہاں اسپر خط کشیدہ کرکے اسکی یادگو باقی رکھنا منظور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حضرت اقدسؒ کے ان علوم و معارف کی تعلیمات کا اجر خاص عطا فرمادے۔ جامی

(فرض کے نفل سے افضل ہونے کا مطلب)

فرمایا کہ ——— نفل کے سلسلہ میں شامی میں ہے کہ وضو کے آداب میں سے فقہاء نے اسکو بھی شمار فرمایا ہے کہ غیر معذور شخص کا نماز کا وقت آنے سے پہلے ہی وضو کر لینا۔ شارح لکھتے ہیں کہ یہ ان تین مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جو اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ فرض نفل سے افضل ہوتا ہے اسلئے کہ وضو قبل وقت کرنا مندوب و مستحب ہے اور بعد وقت کے (جبکہ نماز فرض ہو جائے) فرض ہو جاتا ہے (پس دیکھو نفل وضو فرض والے وضو سے گویا بڑھ گیا)۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی تنگ دست کو اسکا قرض معاف کر دینا یہ مندوب ہے اور افضل ہے اسکو مہلت دینے سے جو کہ واجب ہے۔ تیسرا مسئلہ ابتدار بالسّلام ہے کہ وہ بھی سنت ہے مگر افضل ہے جواب سلام سے جو کہ فرض ہے۔

اسکے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں کہ یہ جو کہا ہے "الفرض افضل من النفل" کے قاعدہ سے یہ تین مستثنیٰ ہیں اسپر میں کہتا ہوں کہ یہ استثنار فی الواقع جہت افضلیۃ کے اختلاف کی وجہ سے ہے (یعنی جو درجہ کہ فرض ہے اس میں کوئی اور شان ہے اور جو نفل ہے اس میں کچھ اور بات پائی جاتی ہے پس دونوں درجے حیثیت کی رو سے مختلف ہو گئے لہٰذا مقابلہ ہی کہاں رہا) تفصیل اسکی یہ ہے کہ نماز کا وضو چاہے وقت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو اس حیثیت سے کہ اس شخص نے امتثال امر حق کیا ہے اور اب اس سے اسکا فرض ادا ہو جائیگا دونوں وضو برابر ہیں۔ ہاں اول کو جو فضل حاصل ہے تو وہ تقدیم کیوجہ سے ہے اسی طرح سے تنگ دست کو مہلت دینا جو واجب ہے تاکہ اس سے مطالبہ کی وجہ سے حاصل شدہ تکلیف کو دور کر دیا جائے۔ اور اگر اسکو قرض معاف ہی کر دے تو اس میں بھی یہی ہے مزید کہ اس سے بالکلیہ دَین کو معاف ہی کر دیا گیا ہے۔ پس ابرار (معافی) میں دفع ایذار کے مطالبہ کے ساتھ ساتھ سقوط قرض مطلوبہ کی زیادتی ہے۔

اسی طرح سے افشار سلام سنت ہے تا اس سے باہم مسلمانوں میں محبت ومودت
قائم ہو اور اس کے جواب میں بھی یہ بات ہے لیکن جواب واجب اسلئے کیا گیا ہے کہ اسکے
ترک میں باہم عداوت اور بغض کا اندیشہ تھا اسلئے ابتدار بالسلام یوں افضل ہوا کہ اس
شخص نے مودت کی ابتدا کی پس فضیلت تقدم اسکو حاصل ہے (یعنی و الفضل
للمتقدم کا یہ مصداق ہوا)

لہٰذا ان مسائل ثلاثہ میں نفل کا فضل فرض پر فرضیت کے اعتبار سے نہیں ہے
بلکہ دوسری دوسری جہت سے ہے جیسے مسافر کا روزہ رکھنا رمضان میں کہ وہ مقیم کے
روزہ سے ظاہر ہے کہ اشق ہوتا ہے لہٰذا وہ افضل بھی ہے حالانکہ سنت ہی ہے۔ یا
نماز جمعہ کیلئے جامع جلدی جانا اذان کے بعد جانے سے افضل ہے حالانکہ سنت ہی
ہے اور بعد الاذان جانا فرض ہو جاتا ہے۔ یا جیسے کوئی شخص شدید پیاسا ہو کر یا بھوکا ہو کر
ایک گھونٹ پانی یا ایک لقمہ کھانے کی جانب مضطر ہو جائے اور تم اسکو اس سے زیادہ
دیدو تو بقدر اضطرار (یعنی جتنے میں اسکی جان بچ جائے) اسکو دینا تو واجب تھا باقی زائد
جو دیا وہ نفل ہوا مگر ثواب اسی کا (یعنی زیادہ دینے کا) زیادہ ہوگا اسلئے کہ نفع اسکا
بیشتر ہوگا، اگرچہ قدر ضرورۃ کے دینا بھی اس اعتبار سے افضل ہے کہ اس میں امتثال امر
حق تعالیٰ ہے۔ اسی طرح سے جس شخص کے ذمہ کسی کا ایک درہم حق واجب ہو اور وہ اسکو
دو درہم دیدے یا اس پر ایک قربانی واجب ہو اور وہ دو بکری کر دے (تو یہاں بھی
اول درجہ واجب اور ثانی مندوب ہے اور افضل یہی ثانی ہے)۔ اور اسطور پر تو اس
قسم کے مسائل تین سے بہت زیادہ بڑھ جائیں گے بلکہ ہر وہ مقام اسکا مصداق ہو جائے گا
جہاں نفل اس نوع کا ہو کہ واجب بھی اس کے ذیل میں ادا ہو جائے اور نفلی شق میں
کچھ اس پر زیادتی بھی ہو جائے۔ لیکن اسکا نام نفل جو ہوا تو اسی زیادتی کی وجہ سے ورنہ
اس حیثیت سے کہ یہ واجب کو بھی شامل ہے یہ بھی گویا واجب ہی ہے اور ثواب اسکا
اسلئے زائد ہے کہ اسمیں قدر سے زیادتی ہے۔ پس اسوقت وہ اصول نہ ٹوٹے گا جو بخاری
شریف کی ایک صحیح حدیث سے ماخوذ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

(حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) نہیں تقرب حاصل کیا میری جانب میرے بندے نے کسی ایسی چیز سے جو میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہو جسے میں نے اس پر فرض کیا ہے (مطلب یہ کہ قرب اور زیادتی کا جو ذریعہ فرائض میں ہے وہ کسی اور میں نہیں ہے) ۔ یا جو صحیح ابن خزیمہ میں حدیث آئی ہے کہ :- واجب کا درجہ نفل سے ستر گنا زیادہ ہے (اس پر بھی کوئی اشکال نہیں رہ جاتا) اگرچہ شرح تحریر میں اس پر اشکال کیا گیا ہے ۔

پس تم ہماری اس تحریر کو غنیمت جانو اور اسکی قدر کرو کیونکہ یہ ایک الہامی تحریر ہے اور فتاح علیم کی جانب سے اسکا افاضہ ہوا ہے ۔ پھر اسکے بعد میں نے بعض محققین شافعیہ کو بھی دیکھا کہ انھوں نے بھی اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور وہی بیان کیا ہے جو احقر نے لکھا ہے ۔ فللہ الحمد ۔

(نقل از بیاض حضرت والا ص۱۲۰ ج ۲)

ایک ملفوظ

(خواجہ حافظ شیرازیؒ کے ایک شعر کا مطلب)

فرمایا کہ ———— حافظ شیرازیؒ کا مشہور شعر ہے کہ ؎

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید　　　کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

اسکا مطلب عام طور سے تو بیان یہ کیا جاتا ہے کہ شراب سے مصلیٰ کو تر کر دو اگر پیر مغاں اسکا حکم دے کیونکہ سالک منزل کے نشیب و فراز سے واقف ہوتا ہے اسکی مصلحت وہی خوب سمجھتا ہے تو گو بظاہر ایک امر منکر معلوم ہوتا ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ حقیقت میں نہ ہو، اور اسکی توضیح میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا وہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک طالبعلم کو طوائف کے یہاں جانیکا حکم فرمایا جو فی الواقعہ اسکی بیوی تھی حوادث زمانہ نے دونوں کو جدا کر دیا تھا مگر اسکو علم نہ تھا ۔

لیکن محققین کے نزدیک اس شعر کا یہ مطلب نہیں ہے، حضرت حافظ چونکہ ایک عارف باللہ صوفی گذرے ہیں اسلئے یہ حضرات بھی انکے کلام کو ایسے معانی پر محمول فرماتے ہیں جو قائل کے شایان شان ہو

چنانچہ محققین فرماتے ہیں کہ یہاں مے سے مراد شراب محبت الٰہی ہے اور سجادہ سے مراد قلب ہے کیونکہ سجادہ کے معنی مصلے کے ہیں جو مکان عبادت ہے پس یہاں مراد قلب لیں گے جو محل عبادت ہے تواب اسکا مطلب یہ ہوا کہ اے زاہد خشک! اگر کوئی شیخ کامل تجھ سے کہہ رہا ہے کہ صرف عبادت سے کام نہ چلے گا، اگر خدا تعالیٰ تک پہنچنا چاہتے ہو تو دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی پیدا کرو، تو اسکی بات مانو کیونکہ وہ طریق سے واقف ہے بلکہ اس راہ سے گذر چکا ہے اسلئے وہ سمجھتا ہے کہ میں محبت ہی سے خدا تک پہونچا ہوں اسی لئے تم سے بھی کہہ رہا ہوں چنانچہ اسی معنی کو حافظؒ نے اپنے ایک اور شعر میں یوں ادا کیا ہے

شراب لعل کش و روئے مہ جبیناں بیں ۔۔۔ خلاف مذہب آناں جمال ایناں بیں

اس میں بھی شراب سے مراد شراب محبت الٰہی ہے اور روے مہ جبیناں سے تجلیات الٰہی سے مذہب آناں سے مراد علماء ظاہر کا طریق یعنی ظاہری عبادت نماز روزہ وغیرہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ سرخ شراب پیو یعنی محبت الٰہی سے اپنے قلب کو سرشار کرو اور پھر اسکے بعد حق تعالیٰ کی تجلیات کا جو قلب پر یوماً فیوماً ہونگی مشاہدہ کرو اور یہ علماء ظاہر اور زاہدان خشک چونکہ محبت سے خالی ہوتے ہیں اسلئے تجلیات کا مشاہدہ بھی انکو میسر نہیں لہٰذا تم انکے مذہب پر چلو ہی مت بلکہ راہ قلندری اختیار کرو یعنی راہ محبت کہ اسکی وجہ سے مشاہدہ جمال الٰہی بھی ہوگا اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ راہ وصول کا اقرب طریق بھی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ ؎

صنما رہِ قلندر سزد ار بمن نمائی ۔۔۔ کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

صنم سے مراد مرشد ہے، رہ قلندر سے مراد یہی طریق عشق و محبت ہے، رہ و رسم پارسائی سے نماز و روزہ کا رستہ ہے۔ گویا سالک اپنے شیخ سے یہ کہتا ہے کہ اے میرے مرشد اگر میرے مناسب حال ہو تو آپسے یہ درخواست ہے کہ مجھے قلندری کی راہ دکھلائیے یعنی مجھے خدا تک محبت کے راستہ سے لے چلئے کیونکہ عبادت کا راستہ یعنی نفل نماز روزہ وغیرہ کر کے خدا تک پہونچنا یہ دور کا راستہ ہے اور منزل اس طریق سے بہت دور ہو جاتی ہے اسلئے مجھے قریبی راستہ ہی سے راہ طے کرائیے جو کہ محبت کا راستہ ہے۔

اب محققین نے اس شعر کی جو تشریح فرمائی ہے اس پر غور فرمائیے کہ اس نے مضمون کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور اس معنی نے شعر کو کتنا لطیف اور عمدہ بنا دیا ہے۔

بقیہ مکتوب نمبر ۲۱۷

حال: کبھی بھی تو اللہ تعالیٰ کی عنایت متوجہ ہو جائے گی، اور مجھ تک بھی اللہ تعالیٰ کے انس و محبت و ایمان و اخلاص کا ایک جرعہ پہنچ جائے گا ؎

تحقیق اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دم فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود کہ عنایت با تو صاحب سر بود

(اس راہ میں تو بس ہر دم تراشں و خراشں ہی رہا کرتی ہے لہٰذا آخر وقت تک بھی انسان کو غافل نہیں رہنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ آخر وقت ہوتے ہوتے کسی صاحب باطن کی عنایت تیرے حال پر ہو جائے۔)

حال: جو کہ دنیا و آخرت دونوں جہاں میں فلاح و نجات کا ذریعہ بنے۔ تحقیق: اور کیا

حال: حضرت والا اپنے اندر کوئی ایسی چیز نہیں جس سے حضرت کو خوش اور مطمئن کرسکوں ہاں البتہ چار چھ مہینہ سے یا زائد سے اپنی ٹوٹی پھوٹی نماز کی کیفیت کچھ بدلی ہوئی پاتا ہوں، ایک قسم کی لذت اور ایک انس کی سی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔

تحقیق: یہ کیا کم ہے؟

حال: آیات قرآنیہ اور دعاء وغیرہ کو سنبھال کر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم اور حضرت والا کی توجہ خاص کا اثر سمجھتا ہوں۔

تحقیق: ہاں ہاں ایسا ہی ہے۔

حال: اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ تحقیق: آمین

حال: حضرت والا کی دعاؤں سے معمولات پر مداومت ہے اور الحمد للہ معمولات سے ایک قسم کا تعلق اور لگاؤ پاتا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اللہ تعالیٰ اپنے اسماء پاک کے وسیلہ سے اور حضرت والا کی جوتیوں کے صدقہ میں اپنی ذات پاک میں محبت تامہ عطا فرمادے جو کہ تمام رذائل کا قلع قمع

کردے۔ تحقیق: آمین آمین۔

حال: اور مرضیات خداوندی پر تازیست عمل کرنا آسان ہو جائے۔ تحقیق: آمین

حال: حضرت والا سے فلاح و بہبودی کی دعا کی درخواست ہے۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۲۱۸)

حال: دیگر ضروری امر یہ ہے کہ آج ہم لوگ تو اچھی اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں لیکن جب خود عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو ایسے بن جاتے ہیں جیسے یہ بات ہمیں معلوم ہی نہیں۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ ہم جس طرح لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں تو عامل بھی بن جائیں، قول کے ساتھ عمل بھی ہو جائے۔

تحقیق: حضرت سیدنا رفاعیؒ علماء کو نصیحت فرماتے ہیں کہ بزرگو تمہارے اندر بعض فقہاء و علماء بھی ہیں تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو (مفتی بنکر) احکام بھی بتلاتے ہو، خبردار! چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ وہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے۔ اسی طرح تمہارا یہ حال بھی نہ ہونا چاہیئے کہ تم اپنے منھ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مواخذہ کیا جائے، أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ (کیا تم دوسرے لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو نیکی سے بھلائے دیتے ہو) اسکو بار بار پڑھو فائدہ ہوگا۔ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور صحت عطا ہو۔

(مکتوب نمبر ۲۱۹)

حال: تسبیحات وغیرہ کی پابندی کر رہا ہوں، نیت خالص رکھنے کی برابر کوشش

کرتا ہوں مگر پھر بھی جبراً خیالات فاسدہ قلب کے اندر آہی جاتے ہیں، اتنا فرق ضرور ہوا کہ محرمات کی جانب سے قلب میں کافی سختی محسوس کر رہا ہوں حضرت والا کی خصوصی دعاء اور خصوصی توجہ کا محتاج ہوں۔

تحقیق: خط وصول ہوا حالات معلوم ہوئے تسبیحات وغیرہ کی پابندی کے ساتھ ساتھ محرمات کیجانب سے قلب میں کافی سختی محسوس کرنا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے بہت بڑا فائدہ اور عین طریق ہے۔ آگے ترقی اسی پر موقوف ہے۔ فتح باب الغیب موقوف علی عمل الطاعات و ترک الموانعات و تصفیۃ القلب عن الاخلاق الذمیمہ (یعنی باب غیب کا کھلنا موقوف ہے طاعات پر عمل کرنے منہیات سے بچنے اور قلب کو اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف کرنے پر۔ (ترصیع الجواہر) رہا خیالات فاسدہ کا آنا جانا تو یہ تو ہوتا ہی ہے، اسکی طرف التفات نہ کرنا اسکا علاج ہے دل سے دعار کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۲۲۰)

حال: حضرت مولانا وصی اللہ صاحب مدظلہ العالی سے جاکر سلام کہنا اور کہنا کہ خط کا منتظر ہوں اور یہ ضرور کہنا کہ خصوصی دعار یہ چاہتا ہوں کہ "قطب عالم" اللہ تعالیٰ بنا دے۔ اہل دنیا آپ سے دعار کراتے ہیں کہ ڈپٹی کلکٹر ہو جائیں اور وزیر کبیر بن جائیں لیکن فقیر "قطب عالم" کی آس لگائے بیٹھا ہے دعار فرمائیں کہ مراد کو پہنچوں۔ مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھکر دعار فرمادیں قبول کرنا وحدت بھری شان کے ہاتھ ہے۔ مجھے ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو رد نہ فرمائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام۔ گنگوہ تشریف لانے کے ارادہ سے مطلع فرمائیے گا ـــ (تنہائی مل جائے تب یہ بات عرض کرنا بالکل اسی طرح کہنا یا سنا دینا)

راقم عرض کرتا ہے کہ مضمون خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ گنگوہ شریف کے پیرزادوں

میں سے ہیں صاحب سجادہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے بعد اب منصب کو خالی دیکھکر اسکے پر کرنے کی خواہش ہوئی چنانچہ حضرت اقدسؒ کو اسی کے ۔ دعاء فرمانے کو کسی سے کہلایا، عمر میں بھی بڑے ہی معلوم ہوتے ہیں اور سلسلہ بہرحال بزرگوں کا ہے ہی، اب حضرت مصلح الامۃ کا ادب و لحاظ اور انکو رسم سے حقیقت کی جانب متوجہ کرنا حضرت والا کے جواب میں ملاحظہ فرمایئے اور جواب عـ اسلوب الحکیم کا ایک عمدہ نمونہ دیکھئے)

تحقیق : عنایت فرمائے بندہ دام عنایتہ ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

آپ کا خط ملا، گنگوہ حاضری کا ابھی تو کوئی ارادہ نہیں کیا ہے اور اگر حاضر ہوا تو کسی کے یہاں ٹھہر جاؤنگا خانقاہ تو آپ لوگوں کے لئے ہے ہم لوگوں کہاں یہ حیثیت کہ وہاں قیام کی جرأت کرسکیں ۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ یہ د چاہتا ہوں کہ "اللہ تعالیٰ قطب عالم بنا دے" تو اس کے متع یہی عرض کرسکتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع ؛ میں بھی یہ دعاء مانگتا ہوں اور آپ سے بھی کہتا ہوں کہ انکا ورد رکھیئے، اپنا بندگی ہے اور اسکی توفیق اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا، اب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے کو جو چاہیں عطا فرمادیں (قطب بنادیں، غوث بنادیں) یہ انکا اور انکی نوازش ہے ۔ حدیث شریف کی دعائیں کسی قدر توضیح کے ساتھ درج کاغذ پر درج ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا فرما رہے ہیں کہ اھدنی لصالح الاعمال انہ لایھدی لصالحھا ولایصرف سیئھا الا انت (آے مجھے ہدایت عطا فرما صالح اعمال کی بلاشبہ صالح اعمال کی جانب ہدایت اعمال سوء سے بچانا آپ ہی کا کام ہے) ۔ دیکھئے باوجودیکہ آپ اولوا العزم پیغمبر ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں، آپکی عبادت، آپ کے اعمال صالحہ آپ کے اخلاق اور پھر اس میں آپ کی حسن نیت آپ کا ارادہ اور آپ

صدق عزم ان سب چیزوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اسکے باوجود آپ حق تعالیٰ ہی سے ہدایت طلب فرمارہے ہیں اعمال و اخلاق حسنہ کی اور برے اعمال اور برے اخلاق سے فرق (یعنی ہٹنے اور بچنے کی بھی اُدھر ہی سے مانگا۔ یہی اصل ہے اس راستہ کی کہ بندہ تفرع و زاری اور الحاح کو اپنی خو بنالے پھر اس کے بعد اُدھر سے جب ہدایت، توفیق، حسن نیت، قوت عبادت اور طاقت اجتناب معاصی یہ سب امور عطا ہوتے ہیں تب ہی اسکا کام بنتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اسی طرح سے سوال فرمایا ہے تو اب یہ طریقہ مسنون ہوگیا ہے۔ لہٰذا اب سالکین راہ کے لئے بھی ضروری ہوگیا کہ وہ بھی اگر کسی عمل صالح کو کرنا چاہتے ہیں یا کسی سیئہ سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ بھی یہی طریقہ اختیار کریں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو اپنا وظیفہ بنالیں اور اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق طلب کریں۔

اسی طرح سے ایک اور دعا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اللّٰھم انی استلک التوفیق لمحابک من الاعمال و صدق التوکل علیک و حسن الظن بک (اے اللہ میں آپ سے آپ کے پسندیدہ اعمال کا سوال کرتا ہوں اور آپ پر سچا توکل اور آپ کے ساتھ صحیح حسن ظن کا بھی سوال کرتا ہوں) صدقِ توکل اور حسن ظن کی دعا آپؐ اللہ تعالیٰ ہی سے فرمارہے ہیں۔

ان ادعیہ میں غور فرمایئے اور انکا خصوصی ورد رکھئے۔ والسلام۔

وصی اللہ عفی عنہ

(ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ نے ان صوفی صاحب کو جو سلوک میں اڑے چلے جارہے تھے کس ادب اور خوبصورتی کے ساتھ سنت و شریعت کا راستہ دکھایا اور انکو رسم کی جانب سے حقیقت کی جانب رہنمائی فرمائی، حضرت مصلح الامت کا تصوف بس یہی تھا کہ آدمی شریعت کی لگام پہن لے اور سنن نبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کرنے میں دل وجان سے لگے)

(مکتوب نمبر ۲۲۱)

حال: حضرت والا کو عریضہ بھیجنے میں تاخیر ہوگئی نفس نے کبھی کسی مشغولی کا عذر لیا کبھی طبیعت کی خرابی کا، آج طے ہی کر لیا ہے کہ خواہ کچھ بات ہو لکھنا ہوگا، عمل کی کوتاہی اور اخلاص کی کمی بھی خط نہ لکھنے کا موجب نکلا۔ اللہ تعالیٰ سب کمیوں کو دور کر دیں۔ تحقیق: آمین

حال: (۱) الحمد للہ معرفت حق ماہ محرم کی یہ عبارت خادم کے لئے تازیانۂ عمل بنی "تم درس بھی دے رہے ہو فتوی بھی دے رہے ہو سب کچھ کر رہے ہو مگر ایسا مت کرنا کہ لوگ تو تمہیں سے سیکھ سیکھ کر کامل ہو جائیں اور تمہارے پاس خالی الفاظ ہی رہ جائیں"

اس عبارت کو اپنے حسب حال دیکھا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں احساس شرمندگی اور قصور عمل قوی ہوا، اللہ تعالیٰ اس احساس سے خوب فائدہ عنایت کریں۔

(۲) آگے حضرت کا ارشاد ہے:-

"حلاوتِ ایمان اور عملِ اصلاح دوسروں میں تو ہو جائے اور ہم میں نہ ہوا تأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم" — الحمد للہ حضرت کی مجلس سے حلاوتِ ایمان لیکر آتا ہوں، عمل و صلاح کی توفیق بھی ساتھ ساتھ لاتا ہوں۔ کچھ دنوں میں غفلت غالب آجاتی ہے اور حلاوت کو مفقود کر جاتی ہے اور عمل و صلاح و اخلاص، خشوع و خضوع بھی کم ہوتے ہوتے بدرجہ نہ ہونے کے ہو جاتا ہے — اللہ تعالیٰ غفلت کے مرض سے پناہ دیں۔ تحقیق: آمین

حال: آگے حضرت نے فرمایا ہے:-

"سنیئے ان لوگوں کی برکت سے ذکر وغیرہ جو حاصل ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے انکی مجلس میں تھوڑی دیر بیٹھکر جو اٹھتا ہوگا کیا کچھ لیکر اٹھتا ہوگا"

وہ مجلس حضرت ہی کی مجلس ہے، سیدنا عبد القادرؒ کی مجلس کو دیکھتا ہو

تو حضرت کی مجلس میں بیٹھکر دیکھے اور محسوس کرے کہ ایک ہی مجلس میں بیٹھکر جی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے کو فنا کر دے۔ مگر افسوس یہ حال اب تک درجہ رسوخ کو نہ پہونچا عمر گذر گئی۔ ع مزاج تو از حال طفلی نہ رفت۔ حضرت دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق و محبت اور نسبت و عشق ہو جائے۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: اور اللہ کے رسولؐ کی نسبت کا اتباع میرا ۲۴ گھنٹے کا معمول و اصول زندگی بنجائے اور مقام فنا عطا ہو۔ تحقیق: آمین، آمین۔

حال: طے کیا ہے کہ اب سے ہر دو گھنٹے کے بعد متوجہ ہو کر ذکر لا الہ الا اللہ، انشاء اللہ کرونگا اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور ارادہ کو مستقل عمل کر دیں، حضرت دعا کر دیں۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: صبح و شام کے اذکار ازالۂ غفلت کے لئے ناکافی پاتا ہوں، دعا و توجہ کا از بس محتاج ہوں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: دریوزہ گر اخلاص و صدق عمل و اتباع سنت نبوی کا خاص طور سے بھکاری ہوں۔

تحقیق: ایک خط گیا ہے امید ہے کہ آپ کو مل گیا ہوگا۔

(مکتوب نمبر ۲۲۲)

حال: امید ہے کہ حضرت والا کے مزاج اقدس بخیر ہونگے۔ الحمد للہ حضرت والا کی صحبت میں احقر کا چند یوم کا قیام بیحد نافع ہوا۔ جب احقر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا خود بخود زبان پر استغفار جاری ہوگیا۔ اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ کی طرف خاص توجہ ہوگئی، توبہ و استغفار کرتا رہا، اب بھی کرتا ہوں، انشاء اللہ تعالیٰ تادم آخر کرتا رہونگا۔

الحمد للہ آخر شب میں الحاح وزاری سے عافیت و مغفرت اور رزق کی دعا برابر معمول ہوگئی، فضول گوئی سے احتراز شروع ہوگیا، تلاوتِ کلامِ پاک حتی الوسع استحضار و عظمت الٰہی اور قلب کی شرکت کے ساتھ ہو رہی ہے۔

الحمدللہ ہر نماز کے بعد الحاح وزاری سے دعا کر رہا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادعیہ کے ساتھ خاص تعلق ہوگیا ہے۔ خاصکر وہ دعائیں جو حضرت والا کی زبان مبارک سے سنیں وہ الحمدللہ حفظ ہوگئیں، حق تعالیٰ سے ان دعاؤں کے مانگتے وقت عجیب کیفیت اور سکون محسوس ہوتا ہے ۔ الحمدللہ تھوڑی تھوڑی حفظ کر رہا ہوں ۔ نماز میں خشوع وخضوع تام رکھنے کی طرف فکر پیدا ہوگئی ہے۔ واپسی سفر میں بھی الحمدللہ معمولات پورے ادا ہوئے۔

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور حضرت والا کی خصوصی توجہ کا ثمرہ ہیں، احقر تو یہی سمجھتا ہے اور حضرت والا سے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا اور تمام صالح امور کی بقا و ترقی عطا فرمادے، اور عافیت صحت و عافیت عبادت اور عافیت رزق سے سرفراز فرمائے۔

ایک بات احقر کے ذہن میں آئی ہے حضرت والا کی خدمت میں پیش ہے تاکہ صحت ہوجائے، طریق میں شیخ کامل ومکمل سے صحیح تعلق ہوجائے تو لیس یہی اللہ ورسول سے صحیح تعلق ہے شیخ کامل ومکمل سے صحیح تعلق کے معنی یہ ہیں کہ اسکی باتوں کو غور سے پوری توجہ کے ساتھ سنے اور بس اسی وقت سے عمل کی نیت کرکے عمل کرنا شروع کردے چونکہ شیخ کامل ومکمل کتاب وسنت کی روشنی میں کلام فرماتے ہیں اسلئے شیخ کامل ومکمل کی باتوں کو غور سے سننا اور سمجھنا اور عمل کی نیت کرنا خود مستقل عمل صالحہ ہے پھر اس پر عمل کرنا اور عمل پر دوام رکھنا اور ان اعمال کے ہونے کو محض اللہ تعالےٰ کا فضل سمجھنا نورٌ علیٰ نور ہے۔

اپنے اس مندرجہ بالا خیال کے پیش نظر احقر اپنے شیخ کامل ومکمل یعنی حضرت والا کے ساتھ اپنے تعلق کو اللہ ورسول سے صحیح تعلق خیال کرتا ہے۔ خصوصی دعا اور توجہ باطنی سے اس دورافتادہ کو حضرت والا نوازیں۔

ح: آپ کے حالات سے مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ اسمیں ترقی اور دوام عطا فرمادیں، تمام مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔

الٰہ آباد ہی کے زمانۂ قیام میں حضرت کی آمد و رفت بمبئی شروع ہوئی جس کا ظاہری سبب تو یہ تھا کہ حضرت کو بعض ایسے امراض لاحق ہوگئے جن کی وجہ سے زیادہ گرمی بھی سخت مضر اور زیادہ سردی بھی سخت خطرناک اور چونکہ بمبئی میں نہ زیادہ سردی ہوتی ہے نہ زیادہ گرمی اسلئے حضرت کے معالج اطبار نے مشورہ دیا کہ سخت سردی اور گرمی کے موسم میں حضرت کا قیام بمبئی رہا کرے چنانچہ کئی کئی مہینے حضرت کا قیام بمبئی میں رہنے لگا ـــــــ پھر اللہ تعالیٰ نے بمبئی میں حضرت کے اس قیام کو وہاں کے لوگوں کے لئے رحمت اور رشد و ہدایت کا ایسا وسیلہ بنا دیا کہ جس کے ظہور کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمبئی میں نور ہدایت پھیلنے کے لئے ایک غیبی انتظام تھا ـــــــ شاید ہی اللہ کے کسی بندے سے اہل بمبئی کو اتنے وسیع پیمانے پر اس طرح کا دینی فائدہ کبھی پہونچا ہو ـــــــ اللہ تعالیٰ نے وہاں کے تاجروں اور دوسرے اونچے طبقوں میں حضرت کے سیکڑوں عشاق پیدا کر دیئے جو دنیا دار تھے وہ اللہ والے بن گئے اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّہٗ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ پھر زندگی کے آخری سال ۱۹۶۷ء میں تو آپ کا قیام الٰہ آباد میں کم اور بمبئی ہی میں زیادہ رہا اس عاجز کو اس آخری دور اور آخری سال میں دو دفعہ بمبئی میں حضرت کی خدمت میں کسی قدر طویل قیام بھی نصیب ہوا۔ پہلی بار فروری میں حضرت کی خدمت میں قیام ہی کی نیت سے بمبئی کا مستقل سفر کیا اور دو ہفتے تک حضرتؒ ہی کا مہمان رہ کر بے انتہا عنایتوں اور شفقتوں سے متمتع ہوتا رہا، پھر اسکے قریباً ۶ مہینے کے بعد مارشش اور حجازِ مقدس جانے کے لئے میں ستمبر میں بمبئی پہونچا، اندازہ یہ تھا کہ ہوائی سفر کے قانونی مراحل ایک دو دن میں طے ہو جائینگے اور میں انشاء اللہ اپنے پروگرام کے مطابق روانہ ہو جاؤنگا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ کچھ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے مجھے ایک ہفتہ سے بھی زیادہ بمبئی میں قیام کرنا پڑ گیا ان دنوں میں بھی میں زیادہ تر حضرت ہی کی خدمت میں اور آپ کا مہمان رہا ـــــــ بعد میں معلوم ہوا کہ قانونی رکاوٹوں کیوجہ سے میرا بمبئی میں جبری قیام میرے حق میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے بڑی رحمت اور بڑی خیر و برکت کا اور اس سفر کے لئے حضرت کی صحبت و ہدایات سے بہترین زاد راہ حاصل کر لینے کا ایک وسیلہ تھا۔

اپنے اس سفر سے پہلے ہی یہ بات معلوم تھی کہ حضرت مولانا کا ارادہ اس سال اپنے خاص رفقاء اور اعزہ کے ساتھ سفر حج کا ہے اور یہ بھی کہ غالباً رمضان مبارک سے پہلے ہی تشریف لیجائیں گے یہ عاجز اپنے پروگرام کے مطابق پہلے ماریشش اور ری یونین گیا اور وہیں سے "رابطہ عالم اسلامی" کے اجلاس کی شرکت کے لئے مکہ معظمہ چلا گیا، اجلاس سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ حاضری ہوئی حجاز مقدس میں مجموعی طور پر تقریباً ایک مہینہ قیام کے بعد ۲۰ر نومبر کی صبح بمبئی واپسی ہوئی رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں بھی واپسی سفر میں ساتھ تھے، ہم دونوں اسی دن ۱۰ بجے حضرت کی خدمت میں زیارت اور دعا کی درخواست کے لئے حاضر ہوئے ——— آپ دو ہی دن کے بعد ۲۲ر نومبر کو سفر حج کے لئے مظفری جہاز سے روانہ ہونے والے تھے لیکن ہم دونوں کو ایک اہم ضرورت سے جلد سے جلد لکھنؤ پہنچنا ضروری تھا اسی لئے اگلے دن ۲۱ر نومبر کی صبح بمبئی سے دہلی جانے والے طیارہ میں غالباً جدہ ہی سے ریزرویشن کرالیا گیا تھا اس مجبوری سے ہمارے لئے دو دن بھی قیام کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے اسی ملاقات میں ہم دونوں حضرتؒ سے رخصتی مصافحہ اور دعا کی درخواست کر کے واپس آگئے ——— یہ عاجز حج سے متعلق اپنی دو کتابوں "آپ حج کیسے کریں؟" اور "آسان حج" کے چند نسخے حضرت کے قافلے کے لئے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے رات کو پھر حاضر خدمت ہوا، حضرت نے بڑی محبت کے ساتھ کتابیں قبول فرمائیں اس حاضری میں میں نے یہ بھی عرض کیا کہ اسکا امکان ہے کہ مجھے بھی اس سال حج میں شرکت کی سعادت نصیب ہو جائے اسکے لئے حضرت دعا بھی فرمادیں حضرت نے فرمایا میں دعا کرونگا کوشش کیجئے ضرور آئیے ——— وہم و وسوسہ بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ حضرت کی آخری زیارت اور آخری ملاقات ہے۔

یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا علی میاں اپنے پروگرام کے مطابق ۲۱ر نومبر کی صبح بمبئی سے روانہ ہو کر دہلی آگئے اور اگلے دن ۲۲ر کی صبح اپنے مستقر لکھنؤ پہونچ گئے ——— اسی دن حضرت اپنے قافلہ کے ساتھ مظفری سے حجاز مقدس کے لئے روانہ ہوگئے۔ تین ہی دن ہوئے تھے ۲۵ر نومبر کی شام کو بمبئی سے سیٹھ عبدالستار صاحب کا [illegible] موصول ہوا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ آج صبح مظفری جہاز میں [illegible]

عہ معلوم نہیں یہ غلط فہمی کہاں سے ہوئی حضرت والاؒ کا وصال ۱۱ بجے شب کو ہوا [illegible] - جاجی ۱۲

وصال ہوگیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) دو دن کے بعد ، ۲ رکو ہمارے ایک دوسرے مخلص حاجی محمد یعقوب کا ۵ ۲ ر نومبر ہی کو لکھا ہوا خط ملا جس میں یہ تفصیل تھی کہ ——— حضرتؒ کے رفقار کا مظفری جہاز سے بذریعہ وائرلیس دیا ہوا تار آج دن کے گیارہ بجے بمبئی پہنچا جس بتایا گیا ہے کہ آج صبح ۶ بجکر ۹ منٹ پر حضرت کا وصال ہوگیا اور جہاز کے کپتان کا کہنا ہے کہ جہاز کے قانون و دستور کے مطابق نماز جنازہ پڑھکر میت کو سمندر کے سپرد کردیا جائے اور ہم لوگ چاہتے ہیں کہ میت کو جدہ لیجائیں آپ لوگ مغل کمپنی سے کیپٹن کو تار دلوائیے کہ وہ جدہ تک لیجانے کی اجازت دے اور انتظام کرے ——— چنانچہ کوشش کی گئی اور مغل کمپنی نے جہاز کے کپتان کو تار کے ذریعہ اسکی ہدایت دے دی اور ایک تار سعودی عربیہ میں حکومت ہند کے سفیر مدحت کامل قدوائی کو بھی دے دیا گیا تاکہ وہ سعودی حکومت سے حضرت کی میت کو جدہ میں اتارنے اور مکہ معظمہ میں تدفین کی اجازت حاصل کرلیں — ——— کامل قدوائی صاحب اور حجاز مقدس کے مقیم حضرت علیہ الرحمہ کے خدام مولوی امجد اللہ صاحب گورکھپوری وغیرہ نے انتہائی جد و جہد کرکے سعودی حکومت سے یہ اجازت حاصل بھی کرلی لیکن اللہ کی مشیت کہ اس اجازت کی اطلاع مظفری کے کپتان کو نہ پہنچ سکی اسلئے جدہ کے ساحل کے قریب پہنچ کر اس نے حضرتؒ کے رفقار سے کہا کہ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ آپ لوگ نماز جنازہ پڑھ کے میت کو سمندر کے سپرد کردیں چنانچہ ایسا ہی کرنا پڑا ——— اور اب معلوم ہوا کہ تقدیر الٰہی میں یہی طے ہوچکا تھا کہ بیت اللہ کے راستہ میں جہاز میں حضرت کا انتقال ہو اور حجاز پاک ساحل آپ کا مدفن بنے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔

کچھ صفات و امتیازات

حضرتؒ کے احوال حیات اور صفات و امتیازات سے متعلق کچھ لکھنے کا حق دراصل انھیں حضرات کو ہے جنھیں حضرت کی خدمت میں طویل قیام اور استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی اس عاجز کی واقفیت کا طول و عرض تو بس وہی ہے جو اوپر کی سطروں میں لکھا گیا تاہم

جی چاہتا ہے کہ اس موقعہ پر چند سطروں میں اپنے بعض احساسات و تاثرات بھی عرض کروں

جلال و جمال

حضرت کی خدمت میں حاضری اور زیارت سے پہلے آپ کے بارہ میں جو کچھ سنا تھا اس سے یہ سمجھا تھا کہ بڑے صاحب "جلال بزرگ" ہیں پھر جب پہلی دفعہ (۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں) حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی ——— جسکا ذکر اوپر آچکا ہے ——— تو "جلال" کی وہ کیفیت تو نہیں تھی لیکن اسکا کچھ رنگ ضرور محسوس کیا تھا (اگرچہ میں ان لوگوں میں سے نہیں تھا اور نہیں ہوں جنکا احساس ان امور میں کچھ زیادہ قابل اعتبار ہو) لیکن گورکھپور اور الہ آباد کے زمانۂ قیام میں جب حاضری ہوئی تو عنایت و شفقت اور رحمت و رافت ہی کا رنگ غالب پایا اور گذشتہ دو تین سالوں میں تو جب حاضری ہوئی تو محسوس کیا کہ رگ و ریشہ پیار و محبت سے بھرپور ہے۔

قرآن مجید میں "بالمؤمنین روف رحیم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان فرمائی گئی ہے اسلئے اہل اللہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی خلفا اور نائبین ہوتے ہیں الوان کے اختلاف کے باوجود سب ہی اس صفت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس گنہگار کو اللہ تعالےٰ نے اپنے جن خاص بندوں کو دیکھنا نصیب فرمایا ان سب کو اس صفت سے بھرپور دیکھا لیکن حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر خاصکر حیات کے اس آخری دور میں اس صفت کا انتہائی غلبہ تھا جو بھی حضرت سے قریب ہوتا محسوس کرتا کہ رگ و ریشہ میں شفقت و عنایت بھری ہوئی ہے ——— جو طالب بنکر آنا چاہتے کہ اسکے اعمال و اخلاق کی پوری پوری اصلاح ہوجائے اور اسکو تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہوجائے اسی کے ساتھ بہت سوں کی دنیوی ضروریات کی بھی فکر فرماتے اور انکی تکلیفوں اور پریشانیوں سے سخت بے چین ہوتے۔

غیر معمولی تاثیر

اس کے اظہار میں ہرگز کوئی بے ادبی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ظاہری وجاہت

والی شکل وصورت بالکل نہیں عطا فرائی تھی، اسی طرح آپ صاحب زبان وبیان مقرر بھی نہیں تھے، آج کل کی اصطلاح کے مطابق صاحب قلم بھی نہیں تھے، اگرچہ مدت سے معمول تھا کہ روزانہ صبح ایک عام مجلس میں کچھ اصلاحی بیان فرماتے تھے، جسکا طریقہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ اگلے اکابر علمار محققین ومصلحین میں سے کسی کی کوئی کتاب ہاتھ میں لیکر اسکی کوئی عبارت پڑھتے اور اس پر کچھ فرماتے۔ کبھی ماثورہ دعاؤں میں سے کوئی دعا پڑھتے اور اسکے مضمون کی وضاحت فرماتے لیکن اس بیان کی زبان اور اسکا انداز اکثر وبیشتر اس قدر علمی ہوتا تھا اور اس میں دینی اور فنی اصطلاحات کا اسقدر استعمال ہوتا تھا کہ خاص مناسبت رکھنے والے اہل علم ہی سمجھ سکتے تھے، پھر آواز کبھی کبھی اتنی دھیمی ہوتی تھی کہ مائیکروفون سامنے ہونے کے باوجود بہت سے حاضرین مجلس نہیں جانتے تھے کہ کیا فرمایا لیکن تواتر کے طور پر لوگوں سے سنا اور خود بھی محسوس کیا کہ تاثر سے شاید کوئی بھی طالب خالی اور محروم نہیں رہتا تھا اور اثر بھی ایسا جو اکثر وبیشتر کایا پلٹ کردیتا تھا۔

وفات سے قریبًا دو ہی مہینے پہلے آخر ستمبر میں جب ایک ہفتہ کے قریب حضرت کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا تو ایک دن مجلس میں حضرت اپنی جگہ پر تشریف تو لے آئے لیکن دیر تک خاموش بیٹھے رہے مجھے وہ حدیث یاد آتی رہی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویل الصمت متواصل الاحزان یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک حال تھا کہ آپ بہت دیر تک خاموش رہتے اور محسوس ہوتا کہ مسلسل فکر وغم کی حالت میں ہیں۔ پھر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین مجلس کیطرف مخاطب ہو کے فرمایا کہ آپ لوگ یہ ضروری نہ سمجھیں کہ میں ضرور کچھ بیان کروں یہاں وہی لوگ آیا کریں جو بغیر کچھ سنے بیٹھنے میں بھی اپنا فائدہ سمجھیں۔

بہرحال حضرت کی مجلس اس حقیقت کی روشن دلیل تھی کہ دینی فائدہ کا زیادہ تعلق زبان وبیان سے نہیں بلکہ قلب سے ہے[1]۔ حضرت کی مجلس کے حاضرباشوں میں جو عظیم انقلاب

---

[1] امام عبدالوہاب شعرانی کا مشہور مقولہ ہے من لم ینفعہ سکوتنا لم ینفعہ کلامنا یعنی جسکو ہماری خاموشی سے فائدہ نہیں ہوگا اسکو ہماری باتوں سے بھی فائدہ نہیں ہوگا۔ ۱۲

ہر آنکھوں والا صرف ایک شہر بمبئی میں ہی دیکھ سکتا تھا۔

علمی رسوخ اور وسعت مطالعہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عام شہرت اگرچہ ایک شیخ طریقت اور صاحب ارشاد مصلح و مربی کی حیثیت سے ہے لیکن علم میں بھی اتنا رسوخ اور استحضار تھا اور مطالعہ اتنا وسیع اور عمیق تھا کہ اس دور کے اصحاب درس و مصنفین میں بھی اسکی مثالیں کم ہی ملیں گی۔

ایک نیا انداز اور جذب وسلوک کا امتزاج

مشائخ طریقت میں اکثر و بیشتر وہ ہوتے ہیں جن کا ارشاد و اصلاح کا سارا کام بالکل اپنے شیخ کے منوال و منہاج پر ہوتا ہے لیکن بعض ایسے شہباز بھی ہوتے ہیں جو شیخ کی کامل محبت اور متابعت کے باوجود ایک مستقل انداز اور طریقہ کے بانی دیکھے جاتے ہیں اسکی مثال میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خلفا میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خلفاء میں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کا نام لیا جا سکتا ہے اگر چھوٹے منہ سے کسی بڑی بات کے کہنے کا کوئی جواز ہو تو یہ عاجز حکیم الامتؒ حضرت تھانویؒ کے خلفا میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا نام بھی اسکی مثال میں لے سکتا ہے۔ حضرت ممدوح میں جذب وسلوک کا ایسا واضح امتزاج تھا جس نے ایک نرالے قسم کا بانکپن پیدا کر دیا تھا ؎

در دست نہ تیر ہست نہ در دست کماں است — ایں سادگی اوست کہ بسمل دو جہاں است

در مدرسہ از جنبش لعل تو حکایت — در میکدہ از مستی چشم تو نشاں است

(ترجمہ، سبحان اللہ اس ممدوح کا بھی کیا کہنا کہ اسکے ہاتھ میں نہ تیر ہے نہ کمان ہے مگر اسکی اس سادگی کے ساتھ تاہم یہ حال ہے کہ دونوں جہان اسکا بسمل ہو رہا ہے۔ اور اے میرے ممدوح تیری جنبش لب سے درسہ میں رونق اور چہل پہل ہے اور تیری آنکھ کی مستی کی وجہ سے میخانہ آباد ہے ـــــ اسکے ذریعہ مولانا نعمانی نے حضرت کے علم ظاہر اور علم باطن کی تعریف فرمانا چاہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اسکا کچھ حصہ عطا فرمائے۔۱۲ جامی)

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کا بیان "تحدیث نعمت" کا ختم ہوا اب آگے حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کے تاثرات "پرانے چراغ" سے نقل کئے جاتے ہیں۔

"مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ"

فروری ۱۹۴۲ء کی کوئی تاریخ تھی کہ میرا سواعظم گڑھ میں جہاں ایک تبلیغی دورہ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ پہنچا ہوا تھا، میں نے مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوری کی زیارت کے لئے مولانا کے وطن و مستقر فتحپور تال نرجا حاضر ہونے کا ارادہ کرلیا، خوش قسمتی سے مولوی حکیم حبیب اللہ صاحب نے جن پر مولانا کی اس زمانہ میں خصوصی نظر عنایت تھی میری رفاقت منظور فرمائی، اسوقت تک مولانا کی صرف زیارت ہی زیارت ہوئی تھی، شاید پہلی بار اپنے محلہ کی مسجد میں اور ایک دو بار مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھنؤ کی مجالس میں مولانا کو دیکھا تھا مگر وہ دیکھنا نہ دیکھنا برابر تھا نہ گفتگو کی نوبت آئی نہ پاس بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

مولانا ہمارے بزرگوں سے اچھی طرح واقف تھے، اعظم گڑھ کے تمام قصبات و دیہات جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے حضرت سید شہید رحمۃ اللہ علیہ پھر ان کے معنوی جانشین مولانا سید خواجہ احمد نصیرآبادی اور آخر میں مولانا سید امین نصیرآبادیؒ کی دعوت و اصلاح کی کوششوں سے واقف اور ان کے معتقد و حلقہ بگوش ہیں بالعموم حضرت سید احمد صاحب کو بڑے سید صاحب کے نام سے اور مولانا سید محمد امین صاحب کو چھوٹے سید صاحب کے نام سے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مولانا وصی اللہ صاحب کو بھی ہمیشہ اسی طرح ذکر کرتے سنا۔ مولانا کے ایک عزیز قریب نے والد مرحوم سے طب پڑھی تھی اور ان کے مطب میں بیٹھتے تھے، وہ مزید واقفیت و تعلق کا ذریعہ بنے ہونگے، بھائی صاحب مرحوم سے بھی مولانا کو اچھا خاصا تعلق اور موانست تھی اور غالباً انھیں سے ملنے کے لئے ایک بار ہماری مسجد میں تشریف لائے تھے بحیثیت طبیب کے بھی انکی طرف رجوع فرمایا ہوگا، وہ میری نوعمری اور طالب علمی کا زمانہ تھا نہ میں مولانا کے مقام و مرتبہ سے واقف تھا اور نہ انکو میری طرف خصوصی توجہ کرنے کا اسوقت

کوئی سبب تھا، اسلئے اصل زیارت و ملاقات کہنا چاہیئے کہ اسی سفر میں ہوئی۔

نکلتے جاڑے تھے ہم لوگ ایک یکہ پر مئو سے کوپا گنج گئے اور وہاں سے فتحپور کا رخ کیا، میرے ساتھ میرے ایک رفیق سفر مولوی اشرف علی صاحب لکھنوی تھے، دوپہر کا کھانا ہو چکا تھا اور لوگ قیلولہ کے لئے لیٹ چکے تھے ہم لوگ فتحپور پہنچے، مولانا کو اسی وقت خبر ہوگئی میرے نام سے غائبانہ طریقہ پر واقف تھے اسی وقت بالاخانہ سے نیچے تشریف لائے اور نہایت شفقت کے ساتھ مجھے اوپر لے گئے۔ دیر تک ازراہ شفقت میرا ہاتھ پکڑ کر دباتے رہے اور یہ مولانا کی عام ادا تھی پھر اسی وقت کھانا گرم کروایا، دسترخوان بچھوایا، مجھے اس طرح کھلایا جیسے مائیں پال پوس کر بچوں کو کھلاتی ہیں کبھی کبھی لقمہ بنا کر میرے منھ میں دیتے مجھے حیرت تھی کہ میری بے کمالی اور اپنی بلند مقامی کے باوجود پہلی ہی ملاقات میں ایسی شفقت کیوں؟

کھانے سے فارغ ہو کر میں نیچے آگیا اور اس خانقاہ میں ٹھہر گیا جو مولانا کے دولت خانہ کے مقابل تھی، یہ ایک پختہ عمارت تھی جو کسی بڑے مدرسہ کا دارالاقامہ معلوم ہوتا تھا، غالباً دو منزلہ عمارت تھی اور نئی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی، اسوقت محترم حاجی ثناء اللہ صاحب رئیس گورکھپور سابق ایم۔ ایل۔ سی جو مولانا کے مسترشدین اور محبین خاص میں سے تھے خانقاہ میں مقیم تھے ان سے اچھا لطف صحبت رہا، وہ بڑے دیندار اور با مذاق انسان تھے اور ان سے پہلے سے نیاز حاصل تھا۔ ایک شب خانقاہ میں قیام رہا اگلے دن وہاں سے واپسی ہوگئی لیکن اس غیر معمولی برتاؤ اور شفقت بزرگانہ کا اثر مہینوں باقی رہا

یہ پہلا تخم محبت و عقیدت تھا جو مولانا ہی کے وطن میں دل کی سرزمین میں ڈالا گیا اور بارآور ہوا والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ یہ بھی یاد ہے کہ ایک مجلس میں مولانا نے حاجی ثناء اللہ صاحب یا کسی حاضر باش سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ مشہور مصرعہ ع "مے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے" کا پہلا مصرعہ کیا ہے؟ لوگوں نے سکوت کیا تو فرمایا کہ ؎

مستی کے لئے بوئے مے تند ہے کافی
میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

میں اسکو اپنے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں کہ کیا عجب ہے کہ یہ اس عاجز بلکہ غائبانہ حاضری کیطرف اشارہ

خلیفہ را با او بد کردند کہ انا الحق میگوید
وائمہ بر قتل او متفق شدند او را
گفتند ہمچنیں گو ہو الحق گفت
من ہماں میگویم اما شما
میگوئید کہ او گم شدہ است
در نقل است آں روز کہ
حسین را در حبس کردند در
شب اول او را طلب کردند
نیافتند و شب دوم طلب
کردند نہ او را یافتند و نہ زندانیاں
را شب سوم طلب کردند ہر دو را
یافتند گفتند ایں چہ بود گفت
شب اول من بر دوست بودم
ازاں مرا ندیدند شب دوم دوست
اینجا بود ازاں زندانیاں را ندیدند
امشب کہ من اینجا ام ہرچہ حکم
شریعت است بجا آرید چنیں گویند در زندان
سی صد کس محبوس بودند
گفت من شما را آزاد کردم بروید گفتند
اگر توانی خود چرا نمی روی گفت
من در حبس خدا ایم و پاس شریعت
میدارم پس اشارت
بدیوار زندان کرد رخنہ ظاہر شد

چنانچہ لوگوں نے خلیفہ وقت کو انکی جانب سے بدگمان
کر دیا کہ یہ انا الحق کہتے ہیں اور علماء امت نے بالاتفاق
قتل کئے جانے کا فتوی دیدیا ان سے لوگوں نے آکر کہا کہ یوں کہئے
ہو الحق فرمایا میں یہی تو کہتا ہوں لیکن تم ہی لوگ تو کہتے ہو کہ وہ نظر
نہیں آتا (اور مجھے ہر شے میں اسکا جلوہ نظر آتا ہے حتی کہ خود
اپنے میں بھی) منقول ہے کہ جس دن حسین منصور کو گرفتار کرکے
قید خانہ میں لے گئے ہیں تو پہلی شب انکو تلاش کیا تو (قید خانہ
میں) نہ پایا اور دوسری رات کو تلاش کیا تو ان کے ساتھ ساتھ سبھی
قیدی غائب تھے تیسری شب کو تلاش کیا تو خود یہ بھی موجود
تھے اور سب قیدی بھی تھے، لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا
تماشا تھا؟ فرمایا کہ پہلی شب میں دوست کے سامنے
حاضر تھا لوگوں نے مجھے نہیں دیکھا اور دوسری رات
میرا دوست ہی یہاں رونق افروز تھا اسی لئے لوگوں
نے کسی کو یہاں نہ دیکھا آج کی رات میں یہاں
آگیا ہوں جو حکم شرع محمدی ہو بلا تکلف
مجھ پر جاری کرو۔ بیان کرتے ہیں کہ جیل میں
تین سو قیدی محبوس تھے حضرت منصور نے فرمایا
تم سب لوگوں کو آزاد کرتا ہوں جاؤ چلے جاؤ
ان سب نے کہا کہ اگر آپ کو ایسا ہی اختیار
ہے تو خود اپنے کو کیوں نہیں رہا کر لیتے؟ فرمایا کہ
میں خدا کی قید میں ہوں مجھے شریعت
پاس دلحاظ منظور ہے اسکے بعد جیل خانہ کی دیو
کی جانب اشارہ کیا اس میں شگاف پڑ گیا سب

ہمہ بندیاں بیروں شدند بامداو
اورا پرسیدند کہ بندیاں چہ شدند
گفت ہمہ را من آزاد کردم گفتند
تو چرا نرفتی گفت حق را با ما عتابے
است ازاں ماندم نرفتم ایں خبر بخلیفہ
بردند گفت فتنۂ عظیم خواہد شد
... او نزدو آخر ساتید او را بیرون
ور دند سی صد چوب بزدند با شدکہ
ز انا الحق گفتن باز ماند زندہ
چوب کہ ہر چوب می زد از ہر زدنی
آواز فصیح آمدے یا ابن منصور
لا تخف شیخ عبدالجلیل سفار
می گوید من عجب دارم ازاں زندہ
چوب کہ در شریعت چہ قوت داشت
کہ مثل ایں آواز در گوش ادمی افتاد
و او چوب می زد آں روز کہ اورا
خواہند کشت درویشی او را
پرسید کہ عشق چیست گفت
ترا امروز و فردا و
پس فردا معائنہ خواہد شد۔
آں روز او را بکشتند روز دوم
بسوختند روز سوم بر باد دش
دادند۔ چوں او را بر پای دار

قیدی باہر نکل گئے۔ صبح کو ان سے پوچھا گیا اور سب قیدی کہاں گئے؟ فرمایا کہ میں نے سبکو چھوڑ دیا۔ سرکاری ملازمین نے پوچھا کہ آپ بھی کیوں نہ چلے گئے فرمایا کہ میں خدا کا مجرم ہوں خدائی عتاب میں ہوں اسلئے نہیں نکلا اور نہیں بھاگا لوگوں نے اسکی اطلاع خلیفۂ وقت کو پہونچادی۔ اس نے کہا یہ تو بہت بڑا فتنہ ہونے والا ہے ان کے معاملے کو تو جلد سے جلد ختم کر دینا چاہیئے، لوگوں نے انکو قید خانہ سے باہر لاکر تین سو کوڑے مارے تاکہ وہ انا الحق کہنے سے رک جائیں (لیکن وہاں تو انکا حال یہ تھا سہ
من نمیگویم انا الحق یار میگوید بگو + کس نگویم چوں مرا دلدار میگوید بگو)
کوڑا مارنیوالا جو کوڑا مارتا تھا تو نہایت صاف اور واضح الفاظ میں سنا جاتا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے منصور ڈر نامت۔ حضرت شیخ عبدالجلیل سفار فرماتے تھے کہ مجھے تو ان کوڑے مارنیوالوں (کے ایمان ویقین) پر تعجب ہوتا ہے کہ سبحان اللہ شریعت پر کس قدر پختہ ایمان تھا کہ وہ ایسی (لرزہ براندام کردینے والی) آواز ہر کوڑے میں سنتا تھا مگر برابر کوڑے لگاتا ہی رہا (کہ حکم شریعت یہی تھا)۔ جس دن کہ حضرت منصور کو لوگوں نے ختم کردینا طے کیا تھا اسی دن ایک درویش نے ان سے پوچھا کہ عشق کسے کہتے ہیں فرمایا کہ تمہیں عشق کی حقیقت آج سے لیکر پرسوں کے اندر اندر معلوم ہوجائیگی چنانچہ اسی دن انکو قتل کیا گیا اور دوسرے روز لاش کو خاکستر کیا گیا اور تیسرے دن انکی خاک کو ہوا میں اڑا دیا گیا (بیان کرتے ہیں کہ) جب انکو دار کے پاس

آوردند پای دار بوسید وگفت اینک معراج عاشقان اول دست بریدند گفت آدمی را بستن و دست را بریدن آسان کار است اما مرد او را دانیم کہ دست صفائے کہ کلاہ از تاب عرشش می رباید آنرا قطع کند چوں پای بریدند تبسم کرد گفت سہل ایں پای است پای دارم کہ بداں سفر ہر دو عالم میتواں کرد بار وی خوں آلودہ بر روی مالید گفتند ایں چہ میکنی گفت وضو می سازم لان فی العشق رکعتین لایجوز وضوھما الا بدم صاحبہ چنیں گویند جملہ اعضار او بریدہ شد مگر پشت وگردن بالای دار ماندہ ایں آواز می آمد ازاں پشت وگردن اناالحق اناالحق خلیفہ فرمود ایں مرد بعد از مردن فتنہ بیش ازاں بر انگیخت پس روز دوم جملہ اعضار او را گرد کرد سوختند ازاں جسد سوختہ وخاک گشتہ نیز ہمیں آواز اناالحق می آمد سوم روز

لایا گیا تو اسکا پایہ چوم لیا اور کہا کہ واہ یہی تو عاشقوں کی معراج ہے۔ لوگوں نے پہلے اسکے ہاتھ کاٹے تو کہا کہ آدمی کو باندھ دینا اور اسکے ہاتھ کو کاٹ دینا یہ تو بہت معمولی سی بات ہے میں تو مرد اسکو سمجھتا ہوں جو کہ اس صفائے تعلق کے ہاتھ کو جو بارونق عرش کی ٹوپی اچک کرلے گیا ہو، کاٹ ڈالے جب انکے پیر کاٹے تو ہنسے اور کہا اسکا کاٹ ڈالنا بھی آسان ہے لیکن میں تو ایسا پیر رکھتا ہوں کہ جسکے ذریعہ سے دونوں عالم کا سفر کیا جا سکتا ہے۔ پھر اپنے خون آلودہ عضو کو (غالبا یہ ہاتھ رہا ہوگا) چہرہ پر ملا لوگوں نے کہا یہ کیا کر رہے ہیں فرمایا کہ وضو کر رہا ہوں اسلئے کہ عشق کے اندر دو رکعتیں ایسی بھی پڑھنی پڑتی ہیں جنکا وضو خود اسکے صاحب کے خون سے کیا جاتا ہے لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے تمام اعضار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے صرف پشت اور گردن سولی پر لٹکی رہ گئی تھی تو اس پشت وگردن کے بچے ہوئے حصے سے بھی آواز آتی تھی اناالحق اناالحق خلیفہ نے کہا ارے توبہ اس شخص نے تو مرکر فتنہ کو اور بھی بڑھادیا اسلئے دوسرے دن یہ کیا کہ ان کے تمام اعضار کو جمع کر کے جلوا دیا مگر صاحب اس جلے ہوئے جسم اور پسی ہوئی خاک سے بھی اناالحق کی آواز آتی رہی، چنانچہ تیسرے دن اس خاک کو دریا میں ڈلوا دیا لیکن پانی کے اوپر بھی جو ذرات

آں خاک را در میاں آب انداختند بالا رآں از ہر ذرہ خاک او ہماں آواز می آمد قطعہ

نخشبی مرد پاک مردی داں
کہ بہر موی خود ثنا گوید
خاک او را اگر بآب دہند
بر سر آب مرحبا گوید

سلک صد و چہل و ششم

باید دانست رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا مخدرۂ خدر خاص و مستورہ سر اخلاص بود و ذکر او در سلک رجال موجب مواخذہ نیست بنا بر آنکہ زنی کہ در راہ خدا مردانہ وار رود او را زن نتواں گفت چنیں گویند پدر رابعۂ مردے مقل حال بود سہ دختر دیگر داشت چہارم ایں رابعہ شد او را رابعہ ازیں وجہ گویند آں شب کہ رابعہ متولد شد پدر او را وجہ چراغ نداشت کہ بداں خانہ روشن کند پدر بغایت

پڑے تھے اس سے بھی انا الحق انا الحق کی آواز آتی رہی (یا اللہ تیری شان - طریقت اور شریعت کا زبردست امتحان تھا)

"اے نخشبی عمدہ انسان بس اسی کو جانو جو کہ اپنے کو خدا کے روبرو بس بال بال بکا ہوا سمجھے یعنی اس کا احسانمند رہے چنانچہ اسکی مٹی کو بھی اگر پانی میں ڈالدیں تو وہ سطح آب پر آکر اس پر مرحبا اور خوش آمدید کہے"

سلک ۱۴۶ (حالات حضرت رابعہ عدویہ بصریہ)

جاننا چاہیئے کہ حضرت رابعہ عدویہؒ جو کہ حق تعالیٰ کے تعلق کے چادر میں ڈھنکی ہوئی اور اخلاص کے پردہ میں چھپی ہوئی تھیں اور انکا ذکر مردوں کے سلسلے میں بیان کرنا کچھ ناروا اور بیجا بھی نہیں ہے اسلئے کہ وہ ایسی عورت تھیں جو اللہ تعالےٰ کے راستہ میں مردانہ وار چلی تھیں اسلئے انکو عورت ہی نہ کہنا چاہیئے۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رابعہ کے والد ایک غریب اور مفلس آدمی تھے ان کے علاوہ تین لڑکیاں اور تھیں یہ چوتھی تھیں اس وجہ سے انکا نام رابعہ پڑ گیا (عربی میں چوتھی شے کو رابعہ کہتے ہیں) جس رات کو رابعہ پیدا ہوئی ہیں باپ کے پاس چراغ کے (تیل کے) لئے بھی پیسہ نہیں تھا کہ گھر میں روشنی ہی کر دیجاتی، والد کو اسکی بیحد پریشانی

مضطرب شد ہماں شب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم درخواب دید کہ میگفت جمع باش ایں دختر تو کسی است کہ فردا ہفتاد ہزار عاصی از امت من بشفاعت او خواہند گذشت چنیں گویند چوں رابعہ بزرگ شد روزے ہزار رکعت نماز گذاردے وبعضی گویند اول حال چند گاہ او در مطربی افتاد وبعد از آں بدست حسن بصریؒ توبہ کرد و در صومعہ نشست چوں عزم سفر حج کرد کعبہ را دید استقبال او کردہ چوں خانہ بدید گفت کہ من خانہ چکنم مرا خصم خانہ می باید چنیں گویند در راہ حج چیزے نداشت از مرکب مگر چیزی کہ رخت رابعہ می برد سقط شد گفتن گرفت الٰہی بادشاہان باعورت بیچارہ چنیں کنند کہ مرا در خانہ خود

تھی اسی شب میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں تمھاری یہ لڑکی ایسی بلند مرتبہ ہے کہ کل بروز قیامت ستر ہزار گنہگار اسکی سفارش کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت رابعہ بڑی ہوئیں تو ہر روز ایک ہزار رکعت نماز پڑھتی تھیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شروع کا تھوڑا زمانہ انکا گانے وغیرہ میں گذرا اسکے بعد حضرت حسن بصری کے ہاتھ پر توبہ کی اور عبادت خانہ میں بیٹھ گئیں پھر جب حج کے لیے جانے کا ارادہ کیا تو کعبہ کو دیکھا کہ ان کے استقبال کے لئے آرہا ہے چنانچہ جب خانہ کعبہ کو دیکھا تو کہا کہ میں گھر کو لیکر کیا کروں گی مجھے تو گھر والے سے کام ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ حج کے سفر میں ان کے پاس سواری کے لئے کوئی چیز نہ تھی اور جو جانور کہ باربردار تھا وہ بھی مرگیا تو انھوں نے دعا کی کہ یا اللہ کہیں بادشاہ لوگ بھی مجھ جیسی ناتواں عورت کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں ادھر تو مجھے اپنے گھر بھی بلایا اور راستے ہی میں میرے گدھے کو مار دیا اور سب راہ میں بیدست وپا کر کے چھوڑ دیا!

خواندی در آشنای راه خرک
مرا بمیرانیدی و مراد در راه تنہا
گذاشتی ہنوز این سخن نیکو نگفته بود
که خر بجنبید و بایستاد و ہمدرین راه
چند بار دیگر او را یاری داد چوں
رابعہ را ہوس فقر در سر افتاد
در سر او فرو خواندن فقر خشک سال
قہر ماست که درین راه مقامات
نہاده ایم تا تو ہفتاد مقام نگذاری
با تو ذکر و فکر فقر نتواں کرد اما در
ہوا نگر در ہوا نگریست دریائے دیده
از خوں در ہوا ایستاده گفت
این چیست گفت این خوں دیدۂ
عاشقاں است که ہم در منزل اول
فرو شده اند و نام و نشان ایشاں
در دو عالم ہیچ جا بر نیاید
چنیں گویند وقتی دو صوفی بدیدن
رابعہ آمدند رابعہ دو نان در خانہ
داشت پیش ایشاں نہاد
در زماں درویشی بر در رابعہ آمد
در زماں آں ہر دو نان بدرویش
داد چوں ساعتی بگذشت
کنیزک بیامد و دستہ نان بیاورد

اس بات کو پوری بھی نہ کیا تھا کہ گدھے میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور اس راستہ میں اس نے پہلے سے بہت زیادہ ان کی مدد کی ۔ جب رابعہ کے سر میں فقر کا سودا سمایا تو ان کے قلب میں الہام فرمایا گیا کہ اے یہ فقر و بزرگی قحط و خشک سالی ہماری جانب سے گویا ایک قہر ہے اور اور ہم نے اس کے اندر بہت سے مقامات رکھے ہیں جب تک تم اسکے ستر مقامات نہ طے کروگی تمکو فکر اور فقر کا نام لینا بھی روا نہ ہوگا اسکے بعد فرمایا کہ اچھا ہوا میں دیکھو دیکھا تو اس میں ایک خون کا دریا نظر آیا دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ ہمارے عاشقوں کی آنکھ سے نکلا ہوا خون ہے جو کہ انھوں نے میری راہ کی پہلی منزل میں بہایا ہے اور انکا نام و نشان دونوں عالم میں سے کہیں بھی باقی نہیں ہے

بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو صوفی قسم کے لوگ حضرت رابعہ کی زیارت کو آئے حضرت رابعہ کے پاس صرف دو ہی روٹیاں تھیں ان کے سامنے رکھدیا اسوقت کوئی سائل آگیا تو انھوں نے انکے سامنے سے اٹھا کر وہ روٹی سائل کو دیدی تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی کہ ایک باندی

کہ کدبانوی ما با تو فرستادہ است رابعہ بشمرد باز فرستاد کنیزک برفت و باز آمد آں نانہا پیش رابعہ باز نہاد و رابعہ بستد و پیش صوفیاں بنہاد صوفیاں لفتند ایں چہ حال بود گفت دو نان پیش شما نہادم شرمندہ شدم درویشی رسید آں ہر دو بدو دادم گفتم خداوند تعالیٰ ایں ساعت بحکم وعدۂ خویش بیست نان برساند کنیزک اول بار بیامد ہژدہ نان پیش بیاورد گفتم نان باز بر از آں من نیست کہ میدانم کہ وعدۂ خدائی دگرگوں نباشد و باز کنیزک بیامد بار دوم بیست آورد گفتم حقیقت از آن منست. روزی رابعہ در بیابانے بود و آہوی چند گرد برگرد او بودند حسن بصری در رسید آہواں برمیدند حسن گفت ایشاں از من چرا می رمند گفت تو

آئی اور ایک بنڈل روٹیوں کا لائی اور کہا کہ ہماری مالکہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے حضرت رابعہ نے ان روٹیوں کو گنا اور واپس کر دیا باندی لیکر چلی گئی اور فوراً ہی واپس آئی اور ان روٹیوں کو حضرت رابعہ کے سامنے لاکر رکھا حضرت رابعہ نے ان کو لیکر ان صوفیوں کے آگے رکھدیا ۔ لوگوں نے کہا کہ (پہلے) یہ تو بتائیے کہ یہ کیا معاملہ تھا جو ہم نے دیکھا؟ فرمایا کہ میں نے دو ہی روٹیاں آپ لوگوں کے سامنے رکھی تھیں (اسی کی شرمندگی تھی کہ ایک سائل آگیا میں نے وہ دونوں اسکو دیدیں اور اپنے دل میں یہ خیال کیا کہ اللہ تعالےٰ اپنے وعدے کے مطابق ایک کی دس روٹیاں عطا فرمائیں گے چنانچہ پہلی بار باندی جو روٹیاں لائی تو وہ اٹھارہ ہی تھیں (اسلئے میں نے اس سے کہا کہ اسکو واپس لیجاؤ کیونکہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ خدا تعالیٰ کے وعدہ کا یقین نکروں. چنانچہ دوبارہ جب وہ باندی آئی تو پورے بیس لائی ۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ میں نے جو بات سمجھی تھی وہ صحیح تھی ۔ ایک مرتبہ حضرت رابعہ ایک جنگل میں تھیں چند ہرن انکے گرد آکر جمع ہو گئے اتنے میں حضرت حسن بصریؒ آپہونچے سب کے سب ہرن بھاگ گئے رابعہؒ سے حسنؒ نے کہا یہ سب آخر مجھے دیکھکر کیوں بھاگ گئے ۔ حضرت رابعہ نے پوچھا کہ آپ نے آج کیا کھایا ہے فرمایا بکرے کی چربی ۔ فرمایا کہ جب تم ہرن کی چربی سے ناشتہ کرتے ہو تو وہ پھر

امروز چہ خوردہ گفت پتہ بزہ
گفت ہرگاہ کہ بیہ آہو بزہ
خوری ایشاں از تو چگونہ نرمند
چنیں گویند شبی حسن رح باتنی چند
بر رابعہ رح آمد در زاویۂ او
چراغ نبود رابعہ دمی برآورد
در سر انگشت دمید تا صبح
آں سر انگشت او ہچوں چراغ
می سوخت روزی حسن میگفت
ای رابعہ تو خدا ی را چوں دانی
گفت چوں تو دانی اما من
بیچوں دانم وقتی اورا گفتند
از کجا می آئی گفت از آنجہاں
گفتند کجا خواہی رفت
ہم در آں جہاں گفتند دریں
جہاں چہ میکنی گفت نان
ایں جہاں می خورم کار آں
جہاں می کنم ہم اورا پرسیدند
بندہ را راضی کے گیرند
گفت وقتی کہ در محنت
چناں شاکر شود کہ دیگری
در نعمت ۔

تم کو دیکھکر کیوں نہ بھاگیں ؟ بیان کرتے ہیں کہ حضرت
حسن ایک مرتبہ چند لوگوں کے ہمراہ حضرت رابعہ کے
آئے اُس دن ان کے گھر میں چراغ نہ
حضرت رابعہ نے ایک سانس کھینچی ا
اپنی انگلی پر دم کیا صبح تک اس انگلی
چراغ کی لو کی مانند روشنی نکلتی
ایک دن حضرت حسن رح نے کہا کہ
رابعہ تم خدا کو کیسا سمجھتی ہو
فرمایا کہ "چوں" یعنی کیسا ہے ؟ ی
تم جانتے ہو میں تو اسے "بیچوں"
ہوں (کہ اُس کی نہ نظیر ہے نہ مث
ایک مرتبہ ان سے لوگوں نے
دریافت کیا کہ آپ کہاں سے
آئی ہیں ؟ فرمایا کہ اُس جہا
سے ۔ لوگوں نے کہا کہ کہاں جائیں
فرمایا کہ اُسی جہان میں ۔ لوگوں
پوچھا کہ پھر آپ اس دنیا میں کیا کر رہی ہ
یہاں کیوں ہیں ؟ فرمایا کہ اس جہان کی صرف روٹی کھا
اور کام اُسی جہان کا کر رہی ہوں ۔ انسے لوگوں نے
اللہ تعالیٰ بندہ سے کب راضی ہوتے ہیں فرمایا کہ اس
جبکہ وہ مصیبت میں بھی اسی طرح سے شکر ادا کرے جو
سے اور دوسرے لوگ راحت اور نعمت میں شکر کرتے

غور کرو عورت کی محبت میں یہ حالت تھی! اب مولانا کا قول سنو! فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود   گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(عشق مولیٰ لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے اسلئے اسکے لئے تو گیند بن جانا اولیٰ تر ہے)
یعنی کیا خدا تعالیٰ کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہے ہرگز نہیں، تو اب غور کیجئے وہ کیسی لذت
چیز ہوگی؟ پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا قرب بڑی دولت ہے۔

(۱۷۲) جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیتے ہیں حقیقت میں مصیبت میں وہ ہیں

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھتے ہیں وہ بڑی مصیبت میں ہیں گو انکے پاس اولاد و اموال بھی ہو اسی کو خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الدُّنْیَا وَتَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ حقیقت میں اگر غور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنھوں نے دنیا کو قبلہ و کعبہ بنا رکھا ہے وہ کس قدر مصیبت میں ہیں عیش کے ذرائع سوچتے اور جمع کرتے ساری عمر گذر گئی اور کھانے پینے کو وہی چار چپاتیاں اور تین کپڑے ہی ملے جو کہ سب کو ہی ملتے ہیں اور پھر لطف یہ کہ اسقدر انہماک کے بعد بھی عیش نصیب نہ ہوئے اور غضب یہ کہ آج تک بھی اسکا احساس نہیں ہوا اب تک بھی وہی کی تعلیم دی جاتی ہے اور اگر پورا عیش حاصل بھی ہوگیا تو یہ کیا عیش ہے کہ خوب کھالیا اگر یہی ہے تو بیل کو سب سے زیادہ عیش نصیب ہے کہ اسکو نہ گذشتہ کل کی یاد نہ آئندہ کل کی اسکے برابر سلطان بھی عیش میں نہیں غرض محض بیفکری سے کھالینا کوئی عیش نہیں۔

(۱۷۳) عیش حقیقی کی حقیقت

عیش یہ ہے کہ نہ ماضی کی فکر ہے نہ مستقبل کا اندیشہ بس وہ ابن الحال ہے اس پر گذرتا ہے سبکو خوشی سے برداشت کرتا ہے اور اسکو نعمت سمجھتا ہے، جیسے کہتے ہیں ؏
"صوفی ابن الحال باشد اے رفیق" یعنی جو حالت اس پر طاری ہو وہ اسی میں راضی رہے اا

یہ کہتا ہے کہ ع۔ "ہر چہ از دوست میرسد نیکوست" اگر طیش بھی ہو تو عیش ہی ہے اور اسپر کچھ تعجب نہ کیجئے دیکھئے ایک مدت کے بعد اگر محبوب سے ملاقات ہو کہ دیکھکر حیرت زدہ رہجائے نہ بات کرنے کی ہمت ہو نہ سلام کی جرأت اور اسی حال میں محبوب اس پر رحم کرے اور اسکو سینہ سے لگائے اور خوب دبا دے کہ اسکا دم نکلنے لگے اور اسی حال میں اسکا کوئی رقیب آجاوے اور اسکو دیکھکر محبوب دریافت کرے کہ اگر تمکو تکلیف ہورہی ہو تو تمکو چھوڑکر اس کو دبانے لگوں تو اسوقت کیا کہے گا کیا یہ تکلیف اسکو محسوس ہوگی اور کیا اسکی وجہ سے وہ محبوب کے علٰحدہ ہونے پر راضی ہوگا؟ کبھی نہیں، بلکہ وہ یہ کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا نکرے کہ دشمن کا نصیب ایسا ہو کہ وہ تیری تلوار کا نشانہ بنے دوستوں کا سر سلامت ہے کہ تو اس پر خنجر آزمائی کرے)

اور یہ کہیگا ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے　　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تو جب آدمی کی محبت میں یہ حالت ہے تو حق تعالیٰ کی محبت میں کیا عالم ہوگا بقول شیخ سعدیؒ

عجب داری از سالکانِ طریق　　　کہ باشند در بحر معنی غریق

(سالکان طریق کی اس حالت پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ لوگ معنی کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں)

اور انکی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　　دل فدائے یار دل رنجان من

(آپ کی جانب سے پیش آنیوالی ناخوشگوار بات بھی میرے لئے خوشگوار ہو میرا دل اس ذات پر فدا ہو جو میرے دل کا ستانے والا ہے)

اور وہ یوں کہتے ہیں ؎

پس زبون وسوسہ باشی دلا!　　　گر طرب را باز دانی از بلا

(اے دل تو ابتک وسوسہ ہی کا شکار سمجھا جائیگا اگر تو نے راحت میں اور مصیبت میں فرق کیا)

یعنی اگر طرب اور بلا میں فرق کیا تو تم طالب خدا نہیں بلکہ طالب مخلوق ہو ایک مخلوق کو چھوڑکر دوسری مخلوق کو لیا ہے۔ جس نے اسکی حقیقت سمجھ لی اسکے برابر کوئی دولت مند نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ بہت بڑی دولت ہے۔

(۱۷۴) مذکورہ عیش والوں کا ترحم بے عیشوں پر

جو اس سے محروم ہو وہ محروم بھی ہے اور مرحوم بھی ہے محروم ہونا تو ظاہر ہی ہے اور مرحوم اسلئے کہ اہل اللہ کو اسپر رحم بھی آتا ہے ہاں اگر باغی ہو تو اسپر انکو رحم نہیں آتا، لیکن اگر باغی نہ ہو بلکہ گنہگار ہو تو ان حضرات کو اسپر بہت رحم آتا ہے اور وہ اسکو ذلیل نہیں سمجھتے کیونکہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے ؎

گنہ آمرز رندانِ قدح خوار		بطاعت گیر پیرانِ ریاکار

(شراب نوش رندوں کے گناہ کو معاف کرتا ہے اور شیخ ریاکار سے اسکی طاعت پر مواخذہ کرتا ہے)
کسی نے خوب کہا ہے ؎

غافل مرو کہ مرکب مردان مرد راہ		در سنگلاخ بادیہ پے ہا بریدہ اند

(غافل ہو کر مت چلو کیونکہ جو لوگ کہ مرد راہ ہیں انھوں نے اپنی سواری کی میدان سفر میں کونچیں کاٹ لیا ہے)

نومید ہم مباش کہ رندانِ بادہ نوش		ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(ناامید بھی نہ ہو کیونکہ بادہ نوش رندوں نے کبھی ایک چھلانگ ہی میں منزل تک رسائی حاصل کر لی ہے)
دوسرے کہتے ہیں ؎

گناہ آئینۂ عفو و رحمت است اے شیخ		مبیں بچشم حقارت گناہگاراں را

(اے شیخ یہ گناہ حق تعالیٰ کی عفو و رحمت کا آئینہ ہے لہٰذا تم کسی گنہگار کو بنظر حقارت مت دیکھو)
یعنی حقیر نہ سمجھو البتہ قابل رحم سمجھو اور وہ برتاؤ کرو جیسے تمہارا بیٹا بیمار ہو جائے اور اسکے ساتھ تم برتاؤ کرتے ہو۔ دیکھو اگر وہ تم پر تھوک بھی دے تو تم کو اس پر غصہ نہیں آتا بلکہ رحم آتا ہے تو مسلمان وہ ہے کہ مسلمان کی حالت پر آنسو بہائے نہ یہ کہ انکو ذلیل و حقیر سمجھے اور برا بھلا کہے ع: تا یار کرا خواہد و میلش بہ کہ باشد۔ اور اگر اصلاح کی امید نہ رہے تو خدا کے سپرد کر دو اور دعا کر دو یہ ہے اسلامی شان آجکل ذرا سی بات میں وہابیت اور بدعت کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ صاحبو! کس کی بدعت اور کس کی وہابیت حضور کے احکام میں بعض مختلف فیہ بھی ہیں کوئی کسی طرف گیا کوئی کسی طرف تو اسکے لئے لڑتے کیوں ہو اور اگر کوئی مسئلہ متعین الصواب ہے

اور اس میں کسیکی لغزش ہے تو اسکے لئے دعائے خیر کرو۔ خوب کہا ہے ؎

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(اگر یہ مدعی دوست کو یعنی خدا کو پہچانتا ہوتا تو دشمن کے ساتھ اسوقت نہ الجھا ہوتا)
دیکھو اگر مجلس میں محبوب بھی ہو اور اس نے اجازت دیدی ہو کہ میری طرف دیکھو اور یہ اسکی طرف دیکھنے میں مصروف ہو کہ اتنے میں ایک شخص آکر اسکی انگلی کو چھو دے، اب بتاؤ کہ وہ کیا کریگا کیا محبوب کی طرف سے نظر ہٹا کر اس شخص کو دیکھنے لگے گا یا اس سے الجھنا شروع کر دیگا اگر ایسا کیا تو محبوب سے حرماں ہوگا اور یہ توجہ اور استغراق اسیوقت ہوگا کہ دوست کو پہچانے اسی کو کہتے ہیں ؎

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

کہ اگر ادہر متوجہ ہوتا تو یہ نوبت کیوں آتی؟

حکایت: حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم سے کوئی مناظرہ کرے تو تم کبھی مناظرہ نہ کرو اس سے دل سیاہ ہوتا ہے میں عوام میں سے جسکو بیعت کرتا ہوں اس سے یہ بھی کہتا ہوں کہ بدعت کو چھوڑو لیکن بدعتی لوگوں سے مت لڑو۔ خدا تعالیٰ تم سے یہ نہ پوچھیگا کہ ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ اور قرآن شریف سے بھی اس مشرب کی تائید ہوتی ہے فرماتے ہیں وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الخ (چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں کو نیکیوں کی جانب چلائے) ــــــــــــــــ لفظ منکم سے معلوم ہوتا ہے کہ سب اس کام کے لائق نہیں ہیں اور یہ تجربہ ہے کہ جو لوگ اس کے اہل نہیں سمجھے جاتے انکا کہنا لوگوں کو ناگوار گذرتا ہے اور جو لوگ اہل ہیں انکا کہنا چنداں گراں نہیں گذرتا نیز علماء جو کچھ کہتے ہیں تہذیب سے شائستگی سے کہتے ہیں۔ غرض یہ طعن و تشنیع کا شیوہ مناسب نہیں اپنے کام میں لگے رہو، اگر کوئی برا ہو تو اس پر رحم کرو اور اسکے لئے دعا کرو چنانچہ اہل اللہ دنیا داروں پر رحم ہی کرتے ہیں جیسے بیمار کو دیکھکر اس پر رحم آیا کرتا ہے۔ بلکہ وہ مالداروں کو دیکھکر بھی رحم کرتے ہیں کہ یہ بیچارے حال میں لدے ہوئے ہیں ہانپے جارہے ہیں حضرت شبلیؒ کی یہ حالت تھی کہ جب کسی امیر کو دیکھتے تو کہتے الحمد للہ الذی

عافانی مما ابتلاک به وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا (تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے مجھے عافیت بخشی اس شے سے جس میں تجھے مبتلا کیا اور بہت سی مخلوق کے مقابلے فضیلت عطا کی) یہ دعا ر حدیث میں ہے حضورؐ نے تعلیم فرمایا ہے کہ جب کسی بیمار کو دیکھو تو یہ دعا پڑھو تو دنیا کی محبت سے زیادہ کونسی بیماری ہوگی کہ قلب کی بیماری ہو اور قلب کی بیماری سب سے بدتر ہے جیسا ارشاد ہے کہ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا (ان کے قلوب میں مرض ہے پس اللہ تعالیٰ نے انکے مرض کو اور زیادہ کردیا) حضرت شبلی اسکو سمجھے اور انھوں نے اسکی حقیقت معلوم کی غرض دنیادار بیمار ہیں اور اس بیماری سے بچا رہنا خدا کی نعمت ہے جو قابل شکر ہے۔

حکایت: اکبر پور کا واقعہ ہے کہ ایک خانصاحب نے ایک جلاہے سے براہ تمسخر پوچھا کہ میاں جی کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا کہ خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ مجھکو خانصاحب نہ بنایا کہ کسی غریب پر ظلم کرتا اور دوزخ میں جاتا۔ خانصاحب چپ ہی تو رہ گئے حقیقت میں خدا کی یہ بھی بہت بڑی رحمت ہے کہ گناہ کا سامان ہی نہ دے سہ

آنکس کہ ترا تونگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند

(جس ذات نے کہ تجھے مالدار نہیں بنایا وہ تیری مصلحت کو تجھ سے بہتر جانتا ہے)

اب آپکو معلوم ہوگیا ہوگا کہ یہ لوگ واقعی رحم کے قابل ہیں کہ ایک بڑی مصیبت میں پھنسے ہیں

(۱۷۵) عیش دنیا کو عیش سمجھنا بے حسی ہے

مگر ان کو خبر بھی نہیں ان کی وہ حالت ہے جیسے

حکایت: ایک سرحدی وحشی ہندوستان میں آیا تھا کسی حلوائی کی دوکان پر حلوا رکھا دیکھ قیمت پاس نہ تھی آپ اس میں سے بہت سا اٹھا کر کھا گئے حلوائی نے حاکم شہر کو اطلاع دی حاکم نے یہ سزا دی کہ انکا منھ کالا کر کے جوتیوں کا ہار گلے میں ڈالدیا جائے اور گدھے پر سوار کرا کے تمام شہر میں تشہیر کیجاوے اور بہت سے لڑکے ساتھ کر دیئے جاویں کہ وہ ڈھول بجاتے پیچھے پیچھے چلیں چنانچہ ایسا کیا گیا، جب یہ حلوا خور صاحب اپنے گھر گئے تو وہاں کے لوگوں نے پوچھا کہ آغا! ہندوستان چگونہ ملک است؟ کہنے لگا "ہند خوب ملک است، حلوا خوردن مفت است

فوج طفلاں مفت است، سواری خر مفت ست، ڈم ڈم مفت است ہندوستان خوب ملک ست
بس دنیا کے حشم وخدم پر ناز کرنا ایسا ہے جیسا اس نے سواری خر اور فوج طفلاں پر ناز کیا تھا
صاحبو! یہ سب بے حسی ہے واللہ اگر حس صحیح ہو تو یہ سب عذاب نظر آنے لگے۔ حکومت دنیوی کے متعلق
حدیث میں ہے کہ جس کی دس آدمیوں پر بھی حکومت ہوگی قیامت میں اسکو مشکیں کس کر لایا جاویگا
گرچہ اسکے بعد چھوٹ ہی جاوے۔ آج اسکی درخواست کی جاتی ہے اسکے لئے روپیہ خرچ
یا جاتا ہے اور اگر کوئی کچھ کہتا ہے تو یہ جواب ملتا ہے کہ ہم میں اگر صاحب حکومت نہ ہونگے
ز قوم تباہ ہو جائیگی۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم میں حاکم ہوں لیکن کون شخص ہوں اسکا فیصلہ خود حدیث
ں موجود ہے حضورؐ فرماتے ہیں القضاة ثلثة اثنان فی النار وواحد فی الجنة (قاضی
ین طرح کے ہوتے ہیں دو تو جہنم میں جائیں گے ایک جنت میں) اور اس واحد کو عالم باعمل بتلایا ہے تو حکومت
ضروری ہے لیکن حکومت کے لئے عالم باعمل ہونا چاہیئے ورنہ بدون علم کے بہت سی خرابیاں
پیدا ہوتی ہیں۔ اور امتحان علم کا یہ ہے کہ ان کے سامنے جتنے واقعات ومقدمات پیش ہوں انمیں
پنی رائے لکھیں اور اسکے بعد اہل علم سے اسکا حکم دریافت کریں پھر دونوں میں موازنہ کریں
واللہ زمین وآسمان کا فرق نکلیگا۔ دوسری اس میں ایک اور شرط ہے کہ حکومت کی خود درخواست
نہ کرے کیونکہ جو درخواست کرے گا وہ خود غرض ہوگا اور نفسانیت سے کام کریگا، اسکی لوگوں
کی مصلحت پر ہرگز نظر نہ ہوگی بلکہ اپنی مصلحت پر نظر ہوگی اور اس سے جتنی خرابیاں پیدا ہوں وہ کم ہیں۔
حکایت: حضرت عثمانؓ نے ابن عمرؓ سے قضا کا عہدہ قبول کرنے کیلئے کہا انھوں نے انکار
کر دیا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہیں کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر مت کرنا کیونکہ ایسا
نہ ہو کہ سب ہی انکار کر دیں۔ اس واقعہ سے آپکو معلوم ہوا ہوگا کہ سلف صالحین حکومت کو کیا سمجھتے
تھے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص کام کر سکے گا۔ آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ دنیا کے لوگ حقیقت
میں بڑی تکلیف اور عذاب میں مبتلا ہیں اور دولت حقیقی دوسری چیز ہے۔

(۱۷۶) اس عشق حقیقی کی تحصیل کا طریق ایمان واعمال ومعاملات واخلاق کی درستی ہے

خدا تعالیٰ اس آیت میں اس دولت کو بتلاتے ہیں اور اسکا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں

اور مروج طریقہ کورد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمھارے مال واولاد اس قابل نہیں کہ تمکو ہم سے قریب کریں، البتہ ایمان اور عمل صالح اسکا ذریعہ ہے جیسا بیان ہوا اور اس میں آجکل کے اہل مذاق جدید کا بھی جواب ہو گیا یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ ترقی دنیا سے ہمارا مقصود ترقی دین ہے تو خدا تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ترقی دین کی یہ صورت نہیں کہ بہت سامان سمیٹ لو ہم اس آیت کا ترجمہ کئے دیتے ہیں اگر تین پانچ کرنا ہے تو خدا تعالیٰ سے کرو اور پوچھو کہ یہ کیوں فرمایا؟ آجکل یہ بھی ایک عجیب عادت ہو گئی ہے کہ لوگ ہر بات کا ذمہ دار مولویوں کو بتاتے ہیں صاحبو! مولوی تو صرف منادی کرنے والے ہیں، وجہ منادی کرنے والے سے نہیں پوچھی جاتی کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ اس امر کا ذمہ دار نہیں پھر کیا وجہ کہ مولویوں کو ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اگر وہ کچھ بتلا دیں تو انکا احسان ہے باقی ان کے ذمہ کچھ نہیں۔ غرض مال واولاد ذریعہ قرب نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالحہ ذریعہ قرب ہے۔ سو بعضے لوگ تو ہم میں سے ایسے ہیں کہ ایمان ہی کو بگاڑ بیٹھتے ہیں اگرچہ ان کے اعمال کسی درجہ میں اچھے ہیں لیکن عقیدے بالکل ہی تباہ ہیں۔ بہت سے پیروں سے اسقدر عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا سے بھی اتنا علاقہ نہیں رکھتے وہ انکو ایسا سمجھتے ہیں جیسا ایک سرچڑھا سررشتہ دار ہو کہ جو کچھ کہدیگا اسی پر دستخط ہو جاویں گے، اور انکے انکے نام پر کہیں نسلی چڑہاتے ہیں کہیں منتیں مانتے ہیں بعض نے تعزیوں کو اس قدر ضروری سمجھ رکھا ہے کہ انکا سارا دین وایمان وہی ہے۔ ایک شخص کہنے لگے کہ جب سے میں نے گیارہویں شریف چھوڑی ہے اسوقت سے مجھ پر آفتیں اترنے لگیں، استغفراللہ۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ بزرگوں کو ایصال ثواب نکرو مطلب یہ ہے کہ اپنا عقیدہ مت خراب کرو بلکہ اس نیت سے ایصال ثواب کرو کہ انھوں نے ہمارے ساتھ دینی احسان کیا تھا ہم انکو ثواب پہونچا ئیں باقی یہ بات کہ ان سے ہمیں مال یا اولاد ملے گی یہ کچھ نہ ہونا چاہیئے۔ اور غور کر کے دیکھو کہ ایسی نیت سے ایصال ثواب کرنا کتنی بے ادبی ہے۔ دیکھو اگر تمھارے پاس کوئی شخص مٹھائی لیکر آوے اور پیش کرنے کے بعد کہے کہ جناب مجھے فلاں کام ہے تو تمھارے دل پر کیا اثر ہوگا ظاہر ہے کہ جو کچھ خوشی اس مٹھائی لانے سے تمکو ہوئی ہوگی وہ سب خاک میں ملجا دیگی اور سمجھوگے یہ سب خوشامد اسی غرض کے لئے تھی دوسرے جب وہ حضرات اپنی زندگی میں اس قسم کی چیز دلی

سے دلچسپی نہ رکھتے تھے تو اب مرنے کے بعد کیوں انکو دلچسپی ہوگی، تو ایمان کی درستی تو جب ہوگی جب اس قسم کی ساری باتوں سے توبہ کرو۔ دوسری چیز عمل صالح ہے اس کے متعلق یہ حال ہے کہ بہت سے لوگ اسکو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ عقائد کی درستی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ جب عمل نہیں تو یہ درستی کیا کریگی اور جو لوگ عمل کو ضروری بھی سمجھتے ہیں تو صرف دیانات نماز روزہ وغیرہ کو، باقی معاملات بالکل ہی خراب ہیں۔ میں نے بہت سے متقی ایسے دیکھے ہیں کہ ان کے معاملات گند درگند ہیں خدا جانے وہ کیسا تقویٰ ہے کہ کبھی ٹوٹتا ہی نہیں گویا بی بی تمیزہ کا وضو ہے کہ بس ایکدفعہ کرکے عمر بھر کو چھٹی ہوگئی۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کے معاملات بھی اچھے ہیں لیکن اخلاق نہایت خراب ہیں نہ خدا کی محبت نہ خوف نہ توکل نہ صبر نہ شکر نہ توحید بلکہ ان کے بجائے تکبر۔ ریا۔ عجب۔ حسد۔ کینہ وغیرہ سے پُر ہیں یہ حال ہے کہ ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل ۔۔۔ وندروں قہر خدائے عزوجل

(باہر سے دیکھو تو مانند کافر کی قبر کے خوب مرصع و مزین حالانکہ اسکے اندر خدائے عزوجل کا قہر ہو رہا ہے)

از بروں طعنہ زنی بر بایزید ۔۔۔ وز درونت ننگ میدارد یزید

(بعض ظاہری حالات کو دیکھکر تم کسی بایزید صفت جیسے انسان پر طعن کرتے ہو حالانکہ تمہارا باطن ایسا ہے کہ اس پر یزید کو بھی ننگ ہو)

تو عمل صالح میں یہ اخلاق باطنی بھی آ گئے

(۱۷۷) اخلاق کی درستی تصوف سے ہے

یہی وہ چیز ہے جسکو تصوف کہتے ہیں اسی کی نسبت فرماتے ہیں اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (سبحان اللہ کہ اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں جنکو نہ تو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ کچھ غمگین ہونگے یعنی جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا) اگر کسیکو شبہ ہو کہ یہ تصوف نہیں بلکہ غیر معمولی چیز ہے تو سمجھو کہ اہل فن کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی تصوف ہے حواشی قشریہ میں ہے التصوف تعمیر الظاھر والباطن اور باطن کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک عقیدہ دوسرے اخلاق ان سب کی اصلاح بھی قرآن میں ہے مگر صوفیہ نے انکو تصوف سے تعبیر کیا ہے قرآن نے ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کیا ہے تو تصوف کی حقیقت یہ ہوا اور نمو اسکا یہ ہے تقریکم عند نازلی

(باقی آئندہ)

حامل مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی اللہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الہ آباد

چندہ سالانہ
عنہ (۲۰)
بیس روپئے

چندہ ششماہی
عنہ (۱۰)
دس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۸ | شوال ۱۴۰۱ھ مطابق اگست ۱۹۸۱ء | جلد ۴

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱ اے ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ارباب رسالہ اور اصحاب جرائد اپنی اپنی دشواریوں کا اظہار کرتے رہتے تھے تو تعجب ہوتا تھا کہ رسالہ تو ہم بھی نکال رہے ہیں ان لوگوں کو ایسی کیا دقت پیش آجاتی ہے جس کا یہ لوگ مسلسل شکوہ کرتے رہتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جانب سے اس نعمت کے سہولت کے شکر ادا کرنے میں کوتاہی واقع ہوگئی جسکی وجہ سے طباعت و اشاعت کی مشکلات سے اب ہمیں بھی دوچار ہونا پڑ گیا، ورنہ تو کاتب اپنے خاص لوگوں میں سے تھے پریس اپنا تھا، یہی دو بڑے مراحل ہیں جن سے نمٹنا پڑتا ہے باقی یہ کہ کاتب کو کوئی مانع نہ پیش آسکے اور پریس کو بجلی برابر ملتی رہے اور مشین کے کسی نقص سے مجروح نہ ہو یہ تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے ـــــــ معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ گذشتہ اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کے باعث احباب کو انتظار کی کافی تکلیف اٹھانی پڑی، اسی تناسب سے اب دیکھئے اگست کا رسالہ کب تک نظر نواز ہوتا ہے، خدا کرے یہ اپنے وقت پر شائع ہو جائے۔

الحمد للہ دفتر کا نہ نظام تبدیل ہوا ہے نہ کارکنوں میں سستی آئی ہے سب کو رسالہ کے بروقت نکلنے کا انتہائی اہتمام رہتا ہے لیکن اب کوئی غیر اختیاری مانع ہی پیش آجائے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟

احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اس خدمت کو صحیح طور پر بجا آوری کی توفیق عطا فرما دے اور اسے قبول فرمائے۔ آمین۔

(ادارہ)

قَالَ اللہ تبارک وتعالیٰ

مَا اٰتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم عنہ فانتھوا

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں جو حکم دیں اسکو لو اور جس شئے سے منع فرمادیں اس سے باز رہو)

بناءً علیہ رسالہ نافعہ

جَلَالَۃُ السُّنَّۃ

کہ یکے از مؤلفات

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

قدس سرہٗ است

بعد تبییض در رسالہ "وصیۃ العرفان" از زیور طبع آراستہ شد

مرتب ومترجم بندہ عبدالرحمٰن جامی

مقیم خانقاہ وصی اللّٰہی، بخشی بازار، الہ آباد

شوال ۱۴۰۱ھ

پیش لفظ

حضرت مرشدی مصلح الامۃ (مولانا شاہ وصی اللہ صاحب) نور اللہ مرقدہٗ نے تلاوتِ قرآن پر نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا اور یہ واضح فرما دیا کہ کلام اللہ کی تلاوت کو نسبت مع اللہ کے حصول میں بڑا قریبی دخل ہے اور ایک ایسا راستہ وصال حق کا ہے کہ ہر خاص و عام، عالم و جاہل بادنیٰ سعی اس راہ پر چل کر حق تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔

مضمون ہذا کی ابتدائی سطور میں خود حضرت اقدس نے تصریح فرمائی ہے کہ:۔

"میرا ایک مضمون جو کلام اللہ سے متعلق تھا مستقل رسالہ کی صورت میں "تلاوت قرآن" کے نام سے طبع ہو چکا ہے ...... یہ رسالہ جلالۃ السنۃ "سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے الخ"

اور مضمون کی آخری سطور میں ارشاد فرمایا کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت کا کچھ سراغ آپ کی ان ادعیہ سے ہوتا ہے جو آپ سے وقتاً فوقتاً ثابت ہیں"

اس مجموعۂ کلام سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا حدیث و سنت کا یہ مضمون بیان فرما کر اس امر کی وضاحت فرمانا چاہتے تھے کہ جس طرح سے حصولِ نسبت کا ایک ذریعہ بلکہ اقرب طرق وصول الی اللہ تعالیٰ تلاوت قرآن ہے اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بالخصوص مختلف اوقات سے متعلق آپ کی جو ادعیہ وارد ہیں ان کا دل سے پڑھنا بھی اللہ تعالیٰ سے نسبت اور قرب کا آسان طریقہ ہے۔

مضمون ہذا میں حضرت والا نے یہ بیان فرمانا چاہا ہے کہ سلفِ صالحین کا سنت کے ساتھ کیسا کچھ شغف رہا اور ہم آج اس سے کس قدر دور ہو گئے، چنانچہ اپنے اس رسالہ "جلالۃ السنۃ" میں سنت کی جلالۃ شان اور اسکی عظمت بیان فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں سنت کی تعریف اسکی ضرورت اور متبع سنت کون حضرات ہیں؟ ان سب امور پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اندازِ بیان بتلاتا ہے کہ مضمون ناتمام ہی رہ گیا ہے۔ کاش حضرت اقدس اسے مکمل فرما دیتے تو بڑا سرمایہ ہاتھ آتا۔ تاہم اسکے مطالعہ کے بعد اگر "مفتاح الرحمۃ" کا مطالعہ فرما لیا جائے تو انشاء اللہ کافی حد تک اس مضمون کی تکمیل ہو جائیگی۔ والسلام

جامی

مقدمہ

(حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہٗ کے اس مضمون پر جناب والدی مولانا محمد سراج الحق صاحب علیہ الرحمہ کے قلم سے لکھا ہوا ایک تمہیدی مضمون ذخیرۂ مسودات میں ملا جسکو حضرت والا کے مضمون کا مقدمہ بنا دینا مناسب معلوم ہوا۔ وھو ہذا) جامی

(باسمہٖ سبحانہ)

اتباع سنت کہنے میں بہت آسان معلوم ہوتا ہے مگر اسکی حقیقت آسان نہیں عام آدمیوں کو اسکا صحیح سمجھنا ہی ممکن نہیں جب تک کسی صحیح متبع سنت شخص کی صحبت میں رہکر اسکے اعمال و احوال کا غائر نظر سے تتبع نکرے۔ عموماً اسکا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جزئیات فقہ تک پر سنت کے موافق عمل کیا جائے، اتنے کو کافی سمجھکر بہت سے لوگ اپنے متبع سنت ہونیکا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں مگر اتباع سنت کی کچھ علامات و آثار بھی ہوتے ہیں بعض علامات یہ ہیں کہ اس مدعی کو وراثت نبوی میں سے استقامت، خرق عادت۔ طبیعت میں رِقت و لینت، ایثار اور مخلوق پر شفقت، رضا بالقضا وغیرہ کا کتنا کتنا حصہ ملا ہے۔ اگر کچھ نہیں ملا تو دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اگر کم ملا ہے تو اتنی ہی مقدار میں اسے اتباع سنت حاصل ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف شرع ظاہر ہی لیکر نہیں تشریف لائے بلکہ شرع باطن بھی لائے ہیں، حکمت بھی لائے ہیں، مخلوق پر شفقت بھی لائے ہیں، مخلوق کی رعایت کے ساتھ ساتھ حق گوئی بھی لائے ہیں، ان احوال میں بھی اتباعِ نبوی اگر ہوگا تو البتہ وہ حقیقی اور کامل اتباع ہے — اتباع کو فقہ ظاہر میں محدود سمجھ لینا ناواقفیت کی دلیل ہے۔

سراج الحق

جَلالۃُ السُّنَّۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اب سے کچھ عرصہ پہلے میرا ایک مضمون جو کلام اللہ سے متعلق تھا مستقل رسالہ کی شکل میں "تلاوت قرآن" کے نام سے طبع ہو چکا ہے (اور تلاوت قرآن کے نام سے وہ رسالہ مشہور ضرور ہوا تاہم اسکا پورا نام مضمون کتاب کے لحاظ سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے "القرآن نعمۃ موھوبۃ من اللہ تعالےٰ وتلاوت القرآن شکرھا" چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی اپنے خطبہ میں "نعم الٰہیہ" کا لفظ استعمال فرمایا۔ یہ نام بھی اسی لفظ سے ماخوذ ہے) ــ اور جس طرح سے کہ میں نے اپنے اس رسالہ کا افتتاح حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی مشہور معروف کتاب "الفوز الکبیر" کے خطبہ سے تبرکاً وتیمناً کیا تھا اسی طرح سے یہ رسالہ "جلالۃ السنۃ" جو کہ سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے جی چاہتا ہے کہ اسکی ابتدا بھی بجائے اپنے الفاظ سے کرنے کے شیخ محمد عبد العزیز الخولی المصری مدرس الشریعۃ الاسلامیہ بمدرسۃ القضاء الشرعی کی مشہور و معروف تصنیف "مفتاح السنۃ" کے مقدمہ سے کروں کیونکہ جس موضوع پر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اسکا بیان انکے خطبہ میں علیٰ وجہ الاتم پایا پس برکت کے لئے انھیں کا خطبہ بعینہ نقل کرتا ہوں، اور اسی کو اپنی اس تالیف کا مقدمہ قرار دیتا ہوں، وھو ہذا۔

الحمد للہ الذی جعل من	تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس
السنۃ تبیانا للکتاب ونوراً	سنت کو کتاب اللہ کا بیان بنایا اور ایسا نور بنایا
یھتدی بہ اولوالالباب وبعث	جس کے ذریعہ ارباب عقل ہدایت حاصل کرتے ہیں
الیھا من الحفاظ المتقنین	اور پھر سنتوں کی جانب عمدہ یاد والے حفاظ کو اد

الرواة الصادقين والنقدة
بصيرين من قام بصادق
ـد متها وحفظ عليها جلال
ـرمتها ونفى عنها تحريف
ـغالين وانتحال المبطلين
تاويل الجاهلين وصافها
ـن افك المفترين ودغل
ـدجالين فحفظت على
ـر العصور من يد الدثور
صينت (بعناية الله)
ـن ارباب الفجور فلله
زيد الحمد والمنة على
حفظ من معالم دينه
سبل رشاده وعلى صفيه
ليله محمد بن عبد الله
ـلواته وسلامه وعلى آله
ـحبه ومن تبعهم باحسان
ـى يوم الدين.

وبعد فان من
علم له بالكتاب والسنة
حظ له من الملة الحنيفية
الشريعة المحمدية وليس له
ـن نور الهداية ومصباح

سچے راویوں کو اور بصیرت والے ناقدین کو بھیجا
جنھوں نے کہ اپنی اپنی خدمات پیش کیں یعنی اسکی
عظمت اور جلالتِ شان اور اسکے احترام کو محفوظ رکھا
اور غلو کرنے والوں کی تحریف اور اہل باطل کے
غلط انتسابات اور جاہل اور اہل نفس کی
غلط تاویلوں سے اسے پاک و صاف کیا
نیز افترا پردازوں کی کذب بیانی اور دجالوں
کے دغل سے اسکو بچائے رکھا۔ چنانچہ
مرور ایام کے باوجود ہلاکت کے ہاتھوں سے
وہ محفوظ رہی اور محض حق تعالیٰ کی عنایت
سے ارباب فسق و فجور کا اس پر کوئی
داؤں نہ چل سکا' پس اللہ کی مزید حمد ہے
اور اسی کا احسان ہے کہ اس نے اپنے
معالم دین کے رشد ہدایت کے اس طریق کو محفوظ رکھا
اور اللہ کے برگزیدہ نبی اور اس کے محبوب
یعنی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبداللہ
پر اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ وسلام ہو اور آپؐ کے آل پر بھی
اور آپ کے تمام اصحاب پر بھی اور ان لوگوں پر
بھی جو قیامت تک آپکے متبعین میں داخل ہوں ۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ جانو کہ جس کو کتاب و سنت کا
علم نہیں تو یوں سمجھو کہ دین و ملت (اسلامیہ) سے اسے
کوئی حصہ نہیں ملا کیونکہ نہ اس کے پاس ہدایت کا نور ہی
موجود ہے اور نہ ہی نبوت کا چراغ اسکے سامنے ہے

النبوة ما يهتدي به في دياجير شبهات و ظلمات الترهات وان صدره لغفل من برد اليقين وعقله بمعزل من اصابة الحق المبين قلبه خلو من وعظ الايمان وخشية الديان فالخير كل الخير في اتباع الكتاب والسنة واقتفاء هديهما والاعتراف من بحرهما الواسع وجودهما السابغ ولا شي اهدىٰ للنفوس واجلب لسعادتها وارجىٰ لطهارتها من تفهم هذين الصنوين والعكوف علىٰ درسهما وتدبر معانيهما والنفوذ الىٰ مغزاهما وهناك طهارة القلب وصفاء العقل وكمال النفس

فكان خليقًا بالعلماء و روادالدين ان يجعلوا مقصدهم الاسنىٰ وغايتهم القصوى معرفة هذين الاصلين والاستظلال بظل هاتين

جسکے ذریعہ سے شک و شبہات کی تاریکیوں میں یا پیچ در پیچ راستوں کی اندھیریوں میں وہ ہدایت یاب ہو سکے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکا سینہ یقین کی ٹھنڈک سے خالی ہوگا اور اسکی عقل کھلے ہوئے حق کے سمجھنے سے بھی قاصر رہے گی اسی طرح سے اسکا قلب وعظ ایمانی سے خالی اور خشیۃ ربانی سے عاری پس بھلائی اور ہر قسم کی بھلائی کتاب و سنت کے اتباع ہی میں منحصر ہے اور ان کے پیش کردہ طریق کے اتباع میں ہے اور ان دونوں کے وسیع سمندر اور کثیر بخشش سے سیراب اور فیضیاب ہونے میں ہے بلکہ یوں سمجھو کہ کوئی چیز نفوس کیلئے ہدایت کرنیوالی اور فلاح نفس کو حاصل کرنے والی اور ایسی کہ نفس کی طہارت جس سے متوقع ہو ان دونوں یعنی کتاب و سنت کے سمجھنے اور انکے درس پر مداومت کرنے اور انکے معانی میں غور کرنے اور انکی تہ تک پہونچنے سے بڑھکر نہیں ہے۔

پس یہی یعنی کتاب و سنت کا اعتنار اور ان کے ساتھ شغف وہ چیز ہے جو قلوب کی طہارت اور عقول کی صفائی اور نفوس کے کمال کی ضامن ہے۔

لہذا طالب دین اور علمائے شرع متین کے

الذ وحيين والاحتما بحماهما وابتغاء الهداية من سبيلهما ولكن فوا اسفاه صرفوا عنهما العناية وولوا وجوههم نحو الفروع وما اليها وتحكموا في الكتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم فآثروا الفروع على الاصول وقدموا آراء الرجال على قول الله وقول الرسول وماذا لك اغماض لمقام الكتاب والسنة وتغال في وضع الآراء مواضع المنصوص وانه لخطأ (لو يعلمون) عظيم تنكره اصولهم . وتاباه عليهم (لو انصفوا) عقولهم

(مفتاح السنة ص۳)

لائق اور سزاوار تو یہ امر تھا کہ ان دونوں صلو یعنی کتاب و سنت کو اپنا مقصد اعلیٰ اور غایت قصویٰ بناتے اور ان دو گھنے درختوں سے سایہ حاصل کرتے اور انھیں کی حدود میں پناہ پکڑتے اور انھیں دونوں کے راستہ سے ہدایت حاصل کرتے لیکن افسوس صد افسوس کہ ان لوگوں نے ان دونوں کی جانب اصلا التفات نہ کیا بلکہ اپنا رُخ ان دونوں سے ہٹا کر فروع کی جانب کر لیا اور انکو کتاب و سنت پر ترجیح دی، پس فرع کو اصل سے بالاتر کر دیا۔ اور لوگوں کی رائے کو اللہ و رسول کے ارشادات سے بڑھا دیا اور اسکا سبب سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ انھوں نے کتاب و سنت کے مقام و مرتبہ سے چشم پوشی کی اور نفوس کی آراء کو نصوص کے مقام میں رکھدیا اور اسمیں شک نہیں کہ انکا یہ غلو ایک خطاء عظیم تھی (کاشکہ یہ لوگ اسکو سمجھتے) ایسی خطاء کہ ان کے اصول اس پر انکار کرتے ہیں اور انکی عقول اس سے اباکرتی ہیں (اگر یہ لوگ بہ نظر انصاف اسکو دیکھتے)

مقدمۂ کتاب تو ختم ہوا یعنی مجھے علامہ عبدالعزیز خولیؒ کے اسی استنے مضمون کو اپنی کتاب کا مقدمہ بنانا تھا لیکن علامہ خولی نے اسکے آگے کچھ ایسی باتیں بیان کی ہیں جنکا ذکر یہاں ناظرین کے لئے افادہ سے خالی نہیں اسلئے اسے بھی بیان کرتا ہو فرماتے ہیں :-

ومن عجيب امر ان يعدوا من كبار المفسرين

اور اس زمانے میں لوگوں کا یہ حال بھی تعجب خیز رہی ہے کہ ان میں کا وہ شخص کبار مفسرین میں شمار کیا جاتا ہے

من درس مثل تفسير جلالين او النسفي دون ان تكون له ملكة فهم القرآن و ذوق يدرك به سرّ فصاحته وكمال اقتدار على تطبيقه على سير الناس ومعاملاتهم

(مفتاح السنة ص۳)

جو صرف جلالین شریف یا تفسیر مدارک کا درس دے لیتا ہو اگرچہ اسکے اندر نہ تو قرآن فہمی کا ملکہ ہو اور نہ ہی کتاب اللہ سے اسے کچھ ذوق ہو جس کے ذریعہ اسکی فصاحت کے اسرار معلوم کرسکے اور نہ اسکو اس بات پر قدرت اور مہارت حاصل ہو کہ وہ آیات قرآنیہ کو لوگوں کی سیرت اور حالات اور انکے معاملات پر منطبق کرسکتا ہو یعنی انکو بتا سکتا ہو کہ یہ تمھاری سیرت اور تمھارے حالات ہیں اور قرآن یہ کہتا ہے اور اسکا تم سے یہ مطالبہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ خولیؒ نے نہایت ہی عمدہ بات بیان فرمائی اور علماء رسوم کا خوب ہی چور پکڑا واقعی آج عام حالت یہی ہے کہ ایک شخص کو کتاب و سنت کا ذرا بھی ذوق حاصل نہیں ہوتا مگر دیکھا جاتا ہے کہ وہی عالم، واعظ معلم، مدرس حتیٰ کہ شیخ طریقت شمار کیا جاتا ہے، پھر بھلا دین کے علم و عمل کی اشاعت ہو تو کیسے ہو؟

یہاں علامہ خولی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر در اصل وہی ہے جسے قرآن کا ذوق حاصل ہو لیکن میں کہتا ہوں کہ ذوق کی شرط صرف مفسر ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر طبقے کے لئے ضروری ہے، یعنی محدث وہی کہلائے گا جسے حدیث کا ذوق ہو، فقیہ وہ شخص سمجھا جائے گا جسکو فقہ کا ذوق ہو۔ شیخ اور مرشد طریق وہ کہلائے گا جسکو طریق کا ذوق ہو چنانچہ محدث کے متعلق تو آگے خود مولف ہی بیان کرتے ہیں کہ جلالین پڑھا لینے والے کو کبار مفسرین میں سے سمجھ لینا تو خیر عجیب ہی تھا

واعجب من ذلك ان يعدوا البخاري زمانه ومسلم

لیکن اس سے عجیب تر یہ بات ہے لوگ آج اس شخص کو بخاریٔ وقت اور

اوانه من مرعلى صحيح البخارى مرالسحاب دون ان يطلق لهٗ العنان فى تفهم الاحاديث واستنباط الاحكام ومقارنه ذلك بافهام المتقدمين وما استنبطوه منها۔

واين صحيح البخارى من كتب الصحاح والمسانيد والاجزاء التى يكاد يحيطها العد ولا يضبطها الحساب وان من المضحكات المبكيات ان ان تسئل كثيراً من العلماء عن اسماء الكتب الستة فلا يحر جوابا كان ذلك ليس لديه من الدين فى ورد ولا صدر ولا قبيل ولا دبير فلا حول ولا قوة الا بالله۔

اور مسلم زمانہ شمار کرتے ہیں جو صحیح بخاری پر اس طرح گذر جائے جس طرح سر کے اوپر سے بادل گذر جاتا ہے یعنی بدون اس بات کے کہ اپنی عنان توجہ احادیث کا مطلب سمجھنے اور اس سے احکام مستنبط کرنے اور پھر اپنے سمجھے ہوئے اور مستنبط کئے ہوئے کو متقدمین کے سمجھے ہوئے اور ان کے استنباط کئے ہوئے کے ساتھ تطبیق دے ــــ اور پھر صرف ایک صحیح بخاری ہی کا پڑھ لینا (وہ بھی مذکورہ بالا طریقہ) اسکا حدیث دانی میں کیا درجہ ہو سکتا ہے جبکہ دیگر اور کتب صحاح بھی ہیں اور مسانید اور اجزار کی تعداد تو بیحساب ہے۔ اور منجملہ ان باتوں کے جن پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی آتا ہے ایک یہ ہے کہ علمار زمانہ میں کثیر تعداد ایسوں کی ہے کہ اگر تم ان سے کتب صحاح ستہ کے نام ہی دریافت کرلو تو جواب سے عاجز رہیں گے (یعنی ان کتابوں کی جانب سے اتنی لاپروائی ہوگئی ہے جیسے دین میں انکا کوئی درجہ اور مقام ہی نہیں ہے۔ گھاٹ جانے اور آنے کی وقعت اور پلا اور کچھوا ہوا کی قدر تو قلب میں کسی درجہ میں سہی موجود ہے مگر علم سنت کے متعلقات سے ذرا تعلق نہیں ہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

جس طرح سے اوپر مفسر کے لئے فہم قرآن کا ملکہ، ذوق اور قدرت تطبیق کا ہونا معلوم ہوا۔ اسی طرح سے محدث کے لئے بھی احادیث کا فہم اور ملکہ استنباط کا پایا جانا ضروری معلوم ہوا اور میں یہ کہتا ہوں کہ اسی طرح سے شیخ کے لئے بھی جو ارشاد و تربیت کے لئے بیٹھا ہو ضروری ہے کہ وہ صاحب فہم و ذوق ہو اگر وہ

فہم وذوق سے خالی ہوگا تو دوسروں میں بھی ذوق وفہم نہ پیدا کرسکے گا یہی وجہ ہے کہ ذوق کے حاصل ہونے کا ذریعہ اہل ذوق کی صحبت ہے۔ محض کتابوں سے یہ چیز حاصل نہیں کیجا سکتی۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ

شیخ نورانی زرہ آگہ کند با سخن ہم نور را ہمرہ کند

(جو شیخ کہ نورانی اور ربانی ہوتا ہے وہ طریق سے تو آگاہ کرتا ہی ہے اسکے ساتھ ساتھ نور بھی عطا فرماتا ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح شیخ راہ سے آگاہ کراتا ہے اسی طرح سے وہی نور یعنی ذوق وفہم طریق بھی بخشتا ہے۔ آج یہی چیز ختم ہوگئی ہے اس لئے ہر فن اور ہر شعبہ میں نقصان پیدا ہوگیا ہے خواہ وہ طب یعنی علم ابدان ہو یا علم الادیان ہو جیسا کہ علامہ خولیؒ آگے اسکو بھی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

تنکرت معالم الدین	دین کے بڑے بڑے نشانات مٹ چکے اور ختم ہوچکے ہیں
وطبق الجهل علی المنتسبین	اور جو لوگ کہ دین کی جانب منسوب ہیں یعنی علماء وطلباء انکو جہالت
وسادت الفروع وعبدت	نے ڈھانپ لیا ہے یعنی اس طرح سے ان پر چھاگئی ہے کہ
لها الاصول وانكر علی	یہ لوگ جہالت کے پتلے معلوم ہوتے ہیں دین میں فروع نے سیادت کا
موثرلها المقتفی هدیها	مقام حاصل کرلیا ہے یعنی اصل ہوگئی ہے اور اصول کو انکا غلام
فزال جلال الدین من	بنا دیا گیا ہو یعنی وہ فروع ہوگئی ہے اور جو شخص معالم دین کو
النفوس وكاد یرحل	اختیار کرے اور اسکے راستے پر چلے اسکو منکر سمجھا جارہا ہے
من دار القضاء ویهاجر	چنانچہ نفوس سے دین کی شوکت اور اسکا دبدبہ بالکل اٹھ چکا ہے
من ارض المعاملات	اور قریب اسکے ہو کہ قضاء کے گھر سے تو یہ کوچ ہی کر جائے اور
(مفتاح السنة ۳۵)	معاملات کی سرزمین سے بالکل ہجرت کر جائے یعنی اس زمانے
	میں نہ تو قضاء میں دین باقی رہا اور نہ معاملات میں اسکا اہتمام رہا

دیکھئے علامہ عبدالعزیز خولی شروع مقدمے میں فرمارہے ہیں کہ من لا علم له بالكتاب والسنة لاحظ له من ملته الحنفيه والشرعة المحمديه یعنی جس شخص کو کتاب وسنت کا علم نہیں ہے اسکو دین حنیفی اور شریعت محمدی میں

میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسی کے پیش نظر عرصہ سے جی چاہتا تھا کہ مسلمانوں کو کتاب و سنت سے روشناس کراؤں اسلئے کہ انکی سعادت دارین اسی میں منحصر ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ فالخیر کل الخیر فی اتباع الکتاب والسنۃ چنانچہ کتاب اللہ سے تعلق پر تحریض کے لئے میں نے ایک رسالہ "القرآن نعمۃ موہبۃ من اللہ تعالیٰ وتلاوت القرآن شکرہا" لکھا جو کہ "تلاوت قرآن" کے نام سے معروف ہے۔ اب اسوقت دوسری چیز یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ضرورت اور اسکی جلالتِ شان ظاہر کرنے کے لئے زیر نظر رسالہ "جلالۃ السنہ" پیش کر رہا ہوں، جس میں بیان کرونگا کہ سلف صالحین کو سنت کے ساتھ کسدرجہ شغف رہا ہے اور آج ہم اس سے کس درجہ بے تعلق ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن شریف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کی اقتدار کا ضروری ہونا بیان کرتا ہوں۔ قال اللہ تعالےٰ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيراً یعنی تم لوگوں کے لئے یعنی اسکے لئے جو اللہ سے اور آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو یعنی جو مومن کامل ہو اسکے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے یعنی جب آپ ہی شریک جہاد رہے تو آپ سے زیادہ کون پیارا ہے کہ وہ آپکی اقتدار نکرے اور جان بچائے پھرے۔

اس آیت کے تحت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں الاسوہ بکسرۃ الھمزۃ وبضمھا قال الراغب ھی الحال التی یکون علیھا الانسان راغب کہتے ہیں کہ اُسوہ یا اِسوہ اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان ہو۔ اور مطلب اس آیۃ کا یہ ہے

واللہ لقد کان لکم	خدا کی قسم بیشک تمہارے لئے رسول اللہ
فی رسول اللہ خصلۃ حسنۃ	صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ایک خصلۃ حسنہ ہے
من حقھا ان یؤتسی	جس کا حق یہ ہے کہ اسکی اقتدار کی جاوے
ویقتدی بھا کالثبات	مثلاً جنگ میں ثبات قدمی اور رشد اند

في الحرب ومقاساة الشدائد	کو برداشت کرنا
ويجوز ان يراد	اور جائز ہے کہ اسوہ سے مراد یہاں قدوہ بمعنی مقتدٰی
بالاسوة القدوة بمعنى	کے ہوں اور معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
المقتدا على معنى هو	فی نفسہ ایسے مقتدا ہیں کہ آپ کو مقتدا بنانا زیب دیتا
صلى الله عليه وسلم في نفسه	ہے۔
قدوة يحسن التأسي به	اور آیت میں اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
والآية وان سبقت	کی اقتدار جہاد کے معاملات میں کرنے کے لئے
للاقتداء به عليه الصلوٰة	وارد ہوئی ہے یعنی یہ کہ آپ کی طرح ثابت قدمی وغیرہ اختیار
والسلام في امر الحرب	کیجائے۔ لیکن یہ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال
من الثبات ونحوه فهي	کے لئے عام ہے بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ وہ فعل
عامة في كل افعاله صلى الله	آپ کی خصوصیات میں سے نہیں ہے مثلاً چار عورتوں
عليه وسلم اذا لم يعلم	سے زیادہ سے نکاح کرنا (چونکہ یہ معلوم ہے کہ
انها من خصوصياته	یہ آپ ہی کی خصوصیت ہے اسلئے اس پر
كنكاح ما فوق اربع نسوة	اتباع نہیں ہے

(روح المعانی ص ۱ ج ۲۱)

نیز اسی آیت کے تحت کشاف میں ہے

فان قلت فما حقيقة	اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَقَدْ كَانَ
قوله لقد كان لكم في	لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی حقیقت
رسول الله اسوة حسنة	کیا ہے تو میں کہوں گا کہ یہاں دو صورتیں ہیں ایک
قلت فيه وجهان احدهما	یہ کہ حضورؐ فی نفسہ اسوۂ حسنہ ہیں یعنی قدوہ اور
انه في نفسه اسوة حسنة	پیشوا ہیں اور یہ استعمال ایسا ہی ہے جیسے تم
اي قدوة وهو المؤتسى	لوہے کے خود (ٹوپی) کے بارے میں کہتے ہو کہ
اي المقتدى به كما تقول	اس میں بیس سیر لوہا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے

في البيضة عشرون
مناً حديد اي هي في نفسها
هذا المبلغ من الحديد
والثاني ان فيه خصلة
من حقها ان يؤتسى
بها وتتبع وهي المواساة
بنفسه "لمن كان
يرجوا الله واليوم الآخر"
اي يرجوا ايام الله واليوم
الآخر خصوصاً والرجاء
بمعنى الامل والخوف
وذكر الله كثيرا وقرن
الرجاء بالطاعات الكثيرة
والتوفر على الاعمال الصالحة
والموتسي برسول الله صلى الله
عليه وسلم من كان ذالك

وہ خود فی نفسہا اس وزن کے ساتھ متصف ہے یعنی بیس سیر کی ہے۔ اور دوسرا استعمال اس جملہ کا یہ ہے کہ آپ کے اندر ایک خصلت ایسی موجود ہے کہ جس کا حق یہ ہے کہ اسکا اتباع کیا جائے چنانچہ وہ خصلت مواساۃ بنفسہ ہے یعنی اپنی جان ہی کا ایثار کر دینا آگے فرمایا کہ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ یعنی دوسری صفت اسکی یہ ہونی چاہیئے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ایام اور خاص کر یوم قیامت پر یقین رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔ یہاں رجا اور امید کو طاعت کثیرہ اور اعمال صالحہ کی کثرت کے ساتھ بیان کیا اس لئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہوتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے یعنی طاعات و اعمال کر کے امید قائم کرتا ہے کیونکہ بدون طاعت کئے محض امید پر نظر رکھنا ہوس ہے۔

(کشاف جلد دوم ص ۳۲۲)

مفسرین کے اقوال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپکی اقتدار کا حکم فرمایا گیا ہے اور یہ آیت اپنے شان نزول کے اعتبار سے اگرچہ خاص ہے لیکن حکم تمام افعال کے لئے عام ہے بشرطیکہ وہ آپکی خصوصیات میں سے نہ ہوں اس لئے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپکی اقتدار اسی وقت کیجا سکتی ہے جبکہ آپ کی سیرت کا علم ہو اور آپکی سیرت کا علم کتاب و سنت ہی سے ہو سکتا ہے۔ یوں آج سیرت

کا لفظ ہر ایک کی زبان پر ہے اور اس پر بہت بہت تقریریں کیجاتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر تقاریر اور مدارس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر علم سیرت و سنت ہم سے رخصت ہوتا جارہا ہے ورنہ آپ خیال کرسکتے ہیں کہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا صحیح علم ہوا اور پھر گمراہی باقی رہے، آج جو گمراہی بڑھتی جارہی ہے اسکا واحد سبب یہی ہے کہ ہمیں اپنے نبی کی سنتوں کا علم ہی نہیں رہا اور علم حاصل کرنے کی کوشش اسلئے نہیں کرتے کہ اتباع نہیں کرنا چاہتے۔ لہٰذا خیال کرتے ہیں کہ جس گاؤں جانا نہیں اسکا راستہ کیا پوچھنا لیکن ہمارے اسلاف کا یہ حال نہیں تھا بلکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے جمع کرنے اور یاد رکھنے میں بڑی محنت کی تھی ہر ہر شخص اپنی اپنی استعداد کے مطابق اسے اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کی کوشش کرتا تھا جسکا ایک ادنیٰ نمونہ ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

صاحب مفتاح السنۃ تحریر فرماتے ہیں کہ سنت پر مختلف دور گذرے ہیں منجملہ ان کے دور اول یہ تھا کہ سنتیں لوگوں کے صدور میں محفوظ تھیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-

لم تكن السنة في القرن الاول (عصر الصحابة واكابر التابعين) مدونة في بطون الكتب وانما كانت مسطورة على الصفحات القلوب فكانت صدور الرجال معهد التشريع النبوي ومصدر الفتيا ومبعث الحكم والاخلاق۔

چنانچہ لوگوں کے سینے تشریع نبوی کے گہوارے تھے (یعنی جسطرح سے چھوٹا بچہ جھولے اور گہوارے میں رہا کرتا ہے اسیطرح تشریع نبوی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے موجود ہونے کی جگہ رجال کے قلوب ہوتے تھے) اور فتووں کے صادر ہونے کی جگہ اور حکم و اخلاق کے ابھر سنے اور انکے پائے جانے کے مقامات تھے، یعنی شریعت، فتاوے، حکمت اور اخلاق کی باتیں سفینہ کتب کے بجائے لوگوں کے سینوں میں موجود اور محفوظ تھیں۔

(باقی آئندہ)

(مکتوب نمبر ۲۲۳)

حال: خدا کے فضل و کرم سے حضرت کی دعاؤں کے طفیل یہ کمترین اور مولانا ... ندوی صاحب بخیر و عافیت الہ آباد پہونچے۔ یہاں تمام حضرات مع الخیر تھے اور خانقاہ سے لیکر مسجد و مدرسہ بلکہ پورے محلہ کی فضا جناب والا کے فیوض و برکات سے بدستور سابق مملو نظر آئی۔ بیساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہوگیا ؎

خوشا مسجد و مکتب و خانقاہے   کہ دروے بود قیل و قال محمدؐ

دعا رہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سرچشمۂ فیض تا دیر جاری و ساری رکھے اور ہم جیسے تشنہ لبوں کو اسکے شیریں جرعات سے ہمیشہ شاد کام و سیراب فرمائے یوں تو حضرت اقدس! حاضری کے مواقع اس سے قبل اکثر و بیشتر حاصل ہوتے رہے ہیں مگر ابکی مرتبہ بمبئی کے چہاردہ روزہ قیام سے صبح و شام جناب کی توجہ عالیہ کی برکات و انوار کے سبب بحمد اللہ ایک عجیب و غریب امید افزا کیفیت حاصل ہوئی ہے جسے الفاظ میں بس یوں عرض کر سکتا ہوں کہ جیسے کوئی متلاشیٔ منزل اپنے کو منزل سے قریب ہوتا ہوا پائے اور قلب و روح ایک انبساطی کیفیت سے معمور نظر آئے۔

حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ یہ احساس قائم رکھیں اور اسکے ذریعہ اس ناکارہ کو بھی منزل مقصود سے ہمکناری نصیب ہو۔ ع

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

تحقیق: الحمد للہ بخیریت پہونچ گئے، خط سے حالات معلوم ہوئے۔ الحمد للہ کہ ابکی مرتبہ امید افزا کیفیت حاصل ہوئی۔ آپ کے مضمون خط سے بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان جملہ کیفیات و حالات میں روز بروز ترقی عطا فرمائے۔

(مکتوب نمبر ۲۲۴)

حال: گزارش یہ ہے کہ اس سال میرا دورۂ حدیث شریف چل رہا ہے اس لئے حضرت والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ میرے لئے دعا کریں کہ جس طرح سے میں حدیث پڑھ رہا ہوں اسی طرح حدیث والے سے خدا تعالیٰ نسبت بھی پیدا فرمادے اور علم دین اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ امید کہ ابھی گراں قدر دعاؤں سے نوازیں گے اور دعاؤں میں بھی یاد رکھیں گے۔

تحقیق: ماشاء اللہ تعالیٰ آپ نے جس دعا کی درخواست کی ہے اس سے اندازہ ہوا کہ اخلاص اور حسنِ نیت آپ کے پیش نظر ہے۔ حق تعالیٰ اس میں یوماً فیوماً ترقی عطا فرمائیں۔ صاحب حدیث صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہونے کے لئے میں نے ایک آسان طریقہ بیان کیا ہے، ملجائے تو میرے رسالہ "مفتاح الرحمۃ" کو دیکھئے۔

(مکتوب نمبر ۲۲۵)

حال: "بشریت کی راہ سے ترقی" کو بغور و مسلسل مطالعہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد حضرت والا کی عظمت و جلالت علم کا سکہ دل پر کچھ اس طرح بٹھا دیا کہ بشریت کی راہ سے ترقی کا پورا آئینہ حضرت والا کی مبارک زندگی میں نظر آیا وہ ادعیہ ماثورہ جو ہم تقریباً ہر روز مناجات مقبول میں پڑھتے ہیں اور اسے بجز ایک معمول کے اور کچھ نہیں سمجھتے تھے آں محترم نے اسکی قوت اسکی روح کو اس طرح کھول کر سامنے رکھدیا کہ بیساختہ دل چیخ اٹھا اور سمجھ میں آگیا کہ باری تعالیٰ نور بصیرت کے گنج شائیگاں شاہی خزانہ سے اپنے مخصوصین اور محبوبین ہی کو نوازتا ہے جنکے ریشہ ریشہ میں اتباع سنت کا عطر بسا ہوا ہے ؂

دہد او عشق احمدؐ بندگانِ چیدۂ خود را　　　　کہ بخشد شاہ خاصاں را مئے نوشیدۂ خود را

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی محبت وہ اپنے خاص ہی خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں اسلئے کہ بادشاہ لوگ اپنے مخصوصین ہی کو اپنا بچا ہوا شربت عطا کرتے ہیں)

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے کہ ہم جیسے بے بصر کور باطنوں کی آنکھ بھی کھل جائے اور مئے نوشیدۂ شاہ کا کوئی قطرہ کوئی جرعہ نصیب ہو جائے۔

حکیم صاحب زید لطفہ سے تفصیلی ملاقات ہوئی اور آنمحترم کی صحبت مجلس۔ شفقت و نصیح اور محبت کی پوری روداد سامنے رکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے بعد جسمانی کے باوجود ایسا قرب محسوس ہوتا ہے کہ گویا اس وقت بھی سامنے ہی ہوں، آنکھیں حضرت کی طرف لگی ہوئی ہیں، کان ملفوظاتِ طیّبات سن رہے ہیں، دل توجہات بے پایاں کی نوازشات سے سرشار ہے معمولات حضرت کی توجہات سے الحمدللہ ادا ہو رہے ہیں۔ طبیعت کو بے راہ رو کرنے کے لئے یہاں قدم قدم پر فتنے ہیں لیکن حضرت والا کی توجہ کی برکت سے ان سب سے دوری ہے اور انشاء اللہ آئندہ رہیگی۔

تحقیق: آپ کو میرا مضمون "بشریت کی راہ سے ترقی" پسند آیا تو غنیمت ہے کیونکہ اس زمانہ میں اگر مدرسہ کے لوگوں کو سنت و شریعت کی بات اور وہ بھی کوئی علمی بات پسند آجائے تو میرے لئے تو تعجب ہی ہے اور انکی کرامت ہے۔ آپکو جو معرفت ہوئی اس سے بہت مسرت ہوئی۔ آپ نے جسمانی بعد کے باوجود بھی اثر لیا یہ تعلق کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں ترقی بخشے۔ آمین۔

(مکتوب نمبر ۲۲۶)

حال: بندۂ نیازمند بمبئی سے بادب عرض گذار ہے کہ رات عشاء کے وقت حضرت اقدس بخیر و عافیت الہ آباد رونق افروز ہو گئے۔ الہ آباد، الٰہی آباد۔ آمین اکثر و بیشتر ذکر و تصور حضرت اقدس کا ہی رہے۔ حق تعالیٰ عز اسمہ اپنی مخلوق کو

حضرت اقدس کے فیوض سے مستفید فرمائیں، آمین۔ اہل بمبئی نے اس دفعہ خصوصیت کے ساتھ تشریف بری کو محسوس کیا مجھے گھر اور راہ میں بھی رونق نظر نہیں آتی اور بھی لوگ دل اچاٹ ہیں، دعار ہے کہ پھر جلد ہی کرم پاشیوں کی ہما ہمی ہو، آمین ثم آمین۔

گھر میں سب دست بستہ سلام عرض کرتے ہیں۔ موٹر میں اخلاق کی تعلیم فرمائی اب انشاء اللہ اس پر عمل کروں گا، نظر بفضلہ تعالیٰ درست ہو رہی ہے یہ عریضہ خود اپنے قلم سے عرض کر رہا ہوں۔ حد ادب۔

تحقیق: جناب مشفقی و محبی سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

الحمد للہ بعافیت پہونچ گیا اور بعافیت ہوں، وہاں کے حالات کا علم ہوا۔ اثر ولیل ہے محبت کی انشاء اللہ تعالیٰ اہل بمبئی کو اور خصوصاً آپ کو فائدہ کثیر پہونچے گا۔ یہاں کے کام سے فارغ ہوکر حاضر ہونگا انشاء اللہ۔ گھر پر سب کو اور سب پرسندگان حال کو سلام کہیئے۔ دعار سب کے لئے کرتا ہوں اور آپ نے بے رونقی کو جو لکھا ہے تو اسکے متعلق کہتا ہوں کہ اہل اللہ عالم کے قلب ہوتے ہیں جس جگہ سے چلے جاتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا دل ہی نکل گیا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کیئے

(مکتوب نمبر ۲۲)

حال: معلوم ہوا کہ ۲۸ جولائی کو آنجناب الہ آباد واپس تشریف لا رہے ہیں خبر پاکر فوراً حاضری کا قصد تھا لیکن انتخاب کی تاریخ میں امروز و فردا کا حکم ہے بہرکیف آئندہ اتوار کو انشاء اللہ صبح دن بھر کے لئے حاضر ہوکر قدمبوسی حاصل کرونگا اسکے بعد دو تین دن کا وقت نکال کر حاضر ہوں گا۔

تحقیق: الحمد للہ بخیریت ہوں۔ آپ کی آمد کا مجھے انتظار تھا لیکن اب آپ سے کہتا ہوں کہ آپ وہیں کے چکر میں رہیئے اور وہیں کے چکر کو نباہ لیجئے تو بھی غنیمت ہے یہاں کا کام مشکل ہے ؎

سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر
تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر

(مکتوب ۲۲۸)

تحقیق: حضرت والا نے ایک دن دوران تقریر فرمایا تھا کہ اب آئندہ تقریر مجلس نہیں کرونگا، میرے بیان سے آپ لوگوں کو کیا فائدہ پہنچا —— اس پر بہت سے حضرات نے جا کر حضرت والا سے اپنے اپنے حالات عرض کیے اور حضرت والا پر ٹوٹ پڑے مگر احقر حاضر نہ ہوسکا اور اسوقت بیان نہ کر سکا۔ اسلئے عرض ہے کہ احقر کی کیفیت یہ ہے کہ حضرت والا کے طفیل اللہ تعالیٰ سے اسقدر تعلق پیدا ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ ہے ورنہ تو میں اس سے چمٹ جاتا مگر بحمداللہ تعلق اسقدر ہوا ہے کہ یہ کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ حضرت والا کی صحبت و برکت کے طفیل یہ حال ہوا ہے۔

تحقیق: آپ کے حالات سے خوش ہوا۔ ماشاء اللہ۔

(مکتوب نمبر ۲۲۹)

حال: حضرت والا! لوگ ابھی سے پوچھتے ہیں کہ اب حضرت کب تشریف لاویں گے کہدیتا ہوں کہ برسات بعد۔ حضرت والا اسٹیشن پر لوگوں کا عجیب حال تھا ہر شخص چاہتا تھا کہ رخ انور کو دیکھتا ہی رہے اسکے لیے ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ ایک قلی منہ ڈبڈھا کھڑا تھا وہ بھی دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ کہتا تھا کہ یہ بھی ایک انسان ہیں کہ انکے دیکھنے کے لیے اتنی مخلوق جمع ہے

کہ پروانہ وار لوگ انکے دیکھنے کے لئے بیتاب اور بیچین ہیں۔ اسکی یہ بات مجھکو بہت پسند آئی۔

حضرت والا نے جس طرح "تلاوت قرآن" رسالہ تحریر کرکے قرآن شریف کی معرفت کرایا کہ کس ادب اور کس ڈھنگ سے قرآن شریف کی تلاوت کرنی چاہیے اسی طرح سے مناجات مقبول کی چند دعاؤں کی تشریح فرماکر اور "مفتاح الرحمۃ" رسالہ تحریر فرماکر مناجات مقبول (یعنی ادعیہ مسنونہ) کی معرفت کرا دی **تحقیق**: الحمدللہ

حال: وہی دعائیں پہلے ہم سرسری پڑھا کرتے تھے اور کوئی اثر قلب پر نہیں ہوتا تھا اور اب تو ایسا ہوتا ہے کہ جی نہیں چاہتا کہ کوئی دعا بغیر تکرار کے پڑھی جائے (یعنی ایک ہی دعا کو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے) **تحقیق**: الحمدللہ

حال: خصوصاً وہ دعائیں جنکو خصوصیت کے ساتھ حضرت والا نے بیان فرمایا ہے اس پر پہونچکر قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور بار بار اسکو نہایت متاثر ہوکر پڑھتا ہوں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پکڑ لیا ہے اور آگے پڑھنے نہیں دیتی۔ اسی طرح سے جن دعاؤں کو حضرت والا نے خصوصیت کیساتھ بیان فرمایا ہے انکو چلتے پھرتے لذت کے ساتھ متاثر ہوکر پڑھتا ہوں۔

تحقیق: الحمدللہ۔

(مکتوب نمبر ۲۳)

حال: حضرت والا الہ آباد کیا گئے ہماری ایک دنیا ہی الہ آباد منتقل ہوگئی۔ حضرت کی یاد بہت ستاتی ہے ہم لوگ اب یہاں اپنے آپ کو مہمل پا رہے ہیں خدا وہ دن جلد لائے کہ حضرت والا بمبئی جلد از جلد دوبارہ تشریف لائیں اور آپ کے قدموں میں حاضر ہوکر ہم سیہ کار ان پرکیف محفلوں اور مسرت آگیں ملاقاتوں سے دوبارہ لطف اندوز ہوں۔ حضرت والا کی قدمبوسی کے لئے

الہ آباد حاضر ہونے کا اگست میں ارادہ ہے۔ حضرت سے دعار کی استدعار ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دنیوی جھمیلوں سے جن میں ہم آجکل مبتلا ہیں جلدازجلد خلاصی دے تاکہ یہ شرف ہمیں جلد حاصل ہو۔

حضرت اقدس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی بھی پوری پوری کوشش جاری ہے، تہجد کے لئے اٹھنے میں اب بھی پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی اکثر ناغہ ہوجاتا ہے، اس معاملہ میں بھی حضرت دعار فرمادیں۔ ایک روز حکیم صاحب کے یہاں اور ایک روز میرے غریب خانہ پر یعنی ہفتہ میں دوبار حضرت کے حسب منشار مجلسوں کو قائم کرنا قرار پایا ہے۔ ان مجلسوں میں حضرت کی تعلیمات خصوصاً حضرت کی کتابوں پر غور وفکر کا انشاراللہ اہتمام رکھا جائے گا۔ حاجی ۔۔۔۔ صاحب کی زبانی الہ آباد کی خانقاہ کی بابرکت فضاؤں کا حال سنکر طبیعت یہ چاہتی ہے کہ اڑکر وہاں پہونچ جاؤں۔ آپ کے قیام کی برکت سے جو بمبئی کے لوگوں کے حالات پر اثر پڑا ہے اس سے حضرت توخوبی واقف ہیں بہت سے ملنے جلنے والوں نے جنکو ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا وہ منتظر ہیں کہ حضرت کی تشریف آوری پر اس فیض سے مستفیض ہوں اور اپنی دین و دنیا دونوں کی بہبودی کا سامان فراہم کریں۔

کیا عرض کروں حضرت والا تو ہمارے دل و دماغ پر چھا گئے ہیں آجکل تو یہ حال ہے کہ اللہ رب العزت اپنے لطف وکرم سے حضرت کا دیدار ہر دوسرے تیسرے خواب میں کرادیتے ہیں۔ احقر تو ویسے بھی صبح و شام ہر گھڑی آپ کو اپنے دل میں موجود پاتا ہے یقین کامل ہے کہ اس راہ سے اللہ تعالیٰ تک رسائی کا سامان اور سبیل نکل آئیگی۔ انشاراللہ۔ اب تو یہ حال ہے کہ جب گھبراہٹ بڑھ جاتی ہے تو ؂

جھانک لیتا ہوں مرے دل میں تسلی کے لئے
آپ آئے ہیں مرے دل میں مسیحا بن کر

تحقیق: آپ نے اگست میں آنے کے لئے لکھا ہے آمد کی خبر سے نیز مضمون خط سے بہت خوش ہوا دل سے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو صلاح و فلاح عطا فرمائے، اپنے احباب سے سلام مسنون کہئے۔

(مکتوب نمبر ۲۳۱)

حال: حضرت والا کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رہے، تمام عالم پر فیض عام ہو حضرت جیسا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

تحقیق: اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع پہونچائے۔ یہ آپ کی محبت ہے۔

حال: حضرت والا نے فرمایا ہے کہ اقوال اور افعال کی اتباع ہی اصل چیز ہے۔ حدود میں تعظیم و تکریم بھی ضروری ہے۔ ہر وقت مغموم و متفکر رہتا ہوں۔

تحقیق: الحمدللہ اچھا حال ہے

حال: الحمدللہ، حضرت والا کی توجہ کی برکت سے تہجد کی پابندی ہو رہی ہے تحقیق الحمدللہ

حال: مجلس میں قلب کی ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے، قلب ڈوبا ڈوبا سا رہتا ہے

تحقیق: خوب۔ یہ حال بھی اچھا ہے

حال: بعض وقت تپش معلوم ہوتی ہے۔ بعض وقت تلاوت قرآن کے وقت قلب کھنچتا ہے کسی سے بات کرنے کو طبیعت نہیں چاہتی، ہر وقت خاموش ہی رہتی

تحقیق: زبان کا بند ہونا قلب کے ذاکر ہونے کی علامت ہے۔ مبارک ہو۔

حال: دعا فرمائیں کہ صدق و اخلاص پیدا ہو، نسبت باطنی حاصل ہو۔ حضرت والا سے صحیح تعلق ہو، اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، اللہ تعالیٰ اپنی مرضی پر چلنے والا بنا دے۔ نفس کا عارف بنا دے، اپنے عیوب کا بصیر بنا دے استقامت عطا فرمائے، حقیقی توجہ کا محتاج ہوں۔

تحقیق: آمین آمین، دعا کرتا ہوں۔

واپسی پر مولوی حکیم حبیب اللہ صاحب کو ۹ رجمادی الثانی ۷۳ھ (۱۱ فروری ۱۹۵۴ء) کو جو خط لکھا اس میں یہ الفاظ آئے ہیں:۔

"فتحپور کا مبارک اور پرلطف سفر برسوں نہ بھولے گا۔ آتے جاتے آپ کی مخلصانہ اور محبانہ ادائیں اور فتحپور میں حضرت والا دامت برکاتہم کی بزرگانہ شفقتیں اور نوازشیں اب بھی یاد آتی رہتی ہیں اور دل میں چٹکیاں لیتی ہیں، اللہ تعالیٰ پھر وہ پرمسرت لمحات نصیب فرمائے اور آپ کی معیت میں فتحپور کا سفر نصیب ہو"

اس درمیان میں دو گھنٹے کے لئے دوبارہ اپنے مخدوم و محترم دوست صوفی عبدالرب صاحب کی معیت میں حاضری نصیب ہوئی۔ صوفی صاحب کے فرزند اکبر میاں خالد عمر ایم۔ ایس۔ سی سلمہٗ حال انجینئر جدہ کی مختصر سی بارات ساتھ تھی مولاناؒ نے انکا نکاح اپنے دوسرے خادم و محب مولانا امجد اللہ صاحب رئیس گورکھپورؓ کی صاحبزادی سے پڑھایا اور ہم لوگ رخصت ہوئے۔ اسی سفر میں مولاناؒ نے خصوصی شفقت فرمائی اور مجھے اپنے پاس ہی چارپائی پر بٹھایا۔ اسکے بعد عرصہ تک نہ ملاقات کی نوبت آئی نہ مکاتبت کا شرف حاصل ہوا۔ سب سے پہلا عریضہ ۱۳ ر رمضان ۷۴ھ کو لکھا جس میں اس ماہ مبارک میں دعا کی خصوصی درخواست تھی، مولانا نے اسکا بڑی شفقت سے جواب دیا اور تحریر فرمایا کہ

"امتثالاً للامر دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنی طلب صادق عطا فرمائے اور آپ کو اپنے مخلصین میں شامل فرمائے۔ آپ سے بھی اسی دعا کی درخواست ہے"

لہ مولانا امجد اللہ صاحب کا گزشتہ سال رمضان المبارک (۱۳۹۱ھ) میں مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور بقیع شریف میں دفن ہوئے۔

اسکے بعد حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات میں سے مکتوب بست و دوم کا ایک نہایت موثر مضمون نقل فرمایا کہ جس میں ما سوی اللہ سے انقطاع کلی اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے جہان کو خیرباد کہہ دینے کی تلقین تھی۔

اس کے بعد سے مکاتبت کا سلسلہ جاری ہو گیا جس میں طویل طویل وقفے بھی ہوتے رہے۔ اپنے خطوط میں دعا کی درخواست اور محبت و مناسبت کا ذکر اور حضرتؒ کے گرامی نامہ میں شفقت و خصوصیت کا اظہار ہوتا رہا۔ اسکے بعد ایک مرتبہ گورکھپور میں حاضری ہوئی، یہ وہ زمانہ تھا کہ فتحپور سے دل برداشتہ بلکہ آزردہ ہو کر گورکھپور تشریف لائے تھے اور حاجی نثار اللہ صاحب کی کوٹھی میں مقیم تھے۔ وہیں حاضری ہوئی، علالت کا سلسلہ کچھ عرصے سے جاری تھا اسلئے ملنے ملانے میں کچھ پابندیاں تھیں لیکن مجھے طلب فرمایا گیا اور نہایت شفقت فرمائی، جمعہ کی نماز کے لئے بھی میرے ساتھ ایک ہی رکشہ پر بیٹھکر تشریف لے گئے۔ گورکھپور سے واپس آکر میں نے ایک عریضہ لکھا جس میں ان شفقتوں اور خورد نوازی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ سعدیؒ کا مشہور مصرعہ بھی لکھدیا کہ۔ ع۔

کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید (دہقان کا سر تو مارے خوشی کے آسمان تک پہونچ گیا

اس خط کے ساتھ میں نے اپنی نو تصنیف کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت کا پہلا حصہ بھی اس تمہید و تقریب کے ساتھ بھیجا کہ جناب والا نے ایک مجلس میں فرمایا تھا کہ" بیماری میں ہر چیز سے یہاں تک گفتگو کرنے سے بھی طبیعت برداشتہ ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں جی چاہتا ہے کہ کوئی اور گفتگو کرے اور ہم سنیں۔ . . . . میں نے اسکا بدل تجویز کیا ہے کہ اپنی ایک حقیر تصنیف "تاریخ دعوت و عزیمت" پیش خدمت کروں اور وہ کبھی کبھی حضرت

ھ ۔مولانا، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ کو فتحپور سے گورکھپور تشریف لے گئے وہاں ڈیڑھ سال قیام رہا۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ کو الہ آباد تشریف لے گئے اور آخر تک وہیں قیام رہا۔

کی مجلس میں پڑھ کر سنا دی جائے ۔ اسکی جرأت اسلئے بھی ہوئی کہ اس کتاب کے بعض مضامین سے جو اکابر کے کلام و تالیفات سے ماخوذ ہیں حضرت کے اذواق و ارشادات کی تائید ہوتی ہے ۔

مولاناؒ نے سعدیؒ کے مصرعہ کا ایسا جواب دیا جس نے الٹا شرمندہ کیا، تحریر فرمایا کہ :۔

" اسکا صحیح مصداق تو یہ تھا کہ میں پڑھتا کیونکہ ایک بادشاہ نے کسی دہقان کے یہاں نزول فرمایا تھا اس پر اس نے یہ کہا تھا تو آپ کی شان بادشاہوں کی سی ہے کہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں نزول فرماتے رہتے ہیں، چنانچہ ایک دہقاں کے یہاں بھی نزول فرما کر اسکو شرف بخشا، اسی لئے اگر میں کہوں تو حق بجانب ہوں ؂ "

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

بلکہ پورے قطعہ ہی کو دہراتا ہوں کہ ؂

زقدر و شوکت سلطاں نگشت چیزی کم ۔ زالتفات بمہماں سرائے دہقانے
کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید ۔ کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانے

(دہقان کا سر تو مارے خوشی کے آسمان تک پہونچ گیا، شاہ کی قدر و منزلت میں کیا کمی آجائیگی اگر وہ ایک غریب دیہاتی کے غریب خانہ کا رخ فرما دے بلکہ دہقان کا سر تو آسمان سے باتیں کرنے لگے گا جبکہ آپ جیسے سلطان کا اس کے سر پر سایہ ہو جائے ۔)

پھر کتاب کی پیشکش کے متعلق ایسی بات تحریر فرمائی جس سے اپنی غلطی پر تنبہ اور ندامت ہوئی اور مولانا کے مصلحانہ شان اور دیدہ وری کا اظہار ہوا، تحریر فرمایا :

اور آپ نے اپنی بعض تصانیف کے متعلق جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ مرض کی وجہ سے گفتگو کرنے کو جی نہیں چاہتا تو مجلس میں اسکو پڑھ کر سنایا جائے تاکہ تفریح طبع کا ذریعہ ہو سکے اسکے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ اسکے مضامین ارشادی ہیں جیسا کہ آپ نے

بیان فرمایا تو میں ارشادی مضامین کو تفریح کا سبب نہیں بناؤں گا کیونکہ یہ اسکی ناقدری ہوگی بلکہ میں یہ کروں گا کہ اسکا از خود مطالعہ کروں گا اور جس طرح سے بزرگوں کے اقوال سے اثنائے گفتگو میں استدلال کرتا ہوں اسی طرح اسکے مضامین کو بھی لوگوں کے سامنے پیش کرونگا لیکن یہ سب کچھ ابھی نہیں بلکہ معتد بہ قوت کے بعد کروں گا"۔

(مکتوب ۲۴ ربیع الاول ۶۶ھ از گورکھپور)

اسکے کچھ عرصہ بعد مولانا گورکھپور سے الہ آباد تشریف لے آئے اور الہ آباد کیا تشریف لائے الہ آباد اور الہ آباد والوں کی قسمت جاگی اور وہ شہر جو عرصۂ دراز تک تصوف و معرفت کا مرکز رہ چکا تھا اور یہاں کے بارہ دائرے مشہور تھے اب ذکر اللہ اور دعوت الی اللہ کی برکت سے اسم با مسمیٰ اور صحیح معنیٰ میں الہ آباد ہوگیا۔ مولانا گورکھپور سے ربیع الثانی ۷۰ھ میں الہ آباد تشریف لائے کچھ عرصہ حسن منزل میں قیام رہا پھر روشن باغ کا محلہ آپ کے قیام سے منور و روشن ہوا اور وہاں ایک خانقاہ اور دار التربیت قائم ہوگیا۔

اسی زمانہ میں محب محترم مولوی شاکر حسین خاں صاحب مرحوم نے انجمن اصلاح المسلمین کے جلسہ میں تقریر کے لئے مدعو کیا جو بڑے دھوم دھام سے ہر سال الہ آباد میں ہوا کرتا تھا، خان صاحب کئی سال سے مدعو فرما رہے تھے لیکن چونکہ میرا معمول جلسوں میں بہت کم جانے کا تھا برابر معذرت کرتا رہا اس مرتبہ اس میں ایک دوسری کشش شامل ہوگئی، یہ مولانا کی موجودگی تھی جلسہ کا تو ایک بہانہ تھا، میں نے الہ آباد کا قصد کر لیا کہ مولانا کی خدمت میں حاضری اور کچھ وقت گزارنے کا موقع مل جائے گا۔ مولانا نے حسب معمول نہایت شفقت فرمائی، مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی جو اس سفر کی اصل قیمت تھی، اس وقت ذرا قریب سے اور کچھ زیادہ غور سے مولانا کو دیکھنے کا موقع

ایک اضطرابی اور سیمابی کیفیت تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی کل چین نہیں، مسلمانوں کے حالات، اخلاق و معاملات کے بگاڑ، صدق و اخلاص کی کمی اور نفاق کے کھلے آنکھوں مشاہدے نے بے قرار و مضطرب بنا رکھا ہے، اصلاح حال اور دعوت فرار الی اللہ کا جذبہ قلب و دماغ و اعصاب پر مستولی ہو گیا ہے اور وہ حال ہے جو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے ؎
(خدا کی جانب توجہ کرنے کی دعوت ۱۲)

شعلہا آخر ز ہر موئیم دمید　　از رگ اندیشہ ام آتش چکید

مولانا کی اس بیقراری اور سیماب وشی کو دیکھکر بے اختیار مولانا محمد الیاس صاحبؒ یاد آ گئے وہی نحیف جثہ، وہی گفتگو میں تکلفات، انداز خطابت سے بے نیازی، وہی موسوی رنگ کہ زبان سینہ کے جوش اور دل کا ساتھ نہ دے سکے، وہی فکر میں ڈوبا ہوا سکوت، وہی اضطراب سے لبریز تکلم، دعوت کے موضوع کا ضرور فرق تھا لیکن اپنے موضوع سے عشق اور اپنے کام کی فکر کا وہی حال تھا۔ صبح اور شام کی مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا ایسے جذب کی کیفیت تھی جس پر عقل و سلوک کے پہرے بیٹھے ہوئے تھے، کبھی کبھی بعض مخلص خادموں کے سر پکڑ کر ملاتے اور انکو کسی نکتہ یا ضرورت کی طرف متوجہ فرماتے

الہ آباد کی مجالس میں خاص طور پر تذکیر بالآخرت اور نعمائے جنت و عذاب جہنم کی ترغیب و ترہیب پر خاص طور پر زور تھا اور یہ کہ قرآن مجید کا اسلوب اور طریقہ موعظت سب سے زیادہ مفید اور موثر ہے۔ نیز یہ کہ علما اور واعظین نے آخرت کے مضمون اور جنت و دوزخ کے تذکرہ کو بالکل فراموش و نظر انداز کر دیا ہے اور انکو اس سے شرم آنے لگی ہے گویا وہ ایک خلاف فیشن بات ہے۔ الہ آباد سے واپسی پر ۲۵ رشوال ۱۳۷۷ھ کو لکھنؤ پہونچکر جو عریضہ لکھا اس میں انھیں تاثرات کا اظہار تھا خاص طور پر اس غیر معمولی شفقت پر اپنے گہرے تاثرات و تشکر کا اظہار کیا گیا تھا جو اس دو روزہ قیام میں دیکھنے میں آئی، مولانا نے اسکا جو جواب دیا وہ میرے لئے

سرمایۂ سعادت ہے اور یہاں بجنسہ نقل کیا جاتا ہے

حبیبی و محبی سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مکرمت نامہ نے شرف صدور بخشا، باعث ازدیاد محبت و وخلوص ہوا جو حضرات اہل علم میرے پاس آمد و رفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی طرف ہوتا ہے ارقام فرمایا ہے کہ جس اہم و مبارک موضوع کی طرف توجہ دلائی ہے وہ میری اصلاح و تعلیم کے لئے بہت مفید تھی' ہم لوگوں نے اس موضوع و مضمون کو بالکل فراموش اور نظرانداز کردیا ہے اسکو سن کر بیساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

لگ چلا تھا دل قفس میں پھر پریشاں کردیا ہمصفیرو تم نے پھر ذکر گلستاں کردیا

اب میں جناب سے اجازت چاہتا ہوں کچھ عرض کرنے کی' بعد آنے اجازت نامہ کے قدرے تفصیل سے عرض کرونگا۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ'

اس حاضری اور تأثر اور تحریک کا نتیجہ مولانا کا وہ بیش قیمت مضمون "التذکیر بالقرآن" تھا جو میری واپسی کے بعد سپرد قلم فرمایا گیا اور "الفرقان" اور دوسرے رسالہ میں شایع ہوا اور علیحدہ کتابی شکل میں چھپ گیا۔ یہ مضمون باوجود عبارت آرائی اور تکلفات سے دور ہونے کے نہایت موثر اور مفید ہے اسکے بعد غالباً ایکبار اور اصلاح المسلمین کے جلسے میں اور حقیقتاً مولانا کی مجالس میں شرکت اور استفادہ کے لئے الٰہ آباد جانا ہوا' قیام تمام تر مولانا کے دولت خانہ پر رہا مجالس اور حلقہ افادہ واستفادہ کا وہی معمول تھا جو پہلے دیکھنے میں آیا تھا یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی کہ شہر کے ذی علم اور فہیم حضرات حاضری دیتے ہیں اور اسکو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

اسکے بعد پھر ایک بار ۱۹۶۲ء میں الہ آباد حاضری ہوئی تقریب حاضری یہ تھی کہ ۲۰، ۲۱ جون کو دینی تعلیمی کونسل جس کی صدارت کا شرف شروع سے حاصل ہے اسکی الہ آباد میں صوبائی کانفرنس تھی اسکا پہلے سے قصد تھا کہ قیام مولانا ہی کے یہاں رہے گا غلطی سے مولانا کو اپنی آمد اور پہنچنے کے وقت کی اطلاع دیدی، غلطی اس لئے کہ جب بیس جون کو صبح الہ آباد کے اسٹیشن پر گاڑی رکی تو معلوم ہوا کہ مولانا خود اسٹیشن تشریف لائے ہیں گاڑی ذرا تاخیر سے پہنچی تھی مولانا نے ملتے ہی فرمایا کہ اس خیال سے کہ وہ وقت چائے اور ناشتہ کا ہوگا میں چائے اور ناشتہ اسٹیشن پر لایا ہوں کہ تاخیر نہ ہو لیکن اب تو وقت زیادہ ہو چکا ہے اس لئے اب گھر ہی پر ناشتہ ہو جائے گا۔ میں اس لطف وکرم اور اہتمام کو دیکھکر پانی پانی ہوگیا اور اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس ہوا کہ پہنچنے کے وقت کی اطلاع کیوں دی اس سفر میں محبی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی برادرم مولوی سید ابوبکر صاحب حسنی ایم۔ اے (حال استاذ نہرو یونیورسٹی دہلی) جو مولانا کی زیارت و ملاقات کے بڑے مشتاق تھے اور عزیزی سید محمد مسلم حسنی بھی ساتھ تھے، ہم سب مولانا ہی کے مہمان رہے کیونکہ شدید گرمی کا زمانہ تھا اسلئے شب کا قیام ایک نو خرید مکان کے صحن میں رہا مولانا نے ہماری راحت کا بڑا اہتمام فرمایا تھا اس زمانۂ قیام میں مولانا نے مسلمانوں کے حالات ومسائل سے اپنی گہری دلچسپی اور فکر مندی کا بار بار اظہار فرمایا بعض مرتبہ مولانا جامی صاحب یا مولانا سراج الحق صاحبؒ کو خصوصی پیغام دیکر میرے پاس اسوقت بھیجا جب میں کانفرنس کے سلسلہ میں کسی کمیٹی یا مجلس کے مذاکرات میں شریک تھا۔

مولانا کے قیام سے الہ آباد میں دینی رونق پیدا ہوگئی تھی، جس محلہ میں قیام تھا اس مسجد کی توسیع کی ضرورت جلد پیش آگئی، مدرسہ بھی قائم ہوگیا اور مولانا کی برکت سے لوگوں میں اپنی اصلاح و تربیت کی طرف توجہ پیدا ہوگئی

مولانا کو مساجد کی تعمیر کا بڑا ذوق تھا جہاں کچھ عرصہ قیام فرماتے وہاں ضرور کچھ نئی مساجد تعمیر ہو جاتیں۔ گورکھپور میں بھی ایسا ہی ہوا، اور الہ آباد کے اسٹیشن کے قریب کی مسجد جسکی بنیاد شاید پہلے پڑ چکی تھی مولانا کے حسن توجہ سے تکمیل کو پہونچی اور اسکا شمار خوبصورت مسجدوں میں ہونے لگا۔

مولانا کے اس تعلق قلبی اور شفقت بزرگانہ کا پورا اظہار اسوقت ہوا جب میں اپنی آنکھ کی تکلیف کے سلسلہ میں سنہ ۶۰ء میں سیتا پور میں مقیم تھا اور یکے بعد دیگرے آپریشن ہو رہے تھے کوئی فائدہ نہوتا تھا اسوقت مولانا کے نامہ و پیام برابر آتے تھے الہ آباد سے مولانا کے اہل تعلق میں جو بھی آتا وہ بیان کرتا کہ مولانا بہت فکرمند اور بے چین ہیں بعض اوقات لیٹے سے اٹھکر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں انکی اس تکلیف میں کس طرح کمی کر سکتا ہوں؟ یہاں کے قیام کے آخر زمانہ میں مولانا کا گرامی نامہ آیا کہ " میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ آپ کو وہاں کے علاج سے فائدہ نہوگا آپ لکھنؤ چلے جائیں اور ہومیوپیتھک علاج کریں " — میں اور میرے تیماردار بھی اس قیام سے عاجز آگئے تھے یہ ایک اشارۂ غیبی معلوم ہوا اور میں لکھنؤ آگیا اور مجبور ہو کر ایک ہومیوپیتھ ڈاکٹر جو بہت زیادہ نامور بھی نہ تھا رجوع کیا، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جو تکلیف بار بار کے آپریشنوں سے بھی نہیں گئی تھی وہ باذن اللہ ایک خوراک سے جاتی رہی، اور الحمد للہ پھر کبھی نہیں ہوئی نام تو اس ڈاکٹر کا ہوگیا اور اس معرکۃ الآرا علاج سے خود اسکو بہت فائدہ ہوا لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس میں دوا سے زیادہ دعا، اور ایک مرد خدا کی اور بہت سے مخلصین کی سوز قلبی اور دردمندی کا ہاتھ تھا ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے برآہوئے چیں بستہ اند

(اے محبوب! مشک کی خوشبو پھیلانا دراصل کام تو آپکی زلف کا ہے لیکن عاشقوں اور شاعروں نے کسی مصلحت سے اسکو چین کے ہرن کی جا منسوب کر رکھا ہے)

اس تکلیف سے نجات پانے کے بعد میں نے الہ آباد کا مستقل سفر کیا، جس کا محرک محض جذبہ تشکر اور مولانا کی مسرت قلبی کی توقع تھی۔

(باقی آئندہ)

ہم او گفتی غفار بر زبان کار دروغ گویاں
است ۔ ہم او گفتی عارف
کسی است کہ از خداوند تعالے
دل خواہد چوں یافت در حال
بخداوند باز دہد ۔ روزی یکی
از بندگان اندوہ نمود نالید
رابعہ گفت اگر ترا اندوہ بودی
نو د نالیدن نبودی ۔ روزی
یکی را رابعہ دید عصابہ بر سر بستہ
گفت ایں چیست ؟ گفت
سر من درد میکند ۔ گفت
بعد از چند گاہ ؟ گفت بعد از
سی سال ۔ گفت ای خواجہ
سی سال صحت دادند یک روز
عصابہ شکر نبستی اگر یک شب
درد سر دادندے عصابہ شکایت
بستہ چہ کردی ؟ وقتی در ایام
بہار او را یکی گفت چرا یک ساعت
جانب باغ نیائی تا صنع او را
مشاہدہ کنی ؟ گفت شغلنی
مشاہدۃ الصانع من مطالعۃ
الصنع ۔ وقتی طائفہ بامتحان
بر و رفتند و گفتند اگر زناں را شرفی

د ہی یہ بھی فرماتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کو صرف زبان سے غفار
کہنا (اور دل میں اسکا یقین نہ ہونا) جھوٹے لوگوں کا کام ہے۔
نیز فرماتی تھیں کہ عارف وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے بس
دل طلب کرے پھر جب پا جاوے تو اس کو اسی وقت
خداوند تعالیٰ کو دیدے ۔ ایک دن خدام میں سے ایک
خادم کسی مصیبت کیوجہ سے رو رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا
رابعہ نے اس سے کہا کہ یہ مصیبت نہیں ہے (عذاب و سزا ہے)
اگر مصیبت ہوتی تو تم اسکو پا کر اسقدر نالہ و فریاد
نہ کرتے ۔ ایک دن ایک شخص کو حضرت رابعہ بصریہ نے
دیکھا کہ سر پر پٹی باندھے ہوئے ہے ۔ پوچھا یہ پٹی
کیوں باندھ رکھی ہے ؟ اس نے کہا کہ میرے سر میں
شدید درد ہو رہا ہے ۔ دریافت کیا کہ کتنے
عرصہ کے بعد یہ درد ہوا ہے ؟ کہا تیس ۳۰ سال کے بعد ۔
فرمایا واہ بھائی واہ ! انھوں نے تمکو تیس سال تک
صحت کے ساتھ رکھا تو تم نے ایک دن بھی شکر کی پٹی
نہ باندھی لیکن جب (ایک شب کے لئے درد سر اٹھا
تو تمنے شکایت کی پٹی سر پر باندھنے ۔ ایک مرتبہ بہار کے
موسم میں آپ سے کسی شخص نے کہا کہ ذرا دیر کے لئے
برائے تفریح آپ باغ میں کیوں نہیں جاتیں وہاں بھی
تو اللہ تعالیٰ کی صناعی ہے اسکا بھی تو مشاہدہ کیجئے ، فرمایا کہ
مجھے صانع کے مشاہدہ سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ میں
مصنوع کا مشاہدہ کرسکوں ۔ ایک دفعہ ایک جماعت
ان کے پاس امتحان کے غرض سے آئی اور کہا کہ

بودے وقتے پیغامبر بودے
گفت زناں را ہمیں شرف
نہ بس است کہ وقتی میان ایشاں
کسی نگفت انا ربکم الاعلیٰ۔ وقتی
او زحمت داشت بزرگے
بہ پرسیدن او رفت گفت
چرا از خدا تعالیٰ صحت
نمیخواہی؟ چوں خواست خداوند
زحمت منست اگر من صحت
خواہم خلاف او خواستہ باشم
و دوست را خلاف کردن
روا نباشد۔ پس آں بزرگ
گفت ترا بچیزی آرزو می کند
گفت من بندہ ام و بندہ را
باآرزو چہ کار اگر من نخواہم و
خداوند نخواہد ایں کفر بود۔ روزے
مالک دینار بدیدن او رفت
او را بغایت مقل حال دید گفت
اگر بگوئی من از دوستاں
برائے تو چیزی بخواہم؟ گفت
ای مالک عظیم غلط می کنی
رزاق من و رزاق ایشاں یکی
است اگر خواہد مرا ہم بدہد اما

اگر عورتوں کے لئے کوئی شرف و بزرگی ہوتی تو ان میں سے کوئی تو پیغمبر بن کر آتی۔ فرمایا کہ عورتوں کے لئے یہی شرف کیا کم ہے کہ ان میں کسی نے کبھی انا ربکم الاعلیٰ نہیں کہا (یعنی دعویٰ خدائی کا نہیں کیا اور مردوں نے کیا) ایک مرتبہ حضرت رابعہ کو کچھ تکلیف تھی کوئی بزرگ انکی عیادت کے لئے آئے اور فرمایا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اپنی صحت کے لئے دعا کیوں نہیں کرتیں؟ فرمایا کہ جب خدا تعالےٰ کی مرضی اور خوشی مجھے بیمار ہی رکھنے میں ہے تو اگر میں ان سے صحت چاہوں تو اُن کے چاہے ہوئے کے خلاف ہو جائے گا اور ایک دوست کے لئے اپنے دوست کی مرضی کے خلاف کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس کے بعد ان بزرگ نے فرمایا کہ آپ کو کسی چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا میں بندی ہوں اور غلام کو مالک کے مقابلہ میں کسی خواہش اور ارادہ کا کیا حق ہے پھر یہ کہ اگر میں چاہوں اور خدا نہ چاہے تو یہ کفران ہوگا۔ ایک دن حضرت مالک بن دینارؒ آپ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے انکو بہت زیادہ مفلوک الحال دیکھا فرمایا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں اپنے بعض احباب سے (جو امیر ہیں) آپکے لئے کچھ طلب کروں۔ فرمایا کہ اے مالک اگر آپ ایسا کریں گے تو سخت غلطی کریں گے۔ اے بھائی میرا رازق اور انکا رازق ایک ہی ذات ہے اگر اُس کو منظور ہوتا تو پہلے ہی مجھے بھی دیدیتا لیکن جب اسکو منظور نہیں تو پھر میری بھی خواہش نہیں ہے۔ میں تو وہی چاہونگی جو وہ چاہے گا۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہؒ

چوں او نمی خواہد من ہم چیزی نمی خواہم و من آں میخواہم کہ او میخواہد۔ چنیں گویند وقتے رابعہ خواست شوربای سازد وجہ پیاز نداشت مجرد آنکہ اندیشۂ پیاز در خاطر گذرانید مرغے سبزی دید دستۂ پیاز در دہن گرفتہ رسید رابعہ گفت باید کہ ایں شیطان باشد دیگ را بر زمین زد و میگفت شوربائے را کہ بچندیں شبہ سازند نباید خورد۔ زنانِ عصرِ اول از حلال باشبہ احتراز کردندے باز ایں چہ عصر است کہ مرداں از حرام بے شبہ ہم احتراز نمی کنند۔ قطعہ

نخشبی ذکر قوت خلق مکن
خود کلا ست کلام بے شبہ است
قوت گوید حلال بے شبہ
اینک اکنوں حرام بے شبہ ہست

سلکِ صد و چہل و ہفتم

باید دانست کہ ذوالنون مصریؒ

چاہا کہ سالن پکائیں پیاز کے لئے پیسہ نہیں تھا اس لئے پیاز کی فکر قلب میں گزری ہی تھی کہ اتنے میں دیکھا کہ ایک سبز چڑیا پیاز کی پوٹی اپنے منھ میں دبائے ہوئے مکان پر آ بیٹھی۔ حضرت رابعہ نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہ شیطان ہو (اور چوری کی پیاز مجھے کھلانے آیا ہو یہ خیال کرکے) ہانڈی کو زمین پر الٹ دیا اور کہا کہ جو شوربا کہ مشتبہ مال سے تیار ہو اسکے کھانے سے نہ کھانا بہتر ہے۔

(مصنف کہتے ہیں کہ دیکھو) پہلے زمانہ کی عورتیں محض شبہ کی بنا پر حلال چیزوں سے بھی احتراز کرتی تھیں، اور آج کیسا زمانہ ہے کہ مرد لوگ اس حرام سے جس کے حرام ہونے میں کچھ شبہ بھی نہیں ہوتا اجتناب نہیں کرتے۔ قطعہ

(ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا)

" اے نخشبی تمھارا یہ کہنا کہ اب (حلال) روزی کا ذکر ہی فضول ہے، بلاشبہ تمھاری یہ بات سو فیصدی صحیح ہے اسلئے کہ قوت پہلے زمانہ میں کہا جاتا تھا اس روزی کو جو کہ حلال ہو اور اسمیں حرام کا شبہ تک نہو اور اب قوت نام ہو گیا ہے اس کھانے کا جو کہ بلاشبہ بالکل حرام ہی ہو

سلک ۱۴۷ (حالات حضرت ذوالنون مصریؒ)

جاننا چاہیئے کہ حضرت ذوالنون مصری جو کہ واقعی معرفت

که یوسف مصر طریقت و یعقوب
کنعان حقیقت بود۔ او را ذوالنون
ازاں گویند که وقتی در کشتی
سوار بود بازرگانی گوہری
گم کرد چوں او را با جامہ ژندہ
دیدند گفتند ہمیں دزدیدہ است
با او شدت آغاز کردند او روی
جانب اہل دریا کرد و گفت
ای اہل دریا اگر ایشاں مارا
نمی شناسند شما باری می شناسید
جملہ ماہیاں یگاں یگاں گوہر
در دہن گرفتہ بیروں آمدند او
گوہری ازاں بستد و بداں
گم کنندہ داد و از کشتی فرود آمد
و پائی بر آب نہاد و ناپدید شد
اما بارہا با یاراں خود گفتی که اے
یاراں چناں باید بود که صدیق اکبر
با پیغامبر صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ
وسلم بود یعنی ہیچ در دنیا
مخالفت نکرد، ہم او گفتی
حقیقت ہیچ طلبے ازاں جاہل
نباشد که مستاں را در حالت
مستی علاج کند یعنی سخن گوید

کے یوسف اور کنعان حقیقت کے یعقوب تھے
انکو ذوالنون اس لئے کہا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ
کشتی میں سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ کسی
سوداگر کا جوہر چوری گیا چونکہ یہی بزرگ پھٹے
پرانے لباس میں تھے لوگوں نے خیال کیا کہ ہو نہ ہو
انھیں نے چرایا ہو۔ ان کے ساتھ سختی کا
معاملہ کیا آپ نے دریا کی جانب منہ کر کے
خطاب کیا کہ اے دریا والو اگر یہ لوگ مجھے
نہیں پہچانتے ہیں تو تم لوگ تو پہچانتے ہو!
یہ سنتے ہی تمام مچھلیوں نے ایک ایک جوہر منہ میں
دبائے پانی سے سر نکالا آپ نے ان کے منہ سے
جوہر لیکر اس سوداگر کو سب دے دیا اور خود
فوراً کشتی سے نیچے اترے اور دریا میں چلنے لگے
اور کچھ دور جاکر نظروں سے غائب ہو گئے
(اسی واقعہ کی وجہ سے آپ "ذوالنون" یعنی
مچھلی والے بزرگ مشہور ہو گئے)۔ حضرت
ذوالنون اپنے احباب سے اکثر یہ فرمایا
کرتے تھے کہ دوستو! زندگی تو بس ایسی
گذارنی چاہیئے جیسی حضرت صدیق اکبرؓ نے
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گذاری تھی یعنی دنیا
میں آپؐ کی ذرہ برابر بھی کسی معاملہ میں مخالفت
نہیں فرمائی (بلکہ ہمیشہ آپ کے موافق ومؤید ہی رہے)
نیز فرماتے تھے کہ یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے ایسی کہ

از دین با کسی کہ او مست دنیاست
ہیچ سود نکند ۔ وقتی ذوالنون
نزدیک دیوارے نشستہ بود
دست بر دیوار زد و گفت
مردانی کہ با خدائے تعالےٰ
راست اند اگر دست بر دیوار
زنند و گویند ای دیوار خرمائی تر
بیرون آر خرمائے تر از دیوار
بیرون آید، درحال ازاں
دیوار خرمائے تر باریدن
گرفت ۔ ہم او گفتی بندہ را
ہیچ عزتی ازاں بالاتر نباشد
کہ خواری نفس او بدو نمایند
و ہیچ خواری ازاں والاتر نباشد
کہ ذلِ نفس او از و محجوب
دارند ۔ ہم او گفتی عارف
لازم یکحال نباشد زیرا کہ
ہر ساعت از غیب بدو
حالتی نازل شود او صاحب
حالات باشد نہ صاحب حالت
ہم او گفتی جمعیت معرفت
حاصل نشود مگر ہم بمعرفت
آری آفتاب را نتوان دید

کوئی طبیب اس سے ناواقف نہیں ہے کہ وہ کسی مست کا علاج حالتِ مستی میں کرتا ہو (بلکہ مستی زائل ہونے کے بعد ہی علاج کیا جاتا ہے) مطلب یہ کہ (اسیطرح سے) دین کی باتیں اس شخص سے کرنی جو کہ دنیا کا مست ہو بے سود ہے ۔ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون رحؒ ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے دفعتاً دیوار پر ایک ہاتھ مارا اور فرمایا کہ جس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو چکا ہو وہ اگر دیوار پر ہاتھ مار کر یہ کہدے کہ اے دیوار تازہ کھجور گرا تو تازہ کھجور بھی اسی دیوار ہی پر سے گرنے لگے گی ۔ چنانچہ اسی وقت عمدہ تازہ کھجوریں اس دیوار سے گرنے لگیں ۔ نیز فرماتے تھے کہ بندے کے لئے اس سے بڑھکر اور کوئی عزت نہیں کہ اسکے نفس کی خواری اور ذلت اس کے پیش نظر کر دی جائے اور اس کیلئے اس سے بڑھکر کوئی رسوائی نہیں کہ اسکے نفس کی ذلت کو اس سے محجوب کر دیں ۔ نیز فرماتے تھے کہ عارف ایک حال پر ہمیشہ نہیں رہا کرتا اسلئے کہ ہر آن غیب سے اسکے لئے ایک حال نازل ہوتا رہتا ہے ۔ پس وہ صاحب حالات کثیرہ ہوتا ہے نہ صاحب حالتِ واحدہ ۔ نیز آپ فرماتے تھے کہ معرفت کا سکون حاصل نہیں ہوتا مگر معرفت ہی کے ذریعہ سے جسطرح سے کہ آفتاب کو دیکھا نہیں جا سکتا مگر آفتاب ہی کی روشنی سے ۔ نیز فرماتے تھے کہ انسان کو ایسا

ہم بنور آفتاب ہم او گوید
ید چناں باشی کہ حق را یار
ئی ور خصمی نفس خود نفس خود
یار باشی ور خصمی حق . وقتی
رایکی گفت مرا پندے بدہ
ت خود را نہ پیش فرست و
بس . گفت ایں سخن
باشد ؟ گفت دم نقد
باشس نہ گذشتہ را
نہ آئندہ را . چنیں گویند
ں جنازۂ ذوالنون بروں
ر وند اتفاقاً موذ نے
آں ساعت بانگ نماز
مسجد گفت چوں بشہادتین
سید ذوالنون انگشت
آورد خلق دانست مگر او
رہ شد جنازہ فرو آوردند
چند خواستند آں انگشتاں
و نشانند نشت ہمچناں
ن کردند . او را ایں کرامت
از ملکی ہم نیست نتیجہ معرفت
بودہ آری ہم او گفتی
ل زہادت بر اہل آخرت

ہونا چاہیئے کہ حق تعالےٰ کا دوست رہے اپنے نفس کے جھگڑے میں نہ یہ کہ نفس کا دوست اور مددگار بن جائے خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ۔ ایک مرتبہ آپ سے کسی نے کہا کہ حضرت مجھے کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا کہ اپنے کو نہ آگے بھیجو اور نہ پیچھے کرو ' اس نے عرض کیا کہ حضرت اسکی وضاحت فرما دیجئے فرمایا کہ بس حال کا اعتبار کرو نہ ماضی کی فکر میں پڑو اور نہ مستقبل کا بھروسہ کرو ۔ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ذوالنون کا جنازہ لیکر چلے اتفاق سے اسیوقت کسی مؤذن نے کسی مسجد میں نماز کے لئے اذان دیدی جب شہادتین پر پہنچا تو حضرت ذوالنون نے کفن سے باہر اپنی شہادت کی انگلی نکال لی لوگوں نے سمجھا شاید وہ زندہ ہو گئے ہیں ۔ جنازہ کو کاندھے سے نیچے اتارا اور ہرچند چاہا کہ انگلی موڑ کر ہاتھ کے نیچے کردیں نہیں کرسکے مجبور ہوکر اسیطرح سے قبر میں دفن کردیا آپ کی یہ کرامت بھی بادشاہت ملنے سے کم نہیں تھی جو کہ آپ کے صاحب معرفت ہونے کا نتیجہ تھی ۔ نیز آپ فرماتے تھے کہ یہ اہل زہد اہل آخرت پر بمنزلہ امیر کے ہیں اور اہل معرفت اہل زہد کیلئے

بمنزلۂ امیرانند و اہل معرفت بر اہل زہادت بمنزلہ بادشاہانند

قطعہ

نخشبی معرفت عجب ملک است
چشم او ہمسر عنا دادند
زاہداں بادشاہ آخرت اند
عارفاں بادشاہ زہاد ند

بمنزلہ بادشاہوں کے ہیں ؎

"اے نخشبی یہ معرفت کی سلطنت بھی عجیب ملک ہے کہ چشم معرفت کو غنا کی آنکھ (یعنی سیر چشمی) کا ہمسر قرار دیتے ہیں۔ یہ زاہد (فقرا اور تارک الدنیا) لوگ آخرت کے لحاظ سے گویا بادشاہ ہیں اور جو اہل معرفت ہیں وہ تو زاہدوں کے بھی بادشاہ ہوتے ہیں"

سلک صد و چہل و ہشتم

سلک ۱۴۸ (حالات حضرت معروف کرخیؒ)

بباید دانست کہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کہ معروف عالم زہادت و مشہور کشور عبادت بود۔ چنیں گویند کہ او ترسا بچہ بود چوں سہ چہار سالہ شد پدر او بر معلم ترسایاں برد تا علم ترسائی بیاموزد معلم تختہ نبشت گفت بگو ثالث ثلاثۃ او گفت قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ۔ وقتی او نماز می گزارد اسپی داشت قیمتی برمید و رکشت یکے افتاد چوں از نماز فارغ شد اسپ در آں کشت بگذاشت

جاننا چاہیئے کہ حضرت معروف کرخیؒ جو کہ عالم زہد کے ایک معروف ترین شخص اور کشور عبادت کے ایک مشہور ترین بزرگ تھے ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انکا خاندان مذہبًا عیسائی تھا جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو ان کے والد ان کو بھی عیسائی معلم کے پاس لے گئے تاکہ عیسائی مذہب سے واقفیت حاصل کریں معلم نے تختی پر لکھکر کہا کہ کہو ثالث ثلاثۃ یعنی اللہ تین میں کا ایک ہے۔ آپ نے فرمایا "قل ھو اللہ احد" آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالےٰ ایک ہے۔ اسی طرح سے ایک دفعہ آپ نماز پڑھ رہے تھے آپکے پاس ایک قیمتی گھوڑا تھا اس درمیان وہ بھاگ کر کسی دوسرے کے کھیت میں چرنے لگ گیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو گھوڑے کو

.گفت من ترا بدان صاحب
شت بخشیدم کہ تو کشت او
بریدہ۔ ہم او گفتی عاقل کسے
ست کہ چوں اورا مصیبتی رسد
.وز اول ہماں کند کہ روز
سوم خواہد کرد۔ ہم او گوید
لہ مروت خورسندی بہتر از
روت دادن۔ وقتی یکی اورا
پرسید دارو ہی درد دل
چیست؟ گفت از خلق
دور بودن۔ ہم او گفتی
اصحاب دنیارا خدمت
بندگاں کنند اما اصحاب آخرت
را خدمت احراراں کنند۔
ہم او گوید کامل کسی است
کہ در توانگراں بچشم نصیحت
نگرد نہ بچشم حسد و در درویشاں
بچشم تواضع نگرد نہ بچشم
تکبر و در زناں بچشم شفقت نگرد
نہ بچشم شہوت۔ ہم او گوید عجب
بباید داشت از کسیکہ او پرہیز
طعام کند از بیم علت و
پرہیز گناہ نکند از بیم عقوبت۔

اسی کھیت میں چھوڑ دیا اور کہا کہ جا میں نے تجھے
کھیت والے ہی کو دے دیا کیونکہ تو نے
اسکا کھیت چرا ہے۔ نیز آپ فرماتے
تھے کہ عاقل وہ شخص ہے کہ جب اسکو
کوئی مصیبت پیش آوے تو پہلے دن وہی کام
کرے جو اسکو تیسرے دن لا محالہ کرنا پڑیگا
(یعنی صبر) نیز فرماتے تھے کہ فاقے کا شرف
سخاوت کے شرف سے بڑھا ہوا ہے۔ ایکمرتبہ
کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت
درد دل کی دوا کیا ہے؟ فرمایا کہ مخلوق
سے جدا رہنا۔ نیز فرماتے تھے کہ اہل دنیا
کی خدمت نوکر اور غلام کیا کرتے ہیں لیکن
اہل آخرت کی خدمت (دنیا ہی میں) احرار اور
شرفار کیا کرتے ہیں (یہی شرف انکا دیکھ لو) نیز
فرماتے تھے کہ مرد کامل وہ ہے جو کہ امیروں
اور مالداروں کو نصیحت کی نظر سے دیکھے نہ کہ
حسد کی آنکھ سے، اور درویشوں کو تواضع کی نظر
سے دیکھے نہ کہ تکبر کی آنکھ سے، اور عورتوں پر
شفقت کی نظر ڈالے نہ کہ شہوت کی نظر
نیز فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص (کی عقل اور سمجھ) پر تعجب
ہی کرنا چاہیئے جو کہ بیماری کے اندیشے سے کسی
کھانے سے تو پرہیز کرے لیکن سزار آخرت کے خوف
سے کسی گناہ سے پرہیز نکرے۔

الحمد للہ اسوقت دو غلطیاں رفع ہوئیں ایک تو یہ کہ تصوف کی حقیقت کو غلط سمجھے ہوئے تھے، یعنی تصوف میں تین چیزیں ہیں ایک تو ایمان اور عمل صالح کہ یہ عین تصوف ہیں۔ ایک وہ کہ انکو تصوف سے کچھ بھی علاقہ نہیں اور انکی دو قسمیں ہیں ایک مباحات دوسرے ممنوعات جیسے یہ عقیدہ کہ طریقت میں سب کچھ مباح ہوجاتا ہے یا یہ کہ میرے پیر کو سب کچھ خبر ہے۔

حکایت: جیسے چند روز ہوئے ایک پیر صاحب نے کہا کہ میرے سپرد پولیس کا کام ہے اور ہر جمعرات کو سب اولیاء پیران کلیر میں جمع ہوتے ہیں اور اشرف علی بھی وہاں آتا ہے وہ سمجھتے تھے کہ میں سنکر خوش ہوں گا مگر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں انکو یقینی کاذب سمجھنے لگا۔ تو گویا خدائی کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مُردوں کے اختیار میں کچھ سمجھنا ایسا ہی ہے یہ تو وہ چیزیں ہیں کہ معاصی لعینہ ہیں۔ دوسری وہ چیزیں ہیں کہ وہ معصیت لغیرہ ہیں جیسے سماع کا سننا کہ اگر کسی کا مجبوری کی وجہ سے سن لینا منقول ہے تو وہ حجت نہیں اور بلا عذر ناجائز ہے، اور اب تو اسکی یہ حالت گند درگند ہوگئی ہے۔ اور واقع میں یہ سب اعمال فقہیہ ہیں انکو تصوف سے کچھ علاقہ نہیں۔ اور بعض وہ اعمال ہیں کہ انکو تصوف سے علاقہ تو ہے مگر وہ عین تصوف نہیں کہ جیسے احوال کہ کثرت ذکر سے کبھی مرتب ہوجاتے ہیں تو مقصود کے متعلق چار چیزیں ہوئیں، ایمان، اعمال، اخلاق اور حالات کہ انکو تصوف سے تعلق ہے بعض کو عینیت کا اور بعض کو ترتب و مناسبت کا، جیسے احوال کہ اگر ہوں تو اچھا ہے اور اگر نہ ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۱۷۸) شیخ کامل کی پہچان

یہیں سے شیخ کامل کی پہچان بھی معلوم ہوگئی ہوگی کہ اسکے اندر ایک تو ایمان خالص ہونے کی ضرورت ہے، دوسرے اعمال صالحہ کی، تیسرے اخلاق کی کہ اس میں صبر و شکر ہو، دنیا سے اسکو نفرت ہو کہ اسکی صحبت سے بھی دنیا سے جی ہٹ جاوے اور ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اسکی طرف عوام کم متوجہ ہوں اور اہل علم و فہم زیادہ متوجہ ہوں

ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس درویش پر اہل دنیا زیادہ ہجوم کریں علوم کرلینا چاہیئے کہ یہ خود بھی دنیا دار ہے کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس اور جسکی طرف صلحا زیادہ توجہ ہوں وہ ہادی ہونے کے لائق ہے۔ جب ایسا شخص مل جاوے تو اسکی صحبت اختیار کرو ورجس کو یہ سب حاصل ہو جائیں ان کے لئے آگے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ لَهُمْ جَزَآءَ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ اٰمِنُوْنَ (بیشک ان کے لئے کئی گنا بدلہ ہگا انکے عمل کا وہ لوگ جنت کے بالاخانوں میں امن کیساتھ رہینگے) یعنی ان کو اس سے امن ہو گا کہ انکو بعد ہو ہونکہ آجکل صوفی گمراہ کرتے پھرتے ہیں اسلئے میں نے مناسب سمجھا کہ تصوف کی حقیقت ور کاملین کی علامت کو بیان کردوں تاکہ لوگ ان کے پھندے سے بچ سکیں۔

۱۷۹) ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے غلام اور عاشق ہونیکا تعلق رکھنا چاہیئے

خدا تعالیٰ سے ہمارا جو تعلق ہے وہ آقا اور نوکر کا سا نہیں ہے۔ ہمارا تعلق خدا سے سید اور غلام اور محب اور محبوب کا سا ہے پس ہمکو انھیں دو تعلقوں کو غلبہ دینا چاہیئے کہ اپنے کو ملوک اور اسکو مالک اور اپنے کو محب اور اسکو محبوب سمجھیں لیکن ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ ہم تو محب نہیں بنتے کہ ہم پر حقوق واجب ہوں، تو میں کہوں گا کہ حضرات اب آپ محب کیا بنیں گے محب تو آپ اسدن ہو چکے جسدن مسلمان کہلائے کیونکہ یہ قاعدۂ مسلمہ ہے کہ الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ کہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے ور اسلام کے لوازم سے ہے محب ہونا، فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (وہ لوگ جو ایمان لے آئے وہ اللہ کی محبت میں بہت ہی سخت ہیں) اور اشد محبت ہی کا نام عشق ہے، پس آپ تو عاشق خدا ہو چکے۔ اور اگر کہیئے کہ ہمکو تو اپنا عشق معلوم بھی نہیں پھر ہم کیونکر عاشق ہوئے تو سمجھئے کہ کسی وصف کے حاصل ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسکا علم یا اسکی طرف التفات بھی ہو۔ دیکھئے اگر ایک شخص مرے اور دس ہزار کی جائداد چھوڑ جائے یا بینک میں دس ہزار روپیہ چھوڑے اور ایک نابالغ لڑکا وارث چھوڑے تو باپ کے مرنے کے بعد اس لڑکے کے لئے وصف ملکیت ثابت ہوا لیکن اس لڑکے کو خبر بھی نہیں تو ہماری بھی

یہی حالت ہے کہ ہمکو عشق ہے اگرچہ ہمکو خبر نہیں اور اسکی طرف التفات نہیں گویا وہ حالت ہے کہ ؎

یک سبد نانے ترا بر فرق سر — تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

کہ ایک ٹوکرا روٹیوں کا بھرا ہوا سر پر رکھا ہوا ہے اور بھیک مانگتا پھرتا ہے۔

(۱۸۰) اس تعلق کے انکشاف کا طریقہ

اور طریقہ خبر ہونے کا یہ ہے کہ ؎

سالہا تو سنگ بودی دلخراش — آزموں را یک زمانے خاک باش

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

(سالہا سال تک تو دلخراش پتھر رہا اب ذرا آزمانے ہی کے طور پر سہی کچھ دنوں خاک ہو کر تو دیکھ۔ موسم بہار میں پتھر بھلا کہاں سرسبز ہوتا ہے ہاں خاک اور مٹی ہو جاؤ تاکہ تم میں سے رنگ برنگ کے پھول کھلیں) کہ آزمانے ہی کے لئے ایک تھوڑی مدت خاک ہو جاؤ، تو آپ اگر اپنی دولت کی خبر چاہتے ہیں تو اپنے ادراک سے خبر لیجئے۔ مگر اسکے لئے ضروری ہے کہ آنکھ ہو کیونکہ مثلاً ایک نابینا مادر زاد رنگ کی حقیقت پوچھے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ رنگ تو تمھارے کپڑے ہی میں موجود ہے۔ مگر اسکے لئے صرف ہاتھ کافی نہیں نہ محض سن لینے سے اسکی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اگر اسکو دریافت کرنا چاہو تو اول آنکھ پیدا کرو۔ اسی طرح جو لوگ قرآن میں تاویلیں کرتے ہیں وہ اپنی رائے سے قرآن کے معنی بیان کرتے ہیں تو اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے ہاتھ سے رنگ کا دریافت کرنا۔ جس طرح محض ہاتھ سے رنگ دریافت نہیں کیا جا سکتا اسی طرح محض رائے سے قرآن کے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

بر ہوا تاویل قرآں می کنی — پست و کژ شد از تو معنی سنی

(تو اپنی خواہشات کے مطابق قرآن کے معنی کو پھیرتا ہے اسکی وجہ سے اسکے عمدہ اور روشن معنی بھی پست اور مکدر ہو گئے)

چوں ندارد جان تو قندیلہا — بہر بینش می کنی تاویلہا

(جب تیرے اندر باطنی قندیل اور نور موجود نہیں ہے تو پھر تو محض دکھانے کیلئے اسکی تاویل کیوں کرتا ہے؟)

کردۂ تاویل لفظ بکر را خویش را تاویل کن نے ذکر را

(تو نے اسکے اچھوتے الفاظ کی تاویل کر دی اسکی کیا ضرورت تھی خود اپنے اندر تاویل کرا فہم رسا پیدا کر) قرآن میں تاویل مت کر اپنے اندر تصرف کرو کلام اللہ میں تصرف نہ کرو اپنی آنکھیں کھولو اور اس سے حجاب اٹھاؤ پھر دیکھو تمکو کیا کنز مکنون نظر آتا ہے۔

(۱۸۱) حب دنیا کا حجاب حقیقت ہونا

اور وہ حجاب حب دنیا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ یہ مال و جاہ کی محبت بہت بڑا حجاب ہے اسی کی محبت تھی کہ بنی اسرائیل کے علما، باوجودیکہ انکو آپ کا نبی ہونا معلوم تھا لیکن ایمان نہ لاتے تھے، جانتے تھے پر مانتے نہ تھے یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ لیکن باوجود اتنی معرفت کے انکو حقیقت نظر نہ آتی تھی کیونکہ حب مال و جاہ کا حجاب آنکھوں پر پڑا ہوا تھا۔ اور جب حقیقت معلوم نہیں ہوتی تو دل میں وقعت و عظمت نہیں ہوتی دیکھئے اگر کوئی آگ میں کودے تو اگرچہ کہا جاوے گا کہ یہ آگ کو جانتا تھا لیکن یہ نہ کہا جاوے گا کہ آگ کی حقیقت اسکی نظر میں تھی اور جتنے جرائم اس قسم کے لوگ کرتے ہیں اسکی وجہ یہی ہے کہ انکو اصلی حقیقت اس چیز کی معلوم نہیں ہوتی۔ اکثر عورتیں اور بعض مرد بھی کنوئیں میں گر جاتے ہیں لیکن گرنے کے بعد جب انکو کنوئیں کی حقیقت معلوم ہوتی ہے اسوقت کوئی ان سے پوچھے کہ کنوئیں میں گرنے کی بابت اب آپکا کیا فتویٰ ہے۔ لکھنؤ میں ایک صاحب نے کسی بات پر طیش میں آکر سنکھیا کھا لیا کھا تو گئے لیکن کھانے کے بعد اسکی حقیقت معلوم ہوئی تو آنکھیں کھلیں پھر یہ حالت تھی کہ لوگوں سے التجائیں کرتے تھے کہ مجھے اس سے نجات دلواؤ۔ تو بنی اسرائیل کو اگرچہ معرفت تھی لیکن آپؐ کی حقیقت ان سے مخفی تھی اس لئے کہ حجابات مرتفع نہ ہوسکے تھے اور سہ

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

(جب غرض آگئی تو پھر ہنر پوشیدہ ہوجاتا ہے اور اسوقت قلب سے سیکڑوں حجابات اٹھ اٹھکر آنکھوں کی جانب آجاتے ہیں)

(۱۸۲) حب دنیا کے ازالہ کی ترغیب اور اسکا طریقہ

پس آپ ان حجابوں کو دور کر دیجئے حقیقت بالکل قریب ہے بلکہ حقیقۃ الحقائق جل وعلیٰ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم انسان سے اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) حکایت: حضرت بایزید بستامی نے خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ یا ربِّ دُلَّنِیْ عَلٰی اَقْرَبِ طُرُقٍ اِلَیْکَ کہ اے اللہ مجھے آپ تک پہونچنے کا وہ رستہ بتلا دیجئے جو سب سے زیادہ قریب کا ہو سبحان اللہ کیسے سچے رہبر تھے کہ ہمارے لئے کتنا سہل راستہ تحقیق کر گئے یہ آجکل لوگ جو آسانی سے منزلیں طے کرتے چلے جا رہے ہیں یہ انھیں حضرات کا طفیل ہے غرض خواب میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے قریب کا راستہ بتلا دیجئے؛ ارشاد ہوا یاابایزید دع نفسك وتعال کہ پندار اور خود بینی چھوڑ دو پھر رستہ سید ھا ہے بے خطر چلے آو اس مضمون کو عارف شیرازی نے ترجمہ کیا ہے، فرماتے ہیں ؎

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست — تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

(عاشق اور معشوق کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہے اے حافظ خود اپنے لئے حجاب بنے ہوئے ہو لہٰذا درمیان سے ہٹو)

حقیقت میں سچ کہا ہے صاحبو اسکے بعد آپ دیکھیں گے کہ آپ کے پاس دولت حب خداوندی ضرور ہے۔ اسکے علاوہ اسکا ایک بدیہی ثبوت بھی ہے کہ ہم لوگ اپنے خیال میں جس کو دین سمجھتے ہیں اگر کسی کو اسکے خلاف دیکھتے ہیں تو ہم کو اس پر کس قدر طیش آتا ہے کہ ہم اسکے درپے آزار ہو جاتے ہیں اور دل کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ آخر یہ نفرت اور وحشت کیوں ہے اسلئے کہ وہ طریق جس کو ہم دین سمجھتے ہیں ہمارا محبوب ہے کیونکہ وہ ہمارے خیال میں خدائی رستہ ہے جو کہ خدا نے ہمکو بتلایا ہے۔ پس ہماری محبت کی ایسی مثال ہے جیسے کہ راکھ کے نیچے چنگاری دبی ہوتی ہے کہ اگر اسکو چھیڑا اور کریدا نہ جائے تو وہ نظر بھی نہیں آتی لیکن وہی چنگاری جب راکھ سے باہر نکلتی ہے تو شہر کے شہر جلا دینے کو کافی ہوتی ہے۔

(۱۸۳) مسلمان کو جس شے سے بھی محبت ہوتی ہو وہ حب حق ہی کا ظل ہے

اور اگر کسی کو اب بھی شک ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر براہِ راست خدا سے محبت نہیں معلوم

ہوتی تو اس شخص کو کسی سے تو محبت ہوگی کم از کم اپنی جان سے تو ضرور ہی محبت ہوگی ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ محبت کسی نہ کسی کمال کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے علم و فضل، حسن صورت حسن سیرت اور تیسرا مقدمہ یہ ہے اور مسلم ہے کہ ہر کمال ظلِ کمالِ خداوندی ہے تو ہر شخص خواہ وہ کسی کا عاشق ہو واقع میں کمال خداوندی کا عاشق ہے اور یہی معنی ہیں محبتِ خدا کے اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص نے دیوار پر دھوپ دیکھی اور اسکی وجہ سے وہ دیوار کا عاشق ہوگیا اس صورت میں ہر شخص جانتا ہے کہ یہ شخص واقع میں دیوار کا عاشق نہیں آفتاب کا عاشق ہے کیونکہ دیوار کا عشق ایک کمال وجہ سے پیدا ہوا تھا یعنی نور اور وہ کمال واقع میں آفتاب کا کمال ہے نہ کہ دیوار کا، یہی وجہ ہے کہ جب آفتاب چھپ جاتا ہے اور اس سے وہ نور زائل ہوجاتا ہے عشق بھی زائل ہوجاتا ہے۔ اسی کو کہا ہے ؎

عشق با مردہ نباشد پائدار عشق را باحی و با قیوم دار

(عشق مردہ (فانی) کے ساتھ دیرپا نہیں ہوتا لہٰذا اس ذات سے جو حی و قیوم ہے عشق کرنا چاہیئے

عشقہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود

(جو عشق کہ رنگ و روپ کی وجہ سے ہوتا ہو وہ درحقیقت عشق نہیں ہے انجام اسکا ننگ اور ذلت ہے)

عاشقی با مردگاں پائندہ نیست زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

(پھر کہا جاتا ہو کہ عاشقی مردوں کیساتھ مستحکم نہیں ہوتی اسلئے کہ جو مرگیا اب وہ لوٹ کر آنے والا نہیں)

(۱۸۴) جسمیں جو کمال ہے وہ کمال حق ہی کا ظل ہے

علیٰ ہٰذا جس چیز کا بھی جو کمال ہے وہ واقع میں کمال خداوندی کا ظل ہے خود اسکا ذاتی نہیں دیکھئے ہر چیز ہر کمال کے ساتھ اگر ایک وقت متصف ہے تو دوسرے وقت اس سے خالی بھی ہے تو اس خلو کی یہی وجہ ہے کہ اسوقت تک وہ کمال خدا تعالیٰ کی جانب سے عطا نہیں ہوا' اسی طرح جب اس کے ساتھ اتصاف ہوتا ہے تو اسکی یہ وجہ ہے کہ ادھر سے فیضان ہوگیا۔ اسی لئے ایک بزرگ لکھتے ہیں ؎

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردۂ پس بچشم عاشقاں خود را تماشا کردۂ

لیے (پہلے تو) اپنے حسن کو حسینوں کے چہروں سے ظاہر کیا پھر عاشقوں کی آنکھ سے اپنا آپ ہی تماشائی بنا ہے)
اسکے یہ معنی نہیں کہ خدا کو حسینوں کے ساتھ اتحاد ذاتی ہے یا اس نے ان میں حلول کیا ہے
کیونکہ یہ عقیدہ تو ایمان کے بالکل خلاف ہے اور کفر ہے اور کوئی عامی بھی اسکا قائل نہیں
ہو سکتا اگر ذرا سمجھ سے کام لے چہ جائیکہ کسی صاحب دل کے کلام کے یہ معنی ہوں، بلکہ مطلب
یہ ہے کہ یہ لوگ ذات مجتمع الصفات کے مظہر ہیں اور اس مسئلہ کی تفصیل کی اس موقع پر ضرورت
نہیں یہ فن کا مستقل مسئلہ ہے۔ غرض جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ عشق کمال سے ہوتا ہے اور یہ بھی
ثابت ہو گیا کہ ہر کمال واقع میں کمال خداوندی ہے اگرچہ وہ دوسرے کے اندر نظر آئے
تو یہ بات بلا شک ثابت ہو گئی کہ ہر عاشق خدا کا عاشق ہے

(۱۸۵) محب کے ذمہ محبوب کے جو حقوق ہوتے ہیں ہمکو حق تعالیٰ سے اسی طرح کا تعلق رکھنا چاہئے، اور اسکی نوعیت

اسکے معلوم کر لینے کے بعد اب یہ دیکھئے کہ عاشق کو معشوق سے کس قسم کا تعلق ہوتا ہے
اور اسکے دل میں معشوق کی کتنی وقعت وعظمت ہوتی ہے۔ کیا اگر کسی عاشق کو اسکا معشوق
حکم کرے کہ تم میرے پاس آؤ یا گرمی کے وقت چلچلاتے ہوئے دوپہر میں چار کوس تک
برہنہ پا جلتے ہوئے ریت پر چلنے کا حکم کرے تو وہ عاشق انکار کرے گا یا اس سے اس
حکم کے مصالح پوچھے گا، ہرگز نہیں، اور اگر کوئی مدعی عشق اپنے معشوق کے حکم پر لم اور کیف
کرے تو کیا اسکو اس دعوے میں سچا کہا جائیگا؟ کبھی نہیں۔ ظاہر ہے اگر اسکو سچا عشق ہوگا
تو اسکے بلانے پر وہ دوڑا ہوا آئے گا بلکہ اگر کوئی روکنا بھی چاہے تو ہرگز نہ رکے گا اور کہیگا کہ
مجھ میں امتثال کی وہ حرارت بھری ہے کہ یہ روک اسکے سامنے کچھ بھی نہیں۔ غرض کسی قسم کے
امر ونہی میں اسکو ذرا بھی پس وپیش نہ ہوگا لوگ اسکی حرکات پر اسکو دیوانہ بتلائیں گے، پاگل
کہیں گے مگر اسکو ان خطابوں سے ذرا عار نہ ہوگی بلکہ وہ نہایت خوش ہوگا اور کہیگا کہ ؎

ما اگر قلاشیم وگر دیوانہ ایم مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم

(ہم اگر بے سروسامان ہیں اور دیوانے معلوم ہوتے ہیں تو کیا حرج ہے مگر ہیں تو اس ساقی کے مست اور اسکے پیمانے کے طلبگار ہیں)
جس طرح آجکل کے عقلاء علماء دین کو نیم وحشی وغیرہ وغیرہ خطاب دیتے ہیں لیکن وہ نہایت مسرور ہیں اس واسطے کہ انکا مذہب ہے کہ ؎

عذل العواذل حول قلبي التائه وهوالاحبة منه في سودائه

ملامت گر کی ملامت تو قلب کے باہر اس کے گرد اگرد چکر اکر رہ گئی ہے اور محبت سویدائے قلب تک پہونچکر جاگزیں ہو چکی ہے۔ الحاصل جب معلوم ہوا کہ عاشق کو معشوق کے ساتھ یہ برتاؤ چاہیئے اور ہم خدا کے عاشق ہیں جیسا ابھی ثابت ہوا تو ہمکو بھی اس کے ساتھ یہی برتاؤ رکھنا چاہیئے اور اسکے احکام کے امتثال میں بے چون وچرا گردن جھکا دینی چاہیئے
حکایت: مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ" ہر طالب علمے کہ چون وچرا نکند و ہر درویشی کہ چوں وچرا کند ہر دو را در چراگاہ باید فرست (ہر اس طالب علم کو جو کہ (تحقیق کیلئے) چون وچرا نکرے اور ہر اس درویش کو جو شیخ کی رائے میں چون وچرا کرے دونوں کو چراگاہ بھیجدینا چاہیئے) وجہ یہ ہے کہ طالب تعلم کے وقت طلب فن میں ہے اور حصول فن کے لئے لازم ہے کہ سوالات کرے اور قیل وقال سے مسئلہ کی تہ تک پہونچے اور سالک سلوک طے کرتے وقت عمل میں مشغول ہے اسکے لئے جرح وقدح موجب حرماں اور سبب ہلاکت ہے۔ اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کہ ایک حکیم کے مطب میں کچھ مریض بھی علاج کرانے کو آئیں اور کچھ لوگ طلب فن کے لئے درسیات طب پڑھنے بھی آئیں پس اگر ان طالبین فن میں سے کوئی شخص درس کیوقت بالکل خاموش بیٹھا رہے اور کسی قسم کا سوال نکرے تو وہ طبیب اسکو نالائق کہکر درس سے اٹھا دیگا، لیکن کوئی مریض نسخہ لکھواتے وقت کسی قسم کا چون وچرا کرے اور ادویہ یا ان کے اوزان کی حکمت دریافت کرنے لگے تو اس کے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوگا۔ غرض طالبعلم کا گد بڑ کرنا اور حکمت ومصلحت دریافت کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بموقع نہیں اور عوام کا چون وچرا کرنا برا معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ بموقع ہے۔ لیکن یہ مرض کچھ ایسا عام ہوا ہے کہ ہر شخص احکام کی حکمتیں دریافت کرنے کے درپے ہے اور اپنے کو حکمتیں سمجھنے کے قابل سمجھتا ہے۔

حامل مضامین تصوف واحسان — ماہنامہ — افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ ششماہی ۱۰ دس روپئے

چندہ سالانہ ۲۰ بیس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ دو روپئے — مدیر: عبدالمجید عفی عنہ

شمارہ ۹ — ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق ستمبر سنہ ۱۹۸۱ء — جلد ۴

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر ومینیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-اے-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جون و جولائی کا شمارہ بھی ضرور طبع ہوا لیکن اسکے بعد اگست ۸۱ء ہی سے رسالہ کی طباعت اپنی لائن پر لگ گئی چنانچہ ماہ اگست کا شمارہ حسبِ دستور ۱۰ تاریخ کو دفتر سے روانہ کر دیا گیا اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس نظم کو قائم رکھے اور ارضی و سماوی موانع سے ادارہ کو محفوظ رکھے۔ آمین

اب ماہ شوال بھی شروع ہو چکا ہے، مدرسہ کھل گیا ہے اور تعلیم شروع ہو گئی ہے۔ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ ابھی بمبئی ہی میں ہیں اور بقرعید کے بعد تک شاید واپسی ہو سکیگی بحمداللہ خیریت سے ہیں آپ حضرات مزید صحت کے لئے دعا فرماویں۔

جولائی کے شمارہ میں حضرت مصلح الامۃ (مولانا شاہ وصی اللہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مضامین کا مجموعہ کتابچہ کی شکل میں "درد و درماں" کے نام سے شائع ہونے کا اعلان تھا الحمدللہ احباب میں وہ بہت مقبول ہوا اور ایک ماہ کے بعد ہی دوسرے اڈیشن کی ضرورت پڑ گئی اب اسکی قیمت تین روپیہ رکھی گئی ہے اور ختم ذی الحجہ تک کے لئے رعایتی قیمت ڈھائی روپیہ رہے گی۔ احباب ضرور اسکا مطالعہ فرمائیں، کتاب دفتر سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ مصارف ڈاک بذمہ خریدار ہوں گے چند احباب یکجا طلب فرمائیں یا کوئی صاحب چند نسخے اکٹھا منگوائیں تو مصارف ڈاک میں کفایت رہے گی۔

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے پھر مکرر عرض ہے کہ رسالے کے قدیمی شمارے غیر مرتب خاصی تعداد میں دفتر میں بچ گئے ہیں بہرحال ہر ہر شمارہ مفید مضامین پر مشتمل ہے احباب انھیں دفتر سے حاصل کر کے عربی مدارس کے طلبہ و مدرسین یا دینی دارالمطالعوں میں تقسیم فرما دیں تو یہ ان کے لئے باعث اجر و ثواب بھی بنے اور دفتر کی ایک خوشنما اعانت بھی ہو جائے۔ بہت سے چندوں کی عدم وصولی سے ادارہ کو جو خسارہ ہوتا رہتا ہے فی الجملہ اسکی کچھ تلافی کی سبیل اس طور سے نکل آئیگی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

(ادارہ)

ولم يقيد بالسنة بالكتاب
لما ورد من النهي عن كتابها
روى مسلم في صحيحه عن
ابي سعيد الخدري رضي الله عنه
قال قال رسول الله صلى الله
عليه وسلم لا تكتبوا عني ومن
كتب عني غير القرآن
فليمحه وحدثوا عني
فلا حرج ... ومن كذب
علي متعمدا فليتبوا
مقعده من النار

قال كثير من العلماء
نهاهم عن كتابة الحديث
خشية اختلاطه بالقرآن
وهذا لا ينافي جواز كتابته
اذا امن اللبس وبذلك
يحصل الجمع بين هذا و
بين قوله صلى الله عليه وسلم
في مرضه الذي توفي فيه
ائتوني بكتاب اكتب لكم
كتابا لا تضلوا بعده وقوله
عام الفتح اكتبوا لابي شاه واذن
لعبد الله بن عمرو بتقييد العلم

آگے مصنف سنت کے قید کتابت سے عدم مقید ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ سنت کو کتابوں میں اسلئے نہیں لکھا گیا کہ ابتداءً اسکی کتابت سے منع فرمایا گیا تھا، چنانچہ مسلم نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری باتیں لکھا مت کرو اور جس نے قرآن کے علاوہ میری کوئی بات لکھی ہو تو وہ اسکو مٹا دے، ہاں مجھ سے زبانی حدیث نقل کرو اس میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ کہ جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ لگائیگا اسکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

علماء نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپؐ نے صحابہ کو کتابت حدیث سے اسلئے منع فرمایا تھا تاکہ قرآن کے ساتھ خلط نہو جائے پس اگر اس سے امن ہو تو کتابت جائز ہے اسی توجیہ سے اس روایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں تطبیق ممکن ہوگئی جسمیں ہے کہ آپ نے مرض وفات میں ایک دن ارشاد فرمایا کہ کاغذ لاؤ میں کچھ باتیں لکھدوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہو کہ اس روایت میں آپ کے ارادۂ کتابت کا ذکر ہے اسی طرح سے آپ کا وہ ارشاد جو فتح مکہ کے سال میں آپ نے فرمایا کہ اکتبوا لابی شاہ یا آپؐ نے عبداللہ بن عمروؓ کو لکھ لینے کی جو اجازت عطا فرمائی تھی ان سب کا بھی محمل متعین ہو گیا کہ اجازت کتابت اسوقت ہو گئی جبکہ التباس سے امن ہو گیا۔ اور ممانعت اس وقت تھی جبکہ اختلاط کا اندیشہ تھا۔

یہاں مجھے علامہ نعمانی کی اس عبارت سے یہی بتانا مقصود تھا کہ آپ نے اب تک حفظ قرآن تو سنا ہوگا لیکن حفظ سنت کا عنوان شاید آپ کی نظر سے نہ گذرا ہو۔ مصنف کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرن اول میں حفظ سنت ہی تشریع و فتاویٰ اور حکم اور اخلاق کے معلوم کئے جانے کا ذریعہ تھی یعنی سنت بطون کتب میں مدون نہ تھی بلکہ صفحات قلوب پر مسطور تھی اور صدور رجال تشریع نبوی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کیونکہ شریعت اسی کا نام ہے) کے پائے جانے کی جگہ اور فتووں کے صادر ہونے کا محل اور حکم و اخلاق کے جاری ہونے کا سرچشمہ تھے یعنی جس طرح سے کہ آج اگر شریعت کا کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہوتا ہے تو ہم کتاب و سنت کی جانب مراجعت کرتے ہیں یعنی کتب تفسیر و حدیث سے حکم معلوم کرلیتے ہیں، اسی طرح سے روزمرہ کے پیش آنے والے واقعات کا حکم بھی ہم کتب فقہ و فتاویٰ میں دیکھ لیتے ہیں یعنی کنز و ہدایہ شامی و عالمگیری سے اسکا حکم نکال لیتے ہیں اسی طرح سے علم الاخلاق کے مسائل بھی کتب تصوف سے معلوم کرلیتے ہیں مگر صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تو تفسیر کی کتابیں تھیں نہ حدیث کی کتاب تھی نہ فقہ تھی نہ فتاوے تھے بلکہ ان تمام امور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہوئے اقوال و افعال تھے جو کہ لوگوں کے اذہان اور سینوں میں محفوظ تھے چنانچہ ان کے سینے ہی بمنزلہ سفینہ کے تھے اسی سے ہر واقعہ کا حکم اور ہر مسئلہ کا جواب معلوم کرلیتے تھے حضورؐ کے فرمائے ہوئے ارشادات اور افعال ہی سے قرآن کی مشکلات حل کرلیتے تھے اور اسی سے فقہ کے مسائل مستنبط کرلیتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کے فرمودہ ارشادات اور افعال ہی ان کے لئے دین کا سب سے بڑا سرمایہ اور ہدایت کا معتبر ذخیرہ تھا جن سے وہ ہر موقع پر اپنی دینی اور دنیوی حاجات پوری کرتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ امت کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اتاری تھی لیکن قرآن کا سمجھنا اور اس پر عمل کرنا بھی بدون تشریع نبوی کے تقریباً ناممکن تھا، یہی وجہ ہے کہ آج جتنے بھی فرقے گمراہ ہیں وہ ترک سنت ہی کی وجہ سے

گمراہ ہیں جن لوگوں نے کہ کتاب وسنت دونوں ہی کو چھوڑ دیا ہے ظاہر ہے کہ وہ تو گمراہی کے اعلیٰ سرے پر ہیں لیکن جو لوگ کہ اپنے کو اہل قرآن بھی کہتے ہیں مگر سنت رسول کو نہیں مانتے وہ بھی راہِ حق اور اہتدا بالقرآن سے بمراحل دور ہیں۔ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے ایک طویل حدیث کا ایک ٹکڑا اور اسکی شرح پیش کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں کہ قلتُ ما المخرج منہا یارسول اللہ قال کتاب اللہ یعنی حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب بڑے بڑے فتنے ہوں گے! اس پر میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ پھر ان سے خلاصی کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب۔ اور پھر آگے کتاب اللہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ھوالصراط المستقیم ھوالذی لاتزیغ بہ الاھواء یعنی کتاب اللہ ہی ایک ایسا سیدھا راستہ ہے کہ خواہشات اس پر چل کر کجروی میں نہیں پڑ سکتیں۔ پس اس کے تحت صاحب مرقاۃ نے جو مضمون بیان کیا ہے اس وقت میرا مقصود اسی کو بیان کرنا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

لایقال قیل للشیخ ابی اسحق الکازرونی اھل البدعۃ ایضاً یستدلون بالقرآن کما ان اھل السنۃ یحتجون بہ عند البرھان فقال قال تعالیٰ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا لانا نقول سبب الاضلال عدم الاستدلال بہ علی وجہ الکمال فان

نہ کہا جائے کہ شیخ ابو اسحٰق کازرونی سے کہا گیا کہ جس طرح کسی مسئلہ پر دلیل قائم کرتے ہوئے اہل سنت قرآن سے استدلال کرتے ہیں اور حجت پکڑتے ہیں اسی طرح سے اہل بدعت بھی تو قرآن ہی کو دلیل میں پیش کرتے تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق فرمایا ہی ہے کہ بہت سے لوگ اسکی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے ہدایت یاب ہوتے ہیں، کیونکہ یہ جواب کچھ ٹھیک نہیں ہے، اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل بدعت کی گمراہی کا سبب قرآن نہیں بنا بلکہ انکا قرآن سے صحیح طریقہ پر استدلال نہ کرنا سبب گمراہی بنا اس لئے کہ

ل الاھوی ترکوا الاحادیث | اہل اہوی نے احادیث نبویہ کو بالکل ترک ہی کر دیا
نبویۃ التی ھی مبینۃ | حالانکہ وہی مقاصد قرآن کو بیان کرنے والی اور اسکی
قاصد القرآن وفی | شارح تھی اور پھر یہ کہ قرآن میں بھی آیا ہے کہ تم کو جو کچھ
رآن وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ | رسول دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے
ذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ | باز رہو۔ پس ان جاہلوں نے نہ تو خود ہی قرآن کو پہچانا جیسا کہ
نتھوا فما عرفوا القرآن | اسکا حق تھا اور نہ کسی ایسے کی تقلید ہی کی جو کہ اسکے
معرفتہ و ما قلدوا | دلائل کی معرفت میں کامل البصیرت تھا نتیجہ یہ ہوا کہ جس
ھو کامل فی معرفۃ ادلتہ | گمراہی میں پڑنا تھا پڑ گئے اسلئے کہ حدیث کا انکار کیا
وافیما وقعوا حیث انکروا احدیث ودفعوا | اور اسکو اپنے سے ہٹایا۔

ولذا قال الجنیدؒ من لم | اسی لئے حضرت جنیدؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص
ظ القرآن ولم یکتب الحدیث | نے قرآن نہ حفظ کیا اور حدیث کو نہ لکھا (یعنی نہ ضبط کیا
یقتدی بہ ومن دخل | اور نہ یاد کیا) اسکی اقتدار نہ کیجائیگی یعنی اس کو امام
طریقتنا بغیر علم واستمر | اور پیشوا نہ بنایا جائیگا اور جو شخص کہ ہمارے اس طریق
عًا بجھلہ فھو ضحکۃ | (یعنی تصوف) میں بغیر علم کے داخل ہوا اور اپنے جہل پر
شیطان ومسخرۃ لہ لان | قانع اور مستمر رہا تو شیطان کا مذاق اور اسکے ہنسی کا محل
منا مقید بالکتاب والسنۃ | ہوکر رہ جائے گا اس لئے کہ ہمارا علم کتاب و سنت
للہ اعلم (مرقاۃ ص ۵۹۲ ج ثانی) | سے مؤید ہے اور انھیں دونوں میں دائر ہے۔

دیکھئے جس طرح علامہ خولیؒ نے فرمایا تھا کہ من لا علم لہ بالکتاب والسنۃ حظ لہ من الملۃ الحنفیہ والشرعۃ المحمدیہ اسی طرح سے حضرت جنیدؒ فرما رہے ہیں کہ من لم یحفظ القرآن ولم یکتب الحدیث لایقتدی بہ دونوں بزرگ ایک ہی بات فرما رہے ہیں یعنی کتاب و سنت کی اہمیت اور اسکے حفظ کی ضرورت سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپ نے حضرات صحابہ کا معمول بتایا کہ سنت ان کے سینوں میں محفوظ تھی اور ان کے صفحات قلوب پر منقش تھی،

آج ہم میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو سنت کے ساتھ اس درجہ شغف اور تعلق رکھتا ہو قرآن کے حافظ تو آپ کو ملیں گے لیکن حدیث کے یاد کرنے والے ایک دو بھی نہیں ملیں گے اور پہلے زمانہ میں لوگ قرآن شریف کو بھی یاد کرتے تھے اور حدیث بھی ان کے صفحات قلوب پر نقش تھی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ "بلغوا عنی ولو آیہ" اسکا واضح مفہوم سمجھ میں نہ آتا تھا اشکال یہ ہوتا تھا کہ حضورؐ بلغوا عنی فرمارہے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی جانب سے حدیث کی تبلیغ کا حکم فرمارہے ہیں لیکن ولو آیۃ سے معلوم ہو کہ قرآن کی تبلیغ مراد ہے۔ یعنی یہ فرمارہے ہیں کہ میری جانب سے قرآن کی تبلیغ واشاعت کرو اگرچہ اسکی ایک ہی آیت ہو، پھر اسکی شرح میں قاضی بیضاوی کا قول دیکھا تو تو مفہوم واضح ہوا، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

ولم یقل ولو حدیثا لان الامر بتبلیغ حدیثه یفهم بطریق الاولویة فان الآیات مع انتشارها وکثرة حملتها وتکفله تعالیٰ بحفظها وصونها عن ضیاع وتحریف اذا کانت الواجب التبلیغ فالحدیث الذی لاشیٔ فیه مما ذکر فیه اولیٰ۔

(نفع قوت المغتذی)
ص ۹۸

یہاں ولو آیۃ فرمایا ولو حدیثاً نہیں فرمایا حالانکہ موقع اسی کا تھا اس لئے کہ آپ کی حدیث کی تبلیغ کا حکم اس سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہوتا ہے کیونکہ آیات قرآنی باوجود اس کے کہ ہر طرف پھیل چکی تھیں اور حاملین قرآن کثیر تعداد میں تھے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی حفاظت کو اور ضیاع سے بچانے کا ذمہ لیا تھا انا نحن نزلنا الذکر وانا له الحافظون تو جب ان سب کے ہوتے ہوئے وہ واجب التبلیغ قرار پایا جیساکہ ولو آیہ کا لفظ صریح اس پر دال ہے تو حدیث شریف کے متعلق تو ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی وہ کیوں نہ واجب التبلیغ اور قابل حفاظت ہوگی۔ یقیناً ہوگی۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اصالۃً تو تھا قرآن ہی کے متعلق لیکن دلالۃً اس سے تبلیغ حدیث بھی مراد ہے اس لئے

جس طرح سے قرآن وحی ہے اور اسکے الفاظ کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح سے حدیث بھی وحی ہے اور معانی کے ساتھ ساتھ اسکے الفاظ کی بھی حفاظت مطلوب شرعی ہے یہ اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع الکلم تھے آپ نے اپنے مختصر سے کلام میں جسقدر کثیر مضامین کو بیان فرمادیا ہے کوئی دوسرا اس پر قادر نہیں پھر یہ کہ آپ چونکہ ہدایت امت ہی کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور آپ کے کلمات اور ارشادات دراصل قرآن ہی کی تفسیر و شرح تھے اور یہ ظاہر ہے کہ مومن کو قدم قدم اسپنے پیش آنے والے دینی و دنیوی مسائل میں شرعی رہنمائی کی ضرورت تھی تو اسکا بھی تقاضا تھا کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اپنے سینہ میں محفوظ کرلیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر اس واقعہ کا حکم تعلیم نبوی سے فوراً معلوم کرلیں اسی لئے صحابہؓ نے انھیں اپنے سینوں میں محفوظ کر رکھا تھا۔

اور اب اس زمانہ میں چونکہ دین ہی مقصود نہیں ہے اسلئے شرعی تعلیم اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم کرنے اور یاد رکھنے کی فکر نہیں ہے اور جن لوگوں کو تھوڑا بہت دین کا خیال بھی ہے انھوں نے کتابوں پر اتکال کرلیا ہے یعنی یہ دیکھکر خوش اور مطمئن ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اور آپ کی احادیث کتابوں میں موجود ہیں حالانکہ تعلیمات کی حفاظت کا خدائی طریقہ حفظ ہی ہے اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا طریقہ جو تجویز فرمایا ان میں سب سے زیادہ رائج طریقہ یہی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اسے حفظ کرلیتے ہیں۔ کتاب اس لئے ہوتی ہے کہ آدمی اگر کبھی بھول جائے تو اس سے مراجعت کرلے باقی اصل ذریعہ حفاظت کا حفظ ہی ہے۔ کتاب دیکھ دیکھکر انسان کتنا عمل کرلے گا اور اگر وہی باتیں زبانی یاد ہونگی تو ہر وقت اس سے مستفید ہوسکتا ہے۔ اور اسکی دلیل جو ہمارے مشاہدے میں بھی ہے یہ ہے کہ آج حدیث کی کتابیں موجود ہیں لیکن لوگوں کا ان تعلیمات پر عمل نہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ صرف احادیث کا کتاب میں ہونا کافی نہیں ہے بلکہ عمل کے لئے سینوں میں انکا محفوظ ہونا ضروری ہے۔

یوں تو عام طور پر سنت کہتے ہیں طریقہ مسلوکہ فی الدین کو، یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو دین آیا ہے اور ہر ہر باب کے جو تفصیلی احکام ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے عمل سے برت کر لوگوں کو دکھایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا منشا ان کو سمجھا دیا ہے کہ اس طرح سے عبادت کی جاتی ہے، اسطرح سے لوگوں سے معاملات رکھے جاتے ہیں، اس طرح سے آپس کی معاشرت یعنی رہن سہن ہونا چاہیئے۔ یہ یہ باہمی حقوق ہیں جنکی ادائیگی کا حق تعالیٰ کی جانب سے مطالبہ ہے اور یہ سب باتیں اخلاق کی ہیں اور یہ امور بداخلاقی شمار ہوتے ہیں۔ پس اسی طرح سے دین کے ہر ہر شعبہ میں آپ نے جس طرح سے خود عمل کر کے امت کو دکھایا ہے اسی کا نام سنت ہے اور پھر آپ کے بعد جن لوگوں نے دین پر آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق عمل کیا اور دوسروں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سمجھنے کا ذریعہ اور نمونہ بنے یہ حضرات متبع سنت کہلائے۔

پس اس اعتبار سے گویا جو شخص کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عامل ہے یعنی فرائض و واجبات کا پابند ہے، حلال وحرام کا لحاظ رکھتا ہے اور اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت اور بتلائی ہوئی سنت کو جاری کئے ہوئے ہے اسکو متبع سنت کہا جاتا ہے۔ یہ تو اسکے عام معنی ہوئے۔

لیکن خاص مفہوم متبع سنت کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص حال اور آپ کی جو مخصوص شان تھی جس میں آپ تمام انبیاء اور مرسلین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین سے ممتاز تھے یعنی عبودیت اس میں آپ کا اتباع کیا جاے پس جو شخص اس خاص حال میں جسقدر اتباع میں زیادہ ہوگا اسی قدر وہ متبع سنت کہلائے گا۔

اور عبودیت کے متعلق حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:۔

”لاجرم مقام عبدیت فوق جمیع مقامات باشد چہ ایں معنی در مقام عبدیت

اتم و اکمل است محبوباں را بایں مقام مشرف می سازند محبان را به ذوق شہود متلذذ اند ۔ التذاذ در بندگی و اُنس باآں مخصوص به محبوباں است ۔ اُنس محباں به مشاہدۂ محبوب است و انس محبوباں به بندگیٔ محبوب ۔ شہسوار یکہ تازِ ایں میدان آں سرور دنیا و دیں و سید اولیں و آخریں حبیب رب العالمیں است علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملُہا"

(مکتوبات امام ربانی ص۳۱ دفتر ۱ ج ۱)

(ترجمہ: اور اس میں شک نہیں کہ مقامِ عبدیت، جملہ مقامات سے بڑھکر اور سب سے برتر ہے کیونکہ (تعلق مع اللہ کا مفہوم) اس مقام کے اندر نہایت ہی مکمل اور تام نظر آتا ہے۔ چنانچہ اپنے محبوبوں ہی کو اس مقام کے شرف سے نوازتے ہیں، رہے محباں اور عاشق مزاج حضرات تو وہ تو ذوق شہود ہی سے لطف اندوز رہتے ہیں بس یوں سمجھو کہ لطف بندگی اور اسکی لذت کے ساتھ محبوبوں کو خاص کیا گیا ہے یعنی محبین کے لئے انس کا ذریعہ تو مشاہدۂ محبوب کو بنایا اور محبوبین کے لئے انس کو محبوب کی بندگی میں رکھدیا پس جو شہسوار کہ اس بندگی اور عبودیت کے میدان کا عالی مرد اور سب کا پیشرو ہوا ہے وہ ذات گرامی تھی دنیا و دین کے سرور، اولین اور آخرین کے سید، رب العالمین کے حبیب (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی ۔ ان پر اتم صلوات ہو اکمل تحیات ہو)

چنانچہ اس امر کی دلیل کہ عبودیت ہی آپ کا خاص حال اور مخصوص سیرت ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقام مدح میں آپ کی اسی شان کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (پاک ہے وہ ذات جس نے راتوں رات سیر کرایا اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک) اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (اور اگر تم شک میں ہو (اس کے نزل اللہ ہونے میں) جسکو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا تو اسکی ایک سورۃ کیطرح تم بنا لاؤ) اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ کَادُوْا یَکُوْنُوْنَ عَلَیْہِ لِبَدًا (اور بلاشبہ جب وہ اللہ کا بندہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو یہ جن تو بہ تو آپ کو گھیر لیتے ہیں (قرآن سننے کی غرض سے)۔

ملاحظہ فرمایا کہ آپ کا مقام اس میں سب سے اعلیٰ و ارفع تھا چنانچہ آپ کے بعد جس کسی کو بھی اس دولت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ آپ کی متابعت ہی کی وجہ سے ملا ہے، جیساکہ حضرت مجدد صاحب آگے فرماتے ہیں کہ :۔

"وکسے راکہ بمحض فضل خواہند کہ بایں دولت رسانند اورا بکمال متابعت آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام متحقق می سازند وتوسل آں بآں ذروۂ علیا می برند ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ" (مکتوبات امام ربانی ۱۸ دفتر اول حصہ اول)

(ترجمہ: اور جس کو محض اپنے فضل و کرم سے اس دولت سے نوازنا منظور ہوتا ہے تو اسکو پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت کے ساتھ متصف فرمادیتے ہیں پھر اسی کے ذریعہ عبودیت کے بلند مقام پر فائز فرمادیتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل ہے جس کو چاہتے ہیں اسکو اس سے نواز دیتے ہیں)

میں کہتا ہوں کہ انسان کسی چیز میں کسی کا اتباع اسی وقت کرسکتا ہے جبکہ پہلے اسکو اسکا علم ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت کا کچھ سراغ آپ کی اُن ادعیہ ہی سے ہوتا ہے جو آپ سے وقتاً فوقتاً ثابت ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ضمیمۂ جلالۃ السنۃ)

فرمایا کہ میں اسوقت آپ کے سامنے سُنّت اور بدعت کے متعلق کچھ کرنا چاہتا ہوں اور اپنے گفتگو کی ابتدا ایک حدیث شریف سے کرنا ہوں جب صاحب مشکوٰۃ نے کتاب العلم میں نقل کیا ہے ۔ وہو ہذا :۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد لکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤساجھا لاً فسئلوافا فتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (متفق علیہ) (مشکوٰۃ شریف)	حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتاب و سنت کا علم لوگوں سے اللہ کچھ اس طرح نہ چھین لیں گے کہ ان کے سینوں میں نکالکر آ پر اسکو اٹھالیں بلکہ علم کو اس طور سے قبض فرمائیں گے علمار حقانی ہی کو ان کے درمیان سے اٹھالیں گے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی عالم ربانی کو (دنیا میں) با نہ چھوڑیں گے تو ہوگا یہ کہ لوگ جاہلوں اور ناا ہلوں ہی اپنا پیشوا (یعنی خلیفہ، قاضی، مفتی، امام اور شیخ) بنا (اور یہ لوگ بوجہ جاہل ہونے کے ان مناصب کی اہلیت نہ رکھیں گے چنانچہ) انھیں سے سوال کیا جائیگا او یہ لوگ بدون علم ہی کے فتوے دیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)

دیکھئے حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ امت پر ایک ایسا وقت آئے گا علما ان میں سے رخصت ہو جائے گا اور جہل کا دور دورہ ہوگا۔ جاہل ہی تمام مناصب علمار اہل حق کم بلکہ ختم ہو جائیں گے ۔ اعتصام بالکتاب والسنۃ نہ ہونے کیوجہ ہدایت دنیا سے ناپید ہو جائیگی اور خواہشات و بدعات کا شیوع ہو جانے کیو سے گمراہی عام ہو جائے گی ۔ چنانچہ خلاف شرع فتویٰ دینے کی وجہ سے وہ لوگ

خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضلوا و اضلوا فرمایا۔ اور یہی وہ ضلالت ہے جس کا ذکر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ

عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔	حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ـــ بعد حمد و صلوٰۃ کے (کہتا ہوں کہ) سب احادیث سے بہتر کتاب اللہ ہے اور سب طریقوں سے بڑھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے تمام امور میں سے بدترین وہ چیزیں ہیں جو محدث (نو ایجاد کردہ) ہیں۔ اور ہر (دین میں) نئی چیز گمراہی ہے۔

دیکھئے یہاں بھی ہر اس چیز کو جو دین میں نئی نکالی جائے بدعت اور ضلالت فرمایا ہے۔ چنانچہ میں یہ کہتا ہوں کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں پیدا ہوئی وہ یہی ہے کہ علم دین رخصت ہوگیا اور اسکی جگہ جہل نے لے لی اور علماء ختم ہوگئے اور انکی جگہ جہال نے لے لیا، پس بینا اہل کا منصب اہل پر فائز ہونا سب سے پہلی بدعت یہی ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ:-

واصل مادۃ بدع للاختراع علی غیر مثال سابق ومنہ قول اللہ تعالیٰ بدیع السموٰت والارض ای مخترعھا من غیر مثال سابق متقدم وقولہ تعالیٰ قل ما کنتُ بدعًا من الرسل ای ما کنت اول من جاء بالرسالۃ من اللہ الی العباد بل تقدمنی کثیر من الرسل۔ ویقال ابتدع فلان	لفظ بدع کا جو مادہ ہے (یعنی با، دال اور عین) اس مادہ سے جو لفظ بھی بنے گا اسکے معنی میں انوکھا پن۔ بلا سابق نمونہ کے موجود ہو جانا۔ جدت اور اختراع کا مفہوم ضرور پایا جائیگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ آسمانوں اور زمین کا بدون کسی سابقہ نمونہ اور مثال کے بنانے والے ہیں نیز فرمایا کہ آپ فرما دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں یعنی خدا کی جانب سے بندوں کی طرف پیغام رسالت کو لیکر سب سے اول آنیوالا تو نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں۔ اسی طرح سے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ایک بدعت ایجاد کی یعنی ایک

بدعة يعني ابتدأ طريقة لم يسبقه اليها سابق وهذا امر بديع يقال في الشئ المستحسن الذي لا مثال له في الحسن فكانه لم يتقدمه ما هو مثله ولا ما يشبهه ۔

ایسا طریقہ نکالا جس پر اس سے پہلے کوئی چلا نہیں تھا۔ نیز یہ لفظ اس نرالی اور انوکھی شے پر جسکی حسن میں کوئی کوئی مثال نہو بھی بولا جاتا ہے کہ ہٰذا امر بدیع تو اسکا بھی مطلب یہی ہوتا ہے کہ اسکی کوئی مثال پہلے نہیں پائی گئی اور نہ اس کے مشابہ کوئی شے گذری۔

ومن هذا المعنى سميت البدعة بدعة فاستخراجها للسلوك عليها هو الابتداع ۔

اسی لفظ بدع اور اسکے مذکورہ بالا مفہوم کے لحاظ سے بدعت کو بھی بدعت کہا جاتا ہے۔ پس اسکا اختراع کرنا اس لئے تاکہ اس پر چلا جائے ابتداع کہلاتا ہے۔

وهيئتها هي البدعة وقد يسمى العمل المعمول على ذلك الوجه بدعة فمن هذا المعنى سمي العمل الذي لا دليل عليه في الشرع بدعة وهو اطلاق اخص منه في اللغة حسبما يذكر بحول الله

اور اسکی یہ موجودہ ہیئت بدعت کہلاتی ہے اور کبھی اس عمل کو بھی جس کو اسی طرح سے وجود میں لایا جائے اور معمول بنایا جائے بدعت کہدیتے ہیں۔ پس اسی معنی کرکے اس عمل کو جس کے جواز پر کوئی شرعی دلیل نہو بدعت کہا جانے لگا جو کہ لغوی مفہوم سے کچھ خاص ہوگیا۔

ثبت في علم الاصول ان الاحكام المتعلقة بافعال العباد واقوالهم ثلثة حكم يقتضيه معنى الامر كان للايجاب او الندب وحكم يقتضيه معنى النهي كان للكراهة او التحريم وحكم يقتضيه معنى التخيير وهو الاباحة فافعال العباد واقوالهم لا تعدو هذه الاقسام الثلاثة مطلوب فعله

(نیز یہ سمجھو کہ) علم اصول میں یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جو احکام بندوں کے افعال یا اقوال سے متعلق ہیں انکی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ حکم جس کو امر تقاضا کرے خواہ وہ وجوب کے لئے آیا ہو یا ندب اور استحباب کے لئے۔ اور ایک وہ حکم جو نہی کا تقاضا ہو خواہ وہ کراہت کے لئے ہو یا تحریم کے لئے۔ اور تیسرا وہ حکم جسکا بندے کو اختیار دیا گیا ہو جیسے کوئی امر مباح (جس کو چاہے تو کرے یا نکرے) پس بندوں کے افعال

ومطلوب تركه ومأذون
في فعله وتركه
والمطلوب تركه لم يطلب
تركه الا لكونه مخالفًا
للقسمين الآخرين لكنه على ضربين
احدهما ان يطلب
تركه وينهى عنه لكونه مخالفة
خاصة مع مجرد النظر عن ذالك
وهو ان كان محرمًا سمي فعلا
معصية واثما وسمي فاعله
عاصيًا وآثمًا والا لم يسم بذلك
ودخل في حكم العفو حسبما
هو مبيّن في غير هذا الموضع
ولا يسمى بحسب الفعل جائزًا
ولا مباحًا لان الجمع
بين الجواز والنهي
جمع بين
المتنافيين
والثاني ان يطلب
تركه وينهى عنه لكونه
مخالفة لظاهر التشريع
من جهة ضرب
الحدود وتعيين الكيفيات

اور اقوال ان اقسام ثلاثہ سے باہر نہیں ہوں گے یعنی یا تو
اس کام کا کیا جانا شرعاً مطلوب ہوگا یا نہ کیا جانا منظور ہوگا
اور یا کرنے نہ کرنے کا بندے کو اختیار دیا گیا ہوگا۔
چنانچہ جسکا ترک مطلوب ہے تو وہ اسی لئے کہ وہ دوسری
دو قسموں کے خلاف ہوگا لیکن پھر اسکی بھی دو قسمیں ہیں
ایک تو یہ کہ ترک اسکا مطلوب ہوا اور اس کے
کرنے کی ممانعت ہو اسلئے کہ وہ فی نفسہ ایک خلاف
اور قبیح سا معلوم ہوتا ہے قطع نظر کسی اور جہت کے
تو یہ اگر حرمت کی حدتک ممنوع ہو تو اسکو (حرام کہیں گے
اور) اس فعل کو معصیت اور اثم (گناہ) کہا جائے گا
اور اسکے کرنے والے کو عاصی اور آثم (یعنی گنہگا
کہا جائے گا ورنہ اگر حرمت کی حدتک ممنوع نہیں ہے
تو اسکو حرام تو نہ کہیں گے بلکہ وہ عفو وچشم پوشی ک
حد میں داخل سمجھا جائیگا جیساکہ اپنے مقام پر اسکی
تفصیل آجائے گی، لیکن باعتبار فعل کے اسکو جائز ا
مباح بھی نہ قرار دیں گے اسلئے کہ وہ منہی عنہ ہے
بحد حرمت نہو پس نہی اور جواز دونوں کو جمع کرنا گو
جمع بین الاضداد کرنا ہو جائے گا۔
اور دوسری قسم یہ ہے کہ اسکا ترک جو مطلوب
اور اس سے منع بھی کیا گیا ہے تو وہ اسلئے کہ و
ظاہر شرع کے مخالف ہے یوں کہ اسکی حدیں ا
کیفیات کی تعیین اور ہیأت خاصہ کا التزام اور مخصو
زمانہ کی تعیین اور غیر ضروری افعال کی دائمی پابند

والتزام الهيئات المعينة او	ان سب امور کا لوگوں نے اپنی جانب سے اضافہ کر لیا ہے
الازمنة المعينة مع الدوام ونحو ذلك	جس کا شرع میں کچھ پتہ نہیں ہے۔
وهذا هو الابتداع	بس یہی طریقہ نکالنا ابتداع ہے اور اسی فعل کو
البدعة ويسمّى فاعله مبتدعاً	بدعت کہا جاتا ہے اور اس کا کرنے والا مبتدع (بدعتی)
البدعة اذن عبارة	کہلاتا ہے۔ حاصل کلام یہ کہ بدعت نام ہے ہر اس طریقہ کا
عن طريقة فى الدين مخترعةً	جو خود ساختہ ہو اور شریعت کے بالمقابل ہو اور اس کے بالکل
تضاهى الشرعيّة يقصد بالسلوك	مشابہ ہو، جس پر عمل کرنے سے مقصود بھی اس شخص کا اللہ تعالیٰ
عليها المبالغة فى التعبد لله سبحانه	کی عبادت مبالغہ کے ساتھ کرنا ہو۔
وهذا على رأى من لايدخل	اور یہ ان حضرات کی رائے ہے جو کہ عادات کو بدعت
العادات فى معنى البدعة وانما	کا درجہ نہیں دیتے صرف عبادت میں اسکے قائل ہیں۔ باقی
يخصها بالعبادات واما على رأى من	جن حضرات کے افعال عادیہ کو بھی بدعت شمار کیا ہے یعنی
ادخل الاعمال العادية فى معنى البدعة فيقول	اس میں داخل کیا ہے وہ یوں فرماتے ہیں کہ
البدعة طريقة فى الدين مخترعة	بدعت اس دین میں اس گڑھے ہوئے طریقہ کا نام ہے جو
تضاهى الشرعية يقصد بالسلوك عليها	شریعت کے مشابہ ہو اور اس پر چلنے والے کا قصد بھی وہی ہو جو شریعت
ما يقصد بالطريقة الشرعية۔	پر چلنے سے ہوا کرتا ہے۔
لابد من بيان الفاظ هذا الحد۔ الطريقة	اب اس تعریف کے اندر آئے ہوئے الفاظ کی تشریح سنو! طریقہ، طریق، سبیل
والطريق والسبيل والسنن هى بمعنى	اور سنن سب کے معنی ایک ہی ہیں (یعنی سب مرادف الفاظ ہیں) یعنی وہ شے جو
واحد وهو ما رسم للسلوك عليه وانما	چلنے کے لئے بنائی جائے اور اسکو دین کے ساتھ اسلئے مقید کیا کہ یہ حرکت دین ہی کے
قيدت بالدين لانها فيه تخترع	کاموں میں کی جاتی ہے اور اسی کی جانب اسکا موجد اسکو منسوب کرتا ہے چنانچہ
واليه يضيفها صاحبها وايضاً	اگر دنیوی امور میں سے کسی بات میں کوئی ڈھنگ اور طور ایجاد کیا جائے تو اسکو
فلو كانت طريقةً مخترعة فى الدنيا	بدعت نہ کہیں گے مثلاً مختلف پیشے اور انکی ایجادات (جو خیر القرون میں نہیں
على الخصوص لم تسم بدعة كاحداث	اور اب ہیں وہ بدعت نہیں کہلائیں گی) یا نئے نئے شہر اور مقامات جنکا پہلے
الصنائع والبلدان التى لاعهد بها فيما تقدم	پتہ تک نہ تھا ان سب کو بدعت نہ کہا جائے گا۔

گرمی کا زمانہ تھا مولانا نے نیچے کی منزل میں قیام کا انتظام فرمایا تاکید کی کہ گرمی میں اوپر آنے کی زحمت بالکل نہ کی جائے۔ اسکا بھی اہتمام کیا گیا کہ کسی ضرورت کے لئے باہر نہ نکلنا ہو، کئی بار انار شیریں کے دانے اس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے کہ یہ آنکھوں کے لئے مفید ہیں۔ پھر شام کو بڑی شفقت کے ساتھ ملاقات فرمائی، کھانے کا اہتمام فرمایا ان نوازشوں میں محض بزرگانہ ہی نہیں بلکہ ماورانہ شفقت کی جھلک بھی نظر آئی تھی جو نائبین رسول کا امتیاز ہے عزیزٌ علیہ ما عنتّم حریصٌ علیکم

ایک بار مجلس مشاورت کے جلسے کے سلسلہ میں جو الہ آباد میں ہونا طے پایا تھا الہ آباد جانا ہوا، مولانا ہی کے دولت خانہ پر قیام تھا صدر مجلس ڈاکٹر سید محمود صاحب بھی تشریف لائے تھے، ڈاکٹر صاحب کو مولانا سے بڑی عقیدت پیدا ہوگئی تھی اور کچھ ایسا بھی سنا جاتا تھا کہ وہ داخل سلسلہ بھی ہوگئے ہیں مجلس کے بعض دوسرے قائدین بھی الہ آباد آئے ہوئے تھے وہ بھی مولانا کی خدمت میں حاضری دیتے رہتے تھے۔ مولانا ابواللیث صاحب ندوی (امیر جماعت اسلامی) خاص طور سے حاضری کا اہتمام کرتے تھے اور مولانا بھی ان پر خصوصی شفقت فرماتے تھے

اب وہ وقت آگیا کہ مولانا کے لئے اپنے مرض رعاف کیوجہ سے الہ آباد کی گرمیوں میں رہنا مشکل ہوگیا اور معالجین نے معتدل آب وہوا کے کسی مقام پر گرمیاں وسردیاں گذارنے کا مشورہ دیا اس علاج ومشورہ میں ہمارے شہر لکھنؤ کے نامور طبیب یونانی شفاء الملک مولانا حکیم خواجہ شمس الدین صاحب پیش پیش تھے جنکو اپنی حذاقت نیز مناسبت وعقیدت کیوجہ سے مولانا کے خاص معتمد ومقرب بننے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ اب بمبئی کی قسمت نے زور کیا، ظاہر بیں سمجھے کہ مولانا اپنے علاج کے لئے تشریف لے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں اہل بمبئی کا علاج مقصود تھا اور وہاں ایک روحانی مطب کھلنے کا قضا وقدر میں فیصلہ ہوچکا تھا، مولانا کی وابستگی (جسکے ساتھ اہل بمبئی کی دلکشائی وابستہ تھی) بمبئی اور اہل بمبئی سے بڑھتی گئی اور اہل بمبئی کو بھی مولانا کی ذات سے گرویدگی اور عقیدت آناً فاناً ترقی کرتی گئی سارے قرائن واسباب اس بات کے مؤید تھے کہ مولانا کی آمد وقیام سے ہندوستان کے اس عظیم ترین شہر (جسکا مزاج ہمیشہ سے تجارتی اور کاروباری رہا ہے اور کسی زمانہ میں مسلک دیوبند کے

داعیوں اور علم برداروں کے لئے ارضِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا) کے ساکن سمندر کی سطح میں ادنیٰ سا تموج و حرکت بھی پیدا نہ ہوگی مولانا کے پاس ان اسلحہ اور وسائل میں سے کوئی ایک چیز بھی نہ تھی جو بمبئی کے لوگوں کو گرویدہ اور متاثر کرسکتی یعنی خطابت، ظاہری وجاہت پروپیگنڈا اور ظاہری شان شوکت وغیرہ لیکن قضا و قدر کے فیصلے ان میں سے کسی چیز کے بھی تابع اور پابند نہیں لوگوں نے جو کچھ دیکھا تمام ترقیاسات کے برخلاف تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی قوت کام کر رہی ہے اور لوگوں کے دلوں اور روحوں کو انکی طرف متوجہ کر رہی ہے میں نے ان تاجروں اور بمبئی کے چوٹی کے کاروباری لوگوں کی عقیدت و رجوع کو دیکھا جو اس سے پہلے کسی دینی دعوت و تحریک سے متاثر نہیں ہوئے تھے اور جو علمائے حق کی طرف سے شدید بدگمانیوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا تھے انکا رجوع برابر بڑھتا گیا اور تیزی سے ان میں اصلاح و تغیر آنے لگا دیکھتے دیکھتے انکی صورت و سیرت میں نمایاں تبدیلیاں ہونے لگیں مجھے ۱۹۲۸ء سے بمبئی جانے کا برابر اتفاق ہوتا رہا اور اس میں مشکل سے کسی سال وقفہ ہوتا تھا لیکن اب مولانا کے قیام کے بعد جو بمبئی جانا ہوا تو وہاں کی حالت ہی دوسری دیکھی، جن لوگوں کو مولانا کی مجلس میں دیکھنے کی بالکل امید نہ تھی انکو وہاں سربہ زانو پایا حالانکہ یہاں کشش کے وہ سب اسباب مفقود تھے جو بمبئی کے لئے ضروری تھے ۱۹۶۷ء میں حجاز جاتے ہوئے چند روز بمبئی میں ٹھہرا، میں ایک دن صبح "کُرلا" جہاں مولانا کا قیام رہتا تھا ٹھیک صبح کے درس کے وقت پہونچا، مجھے مولانا کی کرسی کے پایہ کے پاس جگہ دی گئی، مولانا تشریف لائے میکروفون سامنے تھا کچھ بیان فرمانا شروع کیا درمیان میں تفسیر و حدیث کی کتابیں منگواکر ان کی عبارتیں سناتے اور تقریر فرماتے میں پایہ سے لگا بیٹھا ہوا تھا مولانا کے لہجہ اور طرز کلام سے بھی مانوس تھا لیکن خود بھی گفتگو کا خاصا حصہ نہیں سمجھ سکا لیکن دیکھتا تھا کہ لوگوں کے چہرے اور آنکھوں میں گہرا اثر ہے، کئی بار کیطرح اس موقع پر بھی اندازہ ہوا کہ تاثیر کے لئے خطابت و الفاظ کی کوئی شرط نہیں، ع "بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست" ورنہ اس کے برخلاف بڑے بڑے شیوہ بیان مقرر تقریر کا سماں باندھ دیتے ہیں لیکن نہ قلوب پر کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ زندگی میں کوئی انقلاب اسلئے کہ بقول جگر ؔ ؎

آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

منظور ہوتا اور مولانا کے سفر و قیام کا سلسلہ چند سال اور قائم رہتا تو شاید بمبئی میں خاصے
پیمانے پر دینی بیداری، اصلاح حال، اتباع سنت کا ذوق اور بیسیوں نہیں بلکہ
زندگیوں میں انقلاب پیدا ہو جاتا لیکن خدا کی حکمت اور اسرار الٰہی کوئی نہیں جانتا
ء کو یہ سلسلۂ خیر و برکت اچانک ختم ہو گیا اور صرف بمبئی ہی نہیں بلکہ سارا ہندوستان
اسلام اس مبارک وجود سے محروم ہو گیا جس نے مشائخ پیشین اور مصلحین اولین
زہ کر دی تھی اور ثابت کر دیا تھا کہ اخلاص و درد اپنے کام کی دھن اور لگن
مانی قوت بڑے سے بڑے ناسازگار حالات اور سخت سے سخت مادہ زدہ اور
ت دور اور ماحول میں بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتی۔ ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ مولانا کے قلب میں زیارت بیت اللہ اور کچھ عرصہ
ایہ میں قیام کرنے کا جذبہ اور شوق اس طرح موجزن ہوا کہ کوئی طبی مصلحت اور
ضرورت اس پر غالب نہ آسکی، مولانا نے حج کا عزم فرما لیا اور اپنے خصوصی مخلصین
ں پر آمادہ فرمانا شروع کیا، یہ جذبہ اس قوت اور شدت سے پیدا ہوا تھا کہ کوئی مشکل
ہ میں حائل نہ ہو سکی اور ہر خدا کی کچھ ایسی مدد ہوئی کہ موانع مرتفع ہوتے چلے گئے
بی کے لئے ایک اچھا خاصا قافلہ تیار ہو گیا، میں اسی زمانہ میں رابطہ کے جلسے
ت کے لئے سفر حجاز پر روانہ ہو رہا تھا، بمبئی میں جب بغرض ملاقات حاضر ہوا تو اپنے
جس کا عام طور پر اعلان نہیں ہوا تھا ذکر فرمایا، رخصت ہو کر جب موٹر پر آکر بیٹھ گیا
جامی صاحب کو یہ خصوصی پیغام دیکر بھیجا کہ واپسی میں عجلت نہ کیجئے گا میرا انتظار
کا لیکن میں بعض اسباب کی بنا پر زیادہ نہ ٹھہر سکا اور جلسہ سے فارغ ہو کر بمبئی
ہوا، وسط نومبر ۱۹۶۷ء کی غالباً ۱۹، ۲۰ تاریخ تھی مولانا سے ملا عرض کیا کہ میں آتو
لیکن مجھے بعض اسباب کی بنا پر توقع ہے کہ میں رمضان المبارک میں حاضر ہونگا
طرح کچھ عرصے وہاں آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملے گا مولانا بہت خوش ہوئے

اور فرمایا کہ ضرور ضرور کوشش کرنا۔

واپسی کے سفر میں رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بھی ساتھ تھے مولانا کی روانگی سے ایک دو روز پیشتر ہم لوگ لکھنؤ روانہ ہونے والے تھے، ایک شام ایک معتقد کے یہاں جو ایک بڑے تاجر تھے مولانا کی چائے کی دعوت تھی، ہم دونوں اور مولانا ابرار الحق صاحب بھی مدعو تھے مولانا نے اپنے گدے پر دائیں اور بائیں اپنے قریب ہم دونوں کو بٹھایا پھر بڑی رازداری سے لب مبارک کو میرے کان کے پاس لاکر فرمایا —"دعا کرو کہ حاضری ہو جائے" ——— میں اس جملہ کا مطلب بالکل نہیں سمجھا کہ اب حاضری میں کیا تردد چند دن کا معاملہ ہے لیکن بعد کے واقعہ نے ثابت کر دیا کہ یہ جملہ بڑا معنی خیز تھا اور تقدیر الٰہی کو وہاں حاضری کے بجائے کچھ اور منظور تھا وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

روانگی چہارشنبہ کے روز ۲۲ر نومبر ۶۲ء کو ہوئی ابھی جہاز کو روانہ ہوئے دو ہی روز ہوئے تھے کہ ۲۴ر نومبر بعد نماز مغرب غشی کا دورہ پڑا اسی شب میں چند گھنٹے کے بعد گیارہ بجے شب میں بیت کے بجائے رب البیت سے جا ملے اور مکان کے بجائے مکین سے واصل ہوئے ان الی ربک الرجعیٰ

یہ خبر جب وائرلیس سے حجاز پہونچی تو وہاں کے مخلصین نے اور خود مدحت کامل صاحب سفیر ہند متعین سعودی عرب نے جنت معلیٰ میں تدفین کے لئے حکومت سعودیہ کی منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی جو کامیاب ہوئی اور بالکل استثنائی طریقہ پر جسد مبارک کو البلد الامین لانے کی سرکاری طریقہ پر اجازت ملی، جنت المعلیٰ میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی لحد کی جگہ پر قبر تیار بھی کر لی گئی اور مدرسہ صولتیہ میں غسل کی تیاری بھی شروع کر دی گئی لیکن یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ رہا اس غلط فہمی کی بنا پر کہ اجازت نہیں ہوئی ہے غسل و تکفین اور نماز جنازہ میں عجلت سے کام لیا گیا اور جسد مبارک جہاز کے قوانین کے مطابق سمندر میں اتار دیا گیا۔ سنا ہے کہ مولانا بمبئی سے رخصت ہونے سے پہلے بار بار یہ شعر پڑھتے تھے ؎

پھول تربت پر مری ڈالو گے کیا؟ خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائیگی

یہ واقعہ جس طرح پیش آیا اس میں تدبیر کی بے بسی اور تقدیر کی قہاری صاف نمایاں تھی تفصیل کا یہ موقع نہیں "واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون" اس طرح ان برگزیدہ افراد کی نورانی فہرست میں جن کے مدفن ہونے کا شرف بجائے آغوش خاک سمندر کے سینہ کو عطا کیا گیا اور جن میں حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی مصنف "علم الصیغہ" اور "تاریخ حبیب الہ" اور قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مصنف "رحمۃ للعالمین" جیسے صلحا اور مقبولین شامل ہیں، ایک اور مرد کامل کا اضافہ ہوا اور سمندر کو یہ شکایت نہ رہی کہ وہ اس دولت سے یکسر محروم ہے جو زمین کے نصیب میں آئی ہے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا بیان جو "پرانے چراغ" سے ماخوذ تھا ختم ہوا اس سے قبل حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ کے قلم سے حضرت مصلح الامۃ رح سے ملاقات کے واقعات اور خود مولانا کے تاثرات ملاحظہ سے گذر چکے ہیں، اسی سلسلہ میں چند باتیں اور عرض ہیں جو راقم کے اپنے مطالعہ اور تاثر سے متعلق ہیں وہ یہ کہ :-

آخری دور میں مولانا نعمانی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ میں بہت ہی قریبی اور مخصوص تعلقات ہو گئے تھے یعنی ایسے کہ مولانا نعمانی حضرت والا کو اپنے حق میں ایک ایک مربی سے کم نہ تصور فرماتے تھے اور حضرت والا بھی ان کے حالات اور انداز ملاقات سے یہ سمجھتے تھے کہ مولانا کو اب ماشاء اللہ طریق سے بھی خاصا تعلق ہو گیا ہے جبکی وجہ سے اہل طریق سے یہ انس و محبت ہے اس لئے حضرت والا کے قلب میں بھی مولانا نعمانی کی خاص قدر و محبت تھی۔ چنانچہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بمبئی کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ مولانا نعمانی حضرت مصلح الامۃ کے یہاں کرلا تشریف لے گئے اور چند دن حضرت ہی کے مہمان رہے اور یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے کسی کمرہ کے ایک گوشہ میں جگہ دیدی جائے

اہل بمبئی سے مولانا نعمانی کا جو تعلق تھا ظاہر ہے۔ چنانچہ علم ہونے پر معتقدین اور مخلصین ملنے آتے اور ہر چند اصرار کیا کہ مولانا ان کے یہاں قیام کریں اور جب جب حضرت والا

کے یہاں آنا چاہیں گے کارکا انتظام رہے گا بے تکلف آجا سکیں گے۔ لیکن مولانا نعمانی نے وہاں کی خانقاہ کے گوشہ اور چٹائی کو ترجیح دی اور کسی پر تکلف اور آرام دہ قیامگاہ تشریف لیجانا پسند نہیں فرمایا اور یہی فرماتے رہے کہ میرا یہ سفر اپنی ایک ضرورت سے حضرت کی خدمت میں قیام ہی کی غرض سے ہوا ہے۔ چنانچہ اس سفر میں مولانا نے کسی وعظ و تقریر یا تبلیغی وغیر تبلیغی کسی پروگرام کو بھی منظور نہیں فرمایا اور یہی فرماتے رہے اسوقت تو میرا یہ سفر ایک دوسری ہی ضرورت سے ہوا ہے اس میں دوسرے امور کو شریک میں کرنا چاہتا۔

اب آپ خود خیال فرمایئے کہ حضرت والا کو جب مولانا نعمانی کی اس نیت کا حال معلوم ہوا ہوگا تو آخر حضرتؒ پر بھی اسکا کچھ اثر ہوا ہوگا یا نہیں؟ بزرگوں کے پاس اس طرح کے آنے جانے والے آج دنیا میں کتنے ہیں؟ اور مشائخ اور بزرگ تو بجائے خود رہے آج حج کو جانے والوں اور زیارت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غرض سے سفر کرنے والوں کی نیتوں کا خالص ہونا مشکل ہو رہا ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر اسی نیت کے مسئلہ کو خود حضرت مصلح الامۃؒ ہی کی زبان فیض ترجمان سے آپ یہاں بھی سن لیں۔ ایک سلسلۂ کلام میں فرمایا کہ

"سنیئے! ہر آدمی اپنے تجربہ و دیانت کا مکلف ہے۔ میں دیانت سے کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں سبھی لوگوں کی نیت بزرگوں کے پاس آنے جانے میں دین ہو' اس میں مجھے کلام ہے ـــــــ لیکن آپ لوگ اس کو سنیئے گا نہیں اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ آج جو عوام خراب ہوئے ہیں تو خواص کی وجہ سے جب ہمارے خواص اچھے تھے تو عوام بھی اچھے تھے، صاف کہتا ہوں کہ عوام کو ان علماء نے خراب کیا ہے۔ اور میرے سوا تم اسکو کسی اور سے نہ سنو گے ہم لوگوں کا تم نے بہت امتحان لیا' ہمارا ایک تماشا بنالیا ہے' اس کو کہتا ہوں سنتے ہو تو سنو' اور یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ باتیں تمکو سخت لگیں گی لیکن مجھے اسکی پرواہ نہیں ہے بہت نرم نرم کہکر دیکھ لیا جب سخت بات

کہی جائے گی تو سخت معلوم ہی ہوگی اسی لئے تو سخت کہہ رہا ہوں کہ آپ
اثر لیں اور یہ میں عوام کو نہیں علمار کو کہہ رہا ہوں"
(ص ۴ معرفت حق جنوری سنہ ۶۹ء)

سبحان اللہ! کیا کلام کی شان ہے، دیکھئے اصلاحی کلام ہے اور واقعی قدرے تلخ بھی ہے لیکن اخلاص کی شکر نے اسکو کیسا شیریں اور پیارا بنادیا ہے جی چاہتا ہے کہ حضرت والا اسی طرح کی باتیں فرماتے جائیں اور ہم سنتے جائیں افسوس آج اسی قسم کی باتیں سننے کو تو طبیعت ترس گئی ہے۔

الحمد للہ مولانا نعمانی مدظلہ کے اس عمل میں ہمارے لئے یہ تعلیم ہے کہ کسی دینی سفر میں بڑا اہم معاملہ نیت کا ہے۔ چنانچہ میرے علم میں ہے کہ ایک دفعہ گورکھپور میں جب حضرت والا کا قیام تھا اور حضرت زیادہ علیل ہو گئے تھے اسوقت بھی مولانا نعمانی مدظلہ حضرتؒ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے ظاہر ہے کسی کی عیادت ایسی کوئی چیز نہیں کہ اسکے ساتھ کسی اور شئے کی شرکت عرفاً کچھ قبیح شمار ہو چنانچہ شہر کے اہل تبلیغ تشریف لائے اور مولانا نعمانی سے خواہش ظاہر کی کہ ایک تقریر اور ایک اجتماع تبلیغی سلسلہ کا آپ کی صدارت میں ہو جائے تو اچھا ہے، مولانا نے وہاں بھی اسکو منظور نہیں فرمایا اور کسی طرح تیار نہیں ہوئے بعض لوگوں نے کہا بھی کہ حضرت والا سے ہم اجازت لئے لیتے ہیں مگر مولانا یہی فرماتے رہے کہ نہیں بھائی اسوقت میرا یہ سفر صرف حضرت کی عیادت اور جتنا وقت مل سکے حضرت کی صحبت اور خانقاہ میں قیام کے لئے ہوا ہے اس سفر میں میرا اور کوئی پروگرام نہیں ہوگا اس جواب پر اہل شہر تو مایوس ہو کر چلے گئے لیکن جب اقدسؒ کو اسکی اطلاع ہوئی تو دیکھئے حضرت نے کیا معاملہ فرمایا (سبحان اللہ! سبحان اللہ! حضرت واقعی حکیم تھے اور اللہ تعالیٰ نے موقع شناسی اور تیقظ اور مقتضائے حال کے مطابق کوئی حل تجویز فرما لینے کا تو ملکہ عطا فرمایا تھا) ——— شہر کے با اثر علمار مولانا افتخار احمد صاحب اور مولانا سید وصی اللہ صاحب کو طلب فرمایا اور غالباً حکیم وصی الدین سلمہ کو بھی بلایا کہ ان دونوں حکیم صاحب ہی کے مکان میں حضرت کا قیام تھا اور فرمایا کہ آپ لوگ مولانا محمد منظور صاحب کے پاس

جائیے اور اپنی جانب سے ان سے یہ درخواست کیجئے کہ حضرت آپ جامع مسجد میں آج وعظ فرمادیں اور ہم لوگوں نے حضرت سے اجازت لیکر آپ سے یہ درخواست کی ہے لہٰذا اب آپ ہماری اس درخواست کو رد نہ فرمائیے ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ کا یہاں ایک وعظ ہو جائے۔ اب صورتِ حال ایسی آن پڑی تھی کہ مولانا کو یہ درخواست منظور ہی کرنی پڑی۔ چنانچہ جامع مسجد میں وعظ ہوا اور حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے جب ابتداءً اس قدر اخلاص کا معاملہ فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انتہا تک اسے باقی رکھا یعنی مولانا نے کسی معروف عنوان پر وعظ نہیں فرمایا بلکہ خالص خانقاہی قسم کی باتیں بڑے اچھے اور موثر انداز میں بیان فرمائیں یعنی نفس کی شرارت، اصلاحِ نفس کی ضرورت، بزرگوں کی صحبت، طریق اور اہلِ طریق کے آداب کی رعایت غرض یہی ساری باتیں موضوعِ وعظ رہیں۔

غرض مولانا نعمانی نے ہر طرح سے حضرت کے ماننے کا ثبوت دیا تو پھر حضرت والا بھی دل سے مولانا کی طرف متوجہ رہے چنانچہ بمبئی کے اسی سفر میں یا کسی دوسرے سفر میں میرے ہی واسطے سے حضرت والا نے مولانا نعمانی مدظلہ کے پاس کہلایا کہ مولانا سے جاکر کہو کہ میں آپ کو کچھ دینا چاہتا ہوں آپ بھی اسکے لینے کے لئے تیار ہیں؟ یہ سنکر مولانا نعمانی مدظلہ متاثر ہوئے اور کچھ توقف کے بعد فرمایا کہ چلئے اسکا جواب میں خود حضرت سے عرض کردوں اور حضرت والا کے کمرہ میں تشریف لے گئے خادم بھی ہمراہ تھا مولانا کچھ آبدیدہ سے تھے، حضرتؒ نے خادم سے فرمایا کہ تم نے میری بات مولانا سے کہدی؟ خادم نے عرض کیا کہ جی ہاں عرض کردی مولانا خاموش تھے حضرتؒ نے فرمایا پھر مولانا کیا فرماتے ہیں؟ اتنے میں مولانا خود بمشکل لب کشا ہوئے کہ حضرت کا نہایت ہی کرم ہے اس پر میں اللہ تعالیٰ کا جسقدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ بس حضرت والا سے اپنے لئے دعا ر چاہتا ہوں۔ حضرت والا مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں دعا ر تو آپ کیلئے کرتا ہی ہوں۔

اسی کو میں نے عرض کیا تھا کہ آخر آخر مولانا نعمانی مدظلہ کے تعلقات حضرت مصلح الامۃؒ سے دلی اور محبت کے ہوگئے تھے۔

ہم او گوید موت بہ از فوت وقت
موت انقطاع ست از خلق
اما فوت انقطاع است از خالق ہم او
گفتی ادنیٰ مراتب انبیاء اعلیٰ مراتب
شہداء وادنیٰ مراتب شہدا
اعلیٰ مراتب صلحا وادنیٰ مراتب صلحاء
اعلیٰ مراتب مومناں بود۔ ہم او گوید
قیمت ہر آدمی اندازۂ ہمت او
باشد پس بیچارہ کسے کہ او را ہمت
نباشد مگر دنیا یعنی او را ہیچ قیمت
نباشد، چناں گویند کہ روزی او را
یکی رنجانید چوں دید کہ او ہیچ نگفت
معذرت کردن گرفت خواجہ گفت
خوش باش ما ترا درمیاں ندیدیم او
ازانجا کہ ایں بما رسید آنجا خود
غلطی نرسد۔

نیز فرماتے تھے کہ موت فوت (طاعت کا چھوٹ جانا کا) سے بہتر ہے اسلئے کہ موت میں تو خلق ہی سے انقطاع ہوتا ہے اور فوت میں خالق سے دوری ہوجاتی ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ انبیاء کا جو سب سے کم مرتبہ ہے وہ شہداء کا سب سے اعلیٰ مقام ہے اور شہداء کا جو سب سے ادنیٰ مقام ہے وہ صلحاء کا سب سے اعلیٰ مقام ہے، اور صلحاء کا جو سب سے کم درجہ ہے وہ مومنین کا سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ ہر شخص کی قیمت بقدر اسکی ہمت کے ہے پس بیقدر اور بے منزلت وہ شخص ہے جس کے اندر کوئی ہمت نہو بجز دنیا طلبی کے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے آپ کو کچھ ایذار پہونچائی جب دیکھا کہ آپ نے صبر کرلیا اور اسکو کچھ نہیں کہا تو لگا معافی مانگنے تو حضرت نے فرمایا جاؤ اطمینان رکھو میں اس معاملہ میں تمہارا واسطہ اور دخل نہیں سمجھتا اور جہاں سے یہ مجھے پہونچی ہے وہ سرکار ایسی ہے کہ وہاں خطا اور غلطی کا احتمال نہیں (میں ہی اسکا سزاوار تھا)۔

قطعہ

نخشبی از جفائی خلق مرنج
ایں نصیحت ز عالم ملکی است
آدمی کیست کو زند زخمے
ہر بد و نیک کاں زند فلکی ست

ترجمہ قطعہ

"اے نخشبی مخلوق کے جور و ستم پر رنجیدہ نہو اور اس نصیحت کو عالم ملکی کی نصیحت جانو! بیچارہ انسان کیا ہوتا ہے جو کسی کو کچھ زخم لگاسکے جو کچھ بھلا برا ہوتا ہے آسمانی حکم سے ہوتا ہے"۔

سلک صد و چہل و نہم

باید دانست کہ سفیان ثوری از آنہا بود کہ ثور آسمان را گاؤ گرفتی و او را ثوری ازاں گویند کہ او روزی در مسجد اول پای چپ نہاد از گوشہ مسجد آوازی شنید یا ثور تا فریاد از نہاد او برآمد و می گفت ای سفیان اگر تو دریں راہ پای بہوش می نہادی از دائرہ انسان بروں نیفتادی ہم او گفتی اصحاب حدیث را زکوٰۃ حدیث می باید داد یعنی اگر بہ ہمہ عمل نتوانند کرد باری پنج از دو ویست می باید داد روزی سفیان در گرمابہ بود امردی آنجا آمد گفت او را بیروں کنید کہ بر ہر زنی مسلط یک دیو باشد و بر ہر امرد ہژدہ وقتی او را پرسیدند ایں روزگار کدام روزگار است گفت ہذا زمان السکوت و لزوم البیوت۔ ہم او گفتی ہر چہ از وجہ حرام صدقہ دہند و باخیری کنند

سلک ۱۴۹ (حالات حضرت سفیان ثوریؒ)

جاننا چاہیئے کہ حضرت سفیان جو تھے وہ ثوری تھے وہ ثوری اسلئے ہوئے کہ انھوں نے آسمان کے (برج) ثور کو گائے بنالیا تھا یعنی مسخر اور تابع کرلیا تھا مطلب یہ کہ مرتبہ میں اس سے بھی بلند ہوگئے تھے) باقی ان کو ثوری اسلئے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ایک دن مسجد میں داخل ہوتے ہوئے بایاں پیر پہلے رکھدیا تھا مسجد کے ایک گوشہ سے آواز سنی اُو بیل (یہ کسطرح داخل ہورہا ہے) یہ سنتے ہی دل سے ایک چیخ ماری اور اپنے کو مخاطب کرکے کہا کہ افسوس! اے سفیان! اگر تو اس راہ میں ہوش کے ساتھ قدم رکھے ہوتا تو انسانیت کے دائرہ سے آج باہر نہ نکلتا (اور تجھے بیل نہ کہا جاتا) نیز آپ فرماتے تھے کہ زبان سے وعظ و پند کرنے والوں کو اپنے وعظ کی زکوٰۃ نکالنی چاہیئے یعنی اگر سب باتوں پر عمل نہ کرسکیں تو چالیس باتوں میں سے کم سے کم پانچ باتوں پر تو عمل کرلیا کریں۔ ایک دن حضرت سفیان حمام میں تھے ایک امرد (لڑکا) بھی اسمیں آگیا فرمایا کہ اسکو باہر کرو کیونکہ ہر عورت پر ایک شیطان مقرر رہتا ہے اور ہر امرد پر اٹھارہ۔ ایک مرتبہ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ یہ زمانہ کیسا زمانہ ہے؟ فرمایا یہ وقت بس سکوت اختیار کرنے کا ہے اور اپنے گھر میں بیٹھے رہنے کا نیز آپ فرماتے تھے کہ لوگ جو حرام آمدنی میں سے صدقہ و خیرات دیتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص ناپاک کپڑے کو خون سے یا پیشاب سے دھوئے نیز فرماتے تھے کہ محبوب (حقیقی) کی معیت ہو

مثل ہمچناں باشد کہ جامۂ پلید را بخوں می شویند ویا بول ہم او گفتی بادوست بودن بی ہیچ چیزے خوش است و بی دوست بودن باہمہ چیز ناخوشی۔ چوں سفر آخرت سفیاں را پیش آمد می گفت کاشکے جملہ سفرہا چناں بودے کہ دروکوزہ وعصا کافی باشد گویند سفیان ثوری وقت نزع ہمیاں کہ ہزار دینار درو بود از تہ خرقہ بکشید بیاراں داد کہ ایں صدقہ کنید گفتند ہمہ وقت مارا از داشتن زر و محبت آں مانع بودی و خود چندیں گاہ چرا باخود داشتی گفت دین حق خود را از شیطان بزر رہا یندم یعنی ہر بار کہ شیطان وسوسہ کردی کہ امروز چہ خواہی خورد یا امروز چہ خواہی پوشید گفتمی اینک زر بر من موجود است ازمن مایوس شدہ باز گشتی و نتوانستی کہ مرا بر در عمرو زید برد

قطعہ

تختشی زیر سقف خلوت خلق
ہست بیشک ستون منفعتے

اور جا ہے کچھ نہ ہو تو وہ بہتر ہے اس سے کہ اسکی معیت نہ ہو اور سب کچھ ہو۔ حضرت سفیان کا جب آخر وقت ہوا یعنی سفر آخرت کا وقت آیا تو فرمایا کہ کاش! تمام اسفار اسی طرح کے ہوتے کہ بس اس میں آدمی ایک لاٹھی اور ایک لوٹے پر اکتفا کرتا۔ بیان کرتے ہیں کہ نزع کے وقت حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنی کمر سے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے اور فرمایا کہ اسکو احباب پر تقسیم کر دیا جائے لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ ہم لوگوں کو تو روپیہ پیسہ کے جمع کرنے سے منع فرماتے تھے اور خود اتنا مال جمع کر رکھا ہے؟ فرمایا کہ بیشک میں تم لوگوں کو مال کی محبت رکھنے سے منع کرتا تھا اور خود جو یہ رکھتا تھا تو مال کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے دین حق کو شیطان لعین سے اسی کے ذریعہ محفوظ رکھنے کے لئے ایسا کیا یعنی جب جب شیطان یہ وسوسہ ڈالتا کہ آج کیا کھاؤ گے یا آج کیا پہنو گے تو یہی تھیلی دکھلا کر اس سے کہتا تھا کہ یہ کیا میرے پاس روپیہ موجود ہے بس اسکی وجہ سے وہ مجھ سے مایوس ہو کر چلا جاتا اور کمبخت اس پر قادر نہ ہو سکا کہ مجھے خدا کی جانب سے ہٹا کر زید و عمر یعنی غیر اللہ کی جانب لگا سکے

ترجمہ قطعہ

"اے تختشی مخلوق سے خلوت گزینی اختیار کرنے میں بلاشبہ انسان کو منفعت کا ایک ستون (بڑا حصہ) دستیاب ہو جاتا ہے

زہر قاتل کہ شد مضرتِ جاں
نیست او ہم بروں ز منفعتے

ورنہ تو یوں زہر قاتل جو کہ جان لینے کے لئے انتہائی مضر شے ہوتی ہے وہ بھی کچھ نہ کچھ نفع تو رکھتا ہی ہے (مگر ہر نفع تو معتبر نہیں)

سلک یکصد و پنجاہ

بباید دانست کہ شقیق بلخی کہ طرہٗ بلخ طریقت بود، گویند روزے او در باغے نشستہ بود و گل می بوئید ناگاہ فریاد برآمد کہ لشکر کفار در رسید او بمدد باطن آں لشکر را منہزم کرد و ہمدراں حال منافقی آنجا رسید او را دید در میانِ تودۂ گل نشستہ گفت ای خواجہ درچنیں روزے اینچہ رعنائی است خواجہ گفت آری منافقاں ہم در تودۂ گل بینند اما شکستگیٔ لشکر نہ روزی خواجہ شقیق تذکیر میکرد روے جانب خلق کرد کہ ای قوم اگر مردہ اید اینک گورستاں واگر کودک اید اینک دبیرستاں واگر دیوانہ اید اینک بیمارستاں واگر کافر اید اینک کافرستاں واگر مسلمانید اینک نشانِ اسلام! گویند روزی پیری بر وآمد و گفت

سلک نمبر ۱۵۰ (حالات حضرت شقیق بلخی رح)

جاننا چاہیئے کہ حضرت شقیق بلخی جو بلخ طریقت کے طرہ تھے بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک دن ایک باغ میں پھول کے درخت لگا رہے تھے کہ اچانک ایک آواز کان میں آئی کہ کافروں کا لشکر آپہونچا آپ نے ایک قلبی اور باطنی توجہ سے اس لشکر کو شکست دیدی اسی وقت ایک منافق آپ کے پاس پہونچا آپ کو دیکھا کہ پھولوں کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں کہنے لگا ارے حضرت ایسے مصیبت کے دن میں (کہ کفار حملہ آور ہوئے ہیں) یہ بناؤ سنگار کے مشاغل کا کیا جوڑ؟ فرمایا کہ ہاں منافقین کو بس پھولوں کا ڈھیر تو نظر آتا ہے لیکن لشکر کی ہزیمت کی انھیں کچھ خبر نہیں۔ ایک دن حضرت شقیق رح لوگوں کو کچھ نصیحت فرمارہے تھے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو! اگر تم سب مردہ ہو تو یہ قبرستان موجود ہے یہاں جاؤ، اور اگر تم سب بچے ہو تو وہ باغ ہے وہاں جاکر کھیلو اور سیر کرو اور اگر پاگل لوگ ہو تو یہ اسپتال موجود ہے اس میں جاکر علاج کراؤ اور اگر خدانخواستہ منکر اور کافر ہو تو اس طرف کفرستان ہے وہاں نکل جاؤ اور اگر مسلمان ہو تو اسلام کی نشانی تو یہ ہے (ان باتوں کو اپنے اندر پیدا کرو۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک

گناہ بسیار کردہ ام میخواہم توبہ کنم گفت نیک باشد پیر گفت بعد از دیری می آیم شقیق گفت ہرچہ پیش از مرگ آید اینک دیر نباشد روزی او را گفتند بدترین مردماں کیست گفت آنکہ گناہ کند بامید توبہ و توبہ نکند بامید زندگانی ہم او گفتی حضرت عزت چوں اہل طاعت را مرگ دہد ایشاں را چناں دارد کہ زندگاں را' و اہل معصیت را در حالت زندگانی چناں دارد کہ مردگاں را' وقتی او را پرسیدند کہ صدق چیست گفت صدق ہمہ بر زبان صادقاں رفتہ است و ذکر او در زبانِ کاذباں ماندہ گویند کہ روزی شقیق جامۂ سپید پوشیدہ بود میگفت یا لیت دل من امروز میان دلہا چناں بودے کہ جامۂ من میان جامہا ست وقتی او را گفتند تو زنی چرا نخواہی گفت طاقت دو شیطاں ندارم ہم او گفتی اول حال ضعف من از گرسنگی بود و قوت من از سیر...

بوڑھا شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت میں نے بہت گناہ کیا ہے اب چاہتا ہوں کہ توبہ کروں فرمایا بہتر ہے اس بوڑھے نے کہا کہ شاید بہت دیر میں مجھے اسکی توفیق ہوئی؟ فرمایا کہ بھائی مرنے سے پہلے پہلے جو کام ہو جائے وہ دیر نہیں ہے۔ ایک دن آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ سب سے بُرا آدمی کون ہے؟ فرمایا کہ وہ شخص جو توبہ کی امید پر گناہ تو کرے اور بقاء زندگی کی امید پر توبہ میں جلدی نکرے۔ نیز آپ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ جب اہل طاعت کو موت دیتے ہیں تو انکو اس طرح سے رکھتے ہیں جیسے کہ زندوں کو' اور اہل معصیت کو جینے کی حالت میں اس طرح سے رکھتے ہیں جیسے مُردوں کو۔

ایک مرتبہ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت صدق کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ صدق وہی ہے جو کہ سچوں کی زبان پر جاری ہے اور جھوٹوں کی زبان اس سے قاصر اور عاری ہے بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت شقیق سفید لباس زیب تن فرمائے ہوئے تھے اسکو دیکھکر فرمایا کہ اے کاشکہ جس طرح سے میرا لباس سب لوگوں سے زیادہ صاف اور سفید ہے میرا دل بھی سب سے زیادہ منور اور سفید ہوتا۔ ایکدن آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ عورت کی جانب کچھ زیادہ رغبت کیوں نہیں رکھتے فرمایا کہ بھائی دو شیطانوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز فرماتے تھے کہ ابتدا میں تو میرے ضعف کا سبب بھوک تھا اور قوت کا ذریعہ شکم سیری تھا اور اب جبکہ ایک زمانہ گذر گیا تو میرا ضعف بوجہ سیری کے ہونے لگا

چوں روزگار برآمد ضعف من از سیری شد و قوت من از گرسنگی هم او را پرسیدند کہ متوکل کیست گفت کسیکہ از کسی چیزی نخواہد و اگر ناخواستہ برسد قبول کند و چوں قبول کند نگاہ ندارد و روزی او را پرسیدند مرد گوہری گفت درویشی کہ او خود را توانگر نماید و گرسنہ کہ او خود را سیر نماید و اندوہگیں کہ خود را شادان نماید و مردے کہ با دشمن ہم دوست نماید۔ قطعہ

نخشبی دوست را مداں دشمن
وقت او خوش کہ ایں زباں دانست
دشمن کس نہ شد کسی کانکس
دشمناں را چو دوستاں دانست

اور بھوک سے مجھے قوت حاصل ہونے لگی۔ نیز لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ متوکل کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا کہ متوکل وہ ہے جو کہ کسی سے کوئی شے طلب نہ کرے لیکن اگر بدون طلب کے مل جاوے تو اسکو قبول کر لے اور جب قبول کرے تو اس پر نگاہ نہ رکھے (یعنی اسکو بچانے اور پس انداز کرنے کی کوشش نہ کرے) ایکدن لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ وہ شخص جو ہیرا سمجھے جانے کے لائق ہے کون ہے فرمایا کہ وہ درویش اور صوفی جو خود کو توانگر (امیر اور مستغنی) ظاہر کرے اور وہ بھوکا جو اپنے کو شکم سیر ظاہر کرے اور وہ مصیبت زدہ جو خود کو شاداں و فرحاں ظاہر کرے اور وہ شخص جو کہ دشمن کے ساتھ بھی دوست سا نظر آئے۔

اے نخشبی تم دوست کو تو قطعی دشمن نہ جانو خوش نصیب ہے وہ شخص جو ہم سے اس نصیحت کو قبول کرے۔ اور وہ شخص کسی کو اپنا دشمن نہ سمجھے گا جو کہ دشمنوں کے ساتھ بھی دوستی کا معاملہ روا رکھتا ہوگا۔

سلک یک صد و پنجاہ و یکم

سلک ۱۵۱ (اللہ والوں کی اقسام اور ان کے نام)

بباید دانست کہ بقاء عالم از برکت قدم مردان دین است کہ لولا الصالحون لہلک الطالحون چنیں گویند سی صد تن انداز بندگان

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لو کہ اس عالم کا بقاء دین والوں کے قدم کی برکت سے ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اگر یہ صالح لوگ نہ ہوتے تو طالح اور برے لوگ سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ علماء طریق بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ

خدائے عزوجل کہ دلہای ایشاں مانند دل آدمؑ است وہفتاد تن اندکہ دلہائے ایشاں مانند دل نوحؑ است یعنی از آفتاب روشن تر و چہل تن اندکہ دلہائے ایشاں مانند دلِ ابراہیمؑ است وہفت تن اندکہ دلہای ایشاں مانند دل عزرائیلؑ ست وپنج تن اندکہ دلہائے ایشاں مانند دلِ جبرئیلؑ است و سہ تن اند کہ دلہائے ایشاں مانند دل میکائیلؑ است و یکی تن است دل او مانند اسرافیل است صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین چوں آں یکی کہ از ہمہ بہتر و گزیدہ تر ہمہ است بمیرد حضرت صمدیت تعالیٰ وتقدس ازاں سہ تن یکی را بدرجہ او رساند چوں ازاں سہ تن یکی بمیرد ازاں پنج تن یکی را بمقام او برد چوں ازاں پنج تن یکی بمیرد ازاں ہفت تن یکی را بمقام او برد چوں ازاں ہفت تن بمیرد ازاں چہل تن یکی را مرتبہ او بنہد

کے مخصوص بندوں میں سے تین سو حضرات ایسے ہیں کہ ان سب کے قلوب حضرت آدمؑ کے قلب کے مانند ہوتے ہیں اور ستر حضرات ایسے ہیں کہ ان کے قلوب حضرت نوح علیہ السلام کے قلب کی طرح ہیں یعنی آفتاب سے بھی زیادہ روشن، اور چالیس حضرات ایسے ہیں کہ ان کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کی طرح ہیں اور سات حضرات ایسے ہیں کہ ان کے قلوب مانند عزرائیل علیہ السلام کے ہیں (جو کہ اللہ کے مخصوص فرشتے ہیں) اور پانچ حضرات ایسے ہیں کہ ان کے قلوب مانند جبرئیل علیہ السلام کے قلب کے ہیں، اور تین حضرات انھیں بزرگوں میں سے ایسے ہیں کہ ان کے قلوب مانند میکائیل علیہ السلام کے قلب کے ہیں اور ایک بزرگ ایسے ہیں کہ انکا قلب حضرت اسرافیل کے قلب جیسا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور سلام ان سب حضرات پر ہو۔ پھر جب یہ بزرگ جو کہ سب سے بہتر اور سب میں برگزیدہ ہیں وصال فرما جاتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے نیچے کے درجے کے تین حضرات میں سے ایک کا انتخاب فرما کر انکی جگہ پُر فرما دیتے ہیں اور اگر ان تین میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو پانچ والے طبقے میں سے ایک کو اسکی جگہ مقرر فرما دیا جاتا ہے اور اگر ان پانچ میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو سات والی جماعت میں سے ایک کو وہاں کر دیا جاتا ہے اور اگر ان سات میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو ان چالیس میں سے ایک کو انکی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے اور اگر ان چالیس میں سے کسی کا انتقال ہو گیا تو ستر والی جماعت میں سے ایک کو اسکی خلعت پہنا دی جاتی ہے اور اگر ان ستر

ر ازاں چہل تن یکی بمیرد ازاں
ہفتاد تن یکی را خلعت او پوشانند
چوں ازاں ہفتاد تن یکی بمیرد
ازاں سیصد تن یکی را او روزی
کنند و اگر ازاں سی صد تن یکی بمیرد
ز عامۂ خلق یکی را میاں آں سیصد تن
کنند بادشاہاں تخت ایں اصطلاح
آں سیصد را نُقبا خوانند زیرا کہ
ایشاں نقیبان ایں امت اند
آں ہفتاد را نُجبا خوانند زیرا کہ
ایشاں برگزیدگان حق اند و روشندلان
خلق اند و آں چہل را ابدال خوانند
زیرا کہ ایشاں بدل انبیا اند
صلوۃ اللہ علیہم اجمعین و آں
ہفت تن را اخیار خوانند
زیرا کہ ایشاں بہترین خلق اند
و آں پنج را عماد خوانند زیرا
کہ ایشاں ستون عالم اند چنانچہ
قوام خانہ از ستون باشد قوام
عالم از ایشاں ست و آں سہ را
اوتاد خوانند زیرا کہ ایشاں بمنزلۂ
میخ اطنبۂ دنیا اند و مدار دنیا
بر ایشاں ست و آں یکے را

میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو تین سو والی جماعت میں سے ایک کو اسکی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے اور اگر ان تین سو میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو عامۃ الناس میں سے ایک شخص کا انتخاب کرکے ان میں شامل کر دیا جاتا ہے اس اصطلاح کے تخت کے جو بادشاہ لوگ ہیں وہ ان تین سو والی جماعت کو نُقبا کے لقب سے یاد کرتے ہیں اس لئے کہ یہ حضرات اس امت کے نقیب ہیں اور ان ستر کو نُجبا کہتے ہیں اس لئے کہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے منتخب کردہ لوگ ہوتے ہیں. اور اسکی مخلوق میں سے روشن دل لوگ ہوتے ہیں اسی طرح سے ان چالیس حضرات کو ابدال کے لقب سے پکارتے ہیں اسلئے کہ یہ لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بدل ہوتے ہیں اور ان سات حضرات کو اخیار کہا جاتا ہے اسلئے کہ یہ حضرات مخلوق خدا میں سے بہترین لوگ ہوتے ہیں اور ان پانچ کو عماد کہتے ہیں اسلئے کہ یہ حضرات عالم کے لئے بمنزلہ ستون خیمہ کے ہوتے ہیں جس پر خیمہ رکا ہوتا ہے ایک ایک چاروں کونوں میں اور ایک درمیان میں بس جسطرح سے کہ مکان کا ٹکاؤ ستون سے ہوتا ہے عالم کا روک ان کے ذریعہ سے ہے اور ان تین حضرات کو اوتاد کہا جاتا ہے (وتد کے معنی میخ کے ہیں) یہ حضرات ہی خیمۂ دنیا کیلئے بمنزلہ میخ کے ہوتے ہیں اور دنیا کا قیام انکی ذات سے وابستہ ہے اور وہ ایک ہستی جو غوث کہلاتی ہے اسلئے کہ وہ دنیا والوں کے فریاد رس ہوتے ہیں مطلب کہ

غوث خوانند زیرا کہ او فریادرس
جہانیان است چوں در جہاں
حادثہ ظاہر گردد آں سی صد تن
دعا کنند اگر دفع نشود آں ہفتاد
دعا کنند اگر باجابت مقرون نگردد
آن چہل دعا کنند اگر مستجاب
نشود آں ہفت دعا کنند و اگر
آں ہم قبول نگردد باز آں پنج دعا
کنند و اگر باز آں قبول نیفتد آں سہ
کنند و اگر آں دعا ہیچکس بباب اجابت
مقرون نگردد آں یکے کہ غوث است
از و مستجاب گردد و دعای او ہیچ وجہ
رد نشود ۔ چنیں گویند بودن نقباء
در حدود مصر است و نواحی آں و بودن
ابدال در شام است و نواحی آں
و بودن اخیار در حجاز است
و نواحی آں و بودن عماد اطراف
روئے زمین است و کرانہائے او
و بودن اوتاد متفرق است
میان خلق مسلماناں و بودن غوث
در مکہ است بمجاورت کعبہ
سلطان مملکت فقر صلی اللہ
علیہ وآلہ واحبابہ می فرماید کہ

جب دنیا میں کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے تو وہ تین سو [۳۰۰] والی
جماعت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے اگر وہ دفع نہ ہوا تو
وہ ستر والی جماعت دعا کرتی ہے اور اگر انکی
دعا بھی قبول نہ ہوئی تو پھر وہ چالیس [۴۰] والی جماعت
دعا کرتی ہے اور اگر انکی دعا سے بھی مصیبت دفع
نہ ہوئی تو وہ سات والی جماعت دعا کرتی ہے اور
اگر وہ بھی قبول نہ ہوئی تو پھر وہ تین [۳] والی جماعت دعا
کرتی ہے اور اس سے بھی کچھ کام نہ چلا تو پھر وہ ایک
ذات جو غوث کہلاتی ہے دعا فرماتے ہیں اور انکی
دعا قبول ہو جاتی ہے اور انکی دعا کبھی رد نہیں فرمائی جاتی
(پس غوث بھی خدا سے کہتا ہے اور چونکہ ہوتا ہے مستجاب الدعوات اسلئے
دعا اسکی قبول ہو جاتی ہے یہ نہیں کہ وہی حاجت روا اور بذات خود فریادرس
ہوتا ہے، اس باب میں بڑی جہالت شائع ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو
شرک سے بچائے) ۔ ایسا بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان نقباء کا قیام
مصر اور اسکے اطراف میں ہوتا ہے اور ابدال شام اور اسکے اطراف میں
ہوا کرتے ہیں اور اخیار حجاز اور اسکے اطراف میں ہوتے ہیں اور عماد
روئے زمین کے اطراف و اکناف میں ہوا کرتے ہیں اور اوتاد
مسلمانوں میں سے کہیں بھی ہو سکتے ہیں، باقی غوث کے لئے مکہ
مخصوص ہے اور اس کے لئے جوار کعبہ لازم ہے۔

مملکت فقر کے جو بادشاہ ہوئے ہیں صلی اللہ علیہ
وآلہ واحبابہ واصحابہ وسلم ——— وہ یہ فرماتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے بندے بھی
ہیں کہ انکے فقر اور زبوں حالی کی وجہ سے مخلوق انکی

حضرت صمدیت تعالیٰ وتقدس بندگانند ژندہ پوشس کہ بہ سبب حال ظاہر ایشاں خلق در ایشاں ننگرد اما ایشاں ہر چہ از خداوند تعالےٰ خواہند در حال بجزا جابت مقرون گردد آمی خالق نوش ونیش وامی رازق شاہ ودرویش بعزت ایں بندگاں کہ تو از ایشاں خوشنودی خفتگانِ خواب غفلت را انتباہی کرامت کن وبرہنگان عالم جہالت را خلعت عمیم علم وطاعت بپوشاں وتشنگان بادیۂ ضلالت را شربت لطف خود بنوشاں بحق النبی الہاشمی وآلہ الطاہرین الطیبین اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

جانب نظر اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتی لیکن خدا تعالےٰ کے یہاں ان کے قرب و قبول کا یہ عالم ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالےٰ سے جو شئے بھی طلب کرلیں اللہ تعالیٰ فوراً انھیں وہ عطا فرمادیں۔

پس اے وہ ذات جوکہ نوش و نیش (تریاق و زہر) ہر دو کا خالق ہے اور اے وہ ذات جوکہ شاہ و درویش ہر ایک کا روزی رساں ہے تجھ سے یہ دعا ہے کہ اپنے ان صالح بندوں کے طفیل کہ تو جن سے خوش اور راضی ہے ہمارے ان مسلمان بھائیوں کو جوکہ خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں بیدار فرمادے اور عالم جہالت کے جو عُریاں لوگ ہیں انکو عمیم علم و طاعت کا جامہ زیب تن فرمادے، ضلالت اور گمراہی کے جنگل میں پڑکر جو پیاسے گھوم رہے ہیں انکو اپنے لطف و عنایت کا شربت پلا بحق اپنے نبی ہاشمی کے اور انکی آل طاہرین و طیبین کے (اور اصحاب منتخبین کے) اور ان سب پر بہت بہت صلوٰۃ وسلام نازل فرما۔

خاتمۃ الطبع

شکرِ طابع الحمد للہ علیٰ احسانہ کہ دریں ایام میمنت التیام نسخۂ نادر الوجود در علم سلوک یعنی سلک السلوک کہ مثل خود عدیل نداشت ومصنفہ مولانا ضیاء الدین نخشبی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت بابا فرید گنج شکر کہ الان قالب طبع پوشیدہ حسب ایمائے جناب مولانا حافظ عبدالاحد بمطبع مجتبائی دہلی مطبوع گردید و سرمۂ چشم اہل ایقان گردید۔

عرض مترجم اللہ تعالیٰ میری اس جسارت کو معاف فرمائے کہ میں نے اس کوچہ سے قطعی نابلد اور بزرگوں کے حال و مقال سے ناواقف ہونے کے باوجود سلک کے ان مضامین کا ترجمہ کرنے کی ہمت ہی کیوں کی؟ حضرت مرشدی مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کی چند روزہ مصاحبت نے اسکی ہمت پیدا کی اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہی کی توجہ روحانی اس باب میں میری مونس و مددگار رہی۔ بہرحال اگر کچھ غلطی ہوگئی ہو خدا اسکو معاف فرمائے اور حضرت نخشبی رحمۃ اللہ علیہ نیز حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہر دو بزرگ کے فیض سے سب مسلمانوں کو مستفیض فرمائے بالخصوص اس راقم و مترجم کے اس قال کو حال بنادے۔ آمین (شوال المکرم سنہ ۱۴۰۱ھ)

(مکتوب نمبر ۲۳۲)

حال: احقر ارشاد عالی پر بحمداللہ عمل کرنے کی سعی میں لگا ہے۔ حضرت کی دعا و توجہ سے فکر آخرت دامنگیر ہوگئی ہے۔ دنیا کی محبت میں بہت کمی محسوس کرتا ہوں بلکہ یہ عالم ناسوت بے بنیاد نظر آتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: نہ یہاں کی جاہ کوئی جاہ ہے اور نہ یہاں کی دولت و ثروت ہی کو ثبات ہے، اللہ تعالیٰ عزت و عافیت کے ساتھ زندگی گذار دیں اور اپنی طلب میں ہر آن لگائے رہیں، یہ بہت بڑی بات ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: حضرت والا سے استدعا ہے کہ احقر کے لئے اور اسکے اہل و عیال کیلئے عافیت کی دعا فرمائیں

تحقیق: دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب کو عافیت دارین نصیب فرمائیں

(مکتوب نمبر ۲۳۳)

حال: باعث تحریر آنکہ حضرت والا جونپور تشریف لائے ہم لوگوں کو روشنی ملی، ابتک جونپور میں بہت سے علماء تشریف لائے لیکن وقتی طور پر بس واہ واہ ہوئی لیکن دین کی حقیقت سے ہم لوگ بے بہرہ رہے اور ہم لوگ یہی سمجھتے رہے کہ دین بس یہی ظاہری چیزوں کا نام ہے لیکن حضرت والا کی تشریف آوری سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہ کیا جائیگا اور اسی کو مشعل راہ نہ بنایا جائیگا فلاح نصیب نہ ہوگی۔

تحقیق: خوب سمجھے! ماشاءاللہ۔

حال: حضرت والا میں دین سے بالکل ہی ناواقف ہوں مگر حضرت والا کی چند گھنٹے مجالس میں بیٹھنے سے اور چند کتابوں کے مطالعہ سے یہی سمجھ رہا ہوں کہ میرا وقت ضائع ہو رہا ہے اور آخرت کا کوئی سامان نہیں ہو رہا ہے۔

تحقیق : بڑی بات سمجھ میں آئی ۔
حال : اور میں اپنے اندر صلاحیت بھی نہیں پاتا کہ ذخیرۂ آخرت اکٹھا کر سکوں گا اسلئے حضرت والا سے درخواست ہے کہ بندہ کو اپنے سلسلہ میں داخل فرمالیں اور اور حضرت والا بندہ کو اجازت مرحمت فرما دیں کہ حاضر خدمت ہو کر بیعت ہو جاؤں
تحقیق : اجازت ہے ۔

(مکتوب نمبر ۲۳۴)

حال : بمبئی کی حاضری سے قبل اکثر دھیان حضرت والا کی طرف لگا رہتا تھا ، حاضری کے بعد سے اب یہ کیفیت ہے کہ دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف لگا رہتا ہے بعض وقت شدت سے دھیان لگ جاتا ہے اور ایسے وقت گریہ بھی ہوتا ہے
تحقیق : الحمد للہ ۔
حال : نماز میں جب یہ حالت ہوتی ہے تو ایک ایک لفظ ادا کرنے میں دیر لگتی ہے اور طبیعت امنڈ آتی ہے ۔ تحقیق : خوب
حال : خوب جی کھولکر رونے کو جی چاہتا ہے اور اسوقت نماز میں کافی دیر لگ جاتی ہے
تحقیق : الحمد للہ ۔
حال : اس حالت میں یہ خوف معلوم ہوتا ہے کہ جو دھیان حضرت والا کا پہلے رہتا تھا اب اتنا نہیں ، یہ میرے لئے مضر تو نہیں تحقیق : نہیں

(مکتوب نمبر ۲۳۵)

حال : اس دفعہ کی حاضری الٰہ آباد میں حضرت والا کی شفقت بے انتہا کو دیکھا ، اگرچہ بظاہر پریشانی اور خوف رہا بار بار میرا ضمیر مجھکو ملامت کرتا رہا کہ میں اور میرا عمل حضرت والا کی تکلیف کا باعث ہوا لیکن مدتوں کے بعد الحمد للہ نماز میں علاوہ اور خشوع و خضوع حاصل ہوا ، نماز و دعائیں گریہ کے ساتھ ہوتی رہیں ، دل میں

مسرت کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اپنی عملی کوتاہیوں پر نادم ہو کر پھر سے نئے سرے سے عمل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: حضرت والا سے استدعا ہے کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ احکام شرعی اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمہ وقت اپنے ذکر میں مشغول رکھیں۔ تحقیق: آمین

حال: شریعت نے جن کاموں کے کرنے سے منع کیا ہے اللہ تعالیٰ ان تمام منہیات اور ممنوعات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تحقیق: آمین۔

حال: حضرت والا کے چند دن صحبت بابرکت میں رہنے سے الحمد للہ کھانے پینے لین دین میں احتیاط برتنے کی طبیعت عادی ہو گئی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

(مکتوب نمبر ۲۳۶)

حال: حضرت والا نے دعا مانگنے پر لوگوں کی توجہ مبذول کرائی ہے اس سے بڑی ہمت بندھ گئی ہے۔ تحقیق: ماشاء اللہ

حال: دعا مانگنے کی طرف سے بہت دنوں سے لاپرواہی پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی اب مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھنے کی توفیق ہو رہی ہے دل سے دعا مانگنے کی توفیق کے لئے دعا فرمائیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔ دعا کرتا ہوں

(مکتوب ۲۳۷)

حال: بمبئی کے دورانِ قیام میں جو بات اپنے اندر محسوس کرتا تھا وہ مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ وضو نماز اور دعاؤں کا غایت اہتمام تھا۔

۲۔ حضرت والا نے جتنی مسنون دعائیں تعلیم فرمائی تھیں قریب قریب سب کو حفظ کر لیا تھا اور پڑھتا تھا حفظ کرنے اور پڑھنے کا معمول بحمد اللہ یہاں بھی ہے

تحقیق: الحمد للہ

حال: مگر فرق یہ ہے کہ وہاں حضرت والا کے قرب کی برکت، استحضار، توجہ اور الحاح کے ساتھ پڑھنے کی توفیق ہوتی تھی وہ یہاں مفقود پاتا ہوں۔

تحقیق: فرق تو ہو ہی گا۔

حال: نماز وہاں توجہ کے ساتھ ہوتی تھی۔ نماز میں توجہ اور اخلاص سے متعلق کسی مولوی صاحب کا مکتوب جس اہتمام کے ساتھ حضرت والا نے پڑھوا کر سنایا اس سے نماز میں خاص میلان ہونے لگا اگر درمیان نماز میں تھوڑی دیر کے لئے بھی غفلت ہوئی یا کوئی خطرہ گذرا تو اس سے نہایت رنج و قلق ہوتا تھا اور اسکی تلافی کی کوشش سنت اور نوافل سے کرنے کے باوجود اپنے کو خاطی ہی تصور کرتا تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دربار کی حاضری کے لئے بلایا تھا کر نوازیں اور اس بدبخت نے اسکی ناقدری کی دیر تک اس کا اثر رہتا تھا اور ہر نماز کے بعد روتا تھا، اس کیفیت میں یہاں آکر بہت کمی محسوس کرتا ہوں۔

تحقیق: شیخ کی خدمت میں جو کیفیت ہوگی وہ دوسری جگہ کیسے مل سکتی ہے۔

حال: حضرت والا کے پاس خواص حضرات کا تو ذکر ہی کیا عوام الناس جو حضرت کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور مجلس میں شرکت کرتے تھے ان کے چہرے پر نظر کرتا تھا تو محسوس کرتا تھا کہ بلا تفریق ان سب حضرات کا حال مجھ سے بہت اچھا ہے اور اپنی بدبختی اور حرمان پر حسرت کرتا تھا اور روتا تھا اپنی نظر میں اپنے کو سب سے کمتر اور زبوں محسوس کرتا تھا اپنے اندر رذائل کا ملغوبہ محسوس کرتا تھا۔ نفس کے جتنے رذائل ہیں وجلی محسوس ہوتے تھے۔ حضرت یہاں دنیا میں آکر پھنس گیا ہوں قلب کا ناس ہو رہا ہے

تحقیق: دنیا کے پھنساؤ میں قلب کا ناس تو ہوتا ہی ہے مگر اسی میں سب کچھ کرنا ہے، کام کرتے رہو۔

(مکتوب نمبر ۲۳۴)

حال: حضرت اقدس سے جو کچھ ملا اسکا بیان دشوار ہے کہ کیا ملا مگر اتنا تو خوب جانتا ہوں کہ بہت کچھ ملا۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال: اور ایسی چیز ملی جو نہ دکھائی جا سکتی ہے نہ تحریر میں آسکتی ہے اور نہ اسکا نام ہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے، دل پھاڑ کر دکھلانے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں اسکو تو طبیب باطنی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تحقیق: بیشک۔

حال: آنکھیں حضور کے دیدار کے لئے اسقدر ترسی ہوئی تھیں کہ چھپ چھپکر دیکھتی تھیں جب حضور آنکھوں سے اوجھل ہوجاتے تھے تو دل کی تڑپ اور لگن اور زیادہ بڑھ جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضور کو یہ آنکھیں ابھی تک دیکھ ہی نہیں پائیں۔

تحقیق: یہ محبت ہے۔

حال: حضور کو دیکھکر دل کو کافی ذوق وسرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک اور نور حاصل ہوتا تھا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: دل کی بیتابی اور تڑپ کی تو کوئی انتہا ہی نہ رہی دل ودماغ حیران وپریشان تھے، بیشک اب پتہ بخوبی چل رہا ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں کیا ملتا ہے افسوس کہ تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں اور جو کچھ اخلاص میسر ہوا اسکا کیا کہنا جسم کے ہر ہر عضو میں حضور ہی حضور تھے اور سینہ میں بھی یہی کیفیت تھی تحقیق: ماشاءاللہ تعالیٰ۔

حال: ابتو دل میں اجاڑ سا معلوم ہوتا ہے کہ موسم بہار سے نکلکر خزاں میں داخل ہوگیا ہوں۔ اللہ اکبر! جب حضور والا کے جسم مبارک دیکھنے میں یہ اثر ہے تو ارشاد فرمودہ کلام ومعمولات اور حضور کے ایمان میں کیا کچھ اثر ہوگا صد افسوس کہ سمندر کے ہوتے ہوئے اسکی بوند سے پیاس بجھانے کی توقع رکھتے ہیں، اپنا حال حد سے بھی گذر گیا ہے اس سے گراہی نہیں آ۔ ورنہ کیا ہوسکتی ہے۔ اہل فہم کی حضور والا پر پروانوں کیطرح

گرنے کی تعداد دنوں دن بڑھتی ہی جارہی ہے اور ایسا کیوں نہو سہ

نگاہیں کاملوں پر پڑہی جاتی ہیں زمانے کی کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر

اللہ کرے حضور گرامی کا سایہ تادیر ہمارے سر پر قائم رہے تاکہ تادم حیات نعمائے ظاہری و باطنی سے مالامال ہوتے رہیں ۔ **تحقیق :** آمین آمین

حال : حضور ایسے دیوانے کے لئے دل سے دعا فرمائیں کہ نعمائے ظاہری و باطنی سے مالامال ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر خلوص کے ساتھ چلنے کی توفیق ہوجائے حضور والا کے سینۂ مبارک کے نور باطنی سے کچھ حصہ مل جائے، امید کہ ایسے دیوانے اور بھکاری کو محروم نہ فرمائیں گے اور یہ بھی دعا ہے کہ حضور والا کا صحیح معنوں میں سچا عاشق ہوجاؤں اور ارشادات و فرمودات و معمولات کی تکمیل ہوتی رہے ۔ **تحقیق ۔** آمین

حال : ـــــ اپنی اہلیہ سے حضور کے متعلق کبھی کچھ ذکر نہ کرتا تھا کہ یہ عورت ہے نہ معلوم کیا سے کیا سمجھ جائے انکو یہ معلوم ہوا کہ یہ حضور والا کی خدمت میں جائیں گے ان کے دل میں نجانے کہاں سے یہ بات پڑگئی کہ وہ بار بار کہنے لگیں کہ ہمارا کوئی کام پورا کیجئے گا یا نہ کیجئے گا مگر ہمکو خط لکھکر مرید ضرور کرا دیجئے گا نجانے کبتک کی زندگی ہے جیسے اور سب کام ہوتے ہیں یہ بھی تو ضروری ہے اور لکھنے پر بار بار اصرار کرتی تھیں حضور یہ باتیں سنکر بہت خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اتنی بڑی بات ڈالدی شکر ہے اللہ کا حضور والا سے دست بستہ عرض ہے کہ انکو بھی بیعت فرماکر اپنے سلسلہ میں داخل فرمالیں تاکہ وہ بھی کام پر لگ جائیں اور ہم دونوں صحیح معنوں میں آپ ہی کے ہوجائیں ۔ اور ہم دونوں کے لئے صلاح و فلاح حاصل ہونے کی، دینداری نصیب ہونے کی دل سے دعا فرمائیں ۔ ہم لوگوں کے بچے بی نباہ ہوجانے کی بھی دل سے دعا فرمائیں آپ بزرگوں کے سوا ہم لوگوں کا ہے ہی کون ؟ بس آپ ہی ہیں ۔

تحقیق : ـــــ بیعت کرلیا ۔ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائیں ۔

حکایت : ایک شخص نے جوکہ پٹوارگری کرتے تھے میرے پاس ایک مسئلہ فرائض کا بھیجا صورت مسئلہ یہ تھی کہ ایک شخص مرا اور اس نے ایک بھتیجا اور بھتیجی چھوڑی میں نے جواب دیا کہ بھتیجے کو حصہ پہونچیگا اور بھتیجی محروم ہوگی کہنے لگے کہ آخر اسکی کیا وجہ بھتیجی بھی تو اس بھتیجے کی بہن ہے اسکو کیوں نہیں ملیگا ؟ میں نے کہا کہ جناب آپ پٹوارگری کرتے ہیں اسکو چھوڑ دیئے اور آکر درسیات شروع کیجئے تین چار برس تک عربی کی کتابیں پڑھیئے اسکے بعد پھر دریافت کیجئے تو بتلا دینگے راز اس میں وہی ہے کہ طالب علم طالب فن ہوتا ہے اور عوام محض عمل کے لئے مسئلہ دریافت کرتے ہیں ان کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں کہ حکم مسئلہ کا معلوم ہو جاوے اور بس ۔ دوسرا ایک راز اس میں یہ بھی ہے کہ طالب علم کو یہ تمیز ہوتی ہے کہ کونسی بات دریافت کرنے کے قابل ہے اور کونسی نہیں اسلئے وہ جو کچھ دریافت کرتا ہے سمجھ بوجھ کر کام کی بات پوچھتا ہے برخلاف عوام کے کہ ان کو اس کی تمیز نہیں ہوتی ۔

حکایت : ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں مقرر ہوئی میں نے بطور نظیر کے ان سے یہ کہا کہ اول یہ بتلائیے کہ آپ کی ناک چہرہ پر کیوں لگائی گئی کمر پر کیوں نہیں لگائی گئی جب اس ترتیب کے وجوہ اور مصالح سب آپ کو معلوم ہو جائیں تو اسکے بعد اوقات نماز کی تعیین کے مصالح دریافت کیجئے گا ۔ غرض جس کو جس فن سے مناسبت نہیں ہوتی اسکا بولنا ہمیشہ بے موقع ہوتا ہے اور اسلئے وہ اچھا نہیں معلوم ہوتا ۔

حکایت : ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ بیٹھے ہوئے کچھ بیان فرما رہے تھے اور لوگ لکھ رہے تھے اور پوچھ بھی رہے تھے ان ہی میں ایک شخص بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا بھائی تم بھی کچھ پوچھو، عرض کیا اب پوچھوں گا بیان میں آپ نے فرمایا کہ جب آفتاب غروب ہو جائے تو افطار میں دیر نکرے اس شخص نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ بولوں امام صاحب نے فرمایا کہو تو کیا کہتا ہے کہ اگر کسی روز آفتاب ہی غروب نہو تو کیا کریں ؟ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تمھارا خاموش ہی رہنا بہتر ہے ۔

حکایت : اسی طرح مشہور ہے کہ ایک دلہن بالکل بولتی ہی نہ تھی ' اسکی ساس نے اس سے

کہا دلہن تم بھی بولا کرو تم خاموش کیوں رہتی ہو دلہن نے کہا بہت اچھا اب بولوں گی چ
ایک روز بولی ساس کو خطاب کرکے کہنے لگی کہ اماں بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمھارا لڑکا مرگ
تو میرا نکاح کسی دوسرے سے بھی کردوگی ؟ ساس نے کہا دلہن بس تم خاموش
رہا کرو تمھارے لئے وہی بہتر ہے۔ تو دیکھئے تمیز نہ ہونے کی وجہ سے بات بھی پوچھی
کیسی خوبصورت کہ ساس کا کلیجہ ہی ٹھنڈا ہوگیا ہوگا۔

(۱۸۶) احکام شریعت کے امتثال میں ہماری حالت بالکل عاشق کیطرح ہونی چاہیئے

صاحبو! شریعت کے احکام کے ساتھ ہمارا بالکل وہ مذہب ہونا چاہیئے جو عا
کا معشوق کے ساتھ اور مملوک کا مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔

حکایت: مشہور ہے کہ ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نا
اس نے کہا کہ جو آپ مقرر کریں، پھر آقا نے پوچھا تو کیا کھایا کرتا ہے غلام نے کہا جو آپ
کھلائیں اسی طرح لباس کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ جو کچھ آپ پہنائیں و
لباس ہے۔ تو صاحبو! کیا خدا سے جو علاقہ ہے وہ غلامی نہیں ہے ؟ بلکہ اگر غور کرو تو معلوم
کہ خدا کے ساتھ ہمکو حقیقی غلامی حاصل ہے۔ دیکھو انسانی غلامی سے انسان ایک وقت
نکل بھی سکتا ہے، یعنی جبکہ آقا غلام کو آزاد کردے برخلاف خدا کی غلامی کے کہ یہ طو
ہماری گردن سے کبھی نکل ہی نہیں سکتا کیونکہ اس غلامی سے آزادی کی یہی صورت۔
کہ نعوذ باللہ ہم بندے نہ رہیں اور خدا خدا نہ رہے اور یہ غیر ممکن ہے تو ہماری آزادی
غیر ممکن ہے نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری آزادی محال عقلی ہے اور ہم ہمیشہ ہمیش کے لئے غلا
تو ہمکو غلامی ہی کا برتاؤ بھی کرنا چاہیئے اور کسی حکم کے امتثال میں گرانی نہونی چا
اور میں کہتا ہوں احکام کے دشوار ہونے سے اس میں کسی قسم کا شبہ کرنا تو بالکل
ہے کیونکہ احکام کا نفس پر گراں گذرنا یہی تو دلیل ہے اس حکم کے خداوندی حکم ہو
کیونکہ جو حکم نفس کے موافق ہو اسکو تو نفس خود ہی اپنے لئے تجویز کرلیتا ہے اس میں کسی

کے حکم کرنے کی کیا ضرورت ؟ تو خدا کی جانب سے تو وہی احکام مقرر ہوں گے جو کہ
نفس پر گراں ہوں تاکہ خدا تعالیٰ دیکھیں کہ جو کچھ کرتے ہو اس سے اپنے نفس کا خوش کرنا
منظور ہے یا خدا کا اور اس خوش کرنے میں بھی ہماری ہی مصلحت ہے نہ کہ خدا کی ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(میں نے مخلوق کو اپنے کسی نفع کے لئے نہیں پیدا کیا ہے بلکہ اسلئے پیدا کیا ہو تاکہ بندوں پر احسان و بخشش کروں)

اتنا وسیع نظام ہمارے ہی فائدے کیلئے ہے اور ہمیں کو فائدہ پہونچانا مقصود ہے
ہر طرح ہماری ہی مصلحتوں پر نظر ہے البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہماری مصالح حال کی بھی
یعنی جن کو ہم نے اختراع کر کے مصلحت کا لقب دیا ہے ان احکام میں رعایت ہو
لہٰذا ہمکو بھی یہ نہ دیکھنا چاہیئے کہ فی الحال ہماری کیا مصلحت ہے۔ بلکہ اگر مصالح حال
پر نظر ہوتی تو احکام بتلانے ہی کی کیا ضرورت تھی جب ہم نے مصالح کو اختراع کیا انکے
مناسب تجاویز بھی سوچ سکتے تھے

(۱۸۷) احکام شرعیہ گو حقیقت نہ جاننے کے سبب بظاہر نفس کو گراں معلوم ہوں لیکن واقع میں خیر وہی ہے

غرض احکام کی سختی وسوسہ کا سبب ہوتی ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم
ہوتا ہے کہ یہ سختی ہی ان احکام کے من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ دیکھئے جب
بچہ کا دودھ چھڑاتے ہیں تو کیسی کچھ مصیبت ہوتی ہے کتنی تکلیف بچہ کو پہونچتی ہے ا
دودھ پینے کے لئے کیا کچھ ضدیں کرتا ہے لیکن اسکی ایک نہیں سنی جاتی بلکہ کبھی ایلوا
کبھی کسی دوسری تدبیر سے اسکو دودھ پینے سے روکا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہوتی ہے کہ ما
بچہ سے زیادہ اسکی مصلحتوں کو جانتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اسوقت اسکی مرضی کے موافق
کیا گیا تو جوان ہو کر تباہ ہوگا اور ساری عمر اسی بلا میں مبتلا رہے گا بعینہٖ یہی حالت انسا
کے نفس کی ہے ارشاد ہے لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط کہ اگر حق انکی خواہشوں کے تابع ہو جائے تو زمین و آسمان

سب خراب اور برباد ہو جائیں بس ہمارے لئے یہی شفقت ہے کہ ہماری ایک نہ سنی جائے، جس طرح بچہ کی رائے کو نہیں مانا جاتا اور محض اس وجہ سے کہ جوان ہو کر جو اجزاء بدن حرارت سے تحلیل ہوتے ہیں ان کے لئے صرف دودھ بدل ما تحلل نہیں ہو سکتا بچہ کی ضد کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ بچے اور اسکے ماں باپ کا علم باوجود متفاوت ہونے کے پھر بھی کسی درجہ میں متقارب ہے کیونکہ دونوں متناہی ہیں اور متناہیین کا تقارب ظاہر ہی ہے، برخلاف بندے کے علم اور خدا کے علم کے کہ دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں بلکہ تمام کائنات کے علم کو بھی خدا کے علم سے کوئی تناسب نہیں ہے کیونکہ مجموعہ کائنات کا علم کیسا کچھ بھی ہو پھر بھی متناہی تو ضرور ہوگا برخلاف علم خداوندی کے کہ وہ غیر متناہی ہے خوب کہا ہے ؎

اگر آفتاب است یک ذرہ نیست ۔۔۔ وگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست

(اگر آفتاب بھی ہو تو وہ بھی مخلوقات خداوندی کا ایک ذرہ ہی تو ہے اور اگر ہفت سمندر ہو تو وہ بھی بمنزلہ ایک قطرہ کے ہے)

چو سلطان عزت علم بر کشد ۔۔۔ جہاں سر بجیب عدم در کشد

(جب اللہ جل جلالہ کا شاہانہ علم بلند ہوتا ہے تو تمام عالم اپنا سر عدم کے گریبان میں چھپا لیتا ہے)

(۱۸۸) وَحدۃ الوجود کے معنی اور اسمیں عوام کی غلطی اور اسکی اصلاح

اور یہی وہ کیفیت ہے جس کو اہل فن نے وحدۃ الوجود کہا ہے۔ وحدۃ الوجود کے جو معنی عوام میں مشہور ہیں کہ میں خدا اور تو بھی خدا اور در و دیوار بھی خدا، یہ معنی بالکل غلط ہیں اور بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی بالکل ہی موجود نہیں یہ بھی بالکل غلط ہے اور قرآن و حدیث کے بالکل خلاف ہے ارشاد خداوندی ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (اللہ تعالیٰ ہر شئے کا خالق ہے اور وہی ہر شئے کا نگراں و محافظ ہے) حقیقت میں یہ مسئلہ حالی ہے قالی نہیں وہ حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات پیش نظر ہوتی ہے اسوقت دوسروں کا اور اپنا وجود کالعدم معلوم ہوتا ہے اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص اگر کسی خیال میں منہمک ہو تو اسکو دوسری تمام چیزوں کیطرف

مطلق التفات نہیں ہوتا اگر کوئی اسکو آواز دیتا ہے تو وہ نہیں سنتا بلکہ بعض اوقات خاص خیالوں میں اسقدر انہماک ہوجاتا ہے کہ اگر کوئی سر کے پاس آکر آواز دے تو مطلق خبر نہیں ہوتی اس کیفیت میں وہ شخص محاورے میں مجازاً کہہ سکتا ہے کہ لاموجود الا الامر الفلانی لیکن ظاہر ہے کہ یہ کہنا واقع کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح وحدۃ الوجود بھی ایک اصطلاح ہے صوفیہ کی کہ وہ اپنی اس قسم کی کیفیت کو وحدۃ الوجود کے عنوان سے مجازاً تعبیر کرتے ہیں جس طرح قرآن و حدیث کے محاورات میں مجاز کا استعمال ہوتا ہے اسی طرح اصطلاح تصوف میں بھی کیونکہ وہ بھی قرآن و حدیث ہی سے مستنبط ہے تو خلاصہ وحدۃ الوجود کا یہ نکلا کہ وجودات متکثرہ گویا نہیں ہیں پس حکم وحدت مجازاً ہوا اسی کو ان اشعار میں حل کیا ہے

اگر آفتاب است یک ذرہ نیست وگر ہفت دریا ست یک قطرہ نیست
چو سلطان عزت علم بر کشد جہاں سر بجیب عدم در کشد

بلکہ ان اشعار میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ موجودات کچھ ہیں ضرور کیونکہ ذرہ اور دریا کے ساتھ "است" کا حکم کیا گیا ہے باقی آگے جو کہا ہے کہ "جہاں سر بجیب عدم در کشد" اس سے بھی یہی مراد ہے کہ اسکا وجود کالعدم ہو جاتا ہے ایک دوسرے موقع پر اس سے بھی زیادہ صاف عنوان سے بیان کیا ہے لکھتے ہیں ؎

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید خجل شد چو پہنائے دریا بدید

کہ ایک قطرہ ابر سے اناکذا و اناکذا کہتا ہوا چلا مگر دریا کی وسعت دیکھکر شرمندہ ہو گیا اور باوجودیکہ اپنے اندر نورانیت اور شفافی سب کچھ پاتا تھا لیکن کہتا ہے ؎

کہ جائیکہ اوہست من نیستم گر او ہست حقا کہ من نیستم

(کہ جہاں سمندر موجود ہو وہاں میرا کیا شمار؟ اور اگر وہ ہے تو بخدا میں نہیں ہوں)
اور اسکے بعد شیخ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ؎

ہمہ ہرچہ ہستند ازآں کمتر اند کہ باہستیش نام ہستی برند

کہ اگرچہ سب موجود ہیں لیکن ذات باری کے سامنے سب کی ہستی ہیچ ہے۔ زیادہ وضوح

کے لئے اسکو ایک اور مثال میں سمجھو مثلاً کسی گاؤں میں جہاں سب جاہل ہوں ایک شخص قل ھواللہ کا حافظ ہو اور تمام گاؤں کے لوگ اسکو حافظ کہتے ہوں اتفاق سے اسی گاؤں میں کوئی ماہر قاری آجائے جسکو علاوہ حفظ قرآن شریف کے سبعہ میں بھی مہارت ہو اور اس قاری کے سامنے کوئی شخص اس قل ہو اللہ کے حافظ کو حافظ کہکر پکارے تو اندازہ کیجئے اسکی کیا حالت ہوگی شرم سے گڑا جائے گا اور اپنے کو اس قاری کے سامنے ہیچ تصور کریگا۔ اور اسی پر کیا منحصر ہر شخص کے تمام دعاوی انانیت اسی وقت تک ہیں کہ جب تک کہ اپنے اوپر نظر ہے جس وقت کسی اپنے سے بڑے پر نظر پڑے اسوقت معلوم ہو کہ ہمارے کمالات کیا وقعت رکھتے ہیں۔ ایک اور حکایت لکھی ہے کہ

حکایت: ایک گاؤں کا چودھری اپنے بیٹے کے ساتھ چلا جارہا تھا راستہ میں بادشاہ کا لشکر پڑا دیکھا اسکی صولت اور حشمت دیکھکر ڈر گیا اور آگے جانے کی ہمت نہ ہوئی لڑکے نے کہا ابا آپ کیوں ڈرتے ہیں اگر بادشاہ ہے تو کیا ہوا آپ بھی اپنے گاؤں کے چودھری ہیں! جواب دیا کہ بھائی اگرچہ چودھری ہوں لیکن میری حکومت صرف اسی قطعۂ گاؤں تک ہے اور وہ بھی جب کہ مجھ سے بڑا کوئی وہاں موجود نہ ہو یہ بادشاہ ہے اسکی حکومت سارے ملک پر ہے میں اسکے سامنے کوئی چیز بھی نہیں۔ اس پر شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ

تو اے غافل از حق چناں در رہی کہ بر خویشتن منصبے می نہی

(تو بھی اے غافل حق تعالیٰ سے اس لئے محجوب ہے کہ اپنے لئے کوئی منصب تجویز کئے ہوئے ہے)

تحصیلدار اسی وقت تحصیلدار ہے کہ گورنر اس کے سامنے نہ ہو لیکن اسکے سامنے آنے کے بعد اسکی تحصیلداری ہیچ ہے اگر گورنر کے سامنے کوئی اسکو حضور کہدے تو عرق عرق ہو جائے گا بس یہی حالت وحدۃ الوجود کی ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جس وقت حضور خداوندی ہوتا ہے اپنی تعظیم سے بلکہ اپنے موجود کہنے سے شرم آتی ہے اور جس قدر حضور میں ترقی ہوگی اس کیفیت میں ترقی ہوتی جائیگی۔

(۱۸۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور اسکا راز اور صحابہ کا ادب

چنانچہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ اعلم باللہ ہیں چنانچہ ارشاد

ہے انا اعلمکم باللہ آپ کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے کہ باوجود سرورِ عالم ہونے کے کس قدر سادگی آپ کے ہر ہر انداز میں تھی بیٹھنے میں کبھی آپ نے کوئی ممتاز جگہ نہیں بنائی حتیٰ کہ لوگ زیارت کو آتے تو صحابہؓ سے دریافت کرتے مَنْ مُحَمَّدٌ فیکم (تم میں سے محمدؐ کون بزرگ ہیں؟) صحابہ جواب دیتے کہ ھذا الابیض المتکئ یہ جو گورے سہارا لگائے بیٹھے ہیں اور سہارا لگانے کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ حضورؐ کوئی گاؤتکیہ لگا کر بیٹھتے تھے عربی محاورہ میں ہاتھ پر سہارا لگانے کو بھی اتکا کہا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ تکیہ وغیرہ ہی ہو چلنے میں یہ حالت تھی کہ ہمیشہ ملے جلے چلتے تھے آخر کیا وجہ تھی کہ باوجودیکہ آپ کی شان یہ ہے کہ ع۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ بات یہ تھی کہ حضورؐ کو ذات باری کی عظمت ہمیشہ پیش نظر تھی۔ غرض آپ کے کسی انداز سے بھی امتیاز اور بڑائی کی شان نمایاں نہیں ہوتی اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ جب حضور مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ کے لوگ حضورؐ کو پہچان نہیں سکے حضرت صدیق اکبرؓ سے مصافحہ کرتے تھے کیونکہ ان کے کچھ بال پک گئے تھے جس کی وجہ سے وہ سب سے بڑے معلوم ہوتے تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا ادب دیکھئے کہ برابر خود ہی مصافحہ کرتے رہے اور حضور کو تکلیف نہیں ہونے دی اسی طرح دوسرے صحابہ بھی خاموش رہم بخود بیٹھے رہے کیونکہ سب حکیم تھے۔ اگر آجکل کوئی شیخ مجلس کے سوا غلطی سے کسی دوسرے سے مصافحہ کرلے تو جملہ حاضرین غل مچانا شروع کردیں اور جس سے مصافحہ کرلیا ہے تو اسکی تو ایسی بری گت بنے کہ الامان۔ حتیٰ کہ جب دھوپ آئی اور حضور کے جسد مبارک پر شعاعیں پڑنے لگیں تو حضرت صدیق اکبر کپڑا تان کر کھڑے ہوگئے اسوقت حاضرین نے پہچانا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے انی اکل کما تاکل العبد کہ میں غلام کیطرح کھاتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں بیٹھکر کھانا کھاتے تھے۔ صاحبو! یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں اسکی قدر اسوقت ہوگی کہ جب اپنے اوپر یہ کیفیت غالب ہو اور یہی راز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کھانا کھانے میں کوئی لقمہ گر جائے تو مٹی صاف کرکے کھالو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا جلدی جلدی تناول فرماتے تھے آج اسکو سخت عیب سمجھا جاتا ہے

سے کہتے ہیں کہ فلاں شخص اسطرح کھاتا ہے کہ گویا کبھی اسکو کھانے کو نہیں ملا وجہ یہ ہے کہ جو چیز حضورؐ کو پیش نظر تھی ہم اس سے محروم ہیں۔ صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی والیٔ ملک کسی معمولی سے آدمی کو بلاکر حلوا کھانے کو دے اور کہے کہ میرے سامنے بیٹھکر کھاؤ تو ذرا غور کیجئے کہ یہ شخص کس طرح کھائے گا ظاہر ہے کہ اسکے ہر لقمہ کا انداز یہ ہوگا کہ اس سے معلوم ہوگا کہ بڑی شوق و رغبت سے کھا رہا ہے اور یہی انداز اسوقت محبوب ہے اسکو طمع کہنا ہرگز درست نہیں، اور اگر فرض کرو کہ یہ طمع ہی ہے تو سمجھ لو کہ ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں　　　خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

(جب شاہ دین ہی ہم سے طمع کی خواہش کرے تو پھر اسکے بعد قناعت کے سر پر خاک ڈالدینا چاہیے)

مصرع۔ ہر عیب کہ سلطاں بہ پسند د ہنراست۔ اور اگر کھاتے ہوئے کوئی لقمہ اسکے ہاتھ سے گرجائے تو یہ کیا کرے گا ظاہر ہے کہ اسکو اٹھائیگا اور صاف کرکے کھائیگا علی ہذا یہ بھی سوچو کہ بادشاہ کے سامنے کس انداز سے بیٹھکر کھائیگا، کیا اسی طرح جیسے اپنے گھر میں بیٹھکر کھاتا تھا ہرگز کبھی نہیں بلکہ نہایت ادب سے بیٹھکر کھائے گا تو جب شاہان دنیا کے سامنے ان تینوں باتوں کا لحاظ ضروری ہے تو کیا خداوند جل وعلا کے سامنے ضروری نہیں۔ آجکل کی "تہذیب" نری لفاظی رہ گئی ہے جس میں اصل حقیقت کا نام ونشان بھی نہیں ہے کہ اسمیں "ہ" کی جگہ "ع" بدل دیا جائے (یعنی تہذیب کو تعذیب کہا جائے) کہ اسم بھی مسمٰی کے مطابق پڑے۔

(۱۹۰) ظاہری افعال کا اثر بھی باطن پر پہونچتا ہے

اور صاحبو! حضورؐ نے کھانے کے آداب کی تعلیم جو فرمائی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جسطرح باطنی حالات کا اثر ظاہری اعضاء پر پڑتا ہے یوں ہی ظاہری ہیئت کا اثر بھی انسان کی اندرونی حالت تک پہنچتا ہے اگر ظاہری ہیئت پر رعونت تکبر برستا ہے تو دل تک بھی اسکا چھینٹا ضرور پہونچے گا اور یہ ملکۂ بد دل میں ضرور پیدا ہونا شروع ہوگا اور اگر ظاہری حالت منکسرانہ ہے تو دل میں بھی انکسار، خشوع، تذلل کے آثار نمایاں ہوں گے۔

(باقی آئندہ)

حاملِ مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ مصلح الامۃ کا واحد ترجمان

چندہ سالانہ عنہ ۲۰ بیس روپئے	# وصیۃ العرفان الہ آباد	چندہ ششماہی عنہ ۱۰ دس روپئے

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ دو روپئے — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱۰	ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ء مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۸۱ء	جلد ۴

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن، نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اکتوبر سنہ ۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے ختم سال میں صرف دو ماہ رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ بخیر و عافیت اسکو بھی اختتام کو پہونچا دے۔ بہت سے احباب نے ابتک چندہ نہیں روانہ فرمایا ممکن ہے کہ ان کے ذہنوں میں یہ ہو کہ چندہ سال کے ختم پر دینا ہے جبکہ ذمہ میں واجب ہو جائے حالانکہ اصول رسالہ کی رو سے اسے پیشگی ہی آنا چاہیئے ۔ بہر نوع اب بھی توجہ ہو جائے تو دیر آید درست آید کا مصداق ہو جائے۔

الحمد للہ کہ رسالہ کو اہل علم حضرات پسند فرما رہے ہیں، بنارس سے ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"آپ سے جسمی و عنصری ملاقات تو نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات بذریعہ رسالہ ہوئی۔ رسالہ مطالعہ کیا آپ کے فضل اور آپکی ذہنیت اور حرص فی الدین کو جانا، رسالہ کی اہمیت کا اندازہ ہوا ماشاء اللہ مضامین بہت اچھے نکلے بہت لطف اندوز ہوا۔ مرحبا صد آفریں برہمت مردانہ تو۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ جستہ جستہ (تشریحی) ریمارک اور نکات نے اس میں چار چاند لگا دیئے ہیں جن سے رسالہ اور اسکے مضامین پر ہی نہیں بلکہ مطالعہ کرنے والوں پر بھی افادات کے انوار کی بارش ہوتی جاتی ہے۔ طلبا و علماء دونوں ہی کے لئے آپنے بیش بہا مضامین جمع کر دیئے ہیں اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔ مبلغ ۵ روپیہ ارسال ہے براہ کرم رسالہ روانہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ والسلام"

اسی طرح سے کتابچہ "درد و درماں" کے متعلق ایک دوست نے اپنے ایک دوست کا خط سنایا انھوں نے کانپور سے لکھا کہ:

"دو عدد "درد و درماں" موصول ہوا کتابچہ پڑھکر طبیعت اور روح خوش ہو گئی، رب کریم بصدقہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی کے درجات بلند فرمائے"۔

آپکا ہدیہ بھائی ۔۔ فلاں کو پیش کر دونگا' دو عدد اور بھیجدیں اسکا پیش لفظ خوب ہی خوب ہے اور آخر میں تو غضب کی نصیحت ہے ۔۔ مسلمانو! کام کا وقت ہے کام کرتے جاؤ کہو تو کام کی بات کہو کرو تو کام کی بات کرو اور سب لغویات چھوڑ دو" (الحمد للہ کہ رسالہ اور کتابچہ کا نفع عام ہے اللہ تعالیٰ مزید عام فرمائے)

گذشتہ مہینے پیش لفظ میں لکھا گیا تھا کہ پرانے رسالے موجود ہیں احباب انکو نکالنے کی سعی فرمائیں۔ بعض حضرات کے خطوط آئے انکو شبہ ہوا کہ انکی قیمت بھی دو روپیہ فی شمارہ ہوگی' ایسا نہیں ہے بلکہ متفرق قدیم شمارے پانچ روپیہ میں پندرہ عدد دیئے جاتے ہیں۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

(ادارہ)

اتباع سنت ہی اصل راہ ہے

فرمایا کہ ——— میں اسوقت آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں اسکے بعد مرقاۃ سے اسکی شرح بیان کرونگا جس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے اسلاف ایسے نہیں تھے جیسے ہم لوگ ہیں کہ اللہ و رسولؐ پر ایمان کا دعویٰ ہے لیکن نہ قرآن شریف سے ذرا مس اور نہ حدیث شریف سے ذرا مناسبت۔ اور ایک یہ حضرات تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی جو شرح یہ فرماتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ کس قدر اللہ و رسول کے منشار کو سمجھنے والے لوگ تھے۔

پھر حدیث کی شرح سننے کے بعد آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرما رہے ہیں اور آپ کے مشائخ اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی اچھی طرح سے سمجھ میں آجائیگی کہ امت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کر کے اپنا کسقدر نقصان کیا ہے

علماء کرام اور مشائخ عظام کی خدمات علی الرأس والعین لیکن انکی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے استغنار کسی حال میں بھی نہیں ہوسکتا۔ حدیث کی شرح کے بعد اس پر بھی کچھ کلام کرونگا جس سے آپ انشاء اللہ محظوظ و مسرور ہونگے اور کچھ کام کی بات ہاتھ آئیگی۔ اب وہ حدیث بیان کرتا ہوں سنیئے :-

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا عبد اللہ الم اخبر انک تصوم النھار وتقوم اللیل فقلت بلیٰ یا رسول اللہ
قال فلا تفعل صم وافطر وقم ونم فان لجسدک علیک حقا وان لعینک علیک
حقا وان لزوجک علیک حقا وان لزورک علیک حقا الخ

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے عبد اللہ! کیا مجھے جو یہ خبر پہونچی ہے صحیح ہے کہ تم دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور شب کو نمازیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں درست ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ (اسلئے کہ یہ تمھارے

حق میں مضر ہے کیونکہ اسکی وجہ سے بدن میں ضعف ہوگا اور وہ مفضی ہو جائیگا بعض ضروری عبادات کے ترک کی جانب اگرچہ آخر عمر میں ہی کیوں نہو) روزہ بھی رکھو (مگر اسکا بھی ایک موقع ہے یعنی نشاط کے وقت رکھو اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کبھی ہوگا اور کبھی نہ ہوگا۔ اسی طرح سے جب نفس میں طغیان پیدا ہو تو اسکے توڑنے کے لئے رکھو) اور افطار بھی کرو (یعنی کبھی روزہ نہ بھی رکھو یہ اس وقت جبکہ روزہ رکھتے رکھتے طبیعت میں کلال و ملال پیدا ہو جائے، یا نفس میں سکون ہو اور شہوت ٹوٹتی ہوئی معلوم ہو) یا آن ایام میں روزہ رکھو جنکی فضیلت احادیث میں وارد ہے تاکہ ثواب حاصل ہو اور ان کے علاوہ دوسرے دنوں میں کھاؤ پیو تاکہ تمھارے جسم میں قوت پیدا ہو نیز تمھارے اخلاق و عادات بھی اچھے رہیں۔ یہ اسلئے فرمایا کہ آدمی جب بھوکا ہوتا ہے تو اسکی وجہ سے اسکا مزاج بھی چڑچڑا ہو جاتا ہے اور اسکے اخلاق بھی برے ہو جاتے ہیں مشہور ہے کہ " ع " چوں گرسنہ می شوی سگ می شوی۔ (جب بھوکے ہوگے تو کتے ہوگے)

اسی طرح سے نماز بھی پڑھو (یعنی شب کے اول حصہ میں اور آخر حصہ میں۔ اور سوؤ اور آرام بھی کرو (یعنی ان دونوں کے درمیانی وقفہ میں۔

آگے صاحب مرقاۃ بطور نصیحت کے ایسا عمدہ کلام فرما رہے ہیں کہ سبحان اللہ۔ فرماتے ہیں کہ اپنے طبیب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو سنو! اور بلا دلیل طلب کئے ہوئے سنو اور مانو اسلئے کہ جب کوئی حاذق اور مشفق طبیب کوئی بات کہتا ہے تو اس پر اس سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جاتا یوں تو وہ طبیب اپنے طور پر چاہے تو دلیل فراہم کرے مگر دوسروں کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ اس سے دلیل طلب کریں۔ محض اسکی حذاقت اور شفقت کی وجہ سے اسکی بات سنی اور مانی جاتی ہے اور اسکی نصیحت قبول کیجاتی ہے چہ جائیکہ جب وہ دلیل بھی بیان کر دے تب کیوں نہ اسکی بات سنی جائیگی۔ جیسا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو صرف تکثیر صیام و قیام سے منع ہی نہیں فرمایا بلکہ اس ممانعت کی وجہ بھی بیان فرمادی کہ یہ اس لئے کہ تمھارے بدن کا بھی تمھارے اوپر حق ہے (یعنی کھا پی کر اور قیام کے بعد سو کر اور آرام کر کے اس بدن کی حفاظت کرو۔ کیونکہ ہمیشہ دن میں روزہ رکھنے اور شب کو رات رات بھر نمازیں پڑھنے سے قویٰ میں انحلال اور بدن کے نظام میں اختلال پیدا ہو جائیگا لہٰذا کھانے اور سونے میں کمی کر کے نہ تو بدن کی اضاعت اور اسکا تباہ کرنا جائز ہے

ضعف ۱۲ — خلل ۱۲

ان امور میں زیادتی کرکے اسکو نقصان پہونچانا جائز ہے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں انجام
کہ بدن ایک دن کام سے رہ جائے گا اور عبادت کے کرنے سے قاصر ہو جائے گا اور
دائے حقوق سے عاجز ہو جائے گا اسلئے ہر کام میں اعتدال ہی مناسب ہے)۔
اور بلاشبہ تمھاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (لہٰذا جاگنے میں اور سونے میں افراط و تفریط
بینائی پر بھی اثر پڑے گا اسلئے نہ بہت زیادہ جاگنا مناسب ہے اور نہ زیادہ سونا) اسی طرح
تمھارے اہلخانہ کا بھی تم پر حق ہے جو کہ صیام دائمی اور قیام سے فوت ہو جائے گا۔ اور تمھارے
آنے جانے والوں کا یعنی تمھارے احباب کا بھی تم پر حق ہے۔ لہٰذا جب تم برابر روزہ ہی
رہوگے اور ساری رات قیام ہی کرتے رہوگے تو ان کے ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ
سے عاجز رہ جاؤگے اور انکی خدمت نہ کرسکوگے اور نہ ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے کا موقع
ملیگا۔ یا تو اس لئے کہ بدن میں ضعف ہو چکا ہوگا یا اس لئے کہ تمھارے اخلاق بُرے
ہو جائیں گے"

دیکھا آپ نے! آج تک آپ جس عمل کو بزرگی کا ذریعہ سنتے اور جانتے تھے آج آپکو
معلوم ہوا ہوگا کہ یہ سوء اخلاق کا سبب بھی ہو سکتا ہے۔ نیز اسکو دیکھئے کہ آپ کے مشائخ کیا فرمارہے
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمارہے ہیں۔ مولانا رومؒ تو فرماتے ہیں کہ ؎

صحت ایں حِس ز معموری تن صحت آں حس ز تخریب بدن

اس حس سے مراد جسم کی صحت تو تن کی معموری اور اسکو برقرار رکھنے سے ہے لیکن اس حس
روحانیت یعنی روح کی صحت تو اس بدن کی تخریب ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے ظاہر کے اعتبار سے مولانا روم کا یہ شعر بالکل اس حدیث
کے مضمون سے متصادم ہے کیونکہ فرمارہے ہیں کہ روحانی ترقی اس جسم کی تخریب کے ساتھ وابستہ
ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں "لاتفعل" ایسا نکرو صحت خراب ہو جائیگی
جسم کے نظام میں خلل آجائے گا" جسم کی حفاظت بھی ضروری ہے کہ یہ سرکاری مشین ہے
ان لجسدک علیک حقاً وان لعینک علیک حقاً وان لزوجک علیک حقاً۔ اب معلوم
ہوا آج لوگ جو نہیں پہونچ رہے ہیں تو اسی لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل

نہیں ہے اور عمل تو اسوقت ہو جبکہ پہلے ان کا علم ہو اور اس زمانہ میں باوجودیکہ مدارس اور اسباب علم کی کثرت ہے مگر صحیح علم لوگوں کو نہیں رہ گیا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ لوگوں نے مشائخ کے طریقہ کو تو یاد رکھا اور اس پر چلے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیجانب سے بے اعتنائی کی گئی۔

ایک صاحب ایک پیر صاحب کے متعلق کہتے تھے کہ وہ ایسے ہیں کہ کھلا پلا کر خدا تعالےٰ تک پہونچا دیتے ہیں ان کو تو کچھ نہیں کہتا ایسے ہی ہوں گے لیکن جس کسی نے کسی کو اس طرح سے کسی کو پہونچا دیا ہو ایسے پہونچے ہوئے کو پہلے دکھلاؤ پھر تو اس کے کہنے کا موقع اور حق ہوسکتا ہے ورنہ نرا دعویٰ ہی ہوگا ـــــ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیشک یہ امر بالکل صادق ہے کہ آپ نے لوگوں کو کھلا پلا کر اور سُلا سلا کر اللہ تعالیٰ تک پہونچا دیا ہے، چنانچہ دیکھئے ان صحابی کو اس قدر مجاہدہ کرنے سے منع فرما دیا جسکی وجہ سے اب وہ حرام ہوگیا' اور کھلایا پلایا سلایا اور اس حال میں بھی ولی کامل بنا دیا' سبحان اللہ۔

یہاں پر ایک کام کی بات اور سن لیجئے' اور وہی دراصل منشاء ہے صاحب نبوتؐ کی تعلیم اور ارباب ولایت کی تعلیم کے فرق کا کہ ہمارا نفس یا ہمارا بدن جو ہمارے پاس ہے اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ اسکی نسبت ہماری جانب کیجاتی ہے یعنی ہمارا نفس ہمارا بدن کہا جاتا ہے جس سے ایہام ہوتا ہے کہ شاید ہم ہی اسکے مالک ہیں، دوسرے یہ کہ مالک تو ان سب کے اللہ تعالیٰ ہیں اور ہمارے پاس یہ بطور عاریت اور امانت کے ہیں لہٰذا ان میں تصرف کرنے میں بھی ہم نائب ہیں اصیل اور خود مختار نہیں۔ پس جس تصرف کی اجازت اللہ اور رسولؐ کی جانب سے ہوگی وہی کر سکتے ہیں اس سے زائد نہیں۔ ان دونوں حیثیتوں کو سامنے رکھئے پھر دیکھئے کہ مشائخ نے جو معاملہ اپنے تن بدن کے ساتھ جائز رکھا اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان حضرات نے اپنے کو اسکا مالک ہی سمجھ رکھا ہے بخلاف اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ سید العارفین تھے اور عبودیت میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے آپ نے ہماری صحیح حیثیت کو پہچان کر اسی کے مطابق تعلیم فرمائی کہ یہ جسم بھی تمہارا نہیں ہے تم اسکے مالک نہیں ہو بلکہ ایک سرکاری امانت ہے جو تمہاری حفاظت میں دی گئی ہے لہٰذا اسکو نقصان

پہونچانے والے امور حرام، اور جن چیزوں سے اسکا نظام درست رہے وہ ضروری ہی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ان لجسدک علیک حقاً الخ اس سے کسقدر آپؐ کی شفقت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس حکم کے ذریعہ آپؐ نے ہمارے نفس کی اصلاح فرمائی جس سے کہ اہل پر انفاق وغیرہ کی ترغیب فرماکر آپؐ نے ہماری تدبیر منزل کی اصلاح فرمائی مولانا روم فرماتے ہیں کہ ؎

اے بسا امساک کز انفاق بہ　　　　مال حق را جز بہ امر حق مدہ

یعنی بہت سا خرچ نکرنا انفاق سے بہتر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو بجز ان کے حکم کے صرف مت کرو۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح یہاں مال کے متعلق یہ حکم ہے اسی طرح سے بدن کا بھی حکم ہے کہ وہ بھی خدائی عطیہ ہے اسلئے اسکو بھی انھیں کے حکم پر صرف کرنا چاہیئے۔ اور جب وہ کسی کام کو منع کر دیں تو وہ کام بند کر دینا چاہیئے کیونکہ اسکا ایک ضرر تو لازم ہے جو کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جسم کا نظام خراب ہو جائے گا لیکن ایک دوسرا ضرر متعدی بھی ہے وہ یہ کہ جو لوگ اتنا مجاہدہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے وہ اس شخص کے مجاہدہ کو دیکھکر مایوس ہوں گے کہ اتنا کام تو ہم کر ہی نہیں سکتے لہٰذا کچھ بھی نہ کریں گے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو اس طرح سے سہل کر کے بیان فرما دیا تو ہر شخص کو ہمت ہوگی اور اسکا حوصلہ بڑھے گا کہ اتنا تو ہم بھی کر سکتے ہیں اور اس طرح دین عام ہو جائے گا۔

غرضکہ اصل دین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ مشائخ نے جو اعمال کئے تو جن حضرات کا بزرگ ہونا مسلم ہو چکا ہے انکے اقوال و افعال کی ہم کوئی تاویل کرلیں گے مگر اسکو معمول بہا نہیں بنائیں گے کیونکہ متبوع و مطاع در اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپؐ کے افعال میں نور ہے اور آپ کے ارشادات میں برکت ہے۔ مثلاً دیکھئے اہل معاصی پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی شفقت فرمائی ہے، ایک شخص نے شراب پی اس پر حد لگی صحابہؓ نے اسپر کچھ طعن کیا آپؐ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اسکو اللہ و رسول سے محبت ہے ایسا مت کہو۔ حضرت ماعزؓ کو حد زنا

تھی، جس شخص نے ان سے کہا تھا کہ جا کر اقرار کرلو طاہر ہو جاؤ گے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کرلیا کہ اسکو اپنے کپڑے سے ستر کرلیتے مطلب یہ کہ یہ تلقین صحیح نہ تھی، چھپا لینے کو کہتے بعد میں وہ توبہ کرلیتے، میرے ساتھ نماز پڑھتے معاف ہو جاتا، انکی جان تو بچ جاتی دیکھا آپ نے! کیسی شفقت اور کتنا کرم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے عاصی امتیوں پر؟

اس زمانہ میں اب کام کرنے کی ضرورت ہے

فرمایا کہ ــــــ ہر وہ جماعت جو اقامت دین اور خدمت دین کے لئے آمادہ ہو اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ ایسے پرفتن زمانے میں ہمارے سلف صالحین نے کیسے دین کی خدمت کی ہے اور اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت اور دوسروں کی تربیت و ہدایت کے لئے کونسا طریقہ اختیار کیا ہے؟ جب تک یہ پیش نظر نہ ہوگا ہرگز ہرگز وہ جماعت کامیاب نہیں ہوسکتی۔ الحمدللہ کہ اب کام کرنے والوں کی توجہ اسطرف ہوئی ہے اور اس قسم کی باتیں متعدد لوگوں سے سننے میں آرہی ہیں چنانچہ بعض علماء کے ایک رسالہ میں یہ دیکھکر بہت خوشی ہوئی کہ "جو جماعت بھی اقامت حق کیلئے کھڑی ہوگی وہ صوفیاء کرام کے طریق کو نظرانداز نہیں کرسکتی" بیشک کام کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے کارناموں اور طریق کار کو برقرار رکھا جائے اور اسی کو بنیاد بناکر کام کو بڑھایا جائے۔ یہ طریقہ نہیں کہ انکی تعلیمات کو نسیاً منسیاً کردیا جائے اور اس سے بڑھکر یہ کہ انکی مخالفت کی جائے اور "ہرکہ آمد عمارت نو ساخت" کے طریقہ پر اپنا طرز اختیار کیا جائے۔

ان حضرات کی خدمات عنداللہ مقبول ہیں، انکے کام کے طریقے اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں جو جماعت اسکی مخالفت کریگی ہرگز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کام نہیں کر سکتی حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد	ہر آں کس تف زند ریشش بسوزد

(جس چراغ کو حق تعالیٰ روشن فرما دیں جو شخص اسکو بجھانے کی کوشش کریگا اسکی داڑھی جل جائیگی)

اگر گیتی سراپا باد گیرد	چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

(زمانہ میں اگر ہر چہار طرف ہوا ہی ہوا ہوجائے تو بھی اللہ والوں کا چراغ بجھنے والا نہیں ہے)

چونکہ صوفیا رکرام کے طریق کے مطابق کام کرنے کو کہا جا رہا ہے اسلئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ بیان کیا جائے کہ صوفیا را ور اولیا رکرام کا کیا طریق تھا، لہٰذا سنیئے کہ:

یہ حضرات خود ظاہراً و باطناً اعمال شرعیہ کے پورے پورے پابند تھے، دین اور دینی احکام ان کے دل میں رچے ہوئے تھے، عبادات، معاملات، معاشرت سب میں رسم سے نکل کر حقیقت پر فائز تھے اور اپنے متعلقین سے بھی اسی چیز کا مطالبہ فرماتے تھے کہ انکے اعمال اور آمد و رفت محض رسم تک نہ رہنا چاہیئے بلکہ اس میں حقیقت اور اصلیت پیدا کرنی چاہیئے، جو مرید یا متعلق اس پر نہیں آتا تھا اسکو زجر و توبیخ فرماتے تھے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں اخوت و صحبت کے چند حقوق بیان کرکے فرماتے ہیں کہ:۔

فان لم تصادف نفسك فى رتبة	پس اگر تم اپنے بھائی کے ساتھ حقوق کے ان مراتب میں
من هذه المراتب مع اخيك	سے کسی مرتبہ میں نہ پاؤ تو جان لو کہ ہنوز عقد اخوۃ
فاعلم ان عقد الاخوة لم ينعقد	باطن میں منعقد نہیں ہوا ہے اور تمہارے درمیان جو آمد و رفت
بعد فى الباطن وانما الجاري بينكما	ہے محض ایک رسمی میل جول ہے جسکا نہ تو عقل کے نزدیک
مخالطة رسمية لا وقع لها فى العقل	کوئی اعتبار ہے اور نہ دین ہی میں اسکی کچھ وقعت
والدين	ہے۔

میرا مقصود اس عبارت سے محض اتنا ہے کہ ہر وہ آمد و رفت اور بھائی چارگی اور دوستی کا عقد اور اقرار لسانی جو ہنوز باطن تک نہیں پہونچا ہے یہ محض ایک رسمی میل جول ہے جس کا

نہ عقل کے نزدیک کچھ اعتبار ہے نہ دین ہی میں کچھ وقعت ہے ۔

اس مضمون کو میں نے سوائے احیاء العلوم کے اور کہیں نہیں دیکھا نہ کسی کو بیان کرتے ہوئے سنا، جب سے یہ مضمون دیکھا بہت قدر ہوئی اور اسے یاد رکھتا ہوں۔ امامؒ ہی کا منصب ہے جو اس قسم کی باتیں بیان فرماتے ہیں ہر شخص بیان نہیں کر سکتا اس لئے کہ یہ مضامین الہامی اور منجانب اللہ ہوتے ہیں۔

امام کی اس عبارت میں تین قسم کے عقد او رتعلق کا بیان ہے ایک[1] تو رسمی اور دوسرے[2] عقلی، تیسرے[3] دینی ــــــ جو عقد رسمی ہوتا ہے اسکا اعتبار تو نہ عقل کے نزدیک ہے نہ شرع میں، اور ایک عقد عقلی ہے جو عقلاً تو مستحسن ہے مگر دین میں اسکا کوئی درجہ نہیں ہے اور ایک تعلق وہ ہے جو عقلاً بھی مستحسن ہے اور شرعاً بھی ۔ یہی تیسرا درجہ تعلق حقیقی کا ہے جسکا مطالبہ مشائخ حقانی اپنے مریدین سے فرماتے ہیں۔ رسم سے اسکا تقابل تام ہے۔ یہ حضرات بعض مرتبہ اپنے یہاں لوگوں کو آنے سے منع فرما دیتے ہیں تو یہ منع مطلق نہیں ہوا کرتا بلکہ مقید ہوتا ہے بایں طور کہ یہ آنا جانا اور عقد و تعلق کا قائم کرنا محض رسمی اور رسانی ہی نہ رہے بلکہ حقیقی اور باطنی اور قلبی ہو جائے کیونکہ جب تعلق قلبی قائم ہو جائے گا تو غیریت باقی نہ رہے گی پھر ایسے لوگوں کے لئے روک ٹوک نہیں ان کے ساتھ تو جلوت بھی خلوت ہی رہے گی کیونکہ "خلوت ز اغیار نہ از یار" میں ان مضامین کو برابر بیان کیا کرتا ہوں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انکی طرف التفات نہیں کرتا اسلئے کہ کبھی کسی نے کچھ نہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کچھ سمجھتے ہی نہیں مگر ایک انگریزی داں نے امام غزالیؒ کے اس مضمون کو بہت پسند کیا اور بڑی قدر کی اور لکھوا کر لے گئے اور اپنے ہم خیال لوگوں میں جاکر کہتے تھے کہ جو کچھ ہم لوگوں کے درمیان دوستی وغیرہ کے تعلقات قائم ہیں انکا کوئی درجہ بھی نہیں دین کے اعتبار سے تو کیا عقل کے نزدیک بھی اسکا کچھ اعتبار نہیں ہے ۔ سب مجھے انکی اس قدردانی سے بہت ہی خوشی ہوئی فالحمد للہ علیٰ ذلک ، اور ساتھ ہی تعجب ہوا کہ انھیں مضامین کو روزانہ بیان کرتا ہوں اور اتنے اتنے آدمی آتے ہیں کسی کو بھی کما حقہ التفات نہیں ہوتا اور کچھ بھی نہیں سمجھتے ۔

پہلے کے مریدین میں اور اس زمانے کے مریدین میں یہی فرق ہے کہ اُسوقت کے لوگ اپنے مشائخ کی ایک ایک بات اور ہر ہر نصیحت کو یاد کرلیا کرتے تھے اور اسکو اپنے لئے وظیفہ گردانتے تھے اور اسکی کما حقہٗ قدر کرتے تھے اور اسی سے ان حضرات کو بڑے بڑے درجات حاصل ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اپنا واقعہ البنیان المشیّد میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سید عبدالملک الحربونی قدس اللہ سرہٗ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا اے احمد! اِدھر اُدھر دیکھنے والا واصل نہیں ہوتا (یعنی مقصود تک پہونچنا اسکو نصیب ہوتا ہے جو سب طرف سے نگاہ ہٹا کر مقصود کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جائے) اور شک کرنیوالا کامیاب نہیں ہوتا (کامیابی کا مدار یقین پر ہے کہ یہ سمجھ لے کہ میرا شیخ اللہ تک پہونچانے کا راستہ خوب جانتا ہے اور مجھے پہونچا سکتا ہے جس کو شیخ پر اعتماد نہیں وہ محروم ہی رہتا ہے) اور جس شخص کو اپنے اندر نقصان نہ معلوم ہوتا ہو اسکے تمام اوقات نقصان ہی میں گذر رہے ہیں۔ میں سال بھر تک شیخ کی اس وصیت کو زبان اور دل سے دہراتا رہا اور جب میرے دل میں کوئی خیال اور وسوسہ آتا اس وصیت کو فوراً یاد کرلیتا تو وسوسہ دور ہو جاتا۔ پھر میں دوسرے سال شیخ کی زیارت کو گیا اور جب کچھ قیام کرنے کے بعد ان سے رخصت ہونے لگا تو پھر وہی درخواست کی کہ حضرت مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا اے احمد طبیبوں کے لئے بیمار ہونا بہت برا ہے، اور عقلمند کے لئے جاہل ہونا اور دوستوں کے لئے بے مروت ہونا۔ یہ سنکر میں رخصت ہوا اور سال بھر تک اس نصیحت کو دہراتا رہا۔ مجھے شیخ کی ذات سے اور انکی وصیتوں سے بہت نفع پہونچا۔ (البنیان المشید ص ۹۱)

دیکھئے سیدنا رفاعیؒ جو اتنے بڑے شیخ کامل ہوئے تو آخر کس وجہ سے ہوئے؟ اور اتنا بڑا منصب انکو کیسے ملا؟ محض شیخ کی نصائح کی قدر اور اسکی تکرار اور حفظ و عمل سے انکو یہ درجہ ملا۔ اب لوگ سمجھتے ہیں کہ مشائخ ہمکو صرف وظیفہ بتلا دیں اور اسی سے ہملوگ مقصود تک پہونچ جائیں۔ جو باتیں بتلائی جاتی ہیں خواہ وہ کتنی ہی انفع ہوں اسکو نہیں سمجھتے اور نہ اسکو وظیفہ بناتے ہیں تو وجہ اسکی یہی ہے کہ اب تک انکا تعلق باوجود ظاہرا عقد و تعلق قائم ہونے کے اسم سے تجاوز کر کے حقیقت تک نہیں پہونچا ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی عقد

ظاہراً قائم ہو اور باطن میں نہ قائم ہوا ہو، جیسا کہ زوجین کے تعلقات میں ہمیں دن رات مشاہدہ ہے کہ عقد زوجیت قائم ہونے کے باوجود باہم انہیں سالہا سال تک حقیقی اور قلبی تعلق قائم نہیں ہوتا یہی حال تمام عقود کا ہے، اور یہ حضرات جو کچھ کہتے تھے خود اس پر عامل ہوتے تھے اسی وجہ سے لوگ ان کے کہنے کو تسلیم کرتے تھے کیونکہ یہ تبلیغ عملی ہے اور اس قسم کی تبلیغ قولی تبلیغ سے زیادہ انفع اور موثر ہوتی تھی، چنانچہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں بالتفصیل تحریر فرماتے ہیں:۔

(الوظیفة الثامنة) ان یکون المعلم عاملاً بعلمه فلا یکذب قوله فعله لان العلم یدرک بالبصائر والعمل یدرک بالابصار وارباب الابصار اکثر فاذا خالف العمل العلم منع الرشد وکل من تناول شیئاً وقال للناس لاتناولوه فانه سم مهلك سخر الناس به واتهموه و زاد حرصهم علیه فیقولون لولا انه اطیب الاشیاء والذ ها لما کان یستاثر به ومثل المعلم المرشد من المسترشدین مثل النقش من الطین والظل من العود فکیف ینقش الطین بما لانقش فیه و متی استوی الظل والعود اعوج واذا اعوج العود اعوج الظل ولذلك قیل فی المعنی ؎

لاتنه عن خلق وتاتی مثله
عار علیك اذا فعلت عظیم

معلم کا آٹھواں وظیفہ یہ ہے کہ اپنے علم پر عامل ہو اسکا قول اسکے فعل کی تکذیب نہ کرے اسلئے کہ علم کا ادراک تو باطنی آنکھ سے ہوتا ہے اور عمل، ظاہری آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے اور ظاہری آنکھ والے بہ نسبت باطنی کے زیادہ ہیں تو ہو سکتا ہے کہ علم کا ادراک نہ ہو اور بے عملی کا ادراک ہو جائے پس اگر عمل علم کے خلاف ہوگا تو ہدایت سے مانع ہوگا اور جو شخص خود تو کوئی کام کرے اور لوگوں سے کہے کہ تم نہ کرو، تو یہ سم قاتل ہے لوگ اسکا مذاق اڑائیں گے اور اسکو متہم گردانیں گے اور اس چیز کے کرنے پر ان کی حرص زیادہ ہوگی یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ اگر کوئی پسندیدہ اور اچھی چیز نہ ہوتی تو وہ خود کیوں کرتا۔ اور مثال ہدایت کرنے والے معلم اور اس سے ہدایت حاصل کرنے والوں کی ایسی ہے جیسے نقش اور مٹی، اور سایہ اور لکڑی، پس گندھی ہوئی مٹی کو کیونکر منقش کیا جا سکتا ہے ایسے سانچے سے جس میں نقش نہ ہو اور سایہ کیسے سیدھا ہو سکتا ہے جبکہ لکڑی ہی ٹیڑھی ہو، جب لکڑی ٹیڑھی ہوگی ظاہر ہے سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اسی معنی میں یہ شعر ہے (ترجمہ) ایسا نہ کرو کہ ایک بات سے دوسروں کو منع کرو اور خود اسے کرو

وقال تعالیٰ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ولذلك كان وزر العالم فی المعاصیه اکبر من وزر الجاهل اذ یزل بزلته عالم ویقتدون به. ومن سن سنة سیئة فعلیه وزرها ووزر من یعمل بها ولذلك قال علی رضی اللہ عنه قصم ظهری رجلان عالم متهتك وجاهل متنسك فا یغر الناس بتنسکه والعالم یغرهم بتهتکه واللہ اعلم۔

اگر ایسا کیا تو تمھارے لئے یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ اور حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا غضب ہے کہ کہتے ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے! اسی وجہ سے عالم کا گناہ اسکے گناہوں میں جاہل کے گناہوں سے بڑا ہے کیونکہ اسکی لغزش سے ایک دنیا کو لغزش ہوجاتی ہے۔ اور لوگ اس کی اقتدا کرتے ہیں (حدیث شریف میں ہے کہ) جو شخص کوئی برا طریقہ ایجاد کرے تو اس پر اپنا وبال بھی ہوگا اور ان لوگوں کا بھی وبال ہوگا جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ہے۔ اسی واسطے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری کمر دو آدمیوں نے توڑ رکھی ہے، ایک عالم جو حکم شرعی کی پردہ دری کرتا ہو یا بجز حتی اور ہتک کرتا ہو اور دوسرا جاہل عابد اسلئے کہ لوگ اسکی عبادت سے دھوکے میں پڑیں گے اور عالم اس لئے کہ اپنی بے عملی سے لوگوں کو دھوکے میں ڈالے گا۔

(احیاء للغزالی)

مولانا رومؒ نے بھی مثنوی شریف میں حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ کے ابتدائے خلافت کا قصہ نقل فرمایا ہے اور یوں عنوان قائم کیا ہے کہ "قصۂ آغاز خلافت عثمان و خطبہ دے دربیان آں کہ ناصح فعال بفعل بہ از ناصح قوال بقول یعنی حضرت عثمانؓ کا ابتدائی خطبہ اس مضمون پر کہ امیر فعال امیر قوال سے بہتر ہوتا ہے۔ اس عنوان کے چند اشعار بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں ؎

بعد ازاں بر جائے خطبہ آں ودود تا بقرب عصر لب خاموش بود

(اسکے بعد ممبر ہی پر وہ مخلوق کا ناصح اور انکی محبت کا مارا تقریباً عصر تک خاموش بیٹھا رہا)

زہرہ نہ کس را کہ گوید ہیں بخواں یا بروں آید ز مسجد آں زماں

(کسی شخص کی یہ جرأت رعب کے مارے نہ تھی کہ درخواست کرتا کہ حضرت کچھ فرمائیے یا کچھ نہیں کہنا ہو تو مسجد سے باہر تشریف لے چلئے)

ہیبتے نشستہ بُد برخاص و عام پر شد از نور خدا آں صحن و بام

(بات یہ تھی کہ انکے اخلاص کیوجہ سے سب لوگوں پر ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اور صحن و بام سب نورانی ہو رہے تھے)

ہرکہ بینا ناظر نورش بدے کور از آں خورشید ہم گرم آمدے

(جسکے آنکھ تھی اس نے اس نور کو دیکھا یعنی اپنے قلب کو منور پایا اور جو اندھا تھا اس کو بھی اس آفتاب سے گرمی تو مل ہی گئی)

دیکھئے حضرت عثمانؓ کے فرمانے سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ فعلی نصیحت قولی نصیحت سے موثر اور بہتر ہے۔ ہمارے سلف کا یہی حال تھا کہ زیادہ تحریر یا تقریر سے کام نہ لیتے بلکہ خود عمل کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور نسبت پیدا کرتے تھے پھر اسکے بعد جو کچھ فرماتے تھے چونکہ یہ ناشی ہوتا تھا قلب اور باطن سے اسلئے لوگ اسکو قبول کرتے تھے اور انکی اقتدا کرتے تھے۔ اسی طرح بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں۔ عربی کے چند اشعار مع ترجمہ کے لکھتا ہوں جس سے میرے مضمون بالا کی تائید ہوتی ہے، وہ یہ ہیں ؎

یا ایھا الرجل المعلم غیرہ هلا لنفسك كان ذا التعليم

تصف الدواء لذی السقام وذی الضنا کیما یصح بہ وانت سقیم

ابدأ بنفسك فانهها عن غيها فاذا انتهت عنه فانت حكيم

فهناك يقبل ما وعظت ويقتدى بالعلم منك وينفع التعليم

(ترجمہ: اے شخص جو دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود اپنے نفس کا معلم کیوں نہیں بن جاتا تو اور بیماروں سے تو انکی بیماری کو بیان کرتا ہے کہ وہ صحت مند ہو جائیں اور حال یہ ہے کہ تو خود بیمار ہے اپنے نفس کی اصلاح سے کام شروع کر اور پہلے اسکو برائیوں سے روک جب اس پر قادر ہو جائے تو تو حکیم ہو جائیگا اور اب اسوقت تو جو وعظ کہے گا وہ سنا جائیگا اور اس پر عمل کیا جائیگا لوگ علم حاصل کریں گے اور تیری تعلیم نافع ہوگی)

یہ تمام حضرات جو فعل اور عمل کو ضروری فرما رہے ہیں تو اس لئے کہ آدمی جب قول کے صحیح ہونے کے باوجود فعل کو خلاف دیکھتا ہے تو وہ بھی عمل میں سست ہو جاتا ہے، بلکہ قول و قائل دونوں سے ایک قسم کا سوء ظن پیدا ہو جاتا ہے۔

اس بات پر کہ فعل کو قول کا مکذب نہ ہونا چاہیئے ایک قصہ حضرت مولانا (تھانوی) سے

ت ہوا یاد آیا کہ ایک صاحب نے کوئی تصوف کی کتاب لکھی وہ ایک ایرانی کو ملی اس نے اسکا مطالعہ کیا تو بہت پسند ہوئی اسکو غائبانہ مصنف سے اسقدر اعتقاد پیدا ہوا کہ ملاقات اور بیعت کی غرض سے سفر کرکے ان کے پاس پہونچا تو اتفاق سے وہ صاحب داڑھی منڈوا رہے تھے یہ دیکھکر جو اعتقاد کتاب پڑھکر پیدا ہوا تھا سب ختم ہوگیا اور عمل کو خلاف دیکھکر اسکو بہت تعجب ہوا اور کہا کہ "آغا ریش می تراشی ؟" (حضرت آپ داڑھی ترشواتے ہیں ؟) انھوں نے کہا کہ " بلے ولکن دل کسے نمی خراشم " (لیکن کسی کے دل کو زخمی نہیں کرتا) تو اس ایرانی نے کیا ہی عمدہ بات کہی کہ "دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم می خراشی" (آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو زخمی کرتے ہیں) ۔ یہ سنکر انکو وجد آگیا نائی سے کہا دور ہو اور وجد ہی میں یہ شعر پڑھنے لگے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

(اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے میری آنکھیں کھولدیں اور مجھکو میرے محبوب سے واصل کردیا)

آپ لوگ یہ ملاحظہ فرمائیے کہ ان عالم صاحب نے فوراً حق بات مان لی آجکل لوگ ہوتے تو ہٹ دھرمی پر آمادہ ہو جاتے۔ حق بات کے مان لینے پر ایک واقعہ یاد آیا وہ یہ کہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک شیخ تشریف لیجایا کرتے تھے ایک مرتبہ معہ مریدین کے حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر تھے تو فرمایا کہ "کہو تو کہدوں" انھوں نے کہا کہ ارشاد فرمائیے حضرت مولانا گنگوہی نے فرمایا "تم کچھ نہیں ہو" یہ سنتے ہی مریدین کی طرف رخ کرکے فرمایا کہ آپ لوگوں نے سن لیا ! اب اپنا راستہ لیجئے ۔ پھر حضرت مولانا کی طرف متوجہ ہوکر عرض کیا حضرت اب کچھ دیجئے اسی لئے تو حاضر ہوا ہوں ۔ پھر حضرت نے انکو دیا اور انھوں نے لیا اور بہت بڑے شیخ کامل ہوئے ۔

ایک اور واقعہ سنئے اس سے معلوم ہوگا کہ ہمارے سلف کسقدر قول کو فعل سے مطابقت کا التزام فرماتے تھے ۔ ایک عورت اپنے بچہ کو لیکر پیر کے پاس آئی ، عرض کیا کہ یہ گڑ بہت کھاتا ہے اسکیلئے دعا فرما دیجئے اور منع فرما دیجئے تو انھوں نے فرمایا کہ کل آنا دوسرے روز جب وہ عورت پھر بچہ لیکر حاضر ہوئی تو اسکے لئے دعا بھی کی اور فرمایا کہ بیٹے گڑ نہ کھایا کرو ، اسکے بعد جب عورت

اپنے بچہ کو لیکر چلی گئی تو مریدین نے دریافت کیا کہ کیا بات تھی کہ حضرت نے اس کو آج پھر بلایا اتنی بات تو کل بھی فرما سکتے تھے فرمایا کہ بھائی میں خود گڑ کھاتا تھا تو کیسے منع کرتا اب چونکہ میں نے توبہ کر لی ہے اسواسطے منع کر دیا۔

دیکھئے اسوقت کے مریدین بھی کیسے مخلص تھے کہ جو بات سمجھ میں نہیں آئی اس کو بطور استعلام و استفہام کے دریافت کر لیتے تھے اور شبہات کو دور کر لیتے تھے اور اب یا تو دریافت ہی نہ کریں گے دل ہی دل میں اسکو لئے رہتے ہیں اور اگر پوچھتے ہیں تو ایسا طرز اختیار کرتے ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے کہ اعتراض کر رہے ہیں۔ اخلاص کے ساتھ سوال کر کے شبہات کو زائل کر لینا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے۔ پہلے کے لوگ چونکہ مخلص ہوتے تھے اور شیخ کے معتقد ہوتے تھے اسلئے کوئی بات دل میں خلاف رکھنا گوارا ہی نہ کرتے تھے چنانچہ حضرت مولانا قدس سرہٗ امداد الفتاویٰ میں شامی سے نقل فرماتے ہیں کہ:-

قلت یؤیدہ ما فی العنایة وغیرھا من ان الشیخ عبد الحکیم ابی القاسم کان اذا دخل علیہ غنی تقوم لہ ویعظمہ ولا یقوم للفقراء وطلبة العلم فقیل لہ فی ذلک فقال الغنی یتوقع منی التعظیم فلو ترکتہ لتضرر والطلبة انما یطمعون جواب السلام والکلام معھم فی العلم۔

میں کہتا ہوں کہ اس بات کی تائید عنایہ وغیرہ کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے کہ شیخ عبد الحکیم ابو القاسم کا یہ معمول تھا جب ان کے پاس کوئی امیر شخص آتا تو اسکی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے اور غرباء اور طلبہ کیلئے نہیں کھڑے ہوتے تھے آپ سے اسکے متعلق دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں فرماتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ بھائی ایک امیر مجھ سے تعظیم کا خواہشمند ہوتا ہے اب اگر میں اسکو ترک کر دوں تو اسکو ناگوار گذرتا رہے بیچارے طلبا اور دوسرے لوگ انکے لئے میرا سلام کا جواب دینا ہی بس ہوتا ہے اسی سے خوش ہو جاتے ہیں اور علم حاصل کر کے مسرور ہو جاتے ہیں اس سے زیادہ کی تمنا ہی نہیں کرتے۔

دیکھئے اس سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی فعل کسی عالم یا شیخ کا موہم ہو تو ادب سے سوال کر کے اسکا ازالہ کر لینا چاہیئے جیسا کہ شیخ عبد الحکیم کے اصحاب نے کیا۔

خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استفہام فرمایا ہے چنانچہ صاحب روح المعانی آیت وَمَن يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً کے تحت یہ حدیث نقل فرماتے ہیں

عن بردہ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالت استاذن رجل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا عندہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بئس ابن العشیرۃ او اخو العشیرۃ ثم اذن لہ فالان لہ القول فلما خرج قلت یارسول اللہ قلت ما قلت ثم النت لہ القول فقال یاعائشۃ ان من شرالناس من یترکہ الناس او یدعہ الناس اتقاء فحشہ	حضرت بُردہ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کی اجازت چاہی میں ہی آپ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی آپ نے فرمایا تو یہ تو یہ قبیلہ کا بدترین شخص ہے پھر اسکو اندر بلا لیا اور اسکے ساتھ خوب نرم نرم باتیں فرمائیں جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آنے پر آپ نے تو ایسا ایسا فرمایا تھا اور اس کے ساتھ نرم گفتگو بھی فرمانے لگے اس پر آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے کہ جسکو لوگ اسکے شر سے بچنے کیلئے چھوڑ دیں۔

بخاری شریف میں یہ حدیث ان الفاظ میں آئی ہے۔

عن عائشہ ان رجلاً استاذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما راٰہ قال بئس اخو العشیرہ او ابن العشیرہ فلما جلس تطلق النبی فی وجہہ وانبسط الیہ۔ قالت لہ عائشہ رضی اللہ عنہا یارسول اللہ حین رایت الرجل قلت لہ کذا وکذا ثم تطلقت فی وجہہ وانبسط الیہ فقال صلی اللہ علیہ وسلم یاعائشہ متی وجدتنی فحاشا ان شرالناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ من ترکہ الناس اتقاء شرہ

علماء نے اس حدیث کو بہت مشکل سمجھا ہے اور لوگوں نے اس پر کلام کیا ہے الحمدللہ مجھے بھی اسکا ایک عمدہ حل سمجھ میں آیا ہے اسکو بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس شخص کے غائب ہونے کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بئس اخوالعشیرہ فرمانا یہ ایک قول ہے اور آپ کے سب اقوال تشریع ہیں ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ بتلانا مقصود رہا ہو کہ کسی کے شر سے بچنے کے لئے اسکے شر کی اطلاع اسکو نہ دینا اور دوسرے لوگوں کو اسکی بری حالت سے مطلع کردینا تاکہ لوگ اسکے شر سے بچیں غیبت نہیں ہے بلکہ ضروری اور حضورؐ کا انبساط اور لین کلام خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق اور حسن معاشرت تھا چونکہ آپ مجبول تھے اخلاق حسنہ پر اسلئے ہر شخص کے ساتھ اخلاق برتتے تھے۔ کیسے باشد. بہرحال یہ تو ضمناً کلام تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو جماعت بھی دعوت الی اللہ کیطرف آمادہ ہو ضروری ہے کہ وہ عمل کی طرف توجہ کرے خود بھی عمل کرے اور صورت و سیرت سب کو شریعت کے سانچے میں ڈھال لے اور اپنی اہل و عیال کو احکام شرعیہ کا پابند بنا دے۔ جو شخص نہ اپنی نہ اپنے بال بچوں کی تربیت کر سکا وہ ساری دنیا کی کیسے اصلاح کر سکتا ہے اور داعئ الی اللہ کے لقب سے کیسے ملقب ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کیجانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لقب خاص عطا ہوا ہے قولہ تعالیٰ داعیًا الی اللّٰہ باذنہ وسراجًا منیرا تو اب اس لقب خاص کے ساتھ وہی حضرات ملقب ہو سکتے ہیں جو کہ صحیح معنوں میں شریعت اور سنت کا اتباع کریں اور نیابت کا اور قائم مقامی کا حق ادا کریں۔

اب ضرورت ہے کام کرنے کی ہر شخص پر لازم ہے کہ خود عملی نمونہ بنے اور دوسرے لوگوں کو بنائے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

(مکتوب نمبر ۲۳۹)

حال : حضرت والا کے قیام نے جون پور میں ایک نئی زندگی پیدا کردی تحقیق : الحمدللہ
حال : بہت سے لوگ دین کی طرف جھکتے نظر آرہے ہیں۔ تحقیق : الحمدللہ
حال : انشاء اللہ اس بات کی کوشش کرتا رہوں گا کہ جونپور کی یہ فضا قائم رہے۔
تحقیق : انشاء اللہ تعالیٰ

حال : مجھے یقین کامل ہے کہ حضرت والا کی توجہ اہل جون پور اور مشرقی یوپی کے اضلاع کے لئے بہت مفید ثابت ہوگی۔ تحقیق : خدا کرے ایسا ہی ہو۔

حال : مطب میں حضرت والا کی تعلیمات کا ذکر رہتا ہے لوگ سنکر متاثر ہوتے ہیں اور عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : دعاء فرمائیں کہ حضرت والا کی تشریف آوری نے جو حرکت پیدا کردی ہے اس میں استحکام کی لگاتار کوشش کرتا رہوں۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں

(مکتوب نمبر ۲۴۰)

حال : کوپا گنج حاضری ہوئی یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارا قیام طویل نہ ہو سکا تقریباً دو دن حاضر خدمت رہا بحمداللہ پاس انفاس جاری رہا اور برابر رہا۔ ذکر قلبی بھی اکثر کرتا رہا موقع تلاش کرتا رہا کہ آپ کی دعائیں اور توجہ حاصل کروں مگر محروم رہا۔ ذکر میں لذت ملتی ہے مگر دوام نہیں رہتا۔ غفلت اور ذکر دونوں کے زمانوں میں فرق کرنے کے باوجود استحضار پر قدرت نہیں ہوتی کچھ تو شاغل کچھ محرومی اس لئے آپ کی خدمت میں چند روز رہ کر ذکر و مذکور کی لذت حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے کوشش میں ہوں کہ گھر کے ماحول سے ہفتہ عشرہ میں یکسو ہو جاؤں تاکہ والدہ وغیرہ پریشان نہوں تو انشاء اللہ تعالیٰ حاضری دوں اور کم ازکم ایک عشرہ خدمت میں قیام کروں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے اپنی یاد کی حرمت عطا فرمادے

دعا کی درخواست ہے۔

تحقیق: عزیزم سلمۂ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
آپ پہلے تو میرے رسالے دیکھئے جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ مجھ سے اور میرے طریق سے آپ کو مناسبت بھی ہے یا نہیں کیونکہ کسی شیخ کے پاس نفع باطنی کے لئے رہنے میں اولاً اس چیز کا دیکھنا ضروری ہے اور یہ اس لئے کہ ہر شیخ کا طرز تعلیم اور طریقۂ اصلاح جدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں کہ لوگوں کی زبانوں پر مراقبہ۔ مشاہدہ۔ پاس انفاس یہ سب چیزیں بہت ہوتی ہیں اور میری مجلس میں آپ کو انکا ذکر نہیں ملیگا بلکہ اصلاح نفس، ازالۂ نفاق تحصیل اخلاص اور اتباع سنت وغیرہ یہ سب باتیں آپ سنیئے گا
اس لئے کسی کی صحبت سے قبل ہی اس سے اپنی مناسبت کا معلوم کرلینا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آ نعزیز میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے

مکتوب نمبر ۱۴۲

حال: حضرت والا ایک ذہنی الجھن کو دور فرما کر احسان فرماویں وہ یہ کہ جب امور خیر عبادات وغیرہ پوری پابندی سے ادا کرتا رہتا ہوں تو میرے مزاج میں علو اور درشتی کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں دعا میں قلبی تاثر زیادہ نہیں ہوتا اور باوجود کوشش کے خلوت کی دعا میں آنسو نہیں نکلتے۔

تحقیق: اسکا منشا عبادت پر نظر اور عُجب ہے، نفس اسوقت اپنے کو خاطی نہیں سمجھتا بلکہ عبادت پر نظر اور غرور کو کافی سمجھتا ہے اور عبادت کے زور سے خدا تک پہونچنا چاہتا ہے یہ ایک حال ہے جو کہ بہت ہی مہلک ہے۔ اس ورطہ میں بہت سے لوگ (پھنسکر) رہ گئے ہیں۔

حال: مگر جب کوتاہی یا گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور اسکے بعد ندامت کے غلبہ کے ساتھ تنہائی میں دعا کرتا ہوں تو آنسو خود بخود جاری ہو جاتے ہیں اور حظ محسوس کرتا ہوں

چونکہ نفس اپنے آپکو حقیقۃً خاطی سمجھتا ہے اسلئے آنسو نکلتے ہیں اور یہ حالت
پہلی حالت سے بہتر ہے ؎

زاہد غرور داشت سلامت نہ برد راہ رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

(زاہد غرور رکھتا تھا اسلئے راہ کو سلامتی کے ساتھ طے نہیں کرسکا اور رند نیاز
وعاجزی کے راستے سے دار السلام یعنی جنت میں پہونچ گیا)

(مکتوب نمبر ۲۴۲)

حال : کئی سال سے جناب کا رسالہ زیر مطالعہ ہے حقیقت میں ایسے معیاری پرچے
ہندوستان میں چند ہی نکلتے ہیں۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : میں آپ سے رجوع ہوتا ہوں امید ہے کہ اس احقر کی جانب توجہ فرمائیں گے
تاکہ آپ کی طرف سے فیوض و برکات اسکے ذریعہ ملتے رہیں۔

تحقیق : ضرور توجہ کروں گا۔

حال : یہ جناب کا احقر پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

تحقیق : میں خود اسکو اپنے لئے سعادت سمجھوں گا۔

حال : میں جناب سے امید کرتا ہوں کہ کوئی ورد و وظیفہ بذریعہ ملفوف ارسال فرمائینگے
اور نصیحت آمیز باتیں تحریر فرمائیں گے۔

تحقیق : تلاوت قرآن شریف اور میرے رسائل کا مطالعہ کیجئے۔

حال : تاکہ آپ کے طریقہ تعلیم پر جد وجہد کرکے آگے بڑھ سکوں۔

تحقیق : اسکا طریقہ تصنیف کا مطالعہ ہے۔

حال : اللہ تعالیٰ حضرت کو ہر طرح سے نوازے حضرت کے رسالے کے مطالعہ
کے بعد سے حضرت سے اس احقر کو خاص الخاص لگاؤ پیدا ہوگیا ہے۔

تحقیق : الحمد للہ۔

حال : خدا جسکو جس طرف چاہے۔ جھکا دے۔ تحقیق : بیشک۔

حال : اس احقر کو اپنی دعوات صالحہ میں ضرور یاد رکھیں۔
تحقیق : بہتر ہے ، دعا کرتا ہوں

(مکتوب نمبر ۲۴۳)

حال : عریضے کا جواب موصول ہو کر باعث انشراح صدر ہوا تحقیق : الحمد للہ
حال : حضرت والا نے اہالیان بمبئی کے احساسات معلوم کر کے بمبئی تشریف آوری کو فرمایا ہے سو عرض ہے کہ اہالیان بمبئی کے دلوں میں حضرت والا کی کافی محبت اہمیت اور افادیت پائی جاتی ہے۔ تحقیق : الحمد للہ
حال : جس سے بھی معلوم کیا اس نے حضرت والا کے عاشقی کا احساس ظاہر کیا
تحقیق : الحمد للہ۔
حال : اور معلوم ہوا کہ ہر کوئی حضرت والا کی واپسی کا متمنی اور منتظر ہے۔ تحقیق : خوب
حال : بلکہ یہ عرض کروں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت والا سے جو لوگوں کو عشق ہے اسکے طفیل اللہ تعالیٰ کا عشق حاصل ہوتا ہے۔ تحقیق : الحمد للہ

(مکتوب نمبر ۲۴۴)

حال : الحمد للہ یہ خادم الہ آباد جاتے ہوئے بھی بعافیت گیا اور واپسی بھی بعافیت ہوئی اور گھر میں بھی بعافیت رہیں۔
حال : یہ سب حضرت والا کا کرم ہے جسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے اہلیہ کہنے لگیں کہ ہر بار جب تم الہ آباد یا بمبئی جاتے تھے تو رات میں ڈر بہت لگتا تھا اس بار خیال تھا کہ بہت ڈر لگیگا مگر دونوں رات جب تم باہر تھے معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کا نام بہت بڑے حروف میں ہمارے گھر کو ڈھانکے ہوئے ہے اور میں بغور اللہ کے الف ، لام اور ہا کو دیکھ رہی ہوں۔ کہتی ہیں کہ فوراً خیال آیا کہ حضرت کے یہاں گئے ہیں اسلئے حضرت کی برکت سے

اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرما رہے ہیں۔ تحقیق: خوب

حال: دونوں رات بے خوف ہوکر آرام سے آنگن میں سوئے۔ کل ۱½ بجے تہجد کے لئے اٹھی ہوئی تھیں اور بالکل مطمئن تھیں۔ حضرت والا کی کرامت کے لئے یہ واقعہ کچھ کم نہیں اگر ہم سمجھیں اور یقین کریں تو ایمان و اخلاص میں بہت اضافہ ہو۔ تحقیق: بیشک۔

حال: حضرت والا کے لطف و کرم اور شفقت کا بہت حصہ پایا اور بہت لیکر آیا۔ تحقیق: الحمد للہ

(مکتوب نمبر ۲۴۵)

حال: بعد تمنائے قدمبوسی عرض ہے کہ ناکارہ غلام بڑے بڑے ارمان و تمناؤں سے خدمتِ اقدس میں حضور گرامی کے بمبئی تشریف لیجانے کے تین روز قبل الہ آباد پہونچا پہلے روز حضور گرامی سے ملاقات و مصافحہ کیا اور ایک ادنیٰ سی چیز ہدیۃً پیش کی مصافحہ کرنے کے بعد ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ رونے لگا تحقیق: الحمد للہ

حال: اور اتنا تاب نہ رہا کہ کھڑا بھی رہ سکوں اور کسی سے کچھ کلام بھی کرسکوں اور کسیکو ٹھیک سے پہچانتا بھی نہ تھا، قریب ہی جاکر بیٹھ گیا پھر بھی سکون نہیں ہوا بعد ازاں مسجد میں جاکر لیٹ گیا بہت دیر کے بعد کچھ سکون ہوا ایسا معلوم ہوا کہ دیگر خیالات کافور بنکر اڑ گئے ہیں تحقیق: الحمد للہ۔

حال: مجلس میں پابندی کے ساتھ باوضو حاضر ہوتا تھا، حضور گرامی کے زبان مبارک سے جو باتیں نکلیں اثر کیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: قسم اس ذات پاک کی جس نے حضور گرامی کو اپنا ولی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بنایا ایسی باتیں تو آج تک کسی اور سے سننے میں نہیں آئیں، اثر کون کہے۔ بس مجلس ہی میں رونے لگا اور مثل آئینہ کے اپنے پورے حالات نظر آنے لگے اور جو کچھ حضرت بیان فرما رہے ہیں وہ سب خرابیاں ہمارے اندر موجود ہیں، دل ہی دل میں حضور والا کے واسطے۔ شرمندہ ہوکر توبہ کرتا تھا عجیب حال رہتا تھا تحقیق الحمد للہ

حال : رونا نہ کی مجلس میں بس یہی حالت رہتی تھی کہ خرابیاں ضرور نظر آنے لگتی تھیں شرمندگی اور توبہ کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آتا تھا اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ یا اللہ اس روئے زمین پر مجھ جیسا گنہگار کوئی ہوا نہ ہوگا۔ اور دل سے کہتا تھا کہ میرے دل یہ رونے کا مقام ہے اگر یہاں آکر بھی نہ روؤ گے تو پھر کہاں روؤ گے ایسے شاذ ونادر ہی میں رونا راحت سے خالی نہیں اور بقیہ جو حال ہوا وہ بیان سے باہر ہے کہ سیکڑوں سال اخلاص سے عبادت کرنے سے بھی یہ کیفیات میسر نہ ہوتیں، پس واضح ہوگیا کہ تھوڑا سا وقت بھی ولی اللہ کی خدمت میں گذارنا سو سال کی بلا ریا کی عبادت سے بہتر ہے۔

تحقیق : بیشک

حال : ہر مجلس میں حضور گرامی نے میرے ہی (نفس کے حالات) کو بیان فرمایا اور بعد میں اس زخم پر حضرت مرشدنا ہی کے زبان مبارک سے مرہم پٹی بھی بندھی جس سے حضرت گرامی کی محبت میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا۔ الحمدللہ۔

حال : بیشک حضور والا تو تصوف اور امراض باطن کے گویا امام ہی ہیں اور جو اخلاص میسر ہوا اسکا کیا کہنا کہ آج تک اسکا اثر باقی ہے۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : حضور والا کے تشریف لیجانے کے بعد بندہ بھی اپنے وطن کو روانہ ہوا اور بعافیت ارشاد عالیہ کا مزہ لیتے ہوئے پہونچا۔ تحقیق : الحمدللہ۔

حال : بدن کے ہر حصہ میں صرف حضور ہی حضور ہیں۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : حضور والا کی دلی دعاؤں اور توجہات کا ہر گھڑی بیچینی کے ساتھ محتاج ہوں دعا فرمائیں فہم سلیم کی، اخلاص کی، اخلاق کی، حضور والا کے سینے سے کچھ عطا ہونے کی، فیوض وبرکات باطنی کی۔ اللہ تعالیٰ یہ سب نعمتیں محض اپنے فضل سے عطا فرمائیں۔ تحقیق ، دعا کرتا ہوں۔ آمین۔

حال : ہر موئے تن دعا گو ہے کہ حضرت گرامی کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم رہے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہمارا ایمان سلامت رکھیں

تحقیق : آمین آمین۔

(حضرت الامۃؒ کی اصلاحی مساعی)

حضرت والا کے مسند ارشاد پر فائز ہونے اور اصلاحی کام کے شباب پر ہونے کا ذکر کر رہا تھا درمیان میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ العالی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن صاحب ندوی مدظلہ کے بعض تاثرات کا جو انھیں کے قلم سے لکھے ہوئے تھے ذکر آگیا اس کے بعد پھر اپنا سلسلہ کلام سابق سے جوڑتا ہوں۔

حضرت مصلح الامۃؒ کی خانقاہ فتحپور میں طالبین اور سالکین کا ایک مجمع ہر وقت ہی رہا کرتا تھا، اعظم گڈھ کے دیہات اور قصبات کے علاوہ اطراف کے شہروں سے بھی جوق در جوق لوگوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ گورکھپور، غازیپور، بنارس، بلیا، دیوریا، جونپور اور الہ آباد کے علاوہ دور دور مثلاً کلکتہ، کٹک، مدراس اور بھوپال وغیرہ سے بھی لوگ آنے لگے تھے، خانقاہ دو منزلہ بن چکی تھی، مسجد کی توسیع ہو چکی تھی، جمعرات اور اتوار کو باوجود اس وسعت کے بھی خانقاہ میں جگہ نہ رہ جاتی اس لئے زیادہ تر لوگ مسجد ہی میں آکر ٹھہرتے اور بعد ظہر مجلس میں شرکت کر کے بعد عصر واپس ہو جاتے اور یہ لوگ اطراف و جوانب کے ہوتے تھے طلبہ اور مدرسین کو پنجشنبہ کو موقع ملتا تھا اور اتوار کو مئو کا بازار بند ہونے کی وجہ سے اکثر و بیشتر لوگ اس اطراف کے اسی دن کو اپنی حاضری کے لیے مخصوص کئے ہوئے تھے اس طرح سے ہر طبقہ کو حضرت والا کی مجلس سے استفادہ کا موقع ملتا تھا اور خود حضرتؒ کی نظر عوام و خواص سب ہی کی اصلاح پر تھی۔ چنانچہ عوام کی اصلاح کے لئے واعظین اور دُعاۃ کا بند و بست فرمایا اور قاری ریاست علی صاحب مرحوم مولوی محمد امین صاحب مرحوم مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ، اور مولوی عبد الحکیم صاحب مدظلہ کو فتحپور اور اسکے اطراف و جوانب کی بستیوں میں وقتاً فوقتاً وعظ کے لئے بھیجنا شروع فرما دیا۔ فتحپور میں تو خود حضرتؒ ہی کی ذات موجود تھی یہاں کے لوگوں کو جمع فرما کر دین و دیانت کی ترغیب، اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کا مشورہ اور دوسری جگہوں کے لوگوں کے لئے دین کا ایک عمدہ نمونہ بننے کی برابر ترغیب دیا کرتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی بستی میں کچھ کام نہ کروں اور دوسری جگہ جا کر

ن سے دین کا مطالبہ کروں مجھے اس سے بہت شرم آتی ہے ہاں پہلے اپنے یہاں
ر کام کرلوں تو پھر دوسری جگہ کہنے سننے کی ہمت پڑ سکتی ہے اور وہ لوگ اسکی وجہ سے
. بھی قبول کریں گے اسکے لئے اصول تنظیم مقرر فرمائے اور انکو آنے جانے والوں کو
اسے بعضوں کو لکھوائے کہ لوگ بات کو خوب سمجھ لیں۔ چنانچہ اسی زمانہ میں یہ چند
صول ذیل میں مرتب فرمائے۔

اصول تنظیم

ا ــــ "ہمارا کام آج اس لئے خراب ہوا کہ ہم میں کوئی تنظیم نہیں، ہمارا کلمہ
جمع نہیں ہر شخص اپنی رائے میں آزاد ہے کوئی کسی کا اتباع کرنا نہیں چاہتا غیروں
جانے دیجئے خود مریدین کو دیکھئے کہ اپنے مشائخ کی کامل اتباع نہیں کرتے اب
پ ہی بتائیے کہ جب کوئی مرید ہی اپنے شیخ کی بات نہ مانے گا تو اسکی آواز میں
ا قوت اور اسکے فعل میں کیا اثر ہوگا۔ لوگ اس بات کو تو دیکھتے نہیں اور کام بھی چاہتے
ں، کسی کام کے جو اصول و شرائط ہیں انھیں اختیار نہیں کیا جاتا تو پھر کام ہو تو کیسے ہو؟
حدیث شریف میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیعت کا تذکرہ آیا ہے
ں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بیعت کے معنی کامل حوالگی کے سمجھتے تھے اور اسکے
عد پھر اپنی رائے اور اپنے ارادہ کا نام تک نہ لیتے۔ حضرت عُبادۃ بن الصامت رضؓ
ماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ (آپ کی
ام باتیں) سنیں گے اور آپ کی اطاعت کریں گے تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی،
شاط والے امور میں بھی اور ان امور میں بھی جو نفس پر شاق ہوں اور اس بات پر
بھی کہ اگر کسی امر میں (مثلاً تقسیم غنائم یا تفویض مناصب میں) ہمارے غیر کو ہم پر ترجیح
ی جائیگی تو ہمکو کوئی ناگواری نہ ہوگی (ہم دل سے اس پر راضی رہیں گے) اور
س بات پر بیعت کی کہ ہم کسی معاملہ میں اس کے اہل سے منازعت نہ کریں گے اور
یاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت

کرنیوالے کے ملامت کی پرواہ نہیں کرینگے۔

آج اپنا حال دیکھئے کہ شیخ اگر کوئی کام کسی کے حوالہ کردے تو دوسروں کو اس شخص پر حسد اور شیخ کے فعل پر دل ہی دل میں انکار رہتا ہے ـــــ تنظیم کا جو پہلا زینہ ہے وہی درست نہیں ہے

۲ ـــــ آج مسلمانوں کا کام اسلئے بھی خراب ہو رہا ہے کہ لوگ مل جل کر کام نہیں کرتے اور کوئی شخص کوئی کام اٹھاتا ہے تو دوسرے لوگ اس کی پوری طرح اعانت نہیں کرتے اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ لوگوں میں خلوص تو ہوتا نہیں دیکھتے ہیں کہ کام ہم کرتے ہیں اور نام دوسرے کا ہوتا ہے اسلئے علٰحدہ رہتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مقام پر کسی ایسے شخص کے ذریعہ کام ہو رہا ہو تو وہاں کسی شخص میں حرکت ہوتی ہے کہ میرے یہاں یہ اپنا اثر پیدا کرلیں اور میں منہ دیکھتا رہ جاؤں اسلئے اسکا اثر زائل کرنے کے لئے خفیہ ریشہ دوانی شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے کبھی انکو اسکی ہوس بھی دل میں نہیں گذرتی اگر اخلاص ہوتا تو سوچتے کہ مقصود کام ہے نہ کہ نام اور یہ تو بہت اچھا ہے کہ کام میں ہماری شرکت ہو اور نام نہو، ہم اسکی وجہ سے ریاء و نمود سے بچ جائیں گے ہمارے اجر میں اضافہ ہوگا اور جس کا نام ہو رہا ہے وہ تو آزمائش میں پڑ گیا اگر اپنے کو نہ سنبھالا تو اجر سب برباد ہو جائیگا اور نام ونمود کا جو وبال ہوگا وہ الگ۔

ایک وجہ لوگوں کے اعانت نکرنے کی یہ بھی ہوتی ہے کہ ان کو کام کرنیوالوں سے حسد ہوتا ہے اور وجہ اسکی اوپر گذر چکی ہے یہی انکو حمایت سے باز رکھتا ہے۔

۳ ـــــ مسلمانوں کی جو حالت آج درست نہیں ہو رہی ہے اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر بستی، ہر گاؤں، ہر قصبہ اور ہر شہر میں کچھ اہل علم حضرات یا چودھری صاحبان یا (وکیل اور) طبیب صاحبان ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں کا ہر ایک طالب جاہ ہوتا ہے اور ان میں آپس میں اقتدار کی لڑائی ٹھنی رہتی ہے، رہے ہمارے عوام الناس تو انمیں سے جس کسی کو جس سے عقیدت اور مناسبت ہوتی ہے اسکے ساتھ ہو جاتا ہے اس پر ساری قوم ٹولیوں ٹولیوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور انکے اتفاق و اتحاد کا شیرازہ بالکل

شر ہو جاتا ہے پھر کوئی کام سکون واطمینان کے ساتھ نہیں ہو پاتا۔

اس خرابی کی اصلاح کی یہی صورت ہے کہ پہلے ان مقتداؤں میں اتفاق ہو ایک دوسرے کی شکایت نہ کرے، اور اپنے معتقدین سے نہ دوسروں کی شکایت سے نہ ان سے دوسروں کے معتقد فیہ کی شکایت سنے اور اگر کوئی کسی کی شکایت کرے تو ی سے زجر کرے بلکہ اسکو اپنے یہاں سے نکالدے۔

۴ــــــ ایک خرابی آج مسلمانوں میں یہ ہو گئی ہے کہ لوگ ٹولی ٹولی تقسیم ہو گئے ہیں اور ہر شخص اپنی ٹولی کو بڑھانا چاہتا ہے یہ چیز نہ صرف یہ کہ عوام ہی میں جاتی ہے بلکہ اس سے متجاوز ہو کر مدارس اور خانقاہ تک میں بھی موجود ہے

اب لوگ مشائخ کے یہاں بھی جاتے ہیں تو اسلئے نہیں کہ انکا اتباع کریں گے اس لئے کہ شیخ کو بھی اپنی ٹولی میں شامل کرنا چاہتے ہیں، الا ماشاء اللہ چاہتے یہ ہیں شائخ ہمارا اتباع کریں اور ہم انکی اتباع نہ کریں۔

۵ ــــــ اس زمانہ میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے اور اس میں ذرا بھی شک ں کہ بعض لوگوں کو اپنے مقتداؤں پر اعتماد کم ہوتا ہے اور اعتماد کی کمی اعتقاد کی سے ہوتی ہے۔ رائے میں، امانت میں اور مسلمانوں کی بہبودی پیش نظر رکھنے میں اپنے برابر بھی نہیں سمجھتے۔ فواہ واویلاہ ویاحسرتاہ۔

نیز اس زمانہ میں سب سے اہم مسئلہ مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کا ہے۔ سب سے چیز یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتفاق واتحاد پیدا کرنے کی اور باقی رکھنے کی کوشش کیجائے یہ صرف اسی طور پر ہو سکتا ہے کہ دوسروں کی نسبت حسن ظن رکھا جائے اور زبان رکھی جائے اور طعن وتشنیع، اعتراض وانکار اور سب وشتم سے غایت درجہ اجتناب جائے بالخصوص مجالس ومحافل میں لیکن آج ہم ان دونوں امر کے شکار ہیں (یعنی ہم میں اتحاد ہے نہ دوسروں کے ذکر سے ہماری کوئی مجلس ہی خالی ہے۔

(۶)ــــــ آج مسلمانوں کی زندگی کا نہ کوئی اصول رہ گیا ہے نہ ان کے سامنے کوئی نصب العین ہی ہے نہ کوئی نظام ہے اسلئے وہ ادھر ادھر دوسری جماعتوں

یں داخل ہوتے پھرتے ہیں، انکو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں ؎

یک سبد پر ناں ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب نان در بدر

قاعدہ ہے کہ جس شخص کی اپنے گھر عزت ہوتی ہے وہ جہاں بھی جاتا ہے معزز ہی ہوتا ہے اور جس کی خود اپنے گھر ہی میں عزت نہو ئی وہ ہر جگہ ذلیل وخوار رہتا ہے دیکھئے جو شخص اپنے گھر کا رئیس ہوتا ہے جہاں جاتا ہے اسکی خاطر تواضع کیجاتی ہے اور فقیر در در گھومتا ہے مگر کوئی ایک ٹکڑا روٹی کو بھی نہیں پوچھتا۔ اسی طرح آج مسلمانوں کا حال ہے کہ اپنے دین و مذہب سے بالکل غافل ہیں اسلئے کہیں بھی انکی قدر نہیں ہے

عزیزے کہ از درگہش رو بتافت بہ ہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

(وہ ایسا عزیز اور غالب ہے کہ جس شخص نے بھی اسکی درگاہ سے منہ موڑا تو پھر وہ جہاں بھی گیا اسکو عزت نہیں ملی)

اگر دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوتے تو جہاں کہیں جاتے انکی عزت ہوتی۔

(۷) ــــــ نوجوانوں کو معاملات اور اخلاق کی درستی کیطرف متوجہ کریں اور انکی نگرانی رکھیں، اہم چیز معاملات کی اصلاح ہے کیونکہ سارے جھگڑے اسی (بدمعاملگی) سے پیدا ہو رہے ہیں۔ لیکن معاملات سے بھی اہم اخلاق کی اصلاح ہے۔ اخلاق کی اصلاح کی صورت میں بدمعاملگی کی نوبت ہی نہ آئیگی کیونکہ بداخلاقی ہی کی فرع بدمعاملگی ہے (جب اصل ہی موجود ہوگی تو فرع کا تحقق کیونکر نہو گا۔)

۸ ــــــ اہل اسلام کو چاہیئے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کریں اور ہر شخص کے ذمہ لازم کردیں کہ وہ اپنے بچوں کو اتنی مقدار میں تعلیم دین ضرور دلائے جس سے وہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنے دین وایمان سے ناواقف نہ رہیں اور جو بچے دنیوی تعلیم مثلاً (انگریزی یا ہندی) حاصل کر رہے ہیں انکے لئے بھی انکے اوقات تعلیم کے علاوہ کوئی وقت مقرر کیا جائے جس میں وہ دین سیکھیں۔"

ان اصولوں کو عوام پر ترویج دینے کے ساتھ ساتھ علماء اور خواص پر بھی

نظر رہی اور مدرسین اور طلبہ کی اصلاح سے کبھی غافل نہیں رہے کیونکہ حضرت اقدسؒ یہ سمجھتے تھے کہ اصلاح کا کام تو علماء ہی کر سکتے ہیں لیکن کب جبکہ وہ اپنی اصلاح خود کر چکے ہوں اور رذائل نفس سے چھوٹ چکے ہوں اور اسکے عارف ہو چکے ہوں ورنہ تو ع اوخویشتن گم است کرا رہبری کند کا مصداق ہوگا۔ چنانچہ ایک بڑے مدرسہ کے بڑے عالم کے پاس تحریر ارسال فرمائی (اس مدرسہ کے اکثر مدرسین حضرت والا ہی سے منتسب تھے اور بستی کے عوام و خواص کا اکثر طبقہ معتقد تھا اور حضرت کو مانتا تھا) تحریر یہ ہے:

"یہ تحریر یعنی پیغام و ہدایت حضرت والا مدظلہ العالی کی جانب سے گو آپ کے نام ہے لیکن مخاطب جملہ مدرسین صاحبان مدرسہ ہیں امید کہ اس مختصر تحریر کو کافی سمجھتے ہوئے اپنے اپنے حالات کا جائزہ لیں گے اور از سر نو عزم اور اخلاص سے کام لیتے ہوئے اپنے مشاغل میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ لگے رہیں گے۔

اولاً: یہ سمجھنے کہ اصل چیز اخلاص ہے اسکے پیدا کرنے کی اور اسمیں اضافہ کی برابر سعی کرنی چاہیے۔ ہر معاملہ میں اسکو پیش نظر رکھا جاے کہ ہمارے اخلاص کا کیا تقاضا ہے اور اسکی رو سے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

ثانیاً: مسلمانوں کے بچے جو مدرسہ میں آتے ہیں یہ قوم کی بیش بہا امانتیں ہیں ہمیں انکا حق ادا کرنا چاہیئے ہماری ہی توجہ سے یہ کچھ بن سکتے سکتے ہیں اور ادنیٰ عدم توجہی سے انکا ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے ہر طالب علم کے متعلق یہ خیال ہر وقت پیش نظر رہنا چاہیئے"

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ جو فرمایا کہ "انکا ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے" وجہ بالکل ظاہر کہ آج اسلام کے یہی ٹوٹے پھوٹے عربی دینی مدارس سے جو لوگ پڑھکر نکلتے ہیں آئندہ چل کر یہی لوگ قوم کے دینی پیشوا ہوں گے کیونکہ نہ کوئی دوسرا دین کی تعلیم پڑھتا ہے نہ اسکی ضرورت محسوس کرتا ہے تو جب اساتذہ کی بے توجہی سے یہ نونہالان اسلام کج روی اختیار کریں گے اور راہ سے بے راہ ہو جائیں گے، دین کی اشاعت (ا

اور دھن کی جگہ الکشنی انداز پیدا ہو جائے گا اور اقتدار کی ہوس قلوب میں جاگزیں ہو جائیگی تو پھر جس منصب کے لئے انھیں تجویز کیا گیا تھا اور جو کام ان سے متوقع تھا ظاہر ہے کہ وہ خاک حاصل ہو سکے گا اور ان حالات کے ساتھ وہ اگر کچھ پڑھ لکھ بھی لیں گے تو بقول حالی مرحوم ع وہ کھوئے گئے اور تعلیم پاکر اور بقول حضرت انور شاہ کشمیریؒ یہ لوگ عالم جاہل ہوں گے اور حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فضلوا و اضلوا کا مصداق ہی ہوں گے ــ یہی ہے وہ نا قابل تلافی نقصان جسکا اندیشہ حضرت مصلح الامۃ رح فرما رہے تھے ۔ افسوس کہ حضرت کا یہ اندیشہ صرف اندیشہ ہی نہیں رہا بلکہ ہماری شامت اعمال نے ہمکو آج وہ دن دکھائی دیا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ــ

بس اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے مدارس دینیہ کی صلاح و فلاح اور اصلاح غالباً سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خواص امت کو خطاب کرکے فرمایا تھا یاملح الارض اصلحوا اے وہ لوگو جو بمنزلہ نمک کے ہو خود اپنی اصلاح کرلو کیونکہ ہر نمکین چیز کا ذائقہ نمک ہی سے درست ہوا کرتا ہے لیکن اگر کہیں نمک ہی فاسد ہو جائے تو پھر اسکی اصلاح کی کوئی صورت نہیں یہ تھا وہ نا قابل تلافی نقصان جسکا رونا حضرت مصلح الامۃ رح رو رہے ہیں)

ثالثاً: آپ حضرات کے باہمی اخلاق کا اثر طلبہ پر ضرور پڑے گا اور دوسرے لوگ بھی اپنے بچوں کے مستقبل کو آپ ہی کے آئینہ میں دیکھیں گے چنانچہ عوام کا اپنے اپنے بچوں کو عربی پڑھانا اور آپ ہی کے مدرسہ میں پڑھوانا آپ ہی حضرات کے اخلاق پر موقوف ہے۔ لہٰذا اخلاق کے اس قحط کے زمانہ میں اہل مدارس کو اخلاق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مکمل نمونہ ہونا چاہیئے اس میں جو صاحب جتنی زیادہ بھی ترقی کر سکیں کریں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ جو فرمایا کہ "دوسرے لوگ بھی اپنے بچوں کے مستقبل کو آپ کے آئینہ میں دیکھیں گے" مطلب یہ ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ ہر انسان اپنے بچے کو اسی شاہراہ پر لگانا چاہتا ہے جس کو وہ بہتر سے بہتر سمجھتا ہے چنانچہ آج قوم کا جوق در جوق

کیا لڑکے اور کیا لڑکیاں ہر ایک کا دنیوی تعلیم کیجانب رخ کرنا بھی اسی امر کی ایک کڑی ہے کہ لوگ دنیوی تعلیم میں نفع عاجل (فوری نفع) دیکھ رہے کہ اسے پڑھکر کوئی انجنیر، کوئی کمشنر کوئی جج کوئی کلکٹر کوئی وکیل کوئی ڈاکٹر کوئی پروفیسر کوئی ٹیچر ورنہ کم از کم کلرک تو ہو ہی جاتا ہے اور عربی تعلیم میں انتہائی ڈگری حاصل کرنے کے بعد بھی ہو سکتا ہے کہ ایک کلرک کی تنخواہ سے اسکی تنخواہ کم ہی ہو اسلئے کون اپنے لخت جگر کو فقیر بنانا پسند کر سکتا ہے عوام کے اسی جذبہ کی ترجمانی کرتے ہوئے اکبر مرحوم نے کہا تھا کہ ؎

نہیں پرسش ہے اسکی طاعت اللہ کتنی ہے یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

لیکن یہ اس طبقہ کا حال ہے جسکے نزدیک بس دنیا ہی دنیا ایک چیز ہے ۔ اخلاقی اقدار اللہ تعالیٰ کی طاعت، خصلت نیک اور دینداری، دیانت و امانت، خدمت خلق وغیرہ سے اتصاف ان کے نزدیک کوئی قابل قدر چیز نہیں ۔ تاہم دنیا ابھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے جنکے نزدیک دنیا کی ضرورت تو ہے لیکن دین کی وقعت ان کے یہاں ابھی دنیا سے زیادہ ہے اور وہ اہل دنیا کی (دنیا کی بہتات کے باوجود) بداخلاقیوں سے تنگ آکر وہ راہ نہ خود چلنا چاہتے ہیں نہ اپنی اولاد کے لئے پسند کرتے ہیں اور اکبر مرحوم کے اس شعر کو دل سے پسند کرتے ہیں

انھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

چنانچہ اپنے بچوں کے لئے یہ درجہ انھیں قطعی ناپسند تھا اس لئے اس سے ہٹکر اہل دین کیطرف انکا قدرے جھکاؤ ہوا دیکھا کہ ایک بچہ مکتب میں عربی پڑھ رہا ہے بڑے سلیقہ کا انسان ہے نہایت مہذب اور شائستہ، پڑھنے میں محنتی، استاد کا ادب بیحد، ماں باپ کی خدمت کے لئے مستعد نماز باجماعت کا پابند صفائی معاملہ اور صدق گفتار و کردار و احوال سے متصف نہ کسی سے لڑائی نہ باہم بھائی بہنوں میں گالم گلوچ ۔ چونکہ ان صفات کی بھی اللہ تعالیٰ نے ایک قیمت رکھی ہے اسکی لالچ سے اس نے طے کرلیا کہ اپنے بچے کو دینی تعلیم دیگا کہ بلا سے میرا بچہ دنیا زیادہ نہ کما سکے گا لیکن مال سے بھی بڑھکر جو شے ہے یعنی عزت وہ اس حجتا کو نصیب ہے

عرض مترجم

حضرت ضیاء الدین نخشبی کی کتاب سلک السلوک کا ترجمہ گذشتہ شمارہ پر ختم ہو چکا تھا بعض احباب نے "بزم صوفیہ" سے ان کے حالات سنائے جو پسند آئے اور جی چاہا کہ اسکو اس کتاب کا جزو بنا دیا جائے چنانچہ اس سے اقتباس کر کے کچھ مضمون " حالات مصنف" کے سلسلے کے لکھ رہا ہوں اور سب سے آخر میں کتاب کے سلک کا عنوان قائم کر کے اسکی فہرست بھی دیدی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکا نفع عام و تام فرمائے۔

(حالات حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی رح)

اسم گرامی ضیاء الدین تھا بدایوں کے رہنے والے تھے۔ اصلی وطن نخشب (بخارا) تھا اسی مناسبت سے نخشبی تخلص کرتے تھے گو زندگی گوشۂ تنہائی میں گذری مگر اپنی استعداد کیوجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔

"اخبار الاخیار" اور "خزینۃ الاصفیاء" میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری رح کے پوتے حضرت شیخ فرید رح سے تھی، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح کے مرید تھے لیکن اخبار الاخیار میں ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں تین شخص ضیاء نام کے تھے ضیاء الدین سنامی جو شیخ کے منکر تھے ضیاء الدین برنی جو شیخ کے مرید اور معتقد تھے اور ضیاء الدین نخشبی جو نہ شیخ کے منکر تھے اور نہ معتقد حضرت ضیاء الدین نخشبی نے خواص اور عوام دونوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی فقیرانہ زندگی زاویۂ خمول میں گذاری اور اس گوشۂ عافیت میں زیادہ تر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھا اس لئے ان کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔ "اخبار الاخیار" وغیرہ میں سال وفات ۷۵۱ھ درج ہے۔ مرقد بدایوں میں ہی ہے۔ آپ نے متعدد تصانیف چھوڑیں جنکے نام یہ ہیں:-

۱۔ سلک السلوک۔ ۲۔ عشرہ مبشرہ۔ ۳۔ کلیات وجزئیات ۴۔ شرح دعائے سریانی ۵۔ طوطی نامہ۔ ان تمام تصانیف پر خزینۃ الاصفیاء کے مصنف اپنی رائے کا اظہار

کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

"یہ تمام کتابیں رنگین اور دلچسپ قطعات سے پُر ہیں جو کہ ایک ہی طریق اور ایک ہی طرز پر واقع ہوئے ہیں ان کتب میں سے سلک السلوک اور طوطی نامہ بہت مقبول ہوئیں"

(سلک السلوک پر ایک نظر)

سلک السلوک فن معرفت و سلوک میں ایک اہم تصنیف ہے اس میں تصوف کے مختلف مسائل کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا گیا ہے، ہر مسئلہ ایک علحدہ سلک یعنی باب میں ہے کل ۱۵۱ سلک ہیں۔ شروع میں تصوف کے اصطلاحات کی تشریح ہے پھر صوفیانہ رموز و نکات کی تصریح و توضیح حکایتوں کے پیرایہ میں کی گئی ہے مثلاً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رات کے وقت یاد حق ضرور کرنی چاہئے تو لکھتے ہیں کہ :-

"ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی جب رات ہوئی تو لونڈی سے کہا اے کنیزک میرا بچھونا درست کردے کہ میں سو رہوں لونڈی نے کہا کہ اے مولیٰ! کیا تمھارا بھی مولیٰ ہے؟ خواجہ نے کہا ہاں، پوچھا کیا وہ بھی سوتا ہے؟ خواجہ نے کہا نہیں۔ لونڈی نے کہا تمھیں شرم نہیں آتی کہ تمھارا مولیٰ تو جاگے اور تم سو رہو"

اسی طرح یہ تلقین کرنا چاہتے ہیں کہ کسی کا محکوم ہونا نفس کے محکوم ہونے سے بہتر ہے تو رقمطراز ہیں

"ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کیلئے باہر نکلتے تھے۔ جس کسی کو دیکھتے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے؟ ایک بار ایک شخص نے کہا کہ آپ کو برسوں مسجد جاتے ہوگئے لیکن راستہ یاد نہیں ہوا! انھوں نے کہا کہ میں جانتا ہوں لیکن محکوم ہوکر چلنا حاکم ہوکر چلنے سے بہتر ہے، چاہیئے کہ اپنی ذات کو دوسروں کے طفیل میں رکھے"

شیخ کا یہ انداز بیان اور بھی دلپذیر اور مؤثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طریقہ پر ایک ایک حکایت

بشنو بشنو! (سنو سنو) سے شروع ہوتی ہے مثلاً :۔

سنو سنو! ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ تمھاری قوم میں جو نیک ہیں انکو بدوں سے الگ کرو، حضرت موسیٰؑ نے آواز دی بہت سے لوگ باہر آئے۔ حکم ہوا ان میں سے ستر نیکوں کا چن لو، موسیٰؑ نے ان میں سے ستر آدمی نکالے۔ فرمان ہوا ان میں سے بھی چنو، چنانچہ ستر میں سے سات چنے۔ پھر حکم ہوا ان میں سے بھی چنو، پس ان میں سے تین چنے۔ حکم آیا کہ اے موسیٰ میرے نزدیک یہ تینوں سب سے بڑے ہیں کیونکہ جب انھوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھکر باہر آئے۔ ایعزیز! اگر کوئی عبادت نکرے تو اس سے بہتر ہے کہ عبادت کرے اور فخر کرے۔ شریعت میں مدعا علیہ کو قید کرتے ہیں لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے

ایک اور حکایت ملاحظہ ہو :۔

سنو سنو! ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ آسان ہے لیکن ترازو کے دونوں پلوں میں بیٹھنا مشکل ہے۔

ایک اور حکایت ہدیۂ ناظرین ہے :۔

سنو سنو! ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جاکر کچھ خریدیں، دینار کو گھر میں تولا جب بازار لیگئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا رونے لگے لوگوں نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو فرمایا جب گھر کا چیز یہاں ٹھیک نہیں ہوئی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا۔

ان دلچسپ حکایتوں میں اور زیادہ تاکید پیدا کرنے کے لیے خاتمہ میں انکو اپنے قطعات سے بھی مزین کرتے ہیں مثلاً :۔

سنو سنو! وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ کعب احبارؓ مسجد میں سب صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے فرمایا میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ امت محمدیہ میں ایسے ایسے لوگ ہوں گے کہ جب مسجد میں سجدے کریں گے اور انھوں نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ ان کے پیچھے والوں کو خدا بخشدیگا میں اسی لئے سب سے پیچھے کھڑا ہوں تاکہ ان کے سجدے میں میرا کام بن جائے قطعہ ؎

بخشئ در میاں مبیں خود را　　قطرۂ را چہ سیلے من خوانی
ہر کس در طفیلِ تو گردد　　گرتو خود را طفیل کس دانی

(یعنی اسے نخشبی اپنے کو درمیان میں کچھ نہ سمجھو، دیکھو بھلا ایک قطرہ کو کہیں تم سیلاب کہتے ہو اور یہ سمجھ لو کہ تمام لوگ تمھارے طفیل میں کامیاب ہوجائیں گے اگر تم اپنے کو کسی کا طفیلی سمجھ لوگے تب۔)

ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا۔ بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہونچکر فریاد کی اور کہا کہ میرے بچے کو رہا کر دیجئے خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائے گا۔ بوڑھی عورت نے یہ سنکر آسمان کیطرف دیکھا اور درد بھری آواز سے بولی اسے سلطان عالم! دنیا کی قید اور رہائی تیری قدرت میں ہے لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے کیا تونے اسکو سنا نہیں! معلوم نہیں کہ اب تو کیا حکم کرے گا۔ بوڑھی عورت کی یہ بات خلیفہ نے سنی تو اسکے دل میں بڑی نرمی پیدا ہوئی اور اسکے لڑکے کو قید خانہ سے باہر لانے کا حکم کیا اسکو ایک خلعت دیا اور گھوڑے پر سوار کرا کے بغداد کی گلیوں میں پھرایا اور ساتھ یہ منادی کیجاتی تھی کہ ہٰذا عطاء اللّٰہ تعالیٰ علی الرغم خلیفہ بمقامہ ومحلہ (یعنی یہ خلیفہ کے مرتبے اور درجے کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے) قطعہ ؎

نخشبی حکم خلق چیزے نیست　　مردایں رہ کجاست درعالم
درجہاں گفت ہیچ کس نشود　　حکم حکم خدا است درعالم

(یعنی اسے نخشبی مخلوق کا کوئی حکم حکم نہیں اس مرتبے کے لوگ دنیا میں کہاں ہیں؟ دنیا میں کسی کی بات چلنے والی نہیں کیونکہ حکم تو اس عالم میں بس خدا تعالیٰ کا حکم ہے)۔

سنو سنو! بنی اسرائیل میں ایک راہب تھا ستر سال عبادت کی ایک دن کسی حاجت روائی کے لئے دعا مانگی لیکن دعا قبول نہیں ہوئی اپنے نفس سے برہم ہوا کہ اسے نفس اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی، حق تعالیٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو کہ نفس پر ایک ساعت کا عتاب ستر سال

کی عبادت سے بہتر ہے۔ قطعہ

نخشبی در عتاب خود می باش ورنہ خود باطن تو خوں گردد
ہر کہ با نفس خود عتاب کند از عتاب ہمہ مصئوں گردد

(یعنی اسے نخشبیؔ اپنے ہی نفس کے عتاب اور اسکی سرزنش کی فکر میں رہو ورنہ یہ سمجھ لو کہ تمھارا باطن خوں ہو جائے گا جس شخص نے خود اپنے ساتھ عتاب کا معاملہ رکھا تو تمام لوگوں کے عتاب سے وہ بچا رہا)۔

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ سلک السلوک کو بڑی شیریں و رنگین کتاب بتاتے ہیں۔ اخبار الاخیار میں رقم طراز ہیں کہ :۔

" سلک السلوک او بغایت کتاب شیریں و رنگین است بزبانے لطیف و موثر مشتمل بر حکایات مشائخ و کلمات ایشاں ۔ واکثر تصنیفات وے مملو است بقطعاے کہ ہمہ بیک طریقہ یک نہج واقع اند"

(ماخوذ از بزم صوفیہ ۔ شکریہ کے ساتھ)

(ترجمہ: آپکی تصنیف سلک السلوک ایک نہایت ہی شیریں اور رنگیں کتاب ہے زبان بھی اسکی نہایت شائستہ پر لطف اور پر تاثیر ہے اس میں اکثر و بیشتر مشائخ کی حکایات اور انکے ملفوظات کا بیان ہے اور حضرت کی اکثر تصنیف قطعوں سے مملو ہے اور سب کے سب ایک ہی انداز پر واقع ہوئے ہیں۔)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آخر کتاب میں سلک السلوک کے نمبرات کا عنوان بھی قائم کردیا جائے جو کہ مضامین سے راقم نے اخذ کیا ہے۔ حضرت نخشبیؒ نے کوئی عنوان قائم نہیں فرمایا امید ہے کہ ناظرین کو اسکی وجہ سے مطالعہ سے دلچسپی اور مضمون کی تلاش میں آسانی ہوگی

بندہ عبدالرحمن جامی
مدرس مدرسہ وصیۃ العلوم ۔ الہ آباد

فہرست عنوانات سلک السلوک

نوٹ: یہ عنوانات راقم نے اپنی جانب سے قائم کئے ہیں علامہ نخشبی کے لکھے ہوئے نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں تکرار عنوان کا بھی شبہ ہوتا ہے لہذا ناظرین اپنے لئے اسکو تسہیل کا ہی ایک ذریعہ تصور فرمائیں حضرت نخشبیؒ کی ترجمانی میں گویا یہ عنوانات مضامین سلک کی ایک تاویل ہے تفسیر نہیں بعض سلک میں متفرق مضمون کا بیان آگیا ہے اس لئے تسمیہ الشئی باسم جزئہ کی حیثیت دینی پڑی۔ راقم ہیچمداں جا حی ۔ یکم ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

اور سبب اسکا یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کیا اور راہ سنت پر گامزن ہوا اس نے کسی قدر قرب کا قصد کیا اور وعدہ ہے کہ مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا کہ جو میری طرف تھوڑا سا بھی بڑھتا ہے میں اسکی طرف بہت سا بڑھ جاتا ہوں اور ظاہر ہے کہ خدا کا قرب اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ قرب باطنی میسر ہو جائے تو لازم آگیا کہ درستی ظاہر سے قرب باطنی نصیب ہوتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

وہ پانی ہے کہ پیاسے کے ڈھونڈھے نہیں ملتا بلکہ وہ خود پیاسے تک پہونچتا ہے یہ شرط ہے کہ پیاس ہو ورنہ خدا پر بار نہیں ہے کہ خوامخواہ لوگوں کے سر مڑھیں اَنُلْزِمُكُمُوهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ یعنی کیا ہم رحمت کو تمھارے سر مڑھ دیں باوجودیکہ تمھارے دلوں میں اس سے کراہت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جو اس قدر خشوع وخضوع بڑھا ہوا تھا تو اسکی وجہ یہ تھی کہ ذات خداوندی حضورؐ کو ہر وقت پیش نظر تھی۔

(۱۹۱) عبدیت نیز عقلی مصلحت کا بھی یہی مقتضا ہے کہ علل سے سوال نہ کیا جائے

اور جب یہ ہے تو ہمکو بھی سنکر بس یہی چاہیئے کہ ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کار تو

(زبان کو آپ کے ذکر سے تازہ کرنا چاہیئے باقی آپکے کاموں میں علت نہیں تلاشش کرنی چاہیئے)

اور قطع نظر اس کے کہ یہ مقتضا رعبدیت کا ہے ہمارے لئے مصلحت عقلاً بھی یہی ہے اور اگر واقعی یہ کاوش ہمارے لئے مضر نہ ہوتی تو حضورؐ ہمکو اجازت دیتے ممانعت نفرماتے حالانکہ حضورؐ نے صاف ممانعت فرمائی۔ دیکھئے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ حضورؐ کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور جنکی فطرتیں بالکل سلیم تھیں جب ان حضرات نے مسئلہ قدر میں گفتگو کی تو حضورؐ نے بالکل روک دیا اور بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ اگلی قومیں اسی کھود کرید کی بدولت ہلاک ہوئیں۔

(۱۹۲) احکام شرعیہ میں کھود کرید کرنے کے مضر ہونیکا راز

اور مضر ہونے کا سبب یہ ہے کہ جس طرح بہت سے امور استدلال سے حل ہوتے ہیں اسی طرح بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں کہ ان میں استدلال کا گذر نہیں اسکے سلئے مشاہدہ اور معائنہ کی ضرورت ہے اور وہ ہمکو نصیب نہیں، تو ایسی باتوں میں لم اور کیف کرنے کا بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ ہم تباہ ہوں اور خسر الدنیا والآخرہ ہماری حالت ہو۔ سبے مجھے اسکے مناسب ایک حکایت یاد آئی ہے۔

حکایت : مشہور ہے کہ ایک لڑکے نے اپنے نابینا استاد کی دعوت کی اور کہا کہ میں آپکو کھیر کھلاؤنگا استاد صاحب نے چونکہ کھیر کبھی نہ دیکھی تھی نہ ابھی تک کھانے کا اتفاق ہوا تھا اس لڑکے سے پوچھا کہ بھائی کھیر کیسی ہوتی ہے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ کھیر سفید ہوتی ہے استاد نے کہا سفید کس کو کہتے ہیں؟ اس نے کہا جیسے بگلہ مگر استاد صاحب نے کبھی بگلہ بھی نہ دیکھا تھا اسلئے اسکی بابت بھی پوچھا اس نے ہاتھ سے بگلے کی ہیئت بتائی استاد صاحب نے ہاتھ سے مس کرکے دیکھا تو فرمانے لگے کہ یہ کھیر تو بہت ٹیڑھی ہے کیسے کھاؤنگا تو جیسے اس نابینا کے سمجھنے کی غلطی کیوجہ یہ ہوئی کہ معائنہ کی چیز کو بیان سے سمجھنا چاہتا تھا یہی حالت ہماری بھی ہے۔

(۱۹۳) اسرار احکام پر اطلاع کا حقیقی طریقہ

ہاں اگر سمجھنا چاہو تو اول قلب میں نور پیدا کرو خود بخود یہ کیفیات پیدا ہونگی اور ہر چیز کی سیکڑوں حکمتیں نظر آنے لگیں گی۔ دیکھو اگر کوئی معمولی شخص کسی والی ملک سے کہے کہ مجھے اپنے خزانہ کے جواہرات دکھا دو تو اسکی سخت غلطی ہے اور کبھی یہ شخص کامیاب نہیں ہوسکتا، البتہ کامیابی کی یہ صورت ہے کہ پہلے صاحب جواہرات سے ایک خاص تعلق پیدا کرے اور اس کے خواص میں داخل ہو جائے اسکے بعد بغیر درخواست ہی کبھی وہ مہربان ہوگا تو خود دکھلا دیگا اسی کو کہتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیار بے کتاب و بے معید و اوستا

(تم اپنے اندر خود انبیار کے علوم دیکھوگے بدون کسی کتاب و مددگار اور استاد کے واسطے کے)

علم چوں بر تن زنی مارے بود علم چوں بر دل زنی یارے بود

(علم کو جب اپنے بدن پر استعمال کروگے یعنی اسکے ذریعہ جاہ و مال مطلوب ہو تو وہ سانپ ہوگا اور دل و روح میں استعمال کروگے تو یار و مددگار ہوگا)

تو دل پر موثر بناؤ اس کے بعد دیکھو کن علوم کا انکشاف ہوتا ہے۔ اب لوگ چاہتے ہیں کہ ساری باتیں استاد کے سامنے بیٹھکر حل کرلیں حالانکہ یہ محض فضل خداوندی سے ہوتا ہے اور وہ بھی جب کہ خدا تعالیٰ چاہیں کہ فضل اسی خاص طریقہ سے ہو۔

(۱۹۴) بعض کیلئے اسرار پر اطلاع نہ ہونا ہی خیر و مصلحت ہے اور اسی طرح احوال کا نہ ہونا بھی

کیونکہ کبھی کسی خاص شخص کے بارے میں یہی فضل ہوتا ہے کہ اسکو اسرار پر مطلع نہ کیا جاوے جیسا کہ بعض کے لئے مطلع ہونا فضل ہوتا ہے۔

اور وجہ اس فرق کی یہ ہے کہ بعض آدمیوں کو جو کچھ اسرار معلوم ہونے لگتے ہیں تو انکو ناز ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بعض بعض اپنے کو اکابر کے برابر سمجھنے لگتے ہیں لہٰذا ان کے لئے یہی مناسب ہے۔ جب ہر ایک کے لئے مصلحت جدا ہے تو خود کچھ بھی تجویز نکرو ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تم فقیروں کی طرح مزدوری ملنے کی توقع پر عبادت نکرو مالک تمہارا بندہ پروری کے سب طریقوں سے واقف ہے (تمہاری ضرورتیں خود پوری کرے گا)

اسی واسطے یہ مذہب ہے کہ بلا اختیار جو کچھ بھی وارد ہو اسی میں خوش رہو اور خود ہرگز کسی خاص وارد کی خواہش نکرے گویا یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ انچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

(تمکو حق نہیں کہ صاف اور تلچھٹ کا خود فیصلہ کرو اور مطالبہ کرو بلکہ ساقی جیسی بھی شراب تمکو دیدے وہ ہی عین مہربانی اور تمہاری حالت کے مناسب ہے)

اگر دُرد پلائیں تب بھی اسی ذوق سے پینا چاہیئے جس طرح مئے صاف پی جاتی ہے کیونکہ

س میں بھی کوئی حکمت ضرور ہے۔

۱۹۵) مگر ہمکو عبدیت کی حیثیت سے کسی مصلحت کی بھی طلب نہ چاہئے

بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر خلاف مصلحت بھی ملتا تب بھی ہمکو دم مارنے کی گنجائش نہیں
ی کیونکہ ہم عبد ہیں ہمکو اس نیت کی بھی مجال نہیں کہ یہ ہمارے لئے مصلحت ہے کیونکہ
خود ہم ہیں کیا چیز کچھ بھی نہیں، جو کچھ ملے جتنا ملے جس طرح ملے سب انکا احسان ہے
حکایت: مشہور ہے کہ حضرت لقمان نے کسی شخص کے یہاں باغبانی کی نوکری کی ایک روز
ہ باغ میں آیا اور ان سے کہا کہ ایک ککڑی لیکر آؤ آپ ایک ککڑی لائے آقا نے اسکو
یل کر اسکی قاشیں کیں اور اول ایک قاش حضرت لقمان علیہ السلام کو دی آپ لیکر کھاگئے
سکے بعد جو آقا نے کھائی تو معلوم ہوا کہ بالکل کڑوی ہے اس نے حضرت لقمان سے کہا
تم نے یہ تلخ ککڑی کھالی کہا کیوں نہیں کہ یہ تلخ ہے؟ حضرت لقمان فرماتے ہیں کہ
س ہاتھ سے ہزاروں شیریں چیزیں کھائیں اگر ایک دفعہ تلخ بھی ملجائے تو شکایت
نیں کرنی چاہیئے ؎

آنزا کہ بجائے تست ہر دم کرمے ۔۔۔ عذرش بنہ ار کند بعمری ستمے

(جس ذات کا تم پر کرم ہی کرم ہو تو اگر کسی وقت اسکی جانب سے بظاہر کوئی ستم ہی دیکھو تو اس کو معذور جانو)

س اگر کبھی ہماری مصلحت کے خلاف بھی ادھر سے برتاؤ ہو تو بھی ہمارے ادب میں
رق نہ ہونا چاہیئے۔ صاحبو! عاشق تو ہر حالت میں عاشق ہی رہتا ہے۔ کیا لوگوں کے
کے خیال میں خدا سے برادری کا سا تعلق ہے کہ اس سے کاوش کیجائے۔ دیکھئے!
شاق کو تو جان جان کرستایا جاتا ہے مگر وہ یہی کہتا ہے ؎

ناخوش تو خوش بود بر جان من ۔۔۔ دل فدائے یار دل رنجان من

(آپ کی ایذائیں بھی مجھے لذیذ معلوم ہوتی ہیں میرا دل فدا ہو اس یار پر جو میرے دل کو ستانے والا ہے)

رض جو شخص اپنی تربیت چاہتا ہے اور اسکو اسرار شریعت پر مطلع ہونے کی ہوس ہے
اسپنے اندر یہ کیفیت پیدا کرے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

(۱۹۶) اصلاح باطن بدرجہ کمال نہ ہونے پر قدر ضروری کو تو نہ چھوڑے

اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب کیا ہم جنید بغدادی بنجائیں میں کہتا ہوں آپ جنید بغدادیؒ نہ بنیں لیکن یہ بھی تو نہ ہو کہ بالکل نکمے ہی رہیں۔ غور کیجئے آپ جنید بغدادیؒ کے برابر تو کسی بات میں بھی نہیں مثلاً ایک نماز ہی ہے کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ میں جنید بغدادی کے برابر نماز پڑھتا ہوں۔ ایک بزرگ کی یہ حالت تھی کہ ایک رات قیام کی نیت کی ہے تو نیت باندھکر ساری رات کھڑے ہی رہے ایک رات رکوع کے لئے تجویز کی ہے تو تمام رات رکوع ہی میں ختم ہوگئی اور فرمایا کرتے تھے کہ افسوس رات بہت جلد ختم ہو جاتی ہے دل نہیں بھرتا یہ حالت تھی کہ ؎

نہ آیا وصل میں بھی چین ہم کو گھٹا کی رات اور حسرت بڑھا کی

بس جب کسی حالت میں بھی ہم ان کے برابر نہیں لیکن پھر بھی ہم کسی بات کو چھوڑ نہیں دیتے نماز بھی پڑھتے ہیں روزہ بھی رکھتے ہیں۔ مثل مشہور ہے گندم اگر بہم نرسد جو غنیمت است تو جب ساری چیزیں ہم میں ادنیٰ درجہ کی ہیں تو یہ حالت بھی ادنیٰ درجہ کی سہی۔

(۱۹۷) اہل اللہ سے تعلق کی ضرورت

اور اسکا طریق یہی ہے کہ کسی صاحب باطن سے تعلق پیدا کیا جائے۔ اگر صحبت ممکن ہو تو بہت ہی خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم مراسلات تو ضرور رکھنی چاہیئے اور ان پر اپنا پورا حال ظاہر کرکے علاج کی تدبیر دریافت کیجئے۔

(۱۹۸) اپنی رائے سے کوئی کام نہیں ہوتا دینی ہو یا دنیوی

صاحبو! اگر اپنی رائے سے کوئی شخص اپنی اصلاح کی تدبیر سوچکر چار گھنٹے اسمیں مشغول رہنے کیلئے مقرر کرلے تو اس میں وہ بات حاصل نہ ہوگی جو کسی ماہر کی تجویز پر نصف گھنٹہ عمل کرنے میں حاصل ہو جائیگی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بخار میں مبتلا ہوا

ایک طبیب سے رجوع کیا انھوں نے نسخہ تجویز کیا جس کے استعمال سے چند روز میں فائدہ ہوگیا میں نے اس نسخہ کو مفید دیکھکر اپنے پاس محفوظ رکھا اتفاق سے دوسرے برس پھر کچھ شکایت ہوئی تو میں نے اسی نسخہ کو منگا کر استعمال کیا لیکن کچھ بھی فائدہ نہوا آخر پھر اسی طبیب سے رجوع کیا انھوں نے نسخہ تجویز کردیا ان کے تجویز کردہ نسخہ سے صحت ہوگئی اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ حکیم صاحب کی زبان یا قلم میں کوئی خاص اثر رکھا تھا کہ صحت اس پر موقوف تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ نسخہ کی تجویز میں جس طرح مریض کے مزاج کی رعایت کیجاتی ہے زمان و مکان کی بھی رعایت کیجاتی ہے یعنی ایام ربیع میں ایک نسخہ تجویز کیا جاتا ہے تو ایام خریف میں دوسرا کیونکہ دونوں موسموں کے مزاج بالکل الگ الگ ہیں اسی طرح سرد ملک میں جو دوا مفید ہوگی گرم ملک میں اسکا مفید ہونا ضروری نہیں ہے تو جیسے بدن کے امراض میں محض اپنی تدبیر اور رائے مرض کے زوال کے لئے کافی نہیں ہے یوں ہی نفسانی امراض میں بھی ہوتا ہے ۔ اور میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ کی زبان میں بھی اثر ہے ۔

(۱۹۹) اہل اللہ سے تعلق رکھنے کے متعلق وساوس کا رفع

اور اہل اللہ سے تعلق رکھنے کو جو کہتا ہوں کوئی صاحب میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھیں کہ میں نوکری کرنے یا تجارت میں لگنے کو منع کرتا ہوں اور ترک تعلقات کی رائے دیتا ہوں ہرگز نہیں بلکہ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی اہل دل سے وابستگی پیدا کیجئے ۔ صاحبو! یہ حضرات نہایت ذی عقل ہوتے ہیں انکو دین کی عقل کے ساتھ دنیا کی بھی عقل کامل ہوتی ہے ان کی نسبت یہ گمان ہرگز نکرو کہ وہ اس وابستگی کے بعد تمکو تمھارے اہل وعیال سے چھڑا دیں گے ۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ سے جب کوئی خادم عرض کرتا کہ حضور جی چاہتا ہے ملازمت چھوڑ دوں، تو فرماتے کہ بھائی ایسا نہ کیجئو ۔ نوکری بھی کرو اور خدا کی یاد میں بھی لگے رہو ۔ اور وجہ اس ممانعت کی یہ تھی کہ جانتے تھے کہ قلب میں قوت توکل ہے نہیں ظاہری سہارے کو چھوڑ کر

خدا جانے کن مصیبتوں میں پھنس جائے اور حالت کیا سے کیا ہو جائے۔ اکثروں کو ایسے واقعات پیش آئے کہ انھوں نے معاش کی تنگی کی وجہ سے نصرانیت یا یہودیت کو اختیار کیا، بعضوں کے دل میں خدا کی شکایت پیدا ہوگئی اور وہ یوں دین سے برباد ہوگئے، تو اگر نوکری پر لگے رہیں گے تو زیادہ سے زیادہ کسی معصیت ہی میں مبتلا ہوں گے کفر و شرک سے تو بچے رہیں گے! پس یہ حضرات چونکہ چہار طرف نظر رکھتے ہیں اس لئے بقاعدہ مَنِ ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَلْیَخْتَرْ اَهْوَنَهُمَا (جس شخص کے لئے دو مصیبتوں میں ایک میں مبتلا ہونا ناگزیر ہو تو وہ ان دونوں میں آسان والی شق کو اختیار کرے) کبھی ضعفاء کو ترک تعلقات کی رائے نہیں دیتے اور جن لوگوں کو گوشہ نشینی اور ترک تعلقات کا حکم انھوں نے کیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جنکو پوری طرح سے انھوں نے جانچ لیا ہے اور دیکھ چکے ہیں کہ انکی قوت توکل کامل ہے، ایسوں کے لئے نہ ترک تعلق کی ترغیب مضر نہ اس پر عمل کرنا نقصان دہ تو اہل اللہ سے تعلق پیدا کرتے ہوئے اسکا بالکل خوف نہ کیجئے وہ انشاء اللہ آپ کے قصد ترک پر کبھی نہ چھوڑنے دیں گے۔

(۲۰۰) اپنی عقل رہبری کے لئے کافی نہیں

غرض یہ ہے کہ نری عقل سے اسرار کو دریافت کرنے کی فکر بے سود ہے اسکی تمنا ہے تو خدا کے ساتھ لگاؤ پیدا کرو، دیکھو تجربہ کاروں کا قول ہے ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

کہ اول ہم نے عقل سے کام لیا وہ تھوڑی دور چلی مگر تھک کر رہ گئی آخر اسکو چھوڑا اور دیوانگی اور عشق کا دامن پکڑا اس نے منتہا تک پہونچا دیا اس سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ عقل بالکل بیکار ہے عقل کارآمد ضرور ہے لیکن ایک حد تک کام دیتی ہے اسکے بعد معطل ہو جاتی ہے عقل کی حالت گھوڑے کی سی ہے دیکھو اگر کسی کا محبوب ایک پہاڑ کی چوٹی پر ہو اور یہ عاشق اسکے پاس پہونچنا چاہے اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر چلے تو ظاہر ہے گھوڑا دامن کوہ تک پہونچکر عاجز ہو جائے گا آگے جہاں سے پہاڑی زینہ شروع ہوا ہے وہاں گھوڑا نہیں چل سکتا اب اگر یہ عاشق آگے بھی جانا چاہے تو اسکی کیا صورت ہے بجز اسکے کہ ؏ وز آں جا بیال محبت پری

یعنی عشق کا جوش اپنے اندر پیدا کرے اور راہ طے کرتا چلا جائے غرض عقل سے کام لینا چاہئے لیکن صرف اسقدر کہ فلاں شخص مقتدا بنانے کے قابل ہے اور فلاں شخص نہیں مریض کو عقل سے کام لینا ہے لیکن صرف انتخاب معالج میں کیونکہ ایسا نکرے گا تو کثرتِ مدعین طبابت سے وہی حالت ہوگی کہ شعر شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا۔ مگر انتخاب کے بعد چوں وچرا کی گنجائش نہیں جس راستے معالج ڈالدے اس پر بےخوف وخطر چلا جائے ورنہ اگر وہاں بھی ایں چوں است و آں چرا ست سے کام لیا تو ایک قدم بھی نہ سرک سکے گا اور صدہا الجھنیں پیش آئیں گی اسلئے کہ معمولی عقل کبھی ایک فتویٰ پر قائم نہیں رہتی صبح کچھ رائے دیتی ہے شام کو کچھ اور دن کو کچھ رات کو کچھ۔ بعضوں کو دیکھا ہے کہ آج اہلسنت والجماعت میں داخل ہیں کل تشیع پر مائل ہیں، صبح کو قدری ہیں شام نہیں ہوئی کہ جبری بن گئے۔ یہ انقلاب اور تبدیلیاں اسی باعث ہیں کہ عقل ایک ٹھکانے نہیں رہنے دیتی دربدر خاک بسر پھراتی ہے گویا اسکی یہ حالت ہے

بیزارم ازاں کہنہ خدائے کہ تو داری ہر روز مرا تازہ خدائے دگرے ہست

(میں تو تمھارے اس پرانے خدا سے گھبرا گیا ہوں میرے لئے تو ہر دن ایک نیا خدا رہا کرتا ہے)

حکایت: ابن العربیؒ کا ایک خط اپنی کشکول میں علامہ بہاؤالدین عاملی نے نقل کیا ہے جو انھوں نے اپنے ایک معاصر عالم کو لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک روز بیٹھے رو رہے تھے، آپ کے کسی شاگرد نے وجہ پوچھی تو آپ نے وجہ بیان کی کہ میں استنے سال سے ایک دعوے کو دلیل عقلی سے صحیح سمجھے ہوئے تھا آج ایک مقدمہ اس دلیل کا مخدوش ثابت ہوا تو میں اس لئے رو رہا ہوں کہ استنے دنوں تک جہل میں مبتلا رہا اور اب بھی اطمینان نہیں کہ جو اب ثابت ہوا وہ بھی صحیح ہے۔ اسکے بعد لکھتے ہیں کہ تم نے اپنے علم ظاہری کی قوت دیکھی، اب چاہئے کہ دوسرا علم حاصل کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت اور دوام ذکر اختیار کرو۔ بس اس قسم کا مضمون لکھا ہے۔

حاملِ مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

چندہ سالانہ		چندہ ششماہی
عنہ/۲۰		عنہ/۱۰
بیس روپئے		دس روپئے

وصیۃ العرفان
الٰہ آباد

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ
فی پرچہ | مدیر : عبد المجید عفی عنہ | دو روپئے ۲/

شمارہ ۱۱	محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق نومبر ۱۹۸۱ء	جلد ۴

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ : مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار - الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار - الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱ اے - ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

جرائد و رسائل کے پیش لفظ اور نگاہ اولین کو عام طور پر بہت ہی شوق و ذوق اور رغبت و شتیاق کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اسلئے کہ بالعموم اس میں کوئی منتخب اور مخصوص مضمون یا اہم بات ی ہوا کرتی ہے۔ ہم نے شروع شروع میں تو اسکے لکھنے کا التزام اور اہتمام بھی نہ کیا تھا لیکن بعض احبا نے اصرار کیا کہ یہ عنوان ضرور قائم کرو اور رسالہ کے حالات کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور لکھدیا کرو اس سے حباب کو علم ہو جاتا ہے جو انکی توجہ میں معاون بن جاتا ہے چنانچہ اس مشورہ پر عمل کیا گیا اور تقریباً ہر شمارہ میں برابر بھ نہ کچھ لکھا جانے لگا مگر اشاعت رسالہ سے متعلق کچھ ایسی مشکلات ابتدا ہی سے رہیں کہ اکثر پیش لفظ ں چندہ ہی کی یاد دہانی اور اسی کا مطالبہ کیا جاتا رہا گو یہ چیز طبعاً خود ہمیں بھی پسند نہ تھی اور بعض حباب نے بھی اسکی طرف توجہ دلائی کہ عظمتِ رسالہ کے منافی معلوم ہوتا ہے کہ بار بار بلکہ ہر بار بندہ کا ذکر اس میں کیا جائے، یوں یاد دہانی کا اتنا نفع تو دیکھا گیا کہ ہر بار لکھنے کے بعد چند حضرات نے عذرت اور معافی کے ساتھ چندہ ارسال فرمادیا ہے ــــــ بہرحال تقویٰ کے قریب تو یہی ہے کہ س اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کیا جائے اور اپنے ان احباب کے لئے دعائے خیر کیجائے کہ اللہ تعالیٰ انکو یسی ہمت اور وسعت عطا فرمادے کہ رسالہ کی جانب انکی توجہ ہوسکے یا خداوند قدوس پردۂ غیب سے دارہ ہی کو ایسی وسعت بخشدے کہ ہم اپنے احباب کی خدمت میں بدون کسی معاوضہ ہی کے رسالہ کا اجرا کرسکیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز ۔

باقی بار بار یہ گذارش اس ضرورت کے پیش نظر بھی کیجاتی رہی ہے کہ رسالہ تو لسلم پیشم چل ہی رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ چلتا رہے گا، بعض اور چیزیں، قابل اشاعت سامنے ہیں جاہتے ہیں کہ انھیں منصۂ شہود پر لادیں۔ ارادہ کرتے ہیں لیکن اسباب کی نامساعدت شکستہ پا کردیتی ہے مثلاً "سلک السلوک" ہی ختم ہوچکی ہے اب جی چاہتا ہے کہ اسکا صرف اردو ترجمہ "ترغیب الفقراء والملوک" علحدہ سے مستقل کتابی شکل میں طبع ہوجاتی تو بہتر تھا، بعض احباب کی بھی خواہش کا اندازہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادیں ۔

(ادارہ)

علم بھی ایک بڑی کرامت ہے

مشائخ کی خدمت میں بغرض اصلاح جو لوگ آمد و رفت رکھتے ہیں دیکھا جاتا ہے کہ بہت بہت دنوں تک آنے جانے کے باوجود بھی انکو خاطر خواہ نفع نہیں ہوتا اور بعض کو بالکل مناسبت نہیں ہوتی، چونکہ میں یہی کام کرتا ہوں اسلئے اتنا تو سمجھتا تھا کہ ان لوگوں کے عدم نفع کی وجہ کوئی عام چیز ہے جس میں یہ سب مبتلا ہیں اور وہ بات سمجھ میں بھی آتی تھی لیکن ایسی تعبیر جس سے کہ ان لوگوں کو بھی اپنا مرض سمجھنے میں یا دوسروں کو سمجھانے میں آسانی ہو ذہن میں نہ آتی تھی۔ اجمالاً تو علم و عمل کا تصور ذہن میں آتا تھا مگر جب تک کسی بڑے شخص کے کلام میں کوئی بات نہیں ملتی بے دھڑک اسکے کہنے میں طبیعت رکتی ہے۔

ان دنوں علامہ شعرانی کی کتاب میں جو گاہے گاہے مطالعہ میں رہتی ہے یعنی "الیواقیت والجواہر" میں ایک مضمون نظر سے گذرا میں سمجھا کہ مجھے جسکی تلاش تھی وہ چیز مل گئی اور علم کا ایک باب کھل گیا طبیعت پھڑک گئی دل نے کہا کہ ہاں بس یہی بات ہے، بات محقق ہوگئی اسلئے جی چاہا کہ علامہ شعرانی کی عبارت کا ترجمہ ضروری تشریح کے ساتھ پیش ناظرین کروں۔ اب میں علامہ شعرانی کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں جو اصل محرک بنی ہے اس تمام مضمون کا، فرماتے ہیں کہ :-

سمعته ایضاً (ای علیا الخواص) یقول اسنی ما اکرم اللہ تعالیٰ به العلماء هو العلم خاصة فهو الکرامة التی لا یعادلها کرامة اذا عمل به

نیز میں نے حضرت علی خواص سے یہ بھی سنا وہ فرماتے تھے کہ سب سے بلند شئے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے علماء کا اکرام فرمایا ہے وہ علم ہی ہے پس یہ ایک ایسی کرامت ہے کہ اسکے برابر کوئی دوسری کرامت نہیں بشرطیکہ اس پر عمل کیا جاوے۔

وذلک لان موطن الدنیا انما هو للعلم والعمل واما النتائج من خرق العوائد ونحو ذلک فانما موطنها الدار الآخرة (ص ۱۳)

اور یہ اسلئے کہ یہ دار دنیا علم و عمل ہی کی جگہ ہے باقی رہے فروعات مثلاً خوارق و کرامات تو انکی جگہ آخرت ہے۔

اس میں علامہ شعرانی نے علی خواص سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ سب سے بڑی اور بلند کرامت جسکے ذریعہ حضرات علماء کا اکرام کیا گیا ہے وہ علم ہے اس سے علم کا کرامت ہونا اور بلند پایہ ہونا معلوم ہوا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ کرامت مختص بالعلماء ہے علم اکرام اور علماء مکرمین ہوئے اس سے رد ہوا اُن لوگوں کا جو اور خوارق کو تو کرامت سمجھتے ہیں اور علم کو اصلاً خوارق اور کرامت نہیں سمجھتے۔

میرا مقصود علی خواص رحمۃ اللہ کی اس عبارت میں ہے کہ وذالک لان موطن الدنیا انما ھو للعلم والعمل علم کے کرامت ہونے کی وجہ کیا لطیف اور عمدہ بیان فرمائی کہ دُنیا کی جگہ اور وطن اولاً علم کے لئے اور ثانیاً عمل کے لئے موضوع ہے، سارے طبقات جو اللہ کے راستہ کے سالک ہونے کے مدعی ہیں ان پر یہ حجت ہے کہ سارا سلوک مرکب ہے علم وعمل سے اور دونوں کے مجموعہ سے طے ہوتا ہے۔ اگر علم یا عمل نہ ہو تو یہ نا تمام رہے گا کسی میں عمل کی خامی ہے اور کسی میں علم کی اور اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو علم ہی کی خامی کا نقص ہر طبقہ میں موجود ہے۔ جہلاء میں تو یہ خامی ظاہر ہے اور علماء بھی اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں بہت سی چیزوں کا انکو علم نہیں اور جو علم ہے وہ بھی حقیقی نہیں اسلئے علم ہی کا نقصان ہر طبقہ میں موجود کہا جا سکتا ہے۔ یہ وجہ ہے جو اس طریق میں لوگ کورے رہتے ہیں اور یہ لوگ اپنے مشائخ یا تمام مشائخ سے کمال کی نفی کو اسکا سبب قرار دیتے ہیں اور اپنی خبر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ صاحب الیواقیت والجواہر نے اس عبارت میں ان سب طبقوں کا رد جو کیا اور دار دنیا کو علم وعمل کا موطن جو قرار دیا تو اسی سے میں نے ان سب طبقوں کا مرض مستنبط کر لیا یعنی علماء ظاہر کہ جنھوں نے صرف علم کو لے لیا اور عمل سے غفلت برتی اور عابد جاہل کہ جس نے صرف عمل کو لیا اور علم اور احکام حق سے لاعلمی اختیار کی۔ آج سالکین جو ترقی نہیں کر سکتے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ اپنے اصل وظیفہ یعنی علم وعمل ہی کو یہ لوگ اختیار کئے ہوئے نہیں ہیں اور جو مقدار اختیار کئے ہوئے ہیں وہ قابلِ اعتبار نہیں تو ظاہر ہے کہ جب کسی کا اصل وظیفہ ہی فوت کر دیا جائے تو پھر مقصود کے حصول کی توقع کس طرح درست ہے۔ کیا جو لوگ آج دنیا میں ترقی یافتہ کہلاتے ہیں انھوں نے بغیر دنیوی علوم کے یہ ترقیاں حاصل کی ہیں؟ یا تحصیل علم کا

تعب انکو اٹھانا پڑا ہے ۔ اب باقی رہی ایک بات وہ علم وعمل سے بھی ایک خاص لحاظ سے اہم ہے کہ التفات عوام وخواص کا اسکی طرف زیادہ ہے بلکہ مطمح نظر ہے وہ کیا ہے وہ حال ہے اور حال سے مراد حال قلب ہے لوگوں نے بزرگوں کی حالت سے یا انکی زبانی اسکی ترغیب سنی ہے اسلئے اس پر ریجھے پڑتے ہیں اور انکو معلوم نہیں کہ یہ حال پیدا کس طرح ہوتا ہے اہیں کسی چیز کو دخل ہے یا نہیں یا مجرد خواہش اور آرزو ہی سے پیدا ہو جاتا ہے ! تو اسکے متعلق کہتا ہوں سنو! یہ پیدا ہوتا ہے علم صحیح اور عمل صحیح سے اور عمل صحیح سے مراد وہ عمل ہے جو مقرون بالاخلاص ہے کہنے اور لکھنے میں تو یہ دو لفظ ہیں مگر ان کی تحصیل میں کل عمر صرف ہو جاتی ہے تفصیل اسکی بہت طویل ہے ۔ اسی کے متعلق میں کچھ تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شعرانی نے اس سے قبل جو مضمون بیان کیا ہے جس کے ذیل میں یہ مذکورہ بالا عبارت بھی آگئی ہے پہلے وہ مضمون پورا کا پورا نقل کردوں تاکہ ناظرین کے لئے مزید بصیرت کا سبب بنے سنیئے :۔

کرامت کی اقسام اور اسکی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

واعلم ان الکرامة علی قسمین حسیة ومعنویة ولا تعرف العامة الا الحسية مثل الکلام علی الخاطر والاخبار بالمغیبات الاتیته والاخذ من الکون والمشی علی الماء واختراق الهواء وطی الارض والاحتجاب عن الابصار واجابة الدعوة فی الحال ونحو ذلک فهذا عند العامة هو الولی (الیواقیت والجواہر ص ۱۳۱)

جان لو کہ کرامت کی دو قسمیں ہیں ایک تو کرامت حسی ہوتی ہے یعنی ظاہر اور محسوس اور دوسری معنوی ہوتی ہے ۔ اور یہ عوام الناس صرف حسیہ ہی کو کرامت سمجھتے ہیں مثلاً کسی کے دل کی بات بتا دینا' غیب کی باتوں کی جو آئندہ پیش آنیوالی ہوں خبر دینا' دنیا کے کسی گوشہ کی چیز ہاتھ بڑھا کر اٹھا لینا' پانی پر چلنا' ہوا میں اڑنا' دور دراز کا فاصلہ بات کی بات میں طے کر لینا' لوگوں کی نظر سے غائب ہو جانا یعنی موجود ہوتے ہوئے بھی نظر نہ آنا فوری طور پر اسکی دعاء کا قبول ہو جانا' اور اسی کے مثل چیزوں کو جو محسوس ہیں لوگ کرامت سمجھتے ہیں اور ایسے ہی شخص کو ولی سمجھتے ہیں ۔

یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ علامہ شعرانی نے جن امور کو یہاں کرامتِ حسیہ میں شمار فرمایا ہے اور پھر اسکے متعلق یہ کہا ہے کہ عوام بس اسی کو کرامت سمجھتے ہیں تو اس سے تو بس یہ معلوم ہوا کہ یہ امور بس عوام کی نظروں میں کرامت ہیں باقی خواص کے نزدیک انکی چنداں اہمیت نہیں ہے، حالانکہ بعض چیزیں ان میں ایسی بھی ہیں جنکا شمار انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے کیا گیا ہے اور وہ اپنے وقت میں نبی کی نبوت کی دلیل تھیں مثلاً اخبار بالمغیبات کو قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ قرار دیا گیا ہے اور یہ آپکی نبوت کی ایک اہم دلیل قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان کرکے فرماتے ہیں کہ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ

یہ منجملہ غیب کی خبروں کے ہے جسے ہم آپ پر وحی کر رہے ہیں (ورنہ تو) آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جبکہ انھوں نے ایک امر پر اتفاق کیا تھا اور باہم خفیہ تدبیر کر رہے تھے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر حضرت نوح کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

یہ بھی منجملہ غیب کی خبروں کے ہے جسے ہم آپ پر وحی کر رہے ہیں ان واقعات کا علم اس سے پہلے نہ آپ کو تھا نہ آپکی قوم کو تھا لہٰذا آپ صبر و استقامت سے کام لیجئے اور (یہ سمجھ لیجئے کہ) انجام متقین کے لئے ہے۔

نیز ایک جگہ حضرت مریمؑ اور حضرت زکریاؑ کے واقعات کا بیان کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ:-

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

یہ خبر منجملہ مغیبات کے ہے جسے ہم بذریعۂ وحی آپ سے بیان کرتے ہیں ورنہ تو آپ ان لوگوں کے پاس موجود نہ تھے جبکہ انھوں نے اپنے قلموں کو قرعہ اندازی کیلئے ڈالا تھا کہ کون شخص حضرت مریم کی کفالت

اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ٥

کرے اور نہ آپ اسوقت موجود تھے جبکہ وہ لوگ باہم لڑا جھگڑ رہے تھے۔

ان نصوص کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اخبار بالغیب کو کیسی کچھ اہمیت حاصل ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی علامت بلکہ برہان اسے قرار دیا گیا ہے۔ پس جو چیز کہ اس درجہ عظیم الشان ہو اسکو علامہ شعرانی نے یہ کیونکر فرمایا کہ یہ صرف عوام کے نزدیک کرامت ہے اس عنوان سے ذکر کرنے سے تو تنقیص کا شائبہ ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ بزرگوں نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ کسی ولی کو جو کرامت ملا کرتی ہے وہ اپنے نبی ہی کی اتباع کی برکت سے ملا کرتی ہے اور وہ ان سے بطور ارث کے ملا کرتی ہے جیسا کہ ایک مقام پر اسی کتاب میں خود علامہ شعرانی ہی لکھتے ہیں کہ :۔

(فان قلت) فھل کرامة کل ولی تکون تبعا لمعجزة من هو وارثه من الانبیاء ام هی غیر متوقفة علی ارث فالجواب لا یکون قط کرامة لولی الا تبعا لمن هو وارثه من الانبیاء

پس اگر تم یہ کہو کہ کیا ہر ولی کی کرامت اسکے نبی کے معجزات کے تابع ہوتی ہے جسکا وہ وارث ہوتا ہے یعنی ولی کی کرامت نبی کے معجزہ کی فرع اور نبی سے بطور ارث کے ملتی ہے یا ایسا نہیں ہے تو جواب سکا یہ ہے کہ کسی ولی کو کوئی کرامت ملتی ہی نہیں مگر اس نبی کی اتباع میں جسکا یہ وارث (پیرو) ہوتا ہے۔

وقال بعد اسطر۔

پھر چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں :۔

(فان قلت) فالمراد بقولکم فی ترجمة المبحث ان الکرامات فرع المعجزات

اگر تم کہو کہ اچھا تو پھر شروع کتاب میں عنوانِ بحث میں یہ جو فرمایا ہے کہ کرامات معجزات کی فرع ہیں اسکا کیا مطلب ہے؟

فالجواب مرادنا انها فرع الحال النبوی فلا تقع کرامة لولی الا ان کان

تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ حالِ ولی، حالِ نبی کی فرع ہے پس کسی ولی سے کرامت صادر ہی نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ

صحیح الحال ھو ما یرد علی
القلب من غیر تعمل
ولا اجتلاب ومن علامته
تغیر صفات صاحبہ فھو
الی الوھب اقرب من
الکسب۔ (ص۱۲۹ ج ۲)

وقال ایضا فان قلت
فھل ھذا الحال خاص باھل
الاسلام فالجواب نعم
ھو خاص لاھل الاسلام
وان وقع لبعض المشرکین
انہ مشی فی الھواء او قتل
بالھمۃ وذلک باستعمال
عقاقیر علی اوزان معلومۃ
فیفعل بھا ما اراد وھذا
بخلاف حال اھل اللہ
عزوجل والفارق بین
الحالین ھو ان اھل اللہ
عزوجل لا یحصل لھم ھذا
الحال الا بعد المبالغۃ
فی اتباع الشریعۃ بخلاف
الکفار فان حکم حالھم حکم
من شرب الدواء المسھل

صحیح الحال نہ ہوگا اور حال سے مراد وہ ہے جو قلب پر
وارد ہو بدون کسی شی کے عمل میں لائے ہوئے
اور بدون اسکو حاصل کئے ہوئے اور اس کی
علامات کے منجملہ ایک یہ ہے کہ اسکے صاحب کے
اوصاف میں تبدیلی ہو جاتی ہے لہٰذا یہ بمقابلہ کسبی کے
جانے کے وہبی کہلانے کے زیادہ لائق ہے۔

نیز فرمایا کہ پس اگر تم کہو کہ کیا یہ حال صرف
اہل اسلام کے ساتھ خاص ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ
ہاں یہ کرامات مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص ہے
اگرچہ بعض مشرکین کو بھی دیکھا گیا ہے کہ ہوا میں
اُڑتے ہیں یا توجہ کے ذریعہ کسی کو قتل کر دیا ہے
تو یہ سب باتیں ایسی جڑی بوٹیوں کے مخصوص
مقدار میں استعمال کر لینے سے بھی حاصل
ہو جاتی ہیں جس کی تاثیر وہی ہوتی ہے جس کا
اس نے ارادہ کیا ہو بخلاف اہل اللہ کے حال کے
کہ ان کے یہاں یہ سب وسائط نہیں ہوتے اور
ان دونوں حالتوں میں بڑا فرق ہے وہ یہ کہ اہل اللہ
کو تو یہ کمال حاصل ہی نہیں ہوتا مگر بعد اس کے
کہ وہ اتباع شریعت میں مبالغہ کے ساتھ لگ جاتے
ہیں بخلاف کفار کے کہ انکی اس حالت کا حکم تو ایسا ہی
ہے جیسے کوئی شخص کوئی دست آور دوا استعمال
کرے پس وہ دوا اپنا خاصہ دکھائے یعنی جس کام
کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مسخر فرمایا ہے وہ اسی کو ظاہر ہو

فيفعل ما وضع له بالخاصية لا بالمكانة عند الله عزوجل فلا يسمى بالكرامة الا من كان صاحبه على شرع الاسلام (اليواقيت ص۱۲۹ ج ۲)

یہی صورت کافروں سے اس قسم کے افعال کے صدور کی ہوتی ہے نہ یہ کہ انکو اللہ تعالیٰ کے یہاں کچھ قرب اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے جبکا یہ ثمرہ ہے، پس کرامت کہلائے جانے کے لائق وہی امور ہیں جو ایسی ذات سے صادر ہوں جنکا تعلق اسلام سے ہو یعنی جو متبع شریعت ہوں باقی کافروں یا فاسقوں سے جو اس قسم کی باتیں صادر ہوتی ہیں انکا نام کرامت نہیں استدراج ہے

غرضکہ جب کسی مسلم کو شرف کرامت سے نوازا جانا اتباع شریعت ہی کی برکت سے ہوا کرتا ہے اور بطور وارث ہی کے ہوتا ہے تو کرامتِ حسیہ ہی سہی، جب یہی اخبار بالمغیبات مثلاً نبی کے حق میں نبوت کی برہان کی شان رکھتی ہو اور کسی ولی کو اگر حاصل ہو جائے تو وہ یہاں کم مرتبہ کی کیسے ہو جائیگی جیسا علامہ شعرانی کا عنوان اس پر مُشیر ہے کہ اسکا زیادہ درجہ نہیں ہے۔

یہی اشکال یہاں پر مجھے ہوا تھا لیکن الحمدللہ کہ پھر اسکا حل اور جواب بھی سمجھ میں آگیا جبکی جانب گو مصنف نے بھی اگلے کلام میں اشارہ کیا ہے لیکن وہ واضح اور صاف نہیں ہے آپ لوگوں کو تو یہ اشکال ہی نہ ہوا ہوگا اسلئے نہ جواب کی ضرورت اور نہ اسکی قدر آپ کو ہوگی تاہم مجھے چونکہ یہ مقام مشکل معلوم ہوا اسلئے اسکے حل ہو جانے سے بھی بہت لطف آیا ؏
ہر کجا مشکل جواب آنجا رود۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ علامہ شعرانی نے یہ جو فرمایا کہ ولا تعرف العامة الا الحسية تو اس سے حسیہ کی تنقیص لازم نہیں آتی اور نہ اسکے مرتبہ کو گھٹانا مقصود ہے بلکہ علامہ کا مقصد تو یہ ہے کہ کرامت حسیہ اور معنویہ میں سے معنوی کرامت تو بلا شبہ ایسی چیز ہے کہ جس شخص کو وہ امور حاصل ہوں اسکو واقعی کرامت ہی حاصل ہے اس میں کسی اور چیز کا احتمال نہیں ہے بخلاف ان چیزوں کے جنکو کرامتِ حسیہ فرمایا گیا ہے ان امور کا کرامت ہونا فی نفسہ اور لذاتہ نہیں ہے بلکہ ان کے کرامت ہونے کے لئے کسی اور چیز کی احتیاج رہ جاتی ہے یعنی یہ کہ جب انکا مصدر کسی متبع شریعت سے ہو تب وہ کرامت کہلائیگی ورنہ استدراج

کہلائے گا۔

اب عوام چونکہ نفسِ فعل ہی کو دیکھتے ہیں اور اس امر سے صرف نظر کئے ہوئے ہیں کہ اسکا صدور کس ذات سے ہو رہا ہے اور بعض دفعہ اس شخص کی حیثیت خود ہی ظا نہیں ہو پاتی اس لئے ان حسی امور میں احتمال باقی رہتا ہے یعنی یہ کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کرا (جبکہ متبع شریعت سے صادر ہو) اور ہو سکتا ہے کہ کرامت نہ ہو بلکہ وہ خدا کیطرف سے ڈھیل یعنی استدراج ہو (جبکہ وہ کسی فاجر یا کافر سے صادر ہو) تو جس امر کا ظا حال مومن اور کافر میں مشترک ہو وہ اس سے ضرور ہی کم درجہ کا ہوگا جو مومن مسلم کے ساتھ مخصو

باقی انبیا علیہم السلام کی نبوت چونکہ اور دوسرے دلائل مستقلہ سے ثابت ہو چکی ہے اس لئے ان حضرات کے حق میں حسی شے میں بھی غلطی کا احتمال نہیں رہتا کیونکہ ساحر مدعی نبو کے ہاتھ پر سحر بھی ختم ہو جاتا ہے یہ اسلئے تاکہ امت کو دین کے باب میں التباس و اشتباہ پائے اور ولی کی ولایت کی کوئی مستقل دلیل نہیں قائم ہوتی اسلئے اگر کسی کا قرائن سے تجربہ و مشاہدہ سے متبع شریعت ہونا معلوم ہو جائے تو بلاشبہ اسکی یہ حسی کرامت بھی حقیقی کر ہے اور نبی کی نیابت اور اسکی وراثت میں ہے۔

خلاصہ یہ کہ شیطان جو دین و ایمان کا اصلی دشمن ہے اس نے جب یہ دیکھا کہ بہ سے اللہ والے کرامت سے نوازے جاتے ہیں اور پھر انکی یہی کرامات دوسرے غافلو جاہلوں اور کم عقلوں کے لئے دین و ایمان کیجانب دعوت کا کام کرتی ہیں تو اس نے اپنے چیلوں شیاطین الانس والجن میں سے بہت سوں سے ایسے امور کا ارتکاب کرایا جو صورتاً کرا ہی معلوم ہوں گو حقیقۃً اس سے کچھ بھی نسبت نہ رکھتے ہوں یہ محض اسلئے کہ جب اہل اس میں سے کسی اللہ کے بندے کی کوئی مقبول کرامت پیش کیجائے تو اہل کفر بھی یہ کہدیں کہ ہم یہاں بھی ایسے ایسے لوگ ہیں جو ہواؤں میں اڑتے ہیں پانی پر چلتے ہیں اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ عوا فرق نہ کر سکنے کے باعث شبہ میں پڑے رہیں گے اور شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو چنانچہ جوگی وغیرہ جو کچھ کرتے ہیں وہ سب اسی قبیل سے ہے حالانکہ صوفیائے اسلام سے یہ جوگی کبھی میدان نہ لیجا سکا تاہم عوام الناس کو مغالطہ میں رکھنے کے یہ اتنا بھی کافی تھ

ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جوگی ہوا میں اڑا جا رہا تھا لوگوں نے ایک بزرگ سے
ں کیا کہ حضرت وہ جوگی اڑ رہا ہے مطلب یہ تھا کہ آپ تو نہیں اڑتے ان بزرگ نے
ے ایک پیر کی کھڑاؤں نکالی اور اوپر کو پھینک دی وہ بھی اڑنے لگی اور اوپر جاکر جوگی کے سر پر
ہوگئی اور پھٹا پھٹ پھٹا پھٹ اسکے سر پر لگنے لگی اور اسی طرح پیٹتے پیٹتے اسکو نیچے
لی۔

غرضکہ صاحب واقعہ پر نظر کرنے سے پہلے پہلے چونکہ واقعات حسیہ دائر رہتے
ین الکرامۃ والاستدراج اسلئے خواص نے اسکو چنداں اہمیت نہیں دی باقی صاحب واقعہ
بت کے بعد تو وہ خوارق حسیہ ہوں یا معنویہ بہرحال حق تعالیٰ کا اکرام و انعام ہے اور
بہ نبی کی وراثت ہے جو نبی کی اتباع ہی سے ملا کرتی ہے کرامت حسیہ سے متعلق
تشریح و توضیح کے بعد اب دوسری قسم یعنی کرامت معنویہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے
تے ہیں کہ :۔

واما الکرامۃ المعنویۃ	بہرحال کرامت معنوی تو یہ وہ امور ہیں جو خواص
التی بین الخواص من	اہل اللہ کو حاصل ہوتے ہیں اور ان میں سے بزرگ تر
ل اللہ تعالیٰ واجلہا	اور اشرف تر کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی
شرفہا ان یحفظ اللہ علی العبد	بندہ کو آداب شریعت کی حفاظت اور مکارم
ب الشریعۃ ان یوفق لفعل	اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کی سعادت نیز
رم الاخلاق واجتناب	اخلاق رذیلہ اور ردیہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے
فسافہا وان یحافظ علی	اسی طرح سے یہ بھی بڑی کرامت ہے کہ اسکو
ء الواجبات والسنن فی	واجبات اور سنن کو اپنے اپنے اوقات میں ادا
اتہا مطلقاً۔ والمسارعۃ	کرنے کی نیز نیکیوں کی جانب سبقت کرنے کی توفیق
الخیرات وازالۃ الغل	عطا فرمائے اسی طرح سے غل و حسد و حقد وغیرہ کو
لحقد والحسد وطہارۃ	اپنے اندر سے دور کرنے بلکہ قلب کو ہر رذیلہ سے پاک
لب من کل صفۃ مذمومۃ	کرنے کی توفیق ہو، اور اسکو ہر لمحہ خالق کے

وتحليته بالمراقبة مع الانفاس و مراعاة حقوق الله تعالى في نفسه و في الاشياء ومراعاة نفسه في دخولها وخروجها فتلقاها بالادب وتخرجها عليها حلة الحضور مع الله تعالى لانها رسل الله اليه فترجع شاكرة من صنيعه معها فهذه عند المحققين هي الكرامات التي لا يدخلها المكر والاستدراج بخلاف الكرامات التي يعرفها العامة فانه يمكن ان يدخلها المكر والاستدراج۔

فالكامل من قدر على الكرامة وكتمها ثم اذا فرضنا كرامة فلابد ان تكون نتيجة عن استقامة۔ فلا يبعد ان يجعلها الله عزوجل هي حظ جزاء ذلك الولي فيذهب الى الآخرة صفر اليدين من الخير

وانما قلنا ان الكرامات المعنوية لا يدخلها مكر ولا استدراج لان العلم يصحبها والحدود الشرعية

مراقبہ سے معمور رکھنے کی تیز اسکے لئے اپنے نفس اور جملہ اشیا میں اللہ تعالیٰ کے جو جو حقوق ہیں انکی رعایت رکھنے اور انکے ادائگی کی توفیق ہو اور اپنے ہر ہر سانس کے اندر آنے اور باہر جانے کی خوب رعایت رکھتا ہو۔ اس طرح ادب سے سانس لیتا اور باہر سانس نکالتا ہو کہ اسکے اوپر حضور مع اللہ کا جوڑا سجا ہو، یہ اسلئے کہ یہ انفاس گویا کہ جانب خدائی مہمان ہیں لہٰذا انکو اپنے سے خوش خوش واپس کرنا چاہئے پس محققین کے نزدیک یہ سب امور ایسی کرامات ہیں کہ انمیں مکر و استدراج کا دخل نہیں بخلاف ان کرامات کے جن کو عوام کرامت سمجھتے ہیں (یعنی کرامت حسیہ) (تو خواص کے نزدیک وہ قابل اعتناء اسلئے نہیں کہ) ان میں مکر اور استدراج سے امن نہیں ہوتا۔

پس کامل وہ شخص ہے جو کرامت پر قادر ہو کر اسکو چھپائے پھر ہم جب کوئی کرامت فرض کریں تو یقیناً وہ صاحب کرامت کے استقامت علی الدین ہی کا نتیجہ ہو گی لہٰذا بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسکو اس کے اعمال خیر کی جزاء دنیوی اور اس کا بدلہ قرار دیدے اور پھر آخرت میں یہ حضرت نیکیوں سے خالی ہاتھ رہ جائیں۔

باقی ہم نے یہ جو کہا کہ کرامت معنوی میں مکر اور استدراج کا دخل نہیں ہوتا تو یہ اس لئے کہ اسکا مصاحب اور قرین علم ہوتا ہے

لا ينصب حبالة للمكر الالهي بل هي عين الطريق الواضحة الى نيل السعادة.

اور حدود شرعیہ مکر الٰہی کا جال نہیں بنا کرتیں بلکہ یہ تو حصول سعادت کا عین سیدھا اور صاف راستہ ہے۔

وسمعت سيدي عليا الخواص يقول اذا وقع على يد الكامل شيء من الكرامات المحسوسة خاف وضج الى الله تعالى وسأل ستره بالعوائد ان لا يتميز عن العامة بامر يشار اليه فيه ما عدا العلم فان العلم هو المطلوب وبه تقع المنفعة ولو لم يعمل احد به قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

میں نے اپنے شیخ علی خواص رح سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جب کسی کامل کے ہاتھ پر کوئی محسوس کرامت ظاہر ہو تو اس کو چاہیئے کہ ڈرے اور اللہ تعالیٰ کی جانب گریہ وزاری کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو عادت کے موافق امور سے ڈھانک لے اور اس کو عام لوگوں سے کسی چیز میں اس طرح سے ممتاز نہ کرے کہ جس کی وجہ سے اسکی جانب انگشت نمائی کیجائے ہاں بجز علم کے اسلئے کہ علم تو مطلوب ہے اور اسکے ذریعہ سے نفع بھی ہوتا ہے اگرچہ کوئی اسپر عمل نہ کرے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ فرما دیجئے کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔

اب اسکے آگے وہی عبارت ہے جس کو میں نے ابتدا میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ

وسمعته ايضاً يقول اسنى ما اكرم الله تعالى به العلماء هو العلم خاصة فهو الكرامة التي لا يعادلها كرامة اذا عمل به وذلك من موطن الدنيا انما

نیز میں نے حضرت علی خواص رح سے یہ بھی سنا فرماتے تھے کہ سب سے بلند اور ارفع شے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے علماء کا اکرام فرمایا ہے وہ علم ہے۔ پس یہ ایک ایسی کرامت ہے کہ اسکے برابر کوئی دوسری کرامت نہیں بشرطیکہ وہ اس پر عمل کرے

و للعلم و العمل واما النتائج اور یا اسلئے کہ یہ دار دنیا علم وعمل کی جگہ ہے
ن خرق العوائد ونحو ذلک باقی فروعات یعنی خوارق وغیرہ تو انکی جگہ دارِ
نما موطنه الدار الآخرة آخرت ہے۔

(ص۱۳۱ الیواقیت ج ۲)

علامہ شعرانیؒ نے اس عبارت میں دو جگہ چونکہ کامل کا لفظ استعمال کیا ہے اس مناسبت سے میں یہاں اسکی بھی کچھ توضیح کر دینا چاہتا ہوں اس سلسلہ میں پہلے یہ سمجھئے کہ کمال کسکو کہتے ہیں یکے جاننے کے بعد اسی سے کامل کے مفہوم کی بھی تعیین ہو جائیگی۔ سنئے :۔

عوام الناس نے تو ہر زمانہ میں حال ہی کو کمال سمجھا ہے ان کے نزدیک تو جو شخص قدر صاحب کرامت اور صاحب کیفیات اور احوال ہے اسی قدر وہ کامل ہے۔ اور ، چیزوں میں چونکہ لذت بھی ہے اور شہرت بھی اور عوام میں انکی گرم بازاری بھی ہے اسلئے لیکن راہ میں سے بہت سے لوگوں نے اسی کو اہمیت دی، اور اسی کی تحصیل کے درپے گئے۔

یہاں علامہ شعرانیؒ نے یہ فرما کر کہ" اسنیٰ ما اکرم اللہ تعالیٰ بہ العلماء ہو العلم خاصۃ ں طبقہ کی اصلاح فرمائی جو حال وقال اور کرامات کے درپے تھا کیونکہ یہ فرمایا کہ سب متوں سے بڑھکر جو کرامت ہے وہ علم ہے اور دوسری چیزیں شرف وفضل میں اس کا نگ بھی نہیں ہیں بشرطیکہ اس پر عمل بھی کیا جائے اور آگے اسکی وجہ کیا عمدہ بیان فرمائی ہے کہ یہ موطن دنیا، علم وعمل کا موطن اور اسی کی جگہ ہے اور خوارق وغیرہ جو کہ نتائج اور رع ہیں علم وعمل ہی کے انکا موطن دار آخرت ہے۔

اب اس میں دنیا کو جو موطن فرمایا تو اسی سے مستنبط کر کے میں یہ کہتا ہوں کہ اسی سے کمال کے مفہوم کی بھی تعیین ہو گئی وہ یہ کہ یہ معلوم ہوا کہ اصل کمال انسان کے اندر اسکے لم وعمل ہی کا کمال ہے پس جو لوگ کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی کو لیتے ہیں وہ کامل یں ہیں، مثلاً اہل علم ہیں کہ انھوں نے صرف علم ہی کو لیا اور عمل کی جانب سے کوتاہی کرتے ں تو یہ لوگ اس معنی کر تو ناقص ہیں ہی کہ دار دنیا کا احدی الوظیفتین یعنی عمل تو ان سے فوت

ہی ہوا علاوہ اسکے اس لحاظ سے بھی یہ ناقص ہیں کہ علم سے مقصود اور اسکی غرض عمل ہی تھی پس جب علم نے عمل کیجانب انکی رہنمائی نہ کی تو وہ کیا علم ہے وہ تو عین جہل ہے بقول حضرت شیرازیؒ کے ع علمے کہ رہ بحق نماید جہالت است ۔

نیز فرمایا کہ ؎

علم چندانکہ بیشتر خوانی   چوں عمل در تو نیست نادانی

(خواہ کتنا ہی علم تو کیوں نہ حاصل کرلے جب تیرے اندر عمل نہیں تو تو نادان ہی ہے)

نہ محقق بود نہ دانشمند   چار پائے بروکتابے چند

(نہ تو محقق ہی ہوتا ہے اور نہ عقلمند وہ ایک جانور جس پر کہ چند کتابیں لدی ہوئی ہوں)

اب یہ سب اقوال جو بزرگوں سے منقول ہیں تو یونہی ہیں یا ان حضرات نے سمجھکر اور بصیرت کے ساتھ یہ سب فرمایا ہے ۔

اسی طرح سے جس نے ان دونوں میں سے صرف عمل کو لے لیا اور علم کی جانب سے بالکل آنکھ ہی بند کرلی وہ بھی ناقص ہے اور وہ بھی دو اعتبار سے ناقص ہے ۔ ایک تو یہ کہ جب اس نے صرف عمل ہی کو لیا اور علم کو ترک کیا تو اس سے بھی ایک وظیفہ فوت ہوا، دوسرے یہ کہ جب علم ہی نہ ہوگا تو عمل بھی وہ بصیرت کے ساتھ نہ کرسکے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ زاہد بے معرفت مرغ بے پر کا مصداق بنکر ہمیشہ اسکی جانب سے خطرہ ہی لگا رہے گا کب نہ کسی مصیبت کا وہ شکار ہو جائے اور اسکی ہلاکت سے امن نہ ہوگا قدم قدم پر اسکو اندیشہ لگا رہیگا اسی کو کہا گیا ہے کہ "عابد جاہل سخرۂ شیطان است" جاہل عبادت گذار شیطان کا کھلونا ہے اسکے ہاتھ میں مسخر ہے ۔

غرض جب کمال کا مفہوم متعین ہوگیا تو اس سے کامل کا مصداق بھی سمجھ میں آگیا کہ کامل درحقیقت وہ شخص ہے جو علم و عمل کے اعتبار سے کامل ہو صرف احوال اور کیفیات والا کامل نہیں ہے کیونکہ صحیح حالات اور معتبر کیفیات بھی اعمال ہی کے تابع ہیں اور عمل فرع ہے علم کی پس جسکو علم نہیں اسکا عمل معتبر نہیں اور جب عمل نہیں تو پھر حال کیا خاک اسکو میسر ہوگا ۔

نیز یہ کہ عوام یا جو لوگ کہ کالعوام ہیں اگر وہ کسی صاحب حال ہی کو کامل سمجھیں تو سمجھا کریں ان کا یہ سمجھنا بزعم خود ہوگا باقی اہل طریق جو موطن دنیا کو علم وعمل کے لئے مخصوص فرما رہے ان کے نزدیک تو کامل وہی ہے جو اپنے ہر دو وظیفے یعنی علم اور عمل میں کامل ہو۔ شریعت کے مطابق تو کامل کے یہی معنی ہیں جو ابھی بیان ہوئے یوں عرف میں یا عوام کے نزدیک اسکے جو بھی معنی ہوں۔ یہی وجہ ہے (یعنی چونکہ عرف عام اور عرف شرع اس باب میں مختلف ہے) اسی لئے علم و عمل کے کامل کو آج لوگ کامل ہی نہیں سمجھتے چنانچہ بڑے سے بڑے عالم دین متبع سنت کی بھی انکے قلوب میں وہ عظمت نہیں ہے جو اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے والے مجاذیب بلکہ مجانین کی ہے اور عوام تو عوام بہت سے خواص بھی اس زمانہ میں اس غلط فہمی کا شکار ہیں جسکا منشا طریق ہی سے جہل ہے۔

آج کامل کی لوگوں کو بہت تلاش ہے کہتے ہیں کہ کوئی کامل ملتا تو اس سے فیض حاصل کرتے لیکن کامل کے صحیح مفہوم ہی سے ناواقف ہیں اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ جس چیز کو آپ جانتے ہی نہوں اور اسکی تلاش میں نکل کھڑے ہوں تو آخر اس سے ملاقات کی کیا صورت ہے؟ ہو سکتا ہے کہ آپکی ملاقات اس سے ہو بھی جائے لیکن نہ پہچاننے کیوجہ سے آپ اخذ فیض سے محروم رہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ عدم معرفت کیوجہ سے کسی غیر کامل کو کامل سمجھ لیں اور اسکی صحبت سے آپ کو بجائے نفع کے ضرر پہونچ جائے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب "نکات الحق" میں لکھتے ہیں کہ:-

(نکتہ) مضر ترین چیز با صحبت ناقصاں است وناقص دریں باب نزد من کسے ست کہ او راغم کمال وتاسف بر احوال خود نیست و آنکہ او را غم ایں کار است رو در کمال دارد ہر چند کامل نبا شد و در صحبت وے ضررے نیست۔

(از الطرائف والظرائف ص۱)

سب اشیاء سے زیادہ مضر (طالب راہ خدا کے لئے) ناقص کی صحبت ہے اور اس باب میں احقر کے نزدیک ناقص وہ شخص ہے جس کو اپنے کمال کا غم اور اپنی بد حالی پر افسوس نہو اور جسکو فکر اور غم ہے اسکا رُخ تو کمال کیجانب ہے پس گو وہ کامل نہیں لیکن اسکی صحبت میں ضرر نہیں۔

دیکھئے شیخ کی اس عبارت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ ناقص کی صحبت مضر ترین شئے ہے وہیں ناقص اور کامل کی تعریف بھی معلوم ہوگئی وہ یہ کہ ناقص وہ ہے جس کو اپنے کمال کا غم نہو یعنی اپنے حال پر افسوس نہو تو اس میں بھی شیخ حال کا لفظ لائے ہیں یعنی ناقص وہ ہے جسکا حال اچھا نہو۔ اسکے مقابلہ سے کامل کی یہ تعریف مفہوم ہوئی کہ کامل وہ ہے جسکا حال اچھا ہو، تو اگرچہ شیخ کی مراد یہاں حال سے وہ حال ہے جو اہل طریق کے نزدیک معتبر ہے یعنی جسکا منشا رعلم وعمل صحیح ہوتا ہم تصریح نہونے کی وجہ سے لوگوں کا ذہن اسکی طرف نہیں جاتا بلکہ وہ اس سے وہی حال وقال سمجھتے ہیں جنکی سرحد کشف وکرامت اور کیفیات وغیرہ سے ملتی ہے۔

مجھے علامہ شعرانی کا یہ مضمون اسی لئے بہت پسند ہوا کہ انھوں نے نہایت ہی صاف صاف تعبیر فرمائی ہے ورنہ تو بزرگوں کے کلام میں ناقص اور کامل کا بہت ذکر آتا ہے مگر اس سے یہ مفہوم نکالنا کہ جو علم وعمل میں کامل ہو وہ کامل ہے بہت مشکل ہے ظاہری الفاظ سے تو اسکے خلاف یعنی عوام کی ہی تائید معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا رومؒ نے مثنوی میں اسکو بکثرت بیان فرمایا ہے چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:-

لقمہ ونکتہ است کامل را حلال تو نہٗ کامل مخور می باش لال

یعنی لقمہ (جسمیں حظ نفس ہو) اور سخن دقیق (مثل اسرار توحید وغیرہ) کامل کے لئے جائز ہے اور تم کامل نہیں ہو اسلئے (غذائے مرغوب نفس بکثرت نکھاؤ) اور گونگے بنے رہو (یعنی کلام میں بھی تقلیل کرو اور اسرار سے تو زبان بالکل ہی بند رکھو ورنہ مضر ہوگا اور یہی معنی ہیں حلال نہ ہونے کے)

دیکھئے یہاں مولانا روم بھی کامل کا لفظ لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اطعمۂ لذیذہ کھانا اور اسرار توحید پر کلام کرنا یہ سب کامل کے لئے تو جائز ہے، ناقص کے مناسب حال تو قلتِ طعام اور قلت کلام ہی ہے۔

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

یہاں بھی مرد کامل لائے ہیں اور اشارۃً فرما گئے کہ کمال تحصیل حال کا نام ہے اسی لئے میں نے کہا کہ علامہ شعرانی کے بیان سے کمال کے معنی جو مفہوم ہوئے وہ نہایت عمدہ اور جدید ہیں دوسرے لوگ اس طرح سے نہیں بیان کرتے۔

ایک جگہ صاحب روح المعانی نے بھی اسی قسم کا مضمون بیان فرمایا ہے لیکن علم وعمل سبب کمال بنتے ہیں اسکو صاف لفظوں میں بھی نہیں فرمایا گو حاصل اور مآل اسکا بھی یہی نکلتا ہے۔ آیۃ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا (انکی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس نے کہیں آگ جلائی ہو) کے تحت لکھتے ہیں:۔

(ومن البطون القرآنیہ التی ذکرھا ساداتنا الصوفیہ نفعنا اللہ تعالیٰ بھم) ان الآیۃ مثل من دخل طریقۃ الاولیاء بالتقلید لا بالتحقیق فعمل عمل الظاھر و ما وجد حلاوۃ الباطن فترک الاعمال بعد فقدان الاحوال	اور قرآن کریم کے ان باطنی مطالب میں سے جنھیں ہمارے سادات صوفیہ نے بیان فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے علوم سے منتفع فرمائے یہ بھی ہے کہ یہ آیت مثال ہے اس شخص کی جو محض تقلید سے بدون تحقیق کے اولیاء کے طریقہ میں داخل ہو جائے اور صرف عمل ظاہری کرے اور باطنی حلاوت نہ پاکر اور احوال کو مفقود پاکر ان اعمال ظاہری کو بھی چھوڑ بیٹھے۔
او مثل من استوقد نیران الدعویٰ ولیس عندہ حقیقۃ المعنیٰ فاضاءت ظواھرہ بالصیت والقبول فافشی اللہ تعالیٰ نفاقہ بین الخلق حتی نبذ ورہ فی الآخر ولا یجد مناصا من الفضیحۃ یوم تبلی السرائر۔	یا یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے دعوٰی کی آگ روشن کی ہو اور اسکے پاس معنی کی حقیقت نہ ہو پس اس آگ نے اسکو ظاہری شہرت اور قبول کا فائدہ بخشا ہو پھر اللہ تعالےٰ اسکے نفاق کو مخلوق پر ظاہر کردے یہاں تک کہ سب لوگوں نے اسکو بالکلیہ ترک کر دیا ہو اور اب اسکے لئے قیامت کی رسوائی سے کوئی مفر نہ ہو۔

وقال ابوالحسن الوراق هذا مثل ضربه الله تعالیٰ لمن لم یصحح احوال الارادة فارتقی من تلک الاحوال بالدعاوی الی احوال الاکابر فکان یضیئ علیه احوال ارادة لو صححها بملازمة آدابها فلما مزجها بالدعاوی اذهب الله تعالیٰ عنه تلک الانوار وبقی فی ظلمات دعاویه لایبصر طریق الخروج منها

(روح المعانی ص۱۵۶ ج۱)

اور حضرت ابوالحسن وراقؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک مثال ہے جو اس شخص پر بھی منطبق ہے جس نے ہنوز اپنی ارادت کی بھی تصحیح نہ کی ہو اور ان احوال کیوجہ سے جو اسے ابتداء میں حاصل ہوئے ہوں اکابر طریق کے احوال تک چڑھ گیا ہو یعنی اپنے لئے اسے ثابت کرتا ہو تو یہ شخص ایسا تھا کہ [illegible] ارادت کی تصحیح کرلیتا اسکے آداب کا لحاظ کرتے [illegible] ارادت کے احوال اس پر روشن [illegible] لیکن جب اس نے اس میں دعاوی (کاذبہ) کی آمیزش کرلی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اسکے نور کو سلب فرمالیا اور وہ اپنے دعوی کی تاریکی میں پڑا رہ گیا اسطرح سے کہ اسکو اس سے نکلنے کی بھی سبیل سجھائی نہیں دیتی۔

دیکھئے صاحب روح المعانی نے حال ہی کو گویا اصل قرار دیکر بار بار اسی کو استعمال فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں ترک الاعمال بعد فقدان الاحوال ۔ آگے کہتے ہیں ولیس عندہٗ حقیقة المعنی یہاں اسی کو معنی سے تعبیر فرمایا اور آگے فرماتے ہیں کہ لمن لم یصحح احوال الارادة ۔ ۔ ۔ فارتقی الی احوال الاکابر

تو یہاں بھی انکی مراد حال سے حال صحیح ہے جو نتیجہ ہوتا ہے علم و عمل کا۔ پس اصل خامی اس شخص میں علم و عمل ہی کی تھی اسلئے یہ ناقص بلکہ منافق رہا، مگر ان لفظوں میں یہ نہیں ذکر فرما رہے ہیں اور ایک یہی کیا میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا کہ اس طریقہ سے مقصود کو بیان کیا ہو کہ وہ علم و عمل ہے جیسا کہ علامہ شعرانی نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ "موطن الدنیا انما ھو للعلم والعمل" اسی سے میں نے اخذ کیا کہ کامل کے یہ معنی ہیں کہ وہ علم و عمل میں کامل ہو۔

(باقی آئندہ)

حضرت مرشدی مصلح الامۃ کا ایک ناصحانہ اور مشفقانہ پیام
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کے نام

(حضرت مصلح الامۃ اور اکابر علماء ہند کے مابین جو مکاتبت ہوئی تھی اسے ہم حالات مصلح الامۃ کے عنوان کے تحت ابتدا ہی میں بیان کرچکے ہیں جنمیں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے مکاتیب بھی نقل ہوچکے تھے لیکن ایک مکتوب ایک دوسرے رجسٹر میں ابھی حال ہی میں نظر سے گذرا جو شائع نہ ہوسکا تھا اس کے پڑھنے کے بعد اسکا مضمون ایسا لگا کہ گویا آج ہی کے حالات میں حضرت والا جناب مہتمم صاحب مدظلہ کو تسلی دے رہے ہیں اور جن مشکلات اور پریشانیوں میں وہ گھرے ہوئے ہیں ان سے نکلنے کی تدبیر اور صحیح مشورہ عطا فرمارہے ہیں۔ ناظرین کے افادہ کے لئے حضرت کے وہ ارشادات یہاں نقل کرتا ہوں تاکہ حضرت والاؒ کے متوسلین کے سامنے اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انداز صلاح واصلاح آجائے اور دوسرے ان تمام حضرات کے سامنے بھی ایک بزرگؒ کا بیان کردہ طریقہ پیش نظر ہوجائے جو اس قسم کے حالات سے کبھی دوچار ہوں اس لئے کہ صلاح وفلاح اسی طریق سے حاصل ہوسکتی ہے جو اپنے زمانہ میں ہمارے اکابر اور بزرگوں نے اپنے طور پر اختیار فرمایا ہے یا دوسروں کو بتلایا ہے۔

انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیام اب سے بیس سال قبل کا ہے جو آج بھی ویسا ہی صادق اور کارآمد ہے جیسا کہ اسوقت تھا۔ اللہ تعالیٰ اسکا نفع عام وتام فرمائے۔ آمین)

ارشاد مصلح الامۃؒ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ بُعد مکانی اور دوسرے عوارض کیوجہ سے اپنے محسنین اور محترم حضرات کی ملاقات سے محرومی پر افسوس ہوتا ہے۔ یہ معلوم ہوکر کہ جناب والا نے ازراہ کرم تشریف آوری کا ارادہ فرمایا تھا اور جب معلوم ہوا کہ میں الہ آباد روانہ ہوچکا ہوں تو

ارادہ ملتوی کرنا پڑا تو اور زیادہ افسوس ہوا اگر مجھے قبل از سفر اسکا علم ہو جاتا تو یقیناً اپنا سفر موخر کر دیتا۔ الخیر فیما وقع ۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مستقبل قریب میں کوئی ملاقات کا موقع نکال دینگے۔ آپ کے اور آپ کے خاندان کے ہم مسلمانوں پر جو احسانات ہیں انکا شمار مشکل ہے بالخصوص علمی درسگاہ جو مسلمانوں کی ایک اہم امانت ہے اور کئی پشتوں سے آپ کے خاندان میں چلی آتی ہے جس کے فیوض سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم فیضیاب ہو رہا ہے جسکی آپ ہی کے بزرگوں نے دوسرے اکابر کی اعانت اور مشوروں سے بنیاد رکھی اور اسکی بقا اور تحفظ کے لئے تدین ، خلوص ، استغنا ، اور توکل کو اصل اصول قرار دیا اور ان سب اصول کا پابند عملاً سب سے پہلے اپنی ذات کو بنایا' ہر حادثہ اور مقابلہ کے موقع پر اسباب سے قطع نظر فرما کر مسبب الاسباب پر نظر جمائی' دنیا بھر کی طاقتیں مقابلہ پر آگئیں' اپنے اور پرائے سب مقابل صف میں ایک بار نہیں بار بار آئے حتیٰ کہ حالات کو دیکھکر یہ گمان ہونے لگا کہ نصیب دشمناں مدرسہ کی بیخ دبنیاد ہل جائیگی، حالات کے پیش نظر موافقین بھی مدرسہ کی مصلحت کے پیش نظر جھک جانے کا مشورہ دینے لگے لیکن انکی نظر خدا پر تھی وہ اسباب سے بڑی قوت مسبب الاسباب کی جانتے تھے اسلئے اس تمام ٹرونگ سے ذرا مرعوب نہیں ہوئے اور اسکو کھیل سمجھا اور جس چیز کو اپنی نظر میں حق سمجھتے تھے اس پر جمے رہے چنانچہ حق کی قوت نے انھیں کو غالب رکھا۔

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں پوراقصبہ صرف اس مطالبے پر اتر آیا تھا کہ صرف ایک ممبر ہمارا لے لیا جائے تو میں نے حضرت گنگوہیؒ کیخدمت میں تحریراً عرض کیا کہ رفع شر کے لئے اگر ممبر لے لیا جائے تو کیا نقصان ہے ؟ اکثریت تو پھر اپنے حضرات کی رہیگی، تو حضرت گنگوہی نے تحریر فرمایا کہ ——— " اگر نااہل کو ہم ایک منصب دیتے ہیں تو ہم سے باز پرس ہوگی اور اگر اسوجہ سے مدرسہ نہ رہے تو ہم سے کچھ سوال نہوگا ——— اور اس ادنیٰ مطالبہ کو بھی قبول نہیں فرمایا یہ قوت مدرسہ کے معاملہ میں انکو اسوجہ سے حاصل تھی کہ وہ حضرات اپنے ذاتی معاملات میں بھی ایسے ہی مضبوط تھے، انکا استغنا، اور انکا توکل اپنے ذاتی معاملات میں عملاً اس درجہ پر پہونچا ہوا تھا کہ خود حضرت نانوتویؒ کا

واقعہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں آتا ہے کہ غالباً شاہجہانپور کے سفر میں احبا
کی سفارش سے صاحبزادۂ نوعمر حضرت حافظ احمد صاحب ہمراہ ہوگئے۔ مراد آباد پہو
تھے کہ احباب میں سے کسی نے صاحبزادے کو پانچ روپیہ پیش کر دیئے (حضرت م
محمد قاسم صاحب) رحمۃ اللہ علیہ کو اسکا علم ہوا تو انکو وہیں سے واپس فرما دیا اور فر
یہ تو جال ہے (یعنی دنیا طلبی کا ذریعہ)

ان حضرات کا اپنے ذاتی معاملات میں بھی اور مدرسہ کے سلسلہ میں بھی
صرف توکل واستغنا ہی تھا مدرسہ کے تمام معاملات میں تدین اور استغنا، اور تو
پیش نظر رہتا تھا، مدرسہ کے متعلق وصایا آپ کے سامنے ہیں اور یہ پیشین گوئی بھی
معلوم ہوگی کہ مدرسہ میں خیر اسوقت تک رہیگی جب تک ان اصول کو پیش نظر رکھ
ان حضرات کے بعد کا دور بھی آپ کے سامنے ہے کہ بڑی قوتیں مقابل آئیں،
کی اساس جو خالص تدین پر تھی اس سے ہٹا کر انگریزی کو داخل کرنے کی سعی مؤثر
سرکاری امداد کی ترغیب دی گئی، نصاب کی تبدیلی کے لئے برابر سعی جاری رہی لیکن
ارباب مدرسہ کے سامنے مدرسہ کے بنیادی اصول اور اپنے بزرگوں کے اقوال اور وصا
تھے انھوں نے بزرگوں کی اس امانت کو علیٰ حالہ باقی رکھنے میں اپنی قوت صرف
اور قوم نے بھی انکے ساتھ پورا تعاون کیا اور اسکی نوبت نہ آنے دی کہ وہ ضرو
مدرسہ کے پورا کرنے میں سرکاری امداد کے لئے مضطر ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر بزرگو
اس امانت کو علیٰ حالہ رکھا جائے، انکی وصایا، انکی ہدایات، انکے بنیادی اصول
خلوص، استغنا، اور توکل کو ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے، نیز اپنے ذاتی کردار کو
کے اصول کے مطابق بنایا جائے تو اب بھی اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہے
اور بڑی سے بڑی باطل قوت ناکام ہو جائیگی۔ ہماری بڑی بدقسمتی ہوگی کہ
ہاتھوں، ہماری کمزوری کے باعث بزرگوں کی یہ امانت ہم سے ضائع ہو جا
اور اسکا خون ہمارے نامۂ اعمال میں لکھا جائے اور قیامت میں بھی ہم سے باز پُ
توکل کے ساتھ تدبر اور نیک مشوروں کی قوت سے پہلے بہت سے نرغوں سے یہ

بال بال بچی ہے اب بھی اگر وہی مجرب نسخہ استعمال کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ آنے والے مصائب سے بچ سکتی ہے۔ پس ہمارا اصل سرمایہ قوت قلبی استغناء اور توکل ہے اور اپنی کمزوریوں کے اعتراف کے بعد یہ عزم بالجزم کہ حتی الامکان بزرگوں کے اساسی قوانین کے مطابق چلایا جائے گا۔

حاصل معروض یہ کہ یہ ادارہ ہمارے پاس ہمارے بزرگوں کی امانت ہے اور امانت اسی وقت تک امانت ہے جب تک اس میں قطع و برید کا تصرف نہ کیا جائے اور چونکہ اسکی اساس خالص تدین اور توکل پر مبنی ہے اسکے بانی خود بھی متوکل اور متدین تھے اور اس ادارہ کی بنیاد بھی تدین اور توکل پر ہی اسکے بقاکیمتعلق پیشین گوئی بھی یہی فرمائی تھی کہ جب تک تدین و توکل رہے گا مدرسہ میں خیر رہے گی۔ اسلئے اگر ہم خیر چاہتے ہیں تو خود بھی متدین اور متوکل نبیں اور مدرسہ کے معاملات میں بھی ان دونوں اصول کو قائم رکھیں اور متوکلین سے وابستگی رکھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کوئی مخالف قوت نقصان نہیں پہونچا سکتی۔

ماضی قریب کے حوادثات اور بادسموم کے سخت طوفان آپکے سامنے آئے اسوقت بھی یہی نسخہ کامیاب ثابت ہوا اور اس نسخہ کے استعمال میں جسقدر کوتاہی رہی اتنی ہی کامیابی میں کمی رہی۔

آپ کے سامنے یہ معروضات سورج کو چراغ دکھلانا ہے لیکن صاحب معاملہ عموماً ہنگامی حالات سے دوچار ہونے کی وجہ سے خود سوچنے سے معذور ہوجاتا ہے اسی لئے کوئی حکیم خود اپنا علاج نہیں کرسکتا اور وکلاء اپنے ذاتی مقدمات کے لئے دوسرے کو وکیل بنانے پر مجبور ہوتے ہیں اسلئے ان معروضات کی جرأت ہوئی ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن مصلحت بیں وکار آسان کن

آخر میں عرض ہے کہ یہ جو کچھ لکھا گیا حدیث بخاری الدین النصیحۃ کے ماتحت لکھا گیا اور حدیث لایزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق

لا یضرھم من خذ لھم (میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہیگی اور انکی نصرت کیجاتی رہیگی انکی نصرت ترک کرنے والے انھیں کوئی ضرر نہ پہونچا سکیں گے) اور حدیث لمن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ لا یضرھم من خالفھم حتی یاتی امر اللہ (یہ امت اللہ کے امر (دین) پر قائم رہیگی اور مخالفین انکو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچا سکیں گے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے) کے مصداق میں داخل ہونے کے لئے (لکھا گیا ہے) اور اس لئے کہ آپ حضرت نانوتویؒ کی اولاد میں سے ہیں، آپ کے خاندان کے جو احسانات علمی، عملی اور دینی ہم پر اور تمام مسلمانوں پر ہیں اس سے عہدہ برآ ہونا اور اس کا شکریہ ہم سے ناممکن ہے۔ یہ سب باتیں بھی جو عرض کی گئیں سب آپ ہی کا طفیل اور آپ ہی کے خاندان اور بزرگوں کی عطایا ہیں۔ ہمکو ہدایت اور علم آپکے خاندان کے بزرگوں سے ملی ہے اسی لئے آپکا حق ہم سب پر لازم ہے اور اسکی شکر گذاری بھی از بس ضروری ہے۔ چنانچہ ہم آپ کے لئے آپ کی اولاد اور خاندان اور متعلقین کے لئے دل سے دعا گو ہیں۔ اور دل سے خواہشمند ہیں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو آپ کی اولاد کو اسلاف کے قدم بقدم فیوض و برکات کا سرچشمہ بنائے اور ہرگز ندو کجی سے محفوظ رکھے، اور آپ سے بھی اپنے لئے اپنی اولاد و متعلقین و مریدین کے لئے اسی دعا کے مستدعی ہیں۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ،

(راقم عرض کرتا ہے کہ ہمارے حضرت مصلح الامۃ جس ذات سے اپنے ساتھ ساتھ اپنے متعلقین، اولاد اور مریدین کے لئے دعا کی درخواست فرما رہے ہیں اور خود بھی ان کے لئے دعا گو ہیں تو اتباع شیخ میں ہم سب بھی حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے لئے اور مدرسہ کے لئے دعا گو ہیں اور خود اپنے لئے طالب دعا ہیں۔

ناقل و مرتب جامی)

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مدرسہ کے مولانا صاحب کس قدر بارعب اور باعزت رہتے ہیں شخص کے دل میں انکی وقعت ہر شخص کے نزدیک انکا ادب و احترام۔ اس لئے میں بھی اپنے بچہ کو یسا ہی دیکھنا چاہتا ہوں قوم کی دینی خدمت لوجہ اللہ کرے جس کا لازمی نتیجہ انکی جانب سے ترام و تعظیم کا ہے خلق بھی خوش اور خدا بھی راضی۔

تو ملاحظہ فرمایا آپ نے ایک شخص کو دین اور دینی تعلیم کا خیال مدرسہ کے مولوی صاحب کے کردار کی خوبی، اخلاق کی بلندی اور طلبہ کے حسن تربیت کی وجہ سے ہوا، اب اگر کسی دینی مدرسہ احال اس سے مختلف ہو جائے یعنی وہاں کے طلبہ کے یہاں صرف مطالبات کا انبار ہو، اساتذہ کا ادب و تعظیم بجائے خود رہی وہاں کے ہر استاد کو اپنی عزت بچانی مشکل ہو رہی ہو اور درس حدیث ں المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ پڑھکر آنے کے بعد اسکی تکرار اس طرح کیجا رہی ہو کہ باہم کسی بحث میں دست و گریباں ہو جانا تو معمولی بات ہے لاٹھی ڈنڈے وغیرہ کے استعمال ں بھی تکلف نہ ہو تو آپ خود فرمائیے کہ اس منظر کے دیکھنے کے بعد کون شریف اور ذی حس انسان پنے بچے کے لئے اسی ماحول کی زندگی دیکھنا پسند کرے گا اور اگر سب مدارس دینیہ اسی انداز کے ہو جائیں یہ کہکر کہ ہمارے ایک بڑے مرکزی مدرسہ کا یہی حال ہے تو پھر بتائیے دین کا کیا شر ہوگا؟ بادی النظر میں تو یہ لاٹھی اور چاقو انسانوں پر چلتے نظر آرہے ہیں لیکن ارباب حقیقت انتے ہیں کہ اسکے ذریعہ دین کو شکست کیا گیا اور اخلاق کو ذبح کیا گیا۔

ایک طبقہ نے تو پہلے ہی سے تعلیم دین سے بیزاری اختیار کرلی تھی، دوسرے نے اب ن حالات کو دیکھکر اس میدان میں قدم رکھنے سے کان پکڑا، اب آپ ہی فرمائیے کہ والبادی اظلم ور من سن سنۃ سیئۃ کا کیا مطلب ہوا؟ اور اگر ہمارے اس طرز سے اسلام یا تعلیم دین کو و نقصان پہونچ رہا ہے تو خدا تعالیٰ کے یہاں ہمارے لئے اس سے عہدہ برآری کی کیا صورت ہے؟ ہی ان صفات کے ساتھ ہم لوگ چشمہ کے منھ کا پتھر بن گئے ہیں کہ نہ خود اس سے پانی پیتا ہے اور دوسروں کو پینے دیتا ہے۔ پھر ایسی حالت میں کسی کو دین اور دینی علم کی جانب رغبت ہو تو ونکر ہو اور کوئی کیا نفع دیکھکر اپنے لخت جگر کے لئے دینی تعلیم تجویز کرے کیونکہ

* دوسرے لوگ اپنے بچوں کے مستقبل کو آپ ہی کے آئینہ میں دیکھنا چاہیں گے۔

اس موقع پر ایک بات یاد آگئی حضرت مصلح الامۃ نے ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت مولانا تھانوی نے اپنے کسی عزیز بچے سے پوچھا کہ میاں فلاں تمھیں انگریزی پڑھنا پسند ہے یا عربی ۔ اس نے برجستہ کہا کہ عربی ۔ حضرت نے پوچھا کہ کیوں اس بچے نے کہا کہ اس لئے کہ بڑے بڑے انگریزی داں ڈپٹی کلکٹر وغیرہ آپ کا جوتا اٹھاتے ہیں اور آپ کسی کا جوتہ نہیں اٹھاتے یعنی آپ کو ان سب میں گویا جاہ میں تقدم حاصل ہے ۔ یہ اس نے اپنے فہم کے مطابق ایک بات کہی اور اس میں شک نہیں کہ خوب بات کہی ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اخلاص تو ہم لوگوں میں ہے نہیں کسی لالچ ہی سے لوگ کوئی کام کرتے ہیں مال کا خیال ہو یا جاہ کا ' دین پڑھنے والوں کے لئے مال و دنیا کا نفع تو اہل دنیا نے پہلے ہی ختم کر دیا تھا ، باعزت و جاہ کا نفع وہ ہم نے اپنے ہاتھوں خود ختم کرلیا ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون شاید ایسے ہی حالات میں ایک مسلم کو ابھارنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ من احیا سنتی عند فساد امتی فلہ اجر مأتہ شھید جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میں میری سنت کو زندہ کریگا اسکو سو شہید کا ثواب ملیگا)

آپ خود غور فرمائیے کہ ایسی حالت میں دین کس قدر غریب اجنبی اور کس مپرسی کے حال میں ہو جائیگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بالکل صادق آجائیگا کہ ان الاسلام بدأ غریبا وسیعود غریبا فطوبی للغرباء اسلام اپنے ابتدائی دور میں بالکل ایک اجنبی مسافر غریب الدیار سا ہو کر آیا تھا جس کا نہ کوئی شنا سا ہوا اور جس سے کسی کی راہ و رسم ہوا اور آخر زمانہ میں پھر ایسا ہی ہو جائیگا ۔ حالات زمانہ نے وہی دور ہمارے سامنے رکھدیا ہے ۔ لیکن اسکے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ فطوبی للغرباء یعنی جو لوگ سارے ماحول کے خلاف میری سنت کو زندہ کرنے کے درپے ہوں اور دین کو اختیار کئے ہوئے ہوں ان کے لئے خوشخبری ہو جنت کی ، خدا کی رضا کی ، میری خوشنودی کی ۔ آج یہی زمانہ ہے کہ بلاشبہ علم دین کی تحصیل کے دواعی کم بلکہ ختم ہو گئے ہیں لیکن اسکے باوجود جو اللہ کا محبوب بندہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محب امتی اس راہ کو اپنے لئے پسند کریگا وہ لائق صد مبارک باد ہے ۔ انھیں حالات کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہؓ سے فرمایا کہ سنو! آج کے

دن دین کے دس حصوں میں سے اگر تم لوگ نو پر عمل کروگے اور ایک کو ترک کروگے تو ہلاک ہوجاؤگے اور میرے بعد ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ لوگ اگر دین کے دس حصوں میں سے صرف ایک حصہ کو اختیار کرینگے تو کامیاب ہوجائیں گے، اسکی وجہ اس قسم کے حالات کا پیدا ہوجانا ہے کہ جس میں دین اختیار کرنا انسان کے لئے ہاتھ میں انگارہ لینے سے زیادہ دشوار ہوگا اسلئے ناامید ہونے کی اور مایوسی کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہمت کے ساتھ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ایمان لاتے ہوئے اپنی جانب سے سعی و کوشش میں کمی نکرنی چاہیئے، حالات کو سازگار بنا دینا کارساز حقیقی کا کام ہے

کارسازِ ما بسازِ کارِ ما فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

رابعاً: "طلبہ میں اس زمانہ میں بالعموم پست ہمتی، کم ظرفی، کم حوصلگی اور جبن و بزدلی کا مرض عام طور پایا جاتا ہے، شروع ہی سے ان امور کے انسداد کی ضرورت ہے اور ضرورت ہے کہ ان میں عالی ظرفی، بلند حوصلگی، جرأت وغیرہ پیدا کیجائے اور غصہ و کبر، چوری و جھوٹ وغیرہ کی سختی کے ساتھ نگرانی کیجائے۔ نیز بڑے طلبہ میں دوسرے قسم کی بداخلاقیاں جو ہوجاتی ہیں انکی طرف سے بھی غافل نہ رہا جائے"،

خامساً:۔ "اپنی جانب سے سعی و کوشش کے ساتھ ساتھ حق تعالےٰ سے اعانت طلب کیجائے کیونکہ بدون انکی امداد کے ہمارے کسی کام میں برکت نہوگی اور فضل خداوندی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری طرف سے تعلق و نسبت قوی ہو جتنی نسبت قوی ہوگی اسی قدر ادھر سے اعانت عام و تام دیکھئے گا"

والسلام ۔ وصی اللہ عفی عنہٗ

ملاحظہ فرمایا آپنے اصلاح امت کے سلسلے میں حضرت مصلح الامۃ نے عوام کے اتفاق و اتحا کے لئے اصول تنظیم مقرر فرمائے اور خواص یعنی علماء اور طلبہ کو الگ فرمان جاری فرماتے گئے کہ مدرسہ میں کیا ہونا چاہیئے اور کیا ہو رہا ہے۔ اہل مدارس خدا تعالیٰ کے یہاں کی بازپرس سے غافل نہ اور یہ امر پیش نظر رکھیں کہ انکے اخلاق و کردار کا اثر متعدی ہوا کرتا ہے۔ اب انکے طلبہ میں حسن خلق حسن ادب، حسن سیرت پیدا ہو رہی ہے یا کچھ اور اسکے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

اسکے ساتھ ساتھ خواص اہل سلوک سے بھی غافل نہیں ہوتے تھے حتیٰ کہ اگر کسی کو اجازت تک دیدی ہے تب بھی اسکے ہر حرکت وسکون پر کڑی نگاہ رکھتے تھے کہ ایک انسان بڑی مشکل سے انسان بنتا ہے ۔ اسکا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو ــــــ ایک جزئی غلطی پر اپنے ایک خلیفہ کو کسقدر زجر و توبیخ فرمائی جارہی ہے ۔ مضمون خط سے کچھ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والا کے کسی مجاز[1] (خلیفہ) کے یہاں کوئی دوسرے صاحب ملنے گئے غالباً وہ بھی خلیفہ اور مجاز[2] ہی تھے لیکن اول الذکر ذرا آن بان سے رہتے تھے اور خلافت کی ظاہری شان سے بھی متصف تھے اور ثانی الذکر ایک فانی قسم کے آدمی سادہ وضع بلکہ کچھ دیہاتی وضع وقطع رکھتے تھے جسکی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ انکی اجازت اور ان کے باطنی نظام کا علم ان اول الذکر بزرگ کو ابتک نہ رہا ہو، انھیں اول الذکر بزرگ کے نام حضرتؒ کا یہ عتاب نامہ گیا :-

"آپ کو معلوم ہے کہ میرے یہاں اخلاق کی درستگی کا کس قدر اہتمام رہتا ہے باوجود اسکے آپ نے یہ کیا کہ آپ کے یہاں . . . . صاحب گئے اور اپنا آدمی سمجھکر آپ سے ملے تو آپ نہایت ہی بے التفاتی اور بے توجہی سے ان سے پیش آئے اور انکو زجر کر دیا (یعنی کسی بات پر انکو ڈانٹ دیا)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ تعلیم وتلقین کرنیکے اہل نہیں ہیں لہٰذا میں آپکی اجازت کو فسخ کرتا ہوں اور آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اب آپ میری طرف سے کسی کو تعلیم وتلقین نہ کیجئے اور نہ مجھ سے) خط وکتابت رکھیئے اور نہ یہاں آنے کی زحمت گوارا کیجئے ، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس امر کی اطلاع کر دیجئے ۔

(بحکم حضرت والا ۲۶ر شوال سنہ ھ) (کاپی نقل خطوط غیر مجلد[2])

یہ تھی حضرت مصلح الامتہؒ کی شان اصلاح کہ لا تاخذکم رافۃ فی دین اللہ کا گویا مکمل نمونہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کے زندہ فرمانے والے تھے کہ جس میں آپؐ نے مسجد کی دیوار پر نخامہ (تھوک کو) ملاحظہ فرما کر تمام صحابہؓ سے سختی کے ساتھ مواخذہ فرمایا تھا اور مارے غصہ کے چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا تھا حتیٰ کہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ گویا آپ کے رخسار مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو ــــــ تو یہ ناراضگی اور اتنا شدید مواخذہ اسی لئے تھا کہ توقع کے خلاف معاملہ وقوع

میں آیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر (مسجد) کی صفائی اور ستھرائی کا خیال تو ایک معمولی مسلمان کو ہونا چاہیئے چہ جائیکہ صحابی رسولؐ سے اس امر میں کیسے یہ چوک ہوگئی اور تاکہ سارے مجمع کو عبرت ہو جائے کہ اس جیسے امر سے اجتناب کرنا چاہیئے ــــ بس یہی منشا حضرات مشائخ کے مواخذات کا بھی ہوا کرتا ہے جہاں نہ بد اخلاقی کا کچھ گذر اور نہ غصہ کا کچھ سوال۔

اب آپ خود خیال فرمائیے کہ اس تحریر کا ان صاحب پر کیا اثر ہوا ہوگا پیر تلے کی زمین ہی تو نکل گئی ہوگی اور اسوقت نفس پر کیا کچھ آرہ چلا ہوگا جب اسکی اطلاع اپنے اس حلقہ کو دی ہوگی جو کل تک سر جھکائے دست بستہ شریک مجلس ہوتے ہونگے آج ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ میں آپلوگوں کے کام کے لائق نہیں ہوں کہیں اور تشریف لے جائیے ــ بلا شبہ یہ ہے جہاد اکبر اور رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر کا صحیح مصداق۔ اصلاح نفس کچھ کھیل نہیں ہے اجازت اور خلافت کے بعد بھی انسان کے لئے اس سے غفلت روا نہیں اور کیسے ہو بھی سکتی ہے جبکہ یوسف نبی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماویں کہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ تو ایک امتی کس شمار و قطار میں ہو سکتا ہے ؟ اللہ تعالیٰ کے طالبین نے اللہ تعالیٰ کیلئے طریق میں ایسے ایسے ہزار نشتر برداشت کئے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اسکا صلہ تام عطا فرمائے اور ایسے حضرات کے اخلاص کے طفیل میں ہمارے حال وبال کی اصلاح فرما دے۔

بہر حال حضرت والا نے بھی انکو پیش آنے والی تکلیف کا احساس فرما کر دوسرے ہی دن راقم کو حکم فرمایا کہ فلاں صاحب کو جنکو کل ایسا ایسا خط گیا ہے تم اپنی جانب سے یہ مضمون لکھدو' حضرت والا کے بتانے پر میں نے انھیں جو خط لکھا وہ یہ تھا:-

احقر (جامی) عرض کرتا ہے (اگرچہ اسکا آپ سے کچھ کہنا چھوٹا منہ اور بڑی بات کا مصداق ہے) کہ اقسام اخوت میں سے دینی اخوت سب سے زیادہ مستحکم اور قوی ہوا کرتی ہے۔ انسان کو اپنے حقیقی بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کی توقع کم ہوتی ہے لیکن اپنے دینی بھائی اور پیر بھائی سے زیادہ (توقع اسکی رکھتا ہے) اب اسکے خلاف معاملہ دیکھکر انسان کو جتنی بھی تکلیف نہو کم ہے کیونکہ ایک ایسے محل سے اسکا وقوع ہوگا جہاں سے توقع نہیں ہوتی تھی تاکہ اس شخص کو اور بھی زیادہ

تکلیف ہوگی جسکو مساویانہ درجہ بھی حاصل ہو۔ اس لئے آپ جیسے مردم شناس اور قدرداں حضرات سے واقعی تعجب ہے کہ ایک شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ بھی (ہمارے) شیخ کو اخلاص کے ساتھ ماننے والا ہے اس کے ساتھ ایسی بے اعتنائی کیونکر وقوع میں آئی۔ رہا کسی کا ظاہری وضع میں سادہ اور دیہاتی ہونا تو حقیقت میں حضرات کی نگاہوں میں کوئی چیز نہیں لہٰذا بہت ممکن ہے کہ جسے ہم دیہاتی سمجھتے ہوں وہ بھی ہمارے ہی مرتبہ کا ہو، یہ احتمال آپ کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ گیا، میرا خیال ہے کہ سب سے بڑی چوک آپ سے یہی ہوئی

راقم جامی ۲۷ شوال ۱۳۰۰ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے ایک خاص بلکہ کہنا چاہیئے کہ اخص الخواص سے ایک اخلاقی لغزش کتنا سخت مواخذہ فرمایا، عبادت کی کمی اور کوتاہی کو حضرت معاف فرما دیتے تھے لیکن اخلاقی گراوٹ بالکل برداشت نہ فرماتے تھے کہ حسن اخلاق ہی سے متصف ہونا تو تصوف کہلاتا ہے۔ آدمی صوفی پھر بدخلق ہو حضرت اقدس کی تعلیمات میں اسکی گنجائش نہیں تھی۔

بہرحال باب اصلاح میں نہ کسی عزیز و قریب کے لئے رعایت تھی نہ خلیفہ کے لئے اسکو حضرت والا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے اور خود کو اس سلسلہ میں خدا کے یہاں جوابدہ خیال فرماتے تھے اسلئے جو بھی ہوتا اسکو اس بارے میں کھرا اترنا ہی پڑتا تھا۔

ایک عربی مدرسہ کے ایک ناظم صاحب نے ایک جدید جماعت اور اسکے موجد کی کتب کے مطالعہ کے بارے میں حضرت سے دریافت کر لیا اسکا جو جواب مرحمت فرمایا گیا ملاحظہ تحریر فرمایا کہ:۔

"نہایت افسوس کی بات ہے کہ عالم ہوکر اور ایک ادارے کے ناظم و مہتمم ہوکر بھی حق و باطل کی ابتک تمیز نہ ہوسکی اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی کتابوں اور مواعظ کو دیکھنے سننے والا اتنا فیصلہ نہ کرسکا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ حضرت قدس سرہٗ کے مقابل یہ شخص آفتاب کے مقابل ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا پھر

آپ لوگوں کے دل میں اسکی اتنی اہمیت کیوں ہے؟"

والسلام وصی اللہ عفی عنہ

دیکھئے ایک جملے میں اپنے خیالات اور اس جماعت کے متعلق اپنے نظریئے کی کیسی ترجمانی فرمادی جس کے لئے لوگ بڑی بڑی تصانیف لکھ ڈالتے ہیں۔ اب جو لوگ حضرت حکیم الامتؒ یا حضرت مصلح الامتؒ کے ماننے والے ہیں اور جنکو ان سے اعتقاد ہے ان کے لئے اس سلسلہ میں بس اتنا ہی کافی ہے۔ یہ بزرگ سائل مدرسہ کے مہتمم تھے (حضرت سے مرید رہے ہونگے) اس لئے ایسا سخت انکو لکھا کہ آپ لوگوں کو دوسروں کی رہنمائی کرنی چاہئے اور جب آپ خود ہی ریب و تردد میں پڑجائیں گے تو عوام کا تو بیڑا ہی ہوجائے گا، اپنے منصب کو سمجھئے اور اپنے علم کو بروئے کار لائیے یہ کیا کہ عوام کیطرح اس قسم کی باتوں میں آپ بھی دوسروں کے محتاج ہیں۔ اس طرح گویا انکو کام پر ابھارا گیا۔

حضرت اقدسؒ کی شہرت کی وجہ سے کبھی لوگ نہایت اہم سوالات امت کی صلاح و فلاح کے سلسلے میں حضرت سے کرلیا کرتے تھے بعض دفعہ سائل دنیوی وجاہت کی رو سے بڑا شخص ہوتا تھا لیکن حضرت والا سے وہ تو متعارف ہوتا حضرت اس سے بے تکلف نہوتے اس لئے ایسے موقع پر حضرت مصلح الامتہ کا انداز جواب ملاحظہ ہو لکھنؤ سے ایک صاحب نے جو سکریٹریٹ میں کسی بڑے عہدے پر مقرر تھے حضرت والا کو لکھا کہ :-

"پچھلا خط میں نے خدمت اقدس میں قریب ڈیڑھ ماہ ہوا جب لکھا تھا اور اب اتنی تاخیر کے بعد دوسرا عریضہ لکھ رہا ہوں امید ہے کہ حضرت معاف فرمائیں گے حضرت کے ارشادات عالیہ سے بڑی تقویت ہوئی گو سہل پسند طبیعت ایک آسان سے نسخے کی متمنی تھی مگر حقیقۃً یہ وسوسۂ شیطانی تھا جس سے بحمداللہ اثر پذیر نہوا اب کوشش یہی ہے کہ عمل صالح ہی زندگی کا شعار بنے، حضرت کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

یوں تو میں نے بہت سلجھی ہوئی طبیعت پائی ہے کسی چیز پر "راسے زنی" کرتے وقت روشن پہلو ہی سامنے رہتا ہے، غیبت کو عیب جاننا اور عیب جوئی سے

پرہیز کرنا طبیعت ثانیہ بن چکا ہے مگر آن دنوں عجیب الجھن میں مبتلا ہوں، دل کی بات زبان تک لاتے ہوئے ڈرتا ہوں، حضرت ہی اس معاملہ میں میری رہبری فرمائیں اور صحیح راستہ دکھلائیں۔

میرے خیال میں فی زمانہ مسلمان کے لئے فلاح و بہبود اس میں ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل کرے اور خاموش زندگی گذار دے لیکن چونکہ مسلمان کا مقصد حیات یہیں نہیں پورا ہوتا بلکہ اسکے آگے منزلیں اور بھی ہیں مثلاً استقامت دین کے لئے جد و جہد سو جب وہ اس منزل کے لئے قدم اٹھاتا ہے تو نہ صرف اسکی دنیوی زندگی بلکہ دینی زندگی بھی متزلزل ہو جاتی ہے اور بہت کم لوگ ہیں جو اس راہ میں ثابت قدم رہ پاتے ہوں۔ فی زمانہ یہ فریضہ صرف علماء کے لئے محدود ہو کر رہ گیا ہے مگر یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ انکی بڑی تعداد (الا ماشاء اللہ) ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کی عادی ہے ایک دوسرے کو گمراہ اور دوسرا اسے کافر تک کہنے سے نہیں چوکتا۔ نام و نمود کی خواہش، دنیا کی چاہت، خود نمائی اور خود پرستی۔ ریا اور غیبت کون سا عیب ہے جس کے وہ مرتکب نہیں ہوتے اپنے اپنے طور پر عوام کے سامنے نیا نیا اسلام پیش کرتے ہیں کبھی غیر مسلموں سے مناظرے ہوتے تھے اب آپس میں ہوتے ہیں وہ لڑتے ہیں اور بیچارہ مسلمان سیدھا سادہ ہکا بکا رہ جاتا ہے کون ہے جو اسکی رہنمائی کرے؟ وہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ یہ باہمی فرقہ بندی، اہل قرآن اور اہلحدیث کے جھگڑے جماعت اسلامی اور دیگر علماء کا جھگڑا اور یہ سب کیا ہے؟ اگر مدعا و مقصد ایک ہی تو اشتراک عمل کیوں نہیں کرتے؟ دین تو روز روشن کی طرح عیاں ہے مگر اسکے برتنے کی راہیں نت نئی بنکر سامنے آتی ہیں اور ہر رہبر اپنی برتری کا دعویدار ہوتا ہے، بیچارے عوام اندھوں کی طرح پیچھے لگ جاتے ہیں اور اس طرح جماعتی کشمکش میں مبتلا ہو کر دین کی اعلیٰ قدروں سے کوسوں دور ہو جاتے ہیں

(باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

پیش نظر مضمون ہمارے حضرت مصلح الامۃ (یعنی مولانا و مرشدنا حضرت شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی ثم الٰہ آبادی نور اللہ مرقدہٗ) کے رفیق درس طریق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس اللہ سرہٗ کی ایک بےنظیر تالیف اور انکی برسہا برس کی کاوشوں اور عمیق و وسیع مطالعہ سے حاصل شدہ علوم و حکمت کا ایک بیش بہا خزانہ ہے جس کا نام بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے علمی مذاق پر "ثمرات الاوراق" تجویز فرمایا تھا یعنی اشجار و اوراقِ علوم سے حاصل شدہ پھل اور میوے۔ چنانچہ بلاشبہ یہ منتخب مضامین ذوق علمی اور مذاق دینی رکھنے والوں کے لئے نہایت ہی شیریں اور خوش مزہ اور خوش ذائقہ پھل ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھکر ہیں اسلئے کہ میوے اور پھل سے تو صرف کام و دہن ہی لذت آشنا ہو سکتے ہیں اور انکی وجہ سے تو روح و قلب کو نشاط و مسرت حاصل ہوتی ہے نیز اول صرف لطف دنیا ہی بنکر ختم ہو جاتے ہیں اور ثانی راحت اخروی کا ذریعہ ہوتے ہیں جو کہ ابدی ہوگی اور دائمی

رسالہ ہذا میں عرصہ سے ایک مضمون "ترغیب الفقراء والملوک ترجمہ سلک السلوک" شائع ہوتا رہا ہے جس کا نفع الحمد للہ بہت ہی عام رہا، ہر جانب سے احباب نے صدائے تحسین بلند کی، طالبین نے ختم تالیف سے پہلے ہی کتاب کا مطالبہ شروع کر دیا، بالآخر وہ مضمون جنوری ۱۹۸۰ء سے شروع ہو کر اکتوبر ۱۹۸۱ء میں اختتام کو پہنچ گیا اسلئے فکر ہوئی کہ اب اسکی جگہ رسالہ میں کیا مضمون دیا جائے کہ اسی اثناء میں اپنے ایک عزیز کے یہاں مذکور الصدر کتاب مطالعہ سے گذری بہت پسند ہوئی، احباب

سے مشورہ کے بعد مناسب سمجھا گیا کہ حضرت مفتی صاحب کے اس فیض کو عام کیا جائے چنانچہ اولاً تو اسکے انتخاب کا خیال پیدا ہوا لیکن انتخاب کے انتخاب کو مناسب نہ جانتے ہوئے بہرحال اسی سلسلہ کو مکمل طور پر سے لینے کا ارادہ ہے اللہ تعالے اسکو پورا فرمادے اور خدا کرے ناظرین کے لئے یہ "سلک السلوک" ہی کا نعم البدل ثابت ہو اور اسکا بھی نفع عام و تام ہو۔

حضرت مفتی صاحبؒ چونکہ ہمارے حضرتؒ کے محبوب رفقا میں سے تھے اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ گویا یہ انتخاب حضرتؒ ہی کا پسندیدہ ہے یوں یہ مضمون رسالہ ہٰذا کے لئے اجنبی بھی نہیں رہا سہ

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

چنانچہ جن جن حضرات کے وسائط سے حضرت مفتی صاحبؒ کا یہ مضمون ہم تک پہونچا ہے ان سب حضرات کے شکریہ کے ساتھ ہم اسے یہاں شائع کر رہے ہیں۔

مرتب: ناکارہ عبدالرحمٰن جامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثمرات الاوراق

حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت غیر مسلموں کے قلوب میں

حکیم ابن حزام (جنکو آج ہم حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) جبتک مسلمان
یں ہوئے تھے شرک و بت پرستی کے جال میں مقید اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں میں داخل تھے
سلام اور پیغمبر اسلام کے طریقہ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے، قریش عرب کے سردار مانے جاتے تھے
ز تعجب ہے کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گرویدہ اور آپ کی محبت میں مخمور تھے

عشق را نازم کہ یوسف را بباز ار آورد ہمچو صنعا زاہدے را زیر زنار آورد

امام حدیث و تاریخ ابن عساکر اپنی تاریخ میں زبیر ابن بکار کی روایت سے نقل کرتے
ں کہ جن ایام میں بیرحم و ظالم کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے قبیلہ بنی ہاشم سے
کلیہ مقاطعہ کیا اور پہاڑ کی ایک گھاٹی میں آپ کو مع سارے قبیلہ کے مقید کر کے آب و دانہ
پہنچنے کے سارے راستے بند کر دیئے آپ اور صحابہ کرام کو درختوں کے پتے کھا کر وقت گزارنے کی
بت آئی، یہ کسکی مجال تھی کہ ساری برادری کے خلاف آپ کو کوئی سامان پہنچا دے حکیم ابن حزام
ں واقعہ سے بیچین تھے، آخر یہ صورت نکالی کہ جب ملک شام سے انکا تجارتی قافلہ گیہوں لیکر آتا
جن اونٹوں اور گدھوں پر گیہوں لدے ہوئے ہوتے تھے اسکو اس گھاٹی کے دروازے پر
جاتے اور وہاں پہونچکر انکو مارنا شروع کر دیتے یہاں تک کہ وہ بھاگ کر اس گھاٹی میں گھس جاتے
ر بنی ہاشم انکو پکڑ کر ان سے غلہ حاصل کر لیتے تھے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ابن حزام فرمایا کرتے تھے کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی مجھے
ب سے زیادہ محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے

مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہو چکے تو ایک مرتبہ حکیم ابن حزام موسم حج میں شریک تھے وہاں دیکھا کہ عرب کے مشہور بادشاہ ذی یزن کا ایک حلہ فروخت ہو رہا ہے یہ اگرچہ اسوقت کافر تھے لیکن جوش محبت نے انھیں اس پر مجبور کر دیا کہ یہ نفیس اور قیمتی حلہ خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کریں۔ بڑی قیمت دیکر خریدا اور پھر خود مدینہ طیبہ کا سفر کرکے آپکی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یہ حلہ میری طرف سے ہدیۃً قبول فرما لیجئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بعض اوقات کفار کا ہدیہ بھی قبول فرما لیتے تھے جیسا کہ احادیث معتبرہ میں اسکے شاہد موجود ہیں مگر غالباً اس موقع پر حکیم ابن حزام کی اس محبت کو دیکھکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ توقع ہوگئی شاید یہ اسلام قبول کرلیں اسلئے ارشاد فرمایا ہم مشرکین سے ہدیہ نہیں لیا کرتے لیکن اگر آپ چاہیں تو قیمت دیکر یہ ہدیہ لے سکتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ مجھے اس سے سخت پریشانی ہوئی کہ آپ نے میرے ہدیہ کو رد کر دیا اور قیمت لیکر مجھے دینا گوارا نہ ہوا اسلئے میں یہاں سے یہ ارادہ لیکر اٹھا کہ سب سے پہلے جو آدمی مجھے ملیگا میں اسکے ہاتھ یہ حلہ فروخت کردوں گا خواہ کتنی ہی کم قیمت پر فروخت کروں۔ ادہر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ رضؓ کو خفیہ طور پر میرے پیچھے لگا دیا کہ جب یہ فروخت کرنے لگیں تو تم خرید لینا چنانچہ زید بن حارثہ رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حلہ خرید لیا اور اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم مبارک پر یہ حلہ پہنے دیکھا تو مسرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ جو مقصد تھا وہ ایک درجہ میں حاصل ہوگیا

حکیم ابن حزام فرماتے ہیں کہ جب آپ یہ حلہ زیب تن فرماتے تھے تو مجھے سارے جہاں میں آپ سے زیادہ حسین و جمیل کوئی معلوم نہ ہوتا تھا

(تاریخ ابن عساکر ص ۱۴۱ ج ۴ نعایۃ ج ۲ ص ۴۱۶)

حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر کے موقع پر بھی بہت کوشش کی کہ اپنی قوم کفار قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ سے روکدیں اور عتبہ بن ربیعہ کو بھی اس کام میں اپنا ہمخیال بنا لیا تھا مگر ابوجہل کی قسمت میں اسوقت موت لکھی تھی اس لئے انکی تدبیر چلنے نہ دی۔

(ابن عساکر ج ۴)

(۲) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا اسلام

حکیم بن حزام (جیسا کہ واقعات مذکورہ سے معلوم ہوا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانۂ جاہلیت وکفر میں بھی والہانہ محبت رکھتے تھے لیکن مذہب اسلام قبول کرنے پر شرح صدر اور اطمینان حاصل نہوا تھا اسلئے ہجرت کے نویں سال تک برابر اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کلی انکی محبت صادقہ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ یہ بھی دولت اسلام سے مالامال ہوں اور کفر وشرک کی لعنت سے بچ جائیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو مجھسے فرمایا مکہ معظمہ میں چار آدمی ایسے ہیں کہ جنکا شرک میں مبتلا رہنا مجھ پر شاق وناگوار ہے اور میری تمنا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ یہ ہیں عتاب بن اسید۔ جبیر بن مطعم۔ حکیم بن حزام۔ سہل بن عمر۔ اللہ تعالیٰ نے آپکی تمنا پوری فرمائی اور یہ چاروں حضرات اسلام میں داخل ہوگئے۔

الغرض حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو جبتک اسلام اور اسکی حقانیت پر شرح صدر نہیں ہوگیا باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اسلام میں داخل ہونے سے محترز رہے اور جب حق تعالےٰ نے انکو اسلام کی توفیق بخشی اور توحید کا مزہ محسوس کیا تو اتنے دنوں تک مسلمان ہونے میں تاخیر کرنے پر افسوس کرتے رہے۔

ایک روز حکیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ زار زار رو رہے ہیں صاحبزادی نے عرض کیا کہ اباجان رونے کا کیا باعث ہے؟ فرمایا میری ساری حرکتیں رونے ہی کے قابل ہیں کہ میں نے اسلام لانے میں اتنی تاخیر کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت جہاد کے بڑے بڑے مواقع فوت کر دیئے اور فتح مکہ تک مجھے اسلام پر شرح صدر نصیب نہیں ہوا (ابن عساکر ص ۴۱۷ جلد ۴)

کہاں ہیں وہ ظالم افترا پرداز جو کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے، وہ حکیم بن حزام سے پوچھیں کہ تمھیں کس تلوار نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا

فتح مکہ میں حضرت حکیم مشرف باسلام ہوتے ہی غزوۂ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ شریک جہاد ہوئے ایک مرتبہ حضرت حکیمؓ کو کوئی ضرورت پیش آئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عطاء کا سوال کیا آپ نے کچھ روپیہ عطا فرما دیا ایسا ہی واقعہ پھر پیش آیا اوران کے سوال کرنے پر آپ نے عطا فرمایا اور ساتھ ہی یہ نصیحت فرمائی

ان ھذا المال خضرة حلوة فمن اخذ بسخاوة نفس بورك له فيه ومن اخذه باشراف لم يبارك له فيه وكان كالذي ياكل ولا يشبع واليد العليا خير من اليد السفلى (ابن عساکر ص۴۱۷ ج۴)

یہ مال لبھانے والا اور شیریں ہے جو شخص اسکو استغنار کے ساتھ حاصل کرتا ہے اسکے لئے برکت ہوتی ہے اور جو انتظار اور طمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے اسکے لئے برکت نہیں ہوتی اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص کھاتا جائے اور پیٹ نہ بھرے اور یاد رکھو کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے

حضرت حکیم نے یہ نصیحت ہمیشہ کیلئے پلّے باندھ لی اور عرض کیا کہ اب میں آپ کے بعد کسی کو کچھ دینے کی تکلیف نہ دونگا چنانچہ اسکے بعد کبھی کسی مال غنیمت میں سے بھی اپنا حصہ نہ لیا حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ چاہتے تھے کہ مال غنیمت کا حصہ ان کو دیدیں مگر حکیمؓ حدیث مذکور سنا کر عذر کر دیتے تھے۔

(۳) حضرت حکیم ابن حزام کا حکیمانہ مشورہ

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے قصد فرمایا کہ صحابہ حضرات کے لئے کچھ وظائف بیت المال سے مقرر فرما دیں اور مہاجرین و انصار سے اس بارے میں مشورہ لیا سب نے اسکو پسند کیا کہ یہ لوگ فارغ البالی کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول رہ سکیں گے۔ جب حضرت حکیم کا نمبر آیا تو عرض کیا کہ امیرالمومنین آپ ہرگز ایسا نہ کریں اس میں قریش کی تباہی ہے کیونکہ ابتو یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں اگر آپ نے انکے وظائف مقرر فرما دیئے تو یہ تجارت چھوڑ بیٹھیں گے پھر آپ کے بعد آنے والے خلفاء ان وظائف کو بند کر دیں گے تو قریش مصیبت میں پڑ جائیں گے کہ نہ وظائف رہے نہ تجارت۔ (ابن عساکر ص۴۲۱ ج۴)

(۴) از ماست کہ بر ماست

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

(ترجمہ) ظاہر ہو گیا بگاڑ جنگل اور بستی میں ان گناہوں کے سبب جنکو لوگوں کے ہاتھ کر رہے ہیں)

درد سرِ ماست ہمیں سرماست — بارے کہ بدوش ماست دوش است

حضرت ابن خیرہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں فرماتے ہیں

جزاء المعصية الوهن في العبادة والضيق في المعيشة والتعسر في اللذة قيل وما التعسر في اللذة قال لا يصادف لذة حلالاً الا جاء من ينغصه اياها (تفسیر ابن کثیر سورہ بابرۃ)

گناہ کی سزا یہ ہو کہ عبادت میں سستی پیدا ہونے لگتی ہے معیشت تنگ ہو جاتی ہے لذت میں تنگی پیدا ہونے لگتی ہے، لوگوں نے سوال کیا کہ لذت میں تنگی کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جب کوئی لذت حلال میسر آتی ہے کوئی نہ کوئی سبب ایسا پیش آجاتا ہے جو اس لذت کو منغص کر دیتا ہے۔

آج مسلمان فراخیٔ عیش اور اطمینان اور راحت کی طلب میں مشرق و مغرب کی خاک چھانتے پھرتے ہیں مگر عموماً نتیجہ یہ ہوتا ہے ؎

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود — روغن بادام خشکی می نمود

وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرض کا سبب اور علاج یورپ کے ڈاکٹروں اور ویدک طبیبوں کی رہنمائی سے معلوم کرنا چاہتے ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چل کر اس مقصد کو حاصل کرنے کی فکر میں ہیں مگر یاد رہے کہ ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی — کیں رہ کہ تو می روی بترکستاں است

انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ شرح اسباب اور کتاب شفا صرف وہ کتاب ہے جو ان کے طبیب اعظم (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) لے کر آئے ہیں اور وہی ان کے امراض کے صحیح اسباب بتلا سکتی ہے اور اسی کے نسخے ان کے امراض کا ازالہ کر سکتے ہیں اور وہ دنیا میں بھی صرف اسی کے ذریعہ چین کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

جس طرح ہر شخص کا مزاج جدا ہے اور اسکے اعتبار سے اس مرض کا سبب اا

علاج جدا ہوتا ہے اسی طرح قوموں کا مجموعی مزاج بھی مختلف ہے اور ہر قوم کے مرض کا سبب اور علاج بھی اسی کے موافق مختلف ہوتا ہے۔ اگر انگریز خدا اور خدائی احکام سے غافل ہوکر خود پرستی عیاری کے ذریعہ دنیوی ترقیات کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں یا ہندو سودخوری اور بت پرستی میں رہکر عیش و مسرت کی زندگی گذار سکتے ہیں تو یہ لازم نہیں کہ مسلمان بھی یہ اعمال اختیار کر کے دنیا میں کسی وقت راحت و عزت پا سکیں۔

انکی دنیوی راحت و عزت اور اطمینان و فلاح بھی حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت میں رکھی ہے۔ گناہ و معصیت ان کے قومی مزاج کے لئے سم قاتل اور صرف طاعت و عبادت ہی ہر مرض کی دوا ہے ۔

ز ہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہید   دوا یکے است بدار الشفاء میکدہ ہا

کاش مسلمان اس نسخہ شفا کو استعمال اور اسکی بتلائی ہوئی مضر چیزوں سے پرہیز کا التزام کرنے لگیں تو اپنے اسلاف کی طرح پھر دیکھ لیں کہ ساری دنیا انکی غلام اور راحت و عزت اور عیش و مسرت انکی مملوکہ جاگیر ہے۔ واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۵) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نصیحت

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد میں نے انکو خواب میں دیکھا تو ان سے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمایئے آپنے فرمایا اَقِلَّ مِنْ مَعْرِفَۃِ النَّاسِ یعنی لوگوں سے جان پہچان کم کرو۔ (کتاب الروح لابن القیم)

(۶) کسب معاش کی ایک بڑی فضیلت

حافظ ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ انکا کفارہ نماز سے ہوتا ہے نہ حج سے نہ عمرہ سے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ان کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ کسب معاش میں جو تکلیفیں اور رنج پہونچتے ہیں ان سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

امام رازیؒ اتنے تبحر کے بعد جبکہ انکو کچھ حقیقت شناسی کا ذائقہ نصیب ہوا اسوقت یوں کہتے ہیں ؎

نہایۃ اقدام العقول عقال — وغایۃ سعی العالمین ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوی ان جمعنا فیہ قیل یقال

(عقل کی پیش قدمی کا انجام عقال (یعنی پیر کا بندھن) ہی ثابت ہوا اور دنیا والوں کی تمام کوششیں بالآخر ضلال ہی ثابت ہوئیں) چنانچہ ہم نے تو اپنی تمام بحثوں سے جو ساری عمر کرتے رہے کچھ بھی نفع نہ اٹھایا سوا چند قیل و قال کے لئے تو البتہ جمع کر لیا ہے) کہ ساری عمر کے مباحث اور علوم کا نتیجہ جو اخیر میں کھلا تو یہ کہ قیل کذا و قال فلاں کذا

(۱۰۳) شیخ کامل کی علامات اور اسکے انتخاب کا طریقہ

لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بتلا دینا بھی ضروری ہے کہ انتخاب جو کیا جائے تو کس معیار پر کیا جائے کیونکہ آجکل عوام الناس نے عجیب وغریب معیار تراش رکھے ہیں مثلاً کسی شخص کا دربار نہایت عالی ہو لوگوں کی آمدورفت اسکے یہاں زیادہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا بزرگ ہے خصوصاً اگر امراء اور رؤسا کی جماعت بھی ادھر مائل ہو تب تو گویا ان کی بزرگی پر رجسٹری ہو گئی حالانکہ میں نے ایک نہایت کامل اور ماہر فن جامع شریعت وطریقت شیخ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جس درویش کے پاس زیادہ تر دنیا داروں کا ہجوم ہو اور علماء و صلحاء کا ہجوم کم ہو تو تم ادھر متوجہ نہ ہو کیونکہ دنیا داروں کا گزرنا اور دینداروں کا پرہیز اس درویش کے نقص کی دلیل ہے اس لئے کہ الجنس یمیل الی الجنس کبوتر با کبوتر باز با باز تو وہ درویش بھی دنیا دار ہے۔ اور بعض لوگوں کے نزدیک معیار بزرگی اسکے علاوہ ایک اور دوسرا امر ہے اور وہ اس سے ذرا دقیق ہے وہ یہ کہ اکثر کم سمجھ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جس شخص میں کشف وکرامت زیادہ ہو خوارق کا صدور اس سے زیادہ ہوتا ہو وہ سب سے بڑا بزرگ ہے، حالانکہ یہ معیار بھی بالکل لغو ہے کیونکہ کشف وکرامت کا صدور کثرت ریاضت ومشاقی وصحت قوائے جسمانی ونفسانی پر موقوف ہے جس میں یہ سب باتیں جمع ہونگی اسے کشف ہونے لگے گا اگرچہ وہ کافر ہی ہو ایسے واقعات بکثرت سننے میں آئے اور نہ بھی سنتے تب بھی یہ بات ظاہر تھی' دیکھو دجال کہ جو کہ مدعی الوہیت ہوگا

سے کیسے کیسے شعبدے ظہور پذیر ہونگے بارش تک کر کے دکھلا دیگا زمین کے خزانے اس کے ہمراہ چلیں گے پس ظاہر ہوا کہ خوارق کا صدور بھی صحیح معیار نہیں۔ اب صحیح معیار دریافت کرنے کے لئے اول یہ سمجھو کہ انسان کے لئے سب سے بڑا کمال اول وہ حالت ہے جسکے لئے اسکو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ کشف و کرامت کے لئے انسان کو دنیا میں نہیں بھیجا گیا کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو دنیا میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی عالم ارواح میں اس پر بہت کچھ منکشف تھا نیز مرنے کے بعد کافر تک کو بہت سے مغیبات منکشف ہو جاویں گے ارشاد ہے:۔
وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ۔

(۲۰۲) حق تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں صرف عبدیت ہی کیلئے بھیجا ہے

پس معلوم ہوا کہ دنیا میں اسکو کسی دوسری بات کے حاصل کرنے کو بھیجا گیا ہے اور وہ حالت عبدیت ہے یعنی دنیا میں انسان کو اسلئے بھیجا ہے کہ وہ امتثال اوامر و نواہی کر کے عبدیت حاصل کرے کیونکہ جب تک اس عالم میں نہ آیا تھا تو محض روح تھا اور روح بوجہ مجرد ہونے کے نہ قیام پر قادر تھی نہ قعود پر نہ رکوع پر نہ سجود پر تو روح کو اس عالم میں وہ ترقی کرنا جو ان عبادات خاصہ پر موقوف ہے ممکن نہ تھا اور یہ صفت عبدیت بکمالہا اس میں پیدا نہ ہوتی اور جب صفت عبدیت مطلوب ہے تو جس کو اس سے تعلق ہو وہ مطلوب ہوگا اسی معیار کی نسبت مولانا روم علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

کار مرداں روشنی و گرمی است	کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

(مردوں کا کام روشنی پیدا کرنا اور گرمی پیدا کرنا ہے اور کمینوں کا کام حیلہ سازی اور بے شرمی ہے) دو چیزیں اس شعر میں علامت کے طور پر بیان فرمائی ہیں ایک روشنی دوسرے گرمی روشنی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہاں سے بیٹھے ہوئے کلکتہ اور بمبئی نظر آنے لگے بلکہ یہ معنی ہیں کہ دل میں عرفان اور علم حقیقی پیدا ہو جائے اور گرمی سے مراد محبت ہے حاصل یہ ہوا کہ جس کو محبوب حقیقی سے محبت ہو اور معرفت حاصل ہو وہ مرد ہے لیکن محبت قلبی صفات میں سے ہے جن کا احساس نہیں ہو سکتا اس لئے اسکے کچھ لوازم بیان کئے جاتے ہیں۔

(۲۰۳) محبت کے لوازم اور شیخ کامل کے صفات

سب جانتے ہیں کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے ایک تو اسکی یاد کسی وقت دل سے نہیں اترتی سوتے ہوئے خواب بھی دیکھتا ہے تو محبوب ہی نظر آتا ہے اور دوسرے اسکے ہر حکم کو گوش قبول سے سنتا اور نہایت شوق سے آمادہ امتثال رہتا ہے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ عاشق سے محبوب کے کسی حکم میں بھول چوک یا نافرمانی کا ظہور ہو کیونکہ بھول ہمیشہ اس کام میں ہوا کرتی ہے جس کی جانب پوری توجہ اور التفات نہو اور جو چیز ہر وقت دل پر مستولی ہو اس میں بھول کا ہونا عادۃً ممکن نہیں اسی طرح نافرمانی اسکے حکم کی ہوتی ہے جبکی وقعت اور محبت دل میں نہو۔ جب ہر دم کی یاد اور کامل اطاعت علامت محبت سے ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قابل انتخاب وہ ہے جبکو روشنی علم و معرفت اور گرمی یعنی محبت خداوندی حاصل ہو تو خلاصہ مقتدار کی صفات کا یہ نکلا کہ اسکو بقدر ضرورت علم دین ہو اگرچہ وہ اصطلاحی مولوی نہو دوسرے یہ کہ اسکو کسی شیخ کامل کی صحبت نصیب ہوئی ہو کیونکہ گرمی امر مکتسب نہیں بلکہ موہوب ہے اور عادۃ اللہ ہے کہ وہ اسی طرح حاصل ہوتی ہے کہ کسی گرمی والے کے پاس رہے اور اسکی ہدایت کے بموجب عمل کرے اور یہی وہ چیز ہے جو سینہ بسینہ چلی آتی ہے نہ مولوی بنکر حاصل ہوتی ہے نہ مورخ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ دنیا میں اسکے ماسوا بھی اکثر کام ایسے ہیں جو سینہ بسینہ چلے آتے ہیں مثلاً باورچی کا کام درزی کا کام کہ اگر کوئی ساری "خوان نعمت" حفظ کرے مگر جب تک کسی کامل استاد کے پاس نہ رہے تو اسکو باورچی گری نہیں آسکتی اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کتاب میں دیکھکر کرتہ اچکن وغیرہ کی کاٹ تراش بالکل ازبر کرے تو بھی اسکو درزی کا کام نہیں آسکتا۔ تصوف کے سینہ بسینہ ہونے کے یہی معنی ہیں نہ یہ کہ اس کے مسئلے سینہ بسینہ ہیں کیونکہ تمام مسائل تو تمام کتابوں میں مدون ہیں بلکہ وہی ایک نسبت ہے جسکو گرمی سے تعبیر کیا ہے کہ سینہ بسینہ چلی آتی ہے ایک صفت یہ ہے کہ وہ باعمل ہو تو یہ علامات کامل ہونے کی ہیں۔

(۲۰۴) شیخ کے مکمل ہونے کی علامات

اور مکمل ہونے کی علامات دوسری ہیں اور وہ بھی نہایت ضروری ہیں کیونکہ مریض کو اپنے مرض کو دور کرنے کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ خود بھی تندرست ہو اور طبیب بھی ہو تو اسکی پہچان یہ ہے کہ اسکے پاس بیٹھنے سے دل میں ایک سکون اور راحت پیدا ہو اور خدا تعالیٰ کی محبت بڑھے دنیا کی محبت کم ہو اگرچہ یہ باتیں فوراً نہ پیدا ہوں بلکہ کچھ دنوں کے بعد ہوں، دوسرے اگر اس سے اپنا مرض بیان کیا جاوے تو جواب سے دل کو تسلی ہو معلوم ہو کہ ہمارے مرض کو بالکل سمجھ گیا خوب کہا ہے ؎ وعدۂ اہل کرم گنج بود ۔ پس جب ایسا شخص میسر ہو جاوے تو ضرور ہے کہ اسکی صحبت اختیار کیجائے اگرچہ اس سے بیعت نہ ہو کیونکہ بیعت ہونا چنداں ضروری نہیں ہے۔

(۲۰۵) بیعت موقوف علیہ سلوک نہیں لیکن بیکار بھی نہیں

لیکن یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ بیعت بالکل بے سود ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ بیعت بالکل بیکار ہے اسکی کیا ضرورت ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر ہی کام کیا جائے۔ میں نے کہا صاحب آپ نے کبھی علاج بھی کرایا ہے کہ نہیں کہنے لگے بیشک ضرورت کے وقت علاج کرایا ہے میں نے پوچھا کسی ایک طبیب سے رجوع کیا ہے یا اس طرح کہ آج ایک کل دوسرے، پرسوں تیسرے سے؟ کہنے لگے کسی ایک طبیب سے جسپر اطمینان ہوا رجوع کیا ہے پھر میں نے پوچھا کہ اس میں آپ نے کیا مصلحت دیکھی کہنے لگے کہ روز روز نئے طبیب بدلنے سے کسی ایک کو بھی توجہ اور شفقت مریض پر نہیں ہوتی کیونکہ کوئی ایک بھی اسکو اپنا مریض نہیں سمجھتا۔ میں نے کہا کہ بس یہی حکمت اور نفع ہے بیعت ہونے کا کیونکہ بیعت ہونے کے بعد مرشد مرید کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ یوں کہتا ہے ؎ من غم تو میخورم تو غم مخور ۔ مرید کو ہر وقت یہ تسلی رہتی ہے کہ میرا ایک شفیق میرے ساتھ موجود ہے اور مرشد کو یہ لاج ہوتی ہے کہ یہ میرا شخص ہے، یہ مصلحت ہے بیعت میں۔ ہاں

اگر نرے نذرانہ کی بیعت ہو تو کسی درجہ میں بلکل مفید نہیں۔ آجکل یہ حالت ہے کہ بعضے فخر کرتے ہیں کہ میرے ایک لاکھ مرید ہیں معاذ اللہ گویا ایک فوج جمع کی ہے۔ غرض اگر اس قسم کی پیری مریدی ہو تو اس میں بہت نفع ہے۔

(۲۰۶) نسبت مع اللہ کی فضیلت

نسبت مع اللہ ایسی چیز ہے کہ جب یہ دل میں جگہ کر لیتی ہے تو خس و خاشاک ما سوا سب بہہ جاتے ہیں پس نہ کوئی شبہ باقی رہتا ہے نہ مزاحم ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑکتا ہے تو ما سوا معشوق کے ہر چیز کو جلا دیتا ہے)
اور اسکی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(لا کی تیغ کو غیر حق کے قتل کے لئے چلاؤ پھر لا کے بعد دیکھو کہ کیا باقی رہتا ہے)

ہست الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(الا اللہ باقی رہے گا اور باقی سب ختم ہو جائیگا ہے' مرحبا اے عشق تو کس قدر شرکت سوز ہے)
تو جب یہ تمام وساوس منقطع ہو جائیں گے تو کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا اور معلوم ہو جائیگا کہ ہمکو خدا تعالیٰ سے کیا تعلق ہے اسکے بعد کوئی حکم ناگوار نہ گذرے گا کیونکہ عاشق کو کوئی حکم محبوب کا ناگوار نہیں ہوتا بلکہ یوں چاہے گا کہ کسی طرح ہر وقت ادھر سے کچھ ارشا ہوتا رہے۔
حکایت: ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک طبیب پر عاشق ہو گیا تھا آخر بیمار پڑا لوگ اس طبیب کو علاج کیلئے لائے تو یوں تمنا کرتا تھا کہ مجھے کبھی شفا نہ ہو تا کہ اسی بہانہ سے روزانہ یہ طبیب میرے پاس چلا تو آیا کرے۔ صاحبو! واقعی یہ آگ بہت غضب کی چیز ہے کہ عاشق تو عاشق معشوق کو متوجہ کر دیتی ہے ؎

عشق را نازم کہ یوسف را ببازار آورد ہمچو صنعا زاہدے را زیر زنار آورد

(مجھے عشق پر ناز ہے کہ اس نے یوسف جیسے کو بازار میں لا کھڑا کیا اور صنعا جیسے زاہد کے گلے میں زنار ڈلوا دیا)

دیکھئے اس مریض کا مرض ہی تھا کہ جس نے طبیب کو بھی کھینچ ہی لیا آجکل کے عقلا اسکو نہ سمجھیں گے کیونکہ یہ محض ذوقی اور وجدانی چیز ہے۔ چند ہی روز ہوئے کہ سفر الہ آباد پیش آیا میرے ہمراہ ایک دوست بھی تھے وہ چونکہ شاعر بھی ہیں ایک موقع پر اپنے کچھ اشعار پڑھ رہے تھے ان میں یہ شعر بھی پڑھا ؎

کیا بیٹھا ہے سینہ پر زانو کو دہرے قاتل ہاں پھیر بھی دے خنجر کیوں دیر لگائی ہے

اس مجمع میں ایک مولوی صاحب تھے جنکی کتابیں عربی کی سب تمام تھیں لیکن شعر سے بالکل مناسبت نہ تھی انھوں نے یہ شعر سنا تو نہایت تعجب سے کہا کہ اس شعر کا کیا مطلب ہے یہ تو بالکل لغو معلوم ہوتا ہے کیونکہ نہ تو محبوب حقیقی نے کسی کے گلے پر خنجر پھیرا نہ ان شاعر کے مرشد نے کبھی ایسا کیا البتہ طمانچہ شاید کبھی کسی کو مار دیا ہو لیکن سینہ پر زانو رکھکر تو کبھی نہ بیٹھے ہونگے غرض انکو ہر چند سمجھایا گیا لیکن آخیر تک انکی سمجھ ہی میں نہ آیا وہ اسکو برابر غلط ہی کہتے رہے اور لوگ ہنسا کئے تو دیکھئے شعر سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک صاف شعر کو نہ سمجھ سکے تو اسی طرح جن لوگوں کو یہ نسبت حاصل نہیں تو انکی سمجھ میں نہ آئیگا کہ کیا بات پیدا ہو جاتی ہے لیکن ایسے لوگوں کو اہل محبت پر طعن کرنا ہرگز زیبا نہیں۔ غرض محبت ایک عجیب چیز ہے ذرا غور کر لیجئے کہ اگر ایک مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جاتی ہے تو کیا حال ہوتا ہے کہ اسکے درشت اور نازیبا کلمات بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں اور بیجا فرمائشیں بھی پوری کیجاتی ہیں اور دل پر ناگواری نہیں ہوتی۔

(۲۰۷) توبہ کی ترغیب اور اسکی حقیقت

یا ایہا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا عسی ربکم ان یکفر عنکم سیئاتکم الخ مقصود اس آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو توبہ کا حکم کرتا ہے چنانچہ ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو خدا کیطرف متوجہ ہو جاؤ اسی کو توبہ کہتے ہیں کہ بندہ خدا کیطرف متوجہ ہو جائے یہی توبہ کی حقیقت ہے اور صرف لفظ توبہ زبان سے کہہ لینا کافی نہیں کیونکہ صرف زبانی وہی توبہ ہے جسکو کہتے ہیں

سبحہ برکف، توبہ برلب ، دل پراز ذوق گناہ معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما
(ہاتھ میں تسبیح ہے، لب پر توبہ ہے اور قلب لذت گناہ سے پُر ہے ۔معصیت کو بھی ہمارے استغفار پہ ہنسی آتی ہو)
تو حقیقت توبہ کی یہ ہوئی کہ دل سے توجہ ہو ۔ چونکہ توبہ کی حقیقت معلوم ہو چکی اس لئے
اب میں توبہ ہی کا لفظ کہوں گا کہ اے ایمان والے بندو توبہ خدا کی طرف خالص توبہ۔
یہ حاصل ہے اس جملہ کا ۔

(۲۰۸) گناہ کی حقیقت اور گناہ سے بیخبری کی شکایت

گناہ کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی نافرمانی کرنا تو اول یہ معلوم کرو کہ خدا نے کس کس بات کا ہمکو حکم کیا ہے پھر دیکھو ہم ان میں سے کتنے حکموں پر عمل کرتے ہیں اور کتنے نواہی سے اجتناب نہیں کرتے۔ اور یہ اسوقت معلوم ہو سکتا ہے کہ شریعت کا علم سیکھا جائے کیونکہ یہ اسپر موقوف ہے ۔ خلاصہ یہ کہ اس مقام پر توبہ کا حکم ہے اور توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور گناہ کا علم دین کے جاننے سے ہوتا ہے کہ اس سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ گناہ کسقدر ہیں اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا وقت گذرتا ہو کہ ہم سے گناہ نہ ہوتے ہوں مثلاً دل ہی ہے کہ اسکے گناہوں کو کوئی گناہ نہیں سمجھتا حالانکہ اسکے بہت سے گناہ ہیں ۔ مثلاً کسی شخص کو بنظر حقارت دیکھنا یہ بھی گناہ ہے جسکو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا۔

حکایت : حضرت جنید بغدادیؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا جو کہ صحیح و تندرست تھا آپ نے اپنے دل میں فرمایا کہ یہ شخص صحیح و سالم ہے اور پھر سوال کرتا ہے، رات کو آپ نے خواب دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس مردار لایا اور کہا کہ اسکو کھائیے انھوں نے کہا کہ یہ تو مردہ ہے کیونکر کھاؤں ؟ اس شخص نے جواب دیا کہ آج صبح تم نے اپنے بھائی کا گوشت کھایا ہے تو اسکے کھانے میں کیوں تامل ہے انھوں نے کہا کہ میں نے تو غیبت نہیں کی اس نے کہا کہ گو زبان سے غیبت نہیں کی لیکن دل میں اسکو حقیر تو سمجھا اور دل ہی سے تو سب کچھ ہوتا ہے ۔ آخر حضرت جنید بہت گھبرائے اور اس فقیر کے پاس پہونچے وہ کوئی کامل شخص تھا ان کو دیکھتے ہی کہا وھو الذی یقبل التوبہ عن عبادہ

(اور وہی ذات ہے جو اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتی ہے) سوان گناہوں کی طرف کبھی ہمارا ذہن بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی گناہ ہیں۔ اسی طرح بعض جوارح کے ایسے گناہ ہیں کہ انکو گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ نہایت بے تکلف کیا جاتا ہے۔ جیسے زبان کے اکثر گناہ۔ اسی طرح اپنے کو بڑا سمجھنا اسکو بھی ہم لوگ گناہ نہیں سمجھتے بلکہ خود بینی اور خود رائی کو عزت سمجھتے ہیں۔

(۲۰۹) گناہ کی علامت اور اسکی اجمالی فہرست بالخصوص رسوم کا گناہ ہونا

صاحبو! گناہ کی علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہو دیکھ لیجئے کہ ان گناہوں پر کیا وعیدیں ہیں۔ غیبت پر کیا وعید ہے تکبر پر کیا وعید ہے۔ اسی طرح بلاتحقیق کسی واقعہ پر حکم کر دینا اس پر کیا وعید ہے۔ شادی اور غمی میں اسقدر رسومات خلاف شریعت ہوتی ہیں جنکی کوئی حد نہیں اکثر لوگ شادی میں یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ناچ نہیں کرایا اور گانا نہیں ہوا تو بس کوئی رسم ہم نے نہیں کی شرعی نکاح ہوگیا۔ حالانکہ اسکے علاوہ بھی بہت سی رسمیں ایسی ہیں کہ وہ بدعت بلکہ بعض شرک ہیں۔ اگرچہ الحمد للہ ایسی رسموں میں سے اکثر چھوٹ گئی ہیں جیسے دولھا کو الو کا گوشت کھلانا، دامن میں ہلدی باندھنا، میانہ میں سے اتر کر چارپائی پر نہ بیٹھنا کہ اس قسم کی اکثر رسمیں ترک ہوگئی ہیں لیکن ان کے ترک کے ساتھ ہی وہ رسمیں کہ جن میں فخر و مباہات ہے اور زیادہ ہوگئی ہیں کیونکہ بہ نسبت سابق کے اس وقت تمول زیادہ ہوتا چلا جا رہا ہے پہلے لوگوں میں اس قدر تمول کہاں تھا؟ ایسا ساز و سامان کہاں تھا؟ یہ رنگ برنگ کے کپڑے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ چنانچہ اب بھی جو لوگ پرانی وضع کے باقی ہیں انکی زندگی بالکل سیدھی سادھی ہے اور آجکل نئی رنگینیوں کی تو یہ حالت ہے کہ ایک مقام پر پہونچکر مجھے معلوم ہوا کہ شادی میں ڈیڑھ ہزار کا صرف کپڑا ہی کپڑا دیا گیا شاید اسکی ساری عمر میں اس کپڑے کا نصف بھی اسکو پہننا نصیب نہو کیونکہ اول تو اتنا کپڑا دوسرے عورتوں کا پہننا کہ ایک ایک کپڑے کو دس دس برس تک احتیاط سے رکھکر پہنتی ہیں۔

حامل مضامین تصوف واحسان ماہنامہ افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ عنہ ۲۰ بیس روپئے

چندہ ششماہی عنہ ۱۰ دس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ دو روپئے

مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱۲ | صفر ۱۴۰۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۱ء | جلد ۱

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲ - ۹ - ۱ - اے - ڈی ۱۱۱

پیش لفظ

حق تعالیٰ کے فضل وکرم اور انکی عنایات وتوفیق کے ساتھ ادارہ ناظرین کرام کی خدمت میں سال رواں کا آخری شمارہ پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ الحمدللہ کہ یہ سال نہایت ہی راحت وسکون کے ساتھ تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح آئندہ سال کو بھی امن وسکون کے ساتھ گذار دے۔ آمین

ارباب صلاح اور بزرگان دین سے اس امر کی دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رسالہ کو تمام ظاہری وباطنی مشکلات سے محفوظ رکھتے ہوئے اُسے اپنے مقصد پر پورے طور سے قائم رکھے یعنی سالکین راہ کو اسکے ذریعہ سیری وسیرابی برابر حاصل ہوتی رہے

مصلح الامۃ حضرت مرشدنا مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے مضامین وملفوظات ظاہر ہے اٹھارہ سال تک طبع ہوتے رہنے کی وجہ سے اب کم ضرور ہو گئے ہیں تاہم الحمدللہ ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں پہلے بھی متعدد بار عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت اقدسؒ نے جو کچھ فرمایا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو ضبط تحریر میں آسکا ہے اور جو کچھ تحریر میں آیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو اب تک طبع ہوا ہے بہرحال اسی ذخیرہ سے انتخاب کر کے برابر پیش کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ توفیق کو خیر رفیق بنائے اور اسکا نفع عام وتام فرمائے۔

ہمارے رفقاء میں سے اکثر وبیشتر حضرات ایسے ہی ہیں جنکو رسالہ کا خود برابر خیال رہتا ہے چنانچہ وہ ہر طرح سے تعاون کے لئے مستعد رہتے ہیں' بہرحال مزید توجہ کیلئے گذارش ہے کہ اب سال ختم ہو چکا ہے چندہ بھی ختم ہے لہٰذا آئندہ سال کے لئے پیشگی چندہ ارسال فرما کر کم سے کم تعاون میں ضرور شرکت فرمائیں۔ اور مزید خریداروں کا اضافہ یا مختلف غیر مرتب رسائل کی نکاسی میں بھی سعی فرمانا یہ تعاون کے دوسرے درجہ کی چیز ہے جو حضرات اس میں جسقدر دلچسپی لیں انکی عین نوازش اور ادارہ کے ساتھ تعاون ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو اس پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہٗ ابھی بمبئی ہی میں تشریف فرما ہیں شاید عنقریب الہ آباد تشریف لے آویں اور ہمارے مولوی جامی صاحب کبھی بیمار کبھی اچھے ہر دو حال سے دو چار چلے چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو صحت کاملہ عطا فرما دے۔ والسلام

(ادارہ)

یہاں تک تو کلام کمال سے متعلق تھا کہ کمال کسکو کہتے ہیں؟ اور کامل کون ہے اب اسکے بعد میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہاں عمل سے کیا مراد ہے؟ اسکا جو مصداق ہے بیان کرنا چاہتا ہوں، وہ عرف سے گو مختلف ہے تاہم ہے بالکل صحیح۔ آپ بھی سنیں گے تو پسند کریں گے، سنیئے :-

عرفاً تو عمل کا اطلاق عمل جوارح پر کیا جاتا ہے جو کہ علم کے بعد ہوتا ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یہ سب عمل ہیں تو پہلے آدمی کو ان سب کا علم ہونا ضروری ہے اسلئے کہ ہر عمل سے مقرون اسکا علم ہوتا ہے۔ اب یہ علم جب کسی کو ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسی وقت اس عمل کا وقت نہ ہو اسلئے جوارح سے انسان علم ہی کیوقت کیا عمل کریگا لیکن جب اسکا وقت آئیگا مثلاً نماز کا وقت آجائے۔ روزہ کا مہینہ آجائے۔ مال پر سال گذر جائے اور اشہر حج آجائیں تو اب ان کے اس علم پر جسے پہلے حاصل کر چکا ہے عمل کرنا اسکے لئے ممکن ہو سکیگا۔

یا دوسری مثال اسکی یوں سمجھئے کہ قرآن شریف میں نہی ہے لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کرے۔ تو اس پر عمل سے مراد عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اپنی زبان سے کسی کی برائی اسکے پس پشت نہ بیان کرے اور ظاہر ہے کہ اسیوقت تو اسکا موقع آنا ضروری نہیں ہے یہ تو بعد میں جب آئیگا تب آئیگا۔

غرضکہ عرفاً علم سے مراد یہی عمل ہوتا ہے جو جوارح سے ہو اور جس میں اور عمل میں فصل ہو جاتا ہے، لیکن

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تو خیر عمل۔ ہے ہی ایک عمل ایسا ہوتا ہے جو اس علم کے ساتھ ہی ساتھ ہوتا ہے اور بالکل اسکے مقارن ہوتا ہے اور علم میں اور اس میں فصل نہیں ہوتا۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی بات سنے تو دل میں اسکو جگہ دے، دل سے اسپر اترے اور اسکو تسلیم کرے، اسکی صداقت اور حقانیت کا اذعان اور یقین کرے کہ یہی حقیقۃ اس علم پر پہلا عمل ہے اور یہ قلبی عمل کہلاتا ہے۔ یہی اصلی عمل ہے جب کسی کو پہلے یہ ہو لیتا ہے تب ہی وہ بعد والا عمل بھی کر سکتا اور جو کوئی یہ پہلا ہی قلبی عمل نہ کرے گا یعنی

اپنے قلب کو کسی علم سے متاثر نہ کرے گا تو اس سے دوسرا عمل بھی ہونے والا نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرا عمل یعنی جوارح والا تو دراصل اسی قلبی عمل کی فرع ہے جب یہی نہیں تو وہ بھی نہیں۔

علم کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور یہ قلب ہی کی صفت ہے، زبان پر جو ہوتا ہے وہ علم رسمی ہوتا ہے۔ اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

علم چو بر تن زنی مارے بود علم چوں بر دل زنی یارے بود

یعنی علم کو اگر تن پر مارو گے (یعنی صرف زبان پر جاری کر لو گے) تو وہ سانپ کی طرح ضرر رساں ہے اور اگر اسی کو دل پر مارو یعنی اس سے دل کو متاثر کرو تو یہ تمہارے لئے بہترین یار و مددگار ثابت ہوگا۔

دیکھئے مولانا روم بھی یہاں "بر دل زنی" فرما رہے ہیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ بر دل زنی کیا چیز ہے؟ اسکا بھی وہی مطلب ہے جو میں نے بیان کیا یعنی قلب میں اسکو جگہ دینا اور قلب کو اس سے متاثر کرنا اور دل سے تسلیم کرنا اور اس کا اذعان کرنا، یہی سب صورتیں بر دل زنی کا مصداق ہیں اور یہی حقیقۃً علم ہے باقی قلب پر تو علم کو نہ مارنا اور صرف زبان پر اسکو جاری کر لینا فی زمانہ تو اس کو بڑا کمال شمار کیا جاتا ہے لیکن حدیث شریف میں اسکے متعلق کیا آتا ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے:-

عن ابی ذر الغفاری رضی اخوف ما اخاف علی امتی کل منافق علیم اللسان قال المناوی ای عالم بالعلم منطلق اللسان به لکنه جاهل القلب والعمل فاسد العقیدة مُغرٍ للناس بشقاقه وتفصحه وتقعره فی الکلام	حضرت ابو ذر رضی سے مروی ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خوف اپنی امت میں علیم اللسان منافق کا ہے۔ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو علوم میں ماہر ہو اور اسمیں اس کی زبان خوب چلتی ہو لیکن قلب اور عمل کے اعتبار سے وہ بالکل جاہل ہو اور عقیدہ بھی اسکا فاسد ہو مگر لوگوں کو اپنی زبان آوری و فصاحت بیان اور کلام کی گہرائی

قال محشی آخر تحت قوله کل منافق علیم اللسان ای منطلق اللسان فی العلوم والفصاحة خالی القلب من العمل به — سے مغالطہ میں ڈال رکھا ہو ایک دوسرے محشی نے کل منافق علیم اللسان کے تحت لکھا ہے کہ علوم و فصاحت میں زبان چلانے والا ہو اور قلب اسکا خالی ہو اس پر عمل کرنے سے۔

وانما خاف صلی اللہ علیہ وسلم علی امته منه لانه لفهمه العلم یقتدی به الناس فیضلهم — اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں اس شخص کا خوف اسلئے کیا کہ اسکے علوم میں ماہر ہونے کی وجہ سے لوگ اسکی اقتدا کریں گے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔

دیکھئے اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی کہ علم صرف جس کے زبان پر ہو کیسی مذمت بیان فرمائی ہے کہ امت میں سب سے زیادہ اسکا خوف فرما رہے ہیں اور محشی حضرات اسکی تشریح منطلق اللسان، جاہل القلب اور خالی القلب من العمل سے فرما رہے ہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حقیقی علم وہی ہے جس کے علم سے پہلے قلب متاثر ہو اور پھر اسکے بعد جوارح پر اسکا اثر ظاہر ہو۔ صاحب نفع قوت المغتذی بھی ایک مقام پر اسی کو فرماتے ہیں کہ

قال التوربشتی حقیقة الفقه فی الدین ما وقع بالقلب فظهر علی لسانه فافاد علماً واورث خشیةً وتقویٰ واما ما یتدارسه المغرورة فانه بمعزل عن رتبه العظمیٰ لان محله لسانه دون قلبه — علامہ توربشتی فرماتے ہیں کہ تفقہ فی الدین کی حقیقت یہ ہے کہ جو قلب میں واقع ہو اور پھر زبان پر ظاہر ہو جسکا ثمرہ علم ہو اور عمل اور جو خشیہ اور تقویٰ پیدا کرے۔ باقی یہ اہل غرور جو پڑھتے پڑھاتے ہیں تو اس مرتبۂ عظمیٰ سے اسکو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے کیونکہ اس علم کا محل تو صرف زبان ہوتی ہے نہ کہ قلب۔

(ص ۹۹ نفع)

ان سب تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہ سب حضرات حقیقی علم اسی کو فرما رہے

ہیں جو قلب میں ہوا اور جو مورثِ عمل قلب ہو' اور یہ عمل "علم را بر دل زنی یارے بو
سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ عمل کا یہ درجہ علم کے بالکل مقارن ا
اسکے ساتھ ہی ساتھ ہوتا ہے۔ اور عمل جوارح کے لئے اسکے وقت میں سبب بنتا
بزرگانِ دین کی خدمت میں اسی عمل کے حصول کے لئے حاضر ہوا اور رہا جا
ہے۔ اور جس قدر زیادہ کوئی شخص کسی بزرگ کے کلام کو سمجھے گا اور اسکا اثر قلب
پر لیگا اتنا ہی وہ طریق میں کامیاب ہوگا۔ آج ایک بات سنی قلب پر اسکا اثر ا
کل کو دوسری بات سنی دل کو اس سے متاثر کرلیا اسی طرح سے روز دو ایک بات
بھی اگر اخذ کرتا جائے تو چند دنوں میں تو یہ شخص محقق ہو جائے گا۔ مگر یہ عمل چونکہ ذرا مشکل
ہے اسلئے اسکی جانب توجہ نہیں کیجاتی۔ یہی چیز آج لوگوں نے ترک کردیا ہے ا
لئے محروم ہیں۔ جوارح کے عمل' ظاہری اوراد و وظائف تو بہت کچھ ہیں لیکن قلب
غافل ہے۔ حضرات صحابہ کرام میں یہی قلبی عمل زیادہ تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم
جس بات کو سن لیتے تھے دل کی گہرائیوں میں اسکو جگہ دیتے تھے اور پورا پورا اثر
تھے اسی لئے کامیاب ہوگئے۔ بعد کے لوگوں کی طرح اسوقت اس قدر وظ
اور مجاہدہ وغیرہ نہیں تھا اب یہ سب بہت سے ہے اور اصل چیز غائب ہے۔

بہرحال اتنی بات تو آپ نے بھی سمجھ لیا کہ مراد عمل سے دل کا عمل ہے
علم کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ کمال کے لئے علم کے ساتھ اسی عمل کی ضرورت ہے اور
بعد وہ دوسرا عمل یعنی عمل جوارح وہ کہاں جاتا ہے وہ تو اسکے لئے لازم ہے
اسلئے جب دین کی کوئی بات سنی جائے یعنی اسکا علم ہمکو ہو تو اس پر عمل
کرنے کے لئے سب سے ضروری چیز یہی ہے کہ قلبی عمل تو فوراً کر ہی لے تاکہ ا
وقت میں جوارح کے عمل کرنے کا وہی ذریعہ بن جائے۔ مثلاً نماز و روزہ کی
کا علم ہوا یا غیبت کے حرام ہونے کا علم ہوا تو اسکو دل کے کان سے سنے اور اس
اثر لے یہی اسکا عمل ہے تاکہ اسی وقت کا تاثر نماز کے وقت پر اسکو نماز کے
لا کھڑا کرے اور غیبت کی مذمت اور شناعت کا اثر بوقت ارادۂ غیبت ایکدم زبان کو

یہی وہ گفتگو ہے جو میں عمل قلب کے متعلق کرنا چاہتا تھا سو کسی حد تک
بحمد اللہ بیان کر دیا۔ اب ایک بات اور سمجھئے کہ صاحب الیواقیت والجواہر نے اپنی
اس عبارت میں قریب ہی قریب دو متضاد سی باتیں فرمائی ہیں یعنی ایک جگہ تو لکھتے
ہیں کہ فان العلم ھوالمطلوب وبه تقع المنفعة ولو لم یعمل احد به
اس سے معلوم ہوا کہ علم مطلوب ہے اور نافع چیز ہے اگرچہ کوئی اس پر عمل نہ کرے
اور اسکے آگے چل کر علم ہی کے متعلق فرماتے ہیں کہ فھو الکرامة التی لایعادلها
کرامة اذا عمل به یعنی یہی علم سب کراماتوں سے بڑھکر کرامت ہے بشرطیکہ
اس پر عمل کیا جائے
پہلی عبارت سے معلوم ہوا کہ علم فی نفسہ اچھی چیز ہے عمل کیوجہ سے اس میں
حسن نہیں آیا ہے بلکہ اسکا حسن ذاتی ہے، اور دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے
کہ علم عمل کے بعد ہی انسان کے لئے کرامت بنتا ہے اس سے مفہوم ہوا کہ عمل کو
علم کے حسن میں گویا دخل ہے بظاہر یہ تعارض ہی سا معلوم ہوتا ہے۔
اسکا حل یہ ہے کہ جہاں علم کو مطلوب اور نافع فرمایا اور فرمایا ہے کہ وہ عمل کا
محتاج نہیں ہے وہاں عمل سے مراد عمل جوارح ہیں اور یہ صحیح ہے اس معنی کر
عمل علم سے الگ اور مختلف شے ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ شریف میں ایک ترجمۃ الباب
قائم فرمایا ہے کہ "باب الانتفاع بالعلم والعمل به" اس میں العمل به کو الانتفاع
بالعلم پر عطف کیا گیا ہے اور عطف کا تقاضا ہوتا ہے کہ معطوف و معطوف علیہ میں
مغایرۃ ہو پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ علم سے انتفاع کا اور مفہوم ہے اور اس پر
عمل کرنا اور چیز ہے اور یہ دونوں الگ الگ ہیں۔
اور جہاں علم کو کرامت فرمایا ہے اور اس کے ساتھ عمل کی بھی شرط لگا دی ہے
وہاں عمل سے مراد وہی قلبی تاثر ہے کہ اگر وہی نہوا تو وہ علم ہی کیا ہوگا پھر وہ کرامت
لما اشرف الکرامات کیسے بن سکے گا؟ اسکے لئے ضروری ہے کہ علم کے ساتھ والا عمل بھی
رہے کیونکہ بغیر اسکے تو علم معتبر ہی نہو گا پھر اسکے کرامت ہونے کا کیا مطلب ہے؟

ایک حل تو اس ظاہری تعارض کا یہ ہوا، اسکے علاوہ ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے وہ یہ کہ علم کی نصوص مستقل آئی ہیں فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اسی طرح سے عمل کی نصوص الگ آئی ہیں تو جو شخص صرف علم حاصل کرلے اور عمل نہ کرے تو گو کمال تک نہ پہونچ سکا تاہم علم کی نصوص پر تو اسکا عمل ہو ہی گیا، انکا جو مطالبہ تھا وہ اس نے پورا کردیا۔ اسی طرح سے جس شخص نے عمل کیا اور علم نہ حاصل کیا تو گویا یہ بھی ناقص ہے تاہم عمل کی نصوص پر تو اسکا عمل ہو ہی گیا، اس معنی کر صرف علم کو بھی نافع اور مطلوب کہہ سکتے ہیں یعنی فی نفسہ وہ بھی ایک حسن شے ہے، اسکا حسن لغیرہ نہیں ہے بلکہ لذاتہ ہے۔

اور جہاں اسکو کرامت فرمایا گیا ہے تو چونکہ یہ ایک بڑا منصب ہے اس لئے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ کرامت جب بنے گا کہ آدمی اس علم پر عمل بھی کرے ورنہ وہ کرامت نہو گا اور اس عمل کا اقل درجہ عمل قلب ہے اور اعلیٰ درجہ عمل جوارح ہے جو عمل قلب کی فرع اور اسکو لازم ہے۔

بہرحال مجھے جو خلش تھی کہ بزرگوں کے پاس آمدو شد رکھنے والوں کو آخر ان سے نفع کیوں نہیں ہوتا علامہ شعرانیؒ کی اس عبارت سے اسکا حل نکل آیا کہ سب سے بڑی کرامات جس سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نوازا ہے وہ علم ہے اور لوگ اسی کیطرف سے غفلت برتتے ہیں بزرگوں سے تعلق کی صحیح غرض ہی ان کے پیش نظر نہیں اور پیش نظر اسلئے نہیں کہ اسکا علم صحیح ہی انکو حاصل نہیں ہے اسلئے عمل صحیح سے بھی محروم ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللّٰھم انی اسئلک رزقًا طیبًا وعلمًا نافعًا وعملًا متقبلًا۔ (حدیث شریف میں یہ دعا رآئی ہے کہ اے اللہ تجھ سے رزق طیب کا سوال کرتا ہوں (کہ زندگی کا دارو مدار ہی رزق پر ہے پھر اسکے بعد) علم نافع کا سوال کرتا ہوں (اور نہ صرف علم کا بلکہ اس کے بعد) اسپر عمل کی بھی مجھے توفیق ہو اور وہ عمل ایسا ہو جو دربار الٰہی میں مقبول بھی ہوچکا ہو (آمین)

اسلام کی شان تو ان سب سے بالاتر ہے۔ خواص و عوام اور عالم و جاہل سب کے سمجھنے سمجھانے کا وافر ذخیرہ ہر زمانے میں موجود رہا ہے مناسب تو یہ تھا کہ انھیں کی تشریح و توضیح کیجاتی۔ آج اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہوگا کہ وہ اسلام جو اپنی سادگی کے سبب مقبول ہوا ان اغراض پرستوں کے ہاتھوں غیر مسلموں کیلئے اور گنجلک بن کر رہ گیا ہے۔

حضرت! یہ خیالات ہیں جو اکثر و بیشتر پریشانی کا سبب بنتے ہیں۔ سوچتا ہوں اور کڑھتا ہوں۔ صالح علماء اور بزرگان دین کی موجودگی سے انکار نہیں مگر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیوں انکا فیض عام نہیں؟ للہ میری رہبری فرمائیے اور دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ دین حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمادیں"

ناچیز ......
سول سکریٹریٹ - لکھنو

دیکھئے کتنا زبردست خلجان ہے جسمیں یہ حضرت مبتلا ہیں اور ایک یہی کیا آج ایک دنیا اسی میں مبتلا ہے اسکا حل تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی فہم سلیم اور طبع مستقیم سے کسی کو نواز دے تو سارے خلجانات کا خاتمہ ہوجائے ورنہ انسان تو ایک معمولی سے خار میں الجھکر زندگی ختم کردے اور اس سے نہ نکل سکے۔ بس حق تعالیٰ کیجانب انابت اور ان ہی سے طلب ہدایت واستقامت صحیح طریق ہے اور بالعموم اس قسم کے خلجانات جن لوگوں کو پیش آتے ہیں انکی نظر اپنے سے زیادہ دوسروں پر ہوتی ہے، اگر وہ خود اپنے حالات کا جائزہ لیں اور یہ سمجھیں کہ انھیں کیسا ہونا چاہیئے اور وہ ویسے کیوں نہیں ہیں؟ کیا کرنا چاہیئے اور کیوں نہیں کر رہے ہیں تو جو رکاوٹیں وہ اپنے لئے تجویز کریں گے اسی سے انشاء اللہ تعالیٰ دوسروں کا حال معلوم کرسکیں گے۔ پھر اپنے پر تو اختیار بھی ہے جب ہم نہیں درست ہو رہے ہیں تو دوسروں کا کیا شکوہ؟ ان پر تو ہمارا اختیار بھی نہیں ہے لیکن حضرت والا نے اس نوع کا کوئی جواب انھیں نہیں مرحمت فرمایا بلکہ تواضع کی شان کے ساتھ انکی عقیدت کو ٹٹولا کہ مجھ سے جو یہ بات دریافت فرما رہے ہیں تو میرے کہنے کی تصدیق تو کیا کریں گے، مجھ پر اعتقاد بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ ظاہر ہے کہ بدون اعتقاد اور اعتماد

کے کسی کی کوئی بات نہ وقیع ہوگی نہ لائق عمل پھر سوال وجواب سے فائدہ ؟ بہرنوع حضرت اقدس رح نے ان صاحب کو جو جواب مرحمت فرمایا وہ ملاحظہ فرمائیے، انکو لکھا کہ :-

"آپ کا عنایت نامہ ملا اسکو پڑھکر آپ کے خلجانات کا علم ہوا' آپ نے اس سلسلہ میں مجھ سے جو رہبری کی خواہش کی ہے اور صحیح راستہ دکھانے کی خواہش کی ہے یہ محض آپ کا حسن ظن ہے میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ اپنے کو اسکا اہل نہیں سمجھتا لیکن آپ کی اس طلب پر یہ مشورہ ضرور دونگا کہ اس قسم کے اہم سوالات بذریعہ تحریر حل ہونے نہایت دشوار ہیں لہٰذا اسکا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی محقق متدین عالم کی خدمت میں جاکر ان سے زبانی حل کرلیا جائے بشرطیکہ ان پر اعتقاد ہو اور انکے کہنے پر اعتماد ہو اور ایسے حضرات کا وجود اب بھی بحمداللہ معدوم نہیں گو کم ہے یوں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اپنے نیز جملہ مسلمانوں کی ہدایت کے لئے آپ سے بھی دعا کا طالب ہوں

والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ"

میں نے ابھی اوپر جو عرض کیا کہ ایک یہی بزرگ نہیں بلکہ آج ایک دنیا اسی الجھن میں گرفتار ہے کہ آخر جب ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی ہدایت، کتاب وسنت موجود ہے اور اور اسکے پیش کرنیوالے علمائے حق بھی ہیں تو پھر امت کو ہدایت کیوں نہیں ہوتی ؟ اسکا جواب ہر دور میں مشکل رہا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی جسکی فہم وبصیرت کھولدے اسی کیلئے تو آسان ہے باقی ہر شخص کو اس سلسلہ میں جلدی اور بآسانی مطمئن کرنا مشکل ہے ۔ اسی ضیق کو حضرت مصلح الامۃ نے ایک موقع پر بیان کرکے اسکے ازالہ کی سعی فرمائی ہے ۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں کہ :-

"یہ زمانہ جہالت وگمراہی کا ہے لوگ اپنے باپ دادا کے رسمی دین کے پابند ہوگئے ہیں اب ایسے وقت میں انکو صحیح اور حقیقی دین پر لانا کوئی آسان کام نہیں ہے' اسکے لئے ضروری ہے کہ انکو پہلے دین سمجھایا جائے اور انکے شک وشبہات کو دور کیا جائے اور اسمیں انکے فہم اور استعداد کی رعایت کرنی ہوگی مختصر اور اجمالی کلام ان کے لئے

مفید نہیں ہوگا چنانچہ میں کرتا ہوں کہ ایک بات کو خواہ مکرر سہ کرر کیوں نہ کہنا پڑے کہتا ہوں اور کوشش اس امر کی کرتا ہوں کہ اپنی بات لوگوں کو سمجھا دوں اور انکے ذہن نشین کرادوں

اخبار صدق میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا ایک مضمون دیکھا چونکہ وہ مجھ سے محبت فرماتے ہیں اور میری باتوں کو پسند فرماتے ہیں اسلئے کبھی میرے متعلق اور کبھی میری کسی بات کے متعلق کچھ تحسینی کلمات نقل اور شایع فرما دیتے ہیں، مولانا تو ایسا اپنی محبت کی بنا پر فرماتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ نقل در نقل ہو جانے کے بعد اور اختصار کے باعث میری پوری بات واضح نہیں ہو پاتی اور اسکا پورا فائدہ بھی مرتب نہیں ہو پاتا مثلاً مسلمانوں کے موجودہ حالات کے سلسلہ میں میں نے کبھی یہ کہا ہوگا کہ اسکا علاج بس ایک ہی ہے اور اسکے سوا دوسرا علاج نہیں اور وہ ہے ایمان و اتباع۔ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ یعنی جو لوگ اللہ کے ولی ہیں انکو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ غمگین ہونگے اور ولی کون لوگ ہیں اسکے متعلق فرماتے ہیں کہ الذین اٰمنوا وکانو یتقون دیکھئے اس میں ولایت کا طریق ایمان اور تقویٰ ہی کو فرمایا گیا ہے اور اسکا ثمرہ فلاح دارین کو ارشاد فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے طریق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر فرما دیا ہے تو یہ ایمان و اتباع خود قرآن میں موجود ہے اور مسلمان اسکا مکلف ہے کہ وہ اس پر عمل کرے اور اسی پر فلاح کا وعدہ ہے۔

لیکن جس طرح ایمان و اتباع لفظوں میں مختصر ہے ویسا مراد میں نہیں ہے کیونکہ مراد اس سے ایمان کامل اور اتباع کامل ہے اور ناقص الایمان اور ضعیف الایمان اور ناقص الاتباع اور تارک الاتباع مراد نہیں ـــ پس یہیں سے لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے کہ اتنے مسلمان موجود ہیں اور نماز روزہ بھی کر رہے ہیں مدارس و مساجد بھی آباد ہیں پھر بھی ہم اپنے کو کامیاب نہیں دیکھ رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں بیشک مسلمان موجود ہیں لیکن ہم میں سے آج کتنے ہیں جو کامل الایمان اور کامل الاتباع ہیں اور کامل الایمان ہونا

تو بجائے خود رہا آج کتنے ہیں جو ایمان کے صحیح مفہوم سے واقف ہیں۔ ایمان کے معنی لوگ بالعموم یہی سمجھتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو زبان سے پڑھ لینا لیکن آپکے علماء یہ فرماتے ہیں کہ ایمان نام تصدیق قلبی کا ہے۔ شامی میں ہے کہ الایمان وھوالتصدیق بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی جمیع ما جاء بہ عن اللہ تعالیٰ مما علم مجیئہ ضرورۃ یعنی ایمان اسکا نام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو چیزیں خدا تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں جنکا ہمیں یقینی طور پر علم ہو چکا ہے ان سب میں آپ کی دل سے تصدیق کیجاوے اور تمام امور میں تصدیق کیجاوے آج ایمان کے یہ معنی کتنے لوگوں کو معلوم ہیں اور جنھیں معلوم ہیں ان میں سے کتنوں کا عمل اس پر ہے، دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہیں لوگ انھیں مسلمان سمجھتے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو اس سے باہر نہیں سمجھتے ہیں لیکن اسکے ساتھ ساتھ اسکے اقوال و افعال و حالات ایسے ہیں کہ جنکا اسلام کے ساتھ جوڑ لگانا مشکل ہے خدا کا انکار، رسالت کا انکار، آخرت کا انکار۔ دین و اہل دین کے ساتھ استہزار و تمسخر، مذہب کی چیزوں سے مذاق، ان سب چیزوں کی اسلام میں کہاں گنجائش ہے ایسے لوگ اس زمانے میں بہت ہیں اب انکی اصلاح محض اتنی بات سے نہ ہوگی کہ آپ ایک مضمون اخبار میں نکالدیں بلکہ کام کا طریقہ وہی متعین ہے جو ہمارے اسلاف نے کیا کہ جس بات کی ضرورت سمجھی اپنے پاس آنے جانے والوں کو مختلف عنوان سے اور مختلف اوقات میں سمجھا دیا۔ اخبار وغیرہ کو اس زمانہ میں پوچھتا کون ہے اسکے مبتذل (ردی) شاید کوئی چیز ہو آج آپ کے مکان میں ہے کل بنئے کی دوکان میں۔

غرض میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس ایمان کو سبب فلاح کہا گیا ہے اس سے مراد ایمان کامل ہے اور اسکے لئے ضروری ہوگا کہ جن چیزوں سے اصل ایمان میں خلل پڑے ان سے اجتناب کیا جائے یعنی جو چیزیں مضرت تصدیق ہیں ان سے بچا جائے اسی طرح جو چیزیں کمال ایمان میں مخل ہوں ان سے بھی اپنے کو بچایا جائے اور وہ ہے اتباع شہوات قرآن شریف میں اسکی بھی مذمت وارد ہے فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝ (پس ان لوگوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ ہوئے جنھوں نے کہ نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات نفس کی اتباع کی عنقریب یہ لوگ خرابی میں ڈالے جائینگے)

اور یہ اتباع کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ ایمان ہی کی فرع ہے جسقدر ایمان کامل ہوگا اسی قدر اتباع کامل ہوگا اور جتنا ایمان میں ضعف ہوگا اسی قدر اتباع میں نقص ہوگا اب اتباع کا مصداق تو بہت ہی مشکل ہے اسکا مفہوم بھی لوگ نہیں سمجھتے اتباع کہتے ہیں پیروی کرنے کو اور پیروی احکام کی ہوا کرتی ہے اور اسکے لئے شرط ہے ترک منازعت، ترک رائے وعقل۔ جسکی اتباع کرنا چاہتا ہے اسکے آگے اپنی رائے وعقل کو دخل دینا یہ منافی ہے اتباع کے اتباع اس سے فوت ہوتا ہے لہٰذا جب کہا گیا کہ مسلمانوں کی فلاح اتباع دین میں ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ حکم شریعت کے آگے اپنی رائے اور اپنی عقل کو قطعی دخل نہ دے کیونکہ عقل کی تقدیم شرع پر جائز نہیں۔

شیخ اکبر فتوحات میں فرماتے ہیں:۔

من ارادالدخول الی فهم غوامض الشریعة وحل مشکلات التوحید فلیترك مایحکم به عقله ورایه ویقدم بین یدیه شرع ربه	جو شخص شریعت کے غوامض کو سمجھنے کا ارادہ کرے اور توحید کی مشکلات کو کشف کرنا چاہے تو اسکو چاہئے کہ اپنی عقل اور رائے کے حکم کو ترک کرکے اپنے رب کی شریعت کے آگے زانو ٹیک دے۔

اسی طرح پر کشف وغیرہ کی تقدیم بھی شرع پر جائز نہیں ہے۔

واعلم ان تقدیم الکشف علی النص لیس بشیٔ عندنا لکثرت اللبس علی اهله و الاالکشف الصحیح لا یأتی قط الاموافقاً لظاهر الشریعة فمن قدم کشفه علی النص فقد خرج من الانتظام فی مسلك اهل الله اولئك	جانو کہ کشف کی تقدیم نص پر ہمارے یہاں تو اس کی قطعی کوئی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ اہل کشف کو التباس بکثرت ہوتا ہے ورنہ تو کشف صحیح ظاہر شرع کے موافق ہی ہوا کرتا ہے۔ پس جس نے کشف کو نص پر مقدم کیا وہ اہل اللہ کے مسلک سے خارج ہوا اور یہی لوگ ہیں جو عمل کی رو سے خسارہ

اخسرین اعمالاً (پ۹ تنبیہ الطربی) میں پڑے ہوئے ہیں۔

تو میں نے اپنے کلام میں جب ایمان و اتباع کا ذکر کیا ہے اس سے مراد ایمان و اتباع کامل ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ آج اگر مسلمان دین کے تمام شعبوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرلیں اور آپ کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کرلیں تو انکی حالت آج بھی بدل سکتی ہے طبیب کا کام تشخیص مرض اور تجویز نسخہ ہی ہے باقی صحت کے لئے دوا کا استعمال تو مریض ہی کو کرنا ہوگا، اگر کوئی مریض نسخہ حاصل کرکے دوا کا استعمال نکرے تو اس میں طبیب کا کا قصور نہیں۔ ہاں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ دوائیں کہاں ملیں گی اور اسے کس طرح تیار کیا جائے کوئی ناصح اور شفیق طبیب ہوگا تو اسے بتا دیگا جب علاج جسمانی کا یہ حال ہے تو اسی طرح علاج روحانی کو بھی سمجھا جائے۔ اب اس پر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ "تشخیص[عہ] کی صحت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، سوال یہ ہے کہ پھر اس پر عملدرآمد کیوں نہیں ہوتا" اسکا یہ کہنا صحیح نہیں اور نہ علماء اسکے ذمہ دار ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جس طرح اس تشخیص کی صحت میں مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا اسی طرح ایمان و اتباع کی تحصیل اور اس پر عمل درآمد میں بھی کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا اس چیز کو اس سے کیوں علیحدہ کر دیا گیا۔ باقی عمل جو نہیں ہوتا تو اسلئے کہ ایمان میں ضعف اور نقص پیدا ہو گیا ہے اور لطف یہ ہے کہ عوام سے ان کے اس مرض کو بیان بھی نہیں کیا جاتا ظاہر ہے کہ جب انکو اپنے مرض ہی کا علم نہ ہوگا تو اس سے نکلنے کی کیا فکر کریں گے البتہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں آیۃ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (اور اللہ تعالیٰ نے کافرین کیلئے مؤمنین پر غلبہ کی کوئی سبیل ہی نہیں رکھی) کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ مراد اس سے آخرت میں غلبہ ہے یا باعتبار حجت اور دلیل کے غلبہ ہے اور ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ مومنین سے مراد اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان پر کفار کو ظاہری غلبہ بھی نہ ہو سکا بلکہ وہی غالب رہے اور اسکے بعد لکھتے ہیں و اما ظهور الكافرين على المومنين فى هذا الزمان فلضعف ايمانهم و كثرة عصيانهم (ج۲ ص۲۴۴) (باقی آج جو کفار بظاہر مسلمانوں پر غالب نظر آتے ہیں تو یہ مغلوبیت ان کے ضعف ایمان کیوجہ سے اور حق تعالیٰ کی نافرمانی کی کثرت کی وجہ سے ہے)

عہ۔ "کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا الخ" دراصل یہ جملہ مولانا عبدالماجد صاحبؒ کا ہے جو انھوں نے مولانا عبدالباری ندوی صاحبؒ کے ایک [illegible]

اسی طرح سے ملا علی قاری بھی مرقاۃ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان همم اخوان الزمان قد قصرت ومجاهدهم فی تحصیل العلوم لاسیما فی هذا الفن الشریف ضعفت وهو مقتضی الوقت الذی تجاوز عن الالف وبقی ضعف العلم والعمل بل ضعف الایمان علی ضعف والله ولی دینه وناصر نبیه (بلاشبہ اس زمانے میں لوگوں کی ہمتیں قاصر ہوگئی ہیں اور علوم دینیہ کی تحصیل میں انکی کوششیں ضعیف ہوچکی ہیں خصوصاً اس شریف فن (یعنی علم حدیث کی تحصیل میں) اور ایسا ہو جانا وقت کا تقاضا بھی ہے کہ آج (نبی کا زمانہ ہزار سال سے متجاوز ہوچکا ہے اور علم وعمل کا ضعف موجود ہے بلکہ مزید براں ایمان کا ضعف بھی ہوگیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ہی اپنے دین کا متولی اور وہی اسکا محافظ ہے)۔

عمل ایمان کے تابع ہے آدمی ایمان ہی کیوجہ سے عمل اختیار کرتا ہے اسی کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا ہے جو جیسا کریگا ویسا اسکو بھگتنا پڑے گا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا ہر نفس کے حق میں اسکے اعمال خیر نفع بخش اور اعمال سُو مضر ہونگے) لہٰذا طریقہ تو فلاح کا ایمان واتباع ہی ہے ہاں یہ البتہ آپ دریافت کرسکتے ہیں کہ یہ چیز حاصل کیسے ہو؟ تو اسکے متعلق سنیئے:۔

اسکا طریقہ "صحبت" ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات مشائخ اس باب میں آپ کے نائب ہیں، ان حضرات کی خدمات میں جانے سے غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ آدمی نفس اور شیطان کی منازعت سے چھوٹ جائے اور نصوص کی اتباع کرنے لگے کیونکہ اتباع کا جذبہ اور شوق اس حالت کا ثمرہ ہے جو بزرگوں کی صحبت سے انسان میں پیدا ہوتی ہے حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ شاگرد رشید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اور خلیفۂ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا ارشاد جو انھوں نے ارشاد الطالبین میں نقل فرمایا ہے ہمارے اس دعوی پر شاہد ہے

فرماتے ہیں :۔

"بے شمار لوگوں کی ایک جماعت نے جنکا جھوٹ پر متفق ہونا عقل محال سمجھتی ہے اور وہ اس قسم کی جماعت ہے کہ اسکا ہر فرد بشر تقویٰ اور علم کے باعث ایسا درجہ رکھتا ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت لگانا جائز نہیں (ایسی جماعت) زبان قلم سے اور قلم زبان سے خبر دیتی ہے کہ ہمکو مشائخ کی صحبت کی وجہ سے جنکی صحبت کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے عقائد وفقہ کے سوا جن سے وہ انکی صحبت سے پیشتر بہرہ یاب تھے، باطن میں ایک نئی حالت پیدا ہوگئی ہے اور اس حاصل شدہ حالت سے ان کے دل میں خدا اور خدا کے دوستوں سے محبت اور اعمال صالحہ کا شوق اور نیکیوں کی توفیق اور سچے اعتقادات اور زیادہ راسخ ہوگئے ہیں۔ یہی حالت ہے جسکو کمال کہنا چاہیئے اور یہی حالت بہت سے کمالات کی موجب ہے"

دیکھا آپ نے علماء نے مشائخ کی صحبت کے کس قدر فوائد بیان فرمائے ہیں اسمیں شک نہیں کہ جس کو جو کچھ ملا ہے صحبت ہی سے ملا ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو امت پر شرف حاصل ہے تو اسی صحبت کیوجہ سے۔ لیکن یہاں یہ سمجھنا ضروری ہوگا کہ جس طرح صحبت نیک مفید ونافع ہوتی ہے اسی طرح سے صحبت بد مضر بھی ہوتی ہے علماء نے لکھا ہے کہ "صحبت نیک بہتر از کار نیک اور صحبت بد بدتر از کار بد" چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے

عن جابرؓ ابن عبد اللہ مرفوعاً وموقوفاً الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ انہ قال لا تجلسوا عند کل عالم الا عالم یدعوکم من خمس الی خمس، من الشک الی الیقین ومن الریاء الی الاخلاص ومن الرغبۃ الی الزھد ومن الکبر الی التواضع ومن العداوۃ الی النصیحۃ (فاتحۃ العلوم للغزالی)	حضرت جابر بن عبد اللہ سے مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر عالم کے پاس نہ بیٹھا کرو بجز اسکے جو تم کو پانچ چیزوں سے نکالکر پانچ چیزوں کیطرف دعوت دے شک سے یقین کیطرف ریاء سے اخلاص کیطرف رغبت فی الدنیا سے زہد کیطرف، کبر سے تواضع کیطرف اور عداوت سے نصیحت کیطرف

(۷) صبر و استقلال اور عفو و کرم کی ایک عجیب مثال

(ایک قیدی امیرالمومنین منصور کے دربار میں)

بنی امیہ کی سلطنت کے خاتمہ کے بعد جب خلیفۃ المسلمین منصور عباسی کا دور آیا تو کسی شخص نے انکو خبر دی کہ فلاں شخص کے پاس بنی امیہ کے بہت سے اموال و خزائن ہیں جو اسکے پاس بطور امانت انکی طرف سے رکھے ہوئے ہیں

منصور نے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم دیا فوراً قید کر کے حاضر کیا گیا منصور نے اس سے کہا ہم نے سنا ہے کہ تمھارے پاس بنی امیہ کی امانتیں اور اموال ہیں وہ سب یہاں لاکر حاضر کردو اس شخص کی حیرت انگیز ہمت و استقلال قابل دید ہے کہ نہایت اطمینان سے کہتا ہے :۔

قیدی :۔ اے امیرالمومنین کیا آپ بنی امیہ کے وارث ہیں؟

منصور :۔ نہیں۔

قیدی :۔ تو کیا آپ ان کے وصی ہیں ؟

منصور :۔ نہیں۔

قیدی :۔ جب آپ نہ انکے وارث ہیں نہ وصی ہیں تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے اموال کا آپ مطالبہ کریں۔

منصور :۔ (کچھ دیر سر جھکائے ہوئے سوچنے کے بعد) بات یہ ہے کہ بنی امیہ نے مسلمانوں پر ظلم کیا اور ناجائز طریق سے انکے اموال پر قبضہ کرلیا تھا اب میں مسلمانوں کا وکیل ہوں یہ چاہتا ہوں کہ انکے غصب شدہ اموال کو ظالموں کے ہاتھ سے لیکر بیت المال سرکاری میں جمع کردوں۔

قیدی :۔ امیرالمومنین آپ کا یہ ارشاد اسوقت تک قابل تسلیم نہیں جب تک کوئی شہادتِ شرعیہ اس بات کی نہ پیش کریں کہ جو کچھ اموال میرے پاس ہیں وہ بنی امیہ کے انھیں اموال میں سے ہیں جو انھوں نے ظلم و غصب سے جمع کئے تھے کیونکہ بلاشبہ بنی امیہ کے پاس خود انکے اپنے مملوک اموال بھی تھے جنمیں ظلم و جور کا کوئی دخل نہ تھا۔

منصور :۔ (تھوڑی دیر سر جھکانے اور سوچنے کے بعد اپنے وزیر ربیع سے مخاطب ہوکر) اے ربیع یہ شخص بات درست کہتا ہے بیشک اسکے ذمہ ہمارا کوئی حق نہیں) اسکے بعد بشاشت و انبساط کے ساتھ اس قیدی کی طرف متوجہ ہوکر کہا) کیا تمھیں کوئی حاجت ہے ؟

قیدی :۔ ہاں میری ایک حاجت تو یہ ہے کہ آپ فوراً ایک قاصد کے ہاتھ میرا ایک خط میرے گھر بھیجوادیں تاکہ وہ میری سلامت و عافیت کی خبر سنکر مطمئن ہو جاویں کیونکہ میری حاضری نے ان کو سخت پریشانی میں ڈالدیا ہے اور میری دوسری حاجت یہ ہے کہ

آپ اس شخص کو میرے سامنے بلالیں جس نے آپ سے میری چغلی کھائی کیونکہ میرے پاس بخدا بنوامیہ کا کوئی مال موجود نہیں ہے لیکن جب میں آپ کے سامنے کھڑا کیا گیا اور مجھ سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو میں نے وہی جواب زیادہ جلد نجات دلانے والا سمجھا جس کو میں نے پیش کیا۔

منصور :۔ (اپنے وزیر ربیع سے مخاطب ہوکر) اس شخص کو بلاؤ جس نے یہ خبر دی تھی۔ ربیع نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس شخص کو حاضر کردیا۔

قیدی :۔ (اس شخص کو دیکھتے ہی) امیرالمومنین یہ میرا غلام ہے جو میرے تین ہزار دینار لیکر بھاگا ہے۔

منصور :۔ (غصہ کے لہجہ میں غلام سے مخاطب ہوکر) سچ بتلاؤ کیا واقعہ ہے ؟

غلام :۔ جہاں پناہ واقعہ یہی ہے جو انھوں نے بیان کیا فی الواقع میں انکا غلام ہوں اور اور جتنا مال انھوں نے بیان کیا ہے لیکر بھاگا ہوں

منصور :۔ (پہلے قیدی سے مخاطب ہوکر) میں آپ سے سفارش کرتا ہوں کہ اسکو معاف فرما دیجئے۔

قیدی :۔ میں نے اسکا جرم بھی معاف کیا اور جتنا مال لے گیا ہے وہ بھی معاف کیا اور تین ہزار دینار اور اپنے پاس سے دیتا ہوں۔

منصور :۔ (متعجب ہوکر) اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے ؟

اس کے بعد امیرالمومنین منصور ہمیشہ اس شخص کے استقلال اور عفو کرم پر تعجب

کیا کرتے تھے کہ عفو و کرم کی ایک عجیب مثال ہے۔

(منقول و مترجم از ثمرات الاوراق للحموی علی ہامش المستطرف ص۲۲۳ ج۱)

حاتم اصم کی طالب علمی ۳۳ برس میں آٹھ مسائل حاصل کئے

ایک دن حضرت شقیق بلخیؒ نے اپنے شاگرد حاتم اصمؒ سے پوچھا کہ تم کتنے دنوں سے میرے پاس آتے جاتے ہو؟ کہا ۳۳ سال سے فرمایا اس مدت میں تم نے کیا سیکھا کہا آٹھ مسئلے۔ فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون میرے اوقات تمہارے اوپر ضائع گئے کہ تم نے فقط آٹھ مسئلے سیکھے۔ کہا اے استاد میں نے زیادہ نہیں سیکھے اور میں جھوٹ بولنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ کہا اچھا بتاؤ وہ کون سے آٹھ مسئلے ہیں کہ میں بھی سنوں۔ حاتمؒ نے کہا:۔

اول مسئلہ:۔ یہ ہے کہ میں نے خلق کو دیکھا تو معلوم کیا کہ ہر شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے جو قبر تک اسکے ساتھ رہتا ہے جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے اس لئے میں نے اپنا محبوب حسنات کو ٹھہرالیا کہ جب قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ رہے۔ شقیقؒ نے کہا تم نے بہت اچھا مسئلہ سیکھا اب باقی سات مسئلے کہو (حاتم نے کہا)

دوسرا مسئلہ:۔ یہ ہے کہ میں نے اس آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى میں تامل کیا اور سمجھا کہ اللہ کا فرمانا درست اس لئے اپنے نفس پر خواہش دور کرنے کی محنت ڈالی یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔

تیسرا مسئلہ:۔ یہ ہے کہ اس دنیا کو دیکھا تو یہ پایا کہ جس کسی کے پاس کوئی شے قدر و قیمت کی ہے وہ اسکو اٹھا کر رکھ چھوڑتا ہے اور حفاظت کرتا ہے پھر جو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب ختم ہو جائیگا اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ قائم و باقی رہے گا) پس جو چیز قدر و قیمت کی میرے ہاتھ لگی وہ میں نے حق تعالیٰ کیطرف پھیر دی تاکہ اسکے پاس موجود رہے۔

چوتھا مسئلہ:۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا تو ہر ایک کا میل خاطر طرف مال و حسب و نسب اور شرافت کے پایا اور ان چیزوں پر جو غور کیا تو سب ہیچ و پوچ معلوم ہوئیں پھر اللہ کے ارشاد کو سوچا کہ فرماتا ہے:۔

ت اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ
قی ہو) اسلئے میں نے تقویٰ اختیار کیا کہ اللہ کے نزدیک کریم و شریف ہو جاؤں
نچواں مسئلہ :۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر گمان بد کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں اور اسکی
بہ حسد ہے۔ مَا خَلَا جَسَدٌ عَنْ حَسَدٍ (یعنی کوئی شخص حسد سے خالی نہیں)۔ پھر اللہ
ے کلام میں تامل کیا تو یہ پایا نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (ہم نے
تقسیم کیا ہے لوگوں میں انکی ضروریات معاش کو) اس لئے میں نے حسد کو چھوڑ کر خلق سے
رو کیا اور جان لیا کہ قسمت اللہ کے یہاں سے ہے اسلئے خلق کی عداوت چھوڑ دی۔
ٹا مسئلہ :۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکشی اور کشت و خون کرتے ہیں میں نے
للہ تعالیٰ کے قول کیطرف رجوع کیا تو اس نے یہ فرمایا ہے اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ
دُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ (شیطان تمہارا دشمن ہے اسکو
ن سمجھو وہ اپنی پارٹی کو اسکی طرف بلاتا ہے کہ وہ دوزخی ہو جائیں) اس بنیاد پر میں نے اسی اکیلے
یطان کو اپنا دشمن ٹھہرالیا ہے کہ اس سے بچتا رہوں باقی ساری مخلوق کی عداوت چھوڑ دی
اتواں مسئلہ :۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک شخص ایک پارہ نان کا طالب ہے اور اسکی طلب میں
پنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور ایسے کاموں میں گھستا ہے جو اسکو جائز نہیں ہیں، میں نے اللہ تعالیٰ
ے کلام میں غور کیا تو اس نے فرمایا ہے وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (کوئی جاندار
یں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہو) میں نے سمجھا کہ میں بھی اللہ کے ان دوّاب میں ہوں جنکا
زق اسکے اوپر ہے اسلئے طلب رزق چھوڑ کر ادائے حقوق خدا میں مشغول ہوا۔
ٹھواں مسئلہ :۔ یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو سب کو کسی چیز پر بھروسہ کرتے پایا کوئی زمین
بھروسہ کرتا ہے کوئی تجارت پر، کوئی کسی حرفہ پر، کوئی بدن کی تندرستی پر، اللہ کو دیکھا کہ اس نے
مایا ہے وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسکے
لئے کافی ہے) اسلئے میں نے اکیلے اللہ پر بھروسہ کیا کہ وہی مجھے کافی ہے۔
شقیق نے فرمایا اے حاتم اللہ تجھکو توفیق دے میں نے جو علوم قرآن و توریت و انجیل و زبور
کے کی تو ان سب کی اصل انھیں مسائل ہشتگانہ کو پایا وہ سب علوم ان میں آجاتے ہیں۔

درحقیقت یہی وہ علم تھا جو انبیاء علیہم السلام کی وراثت اور دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔
اب ہم نے جن رسوم کا نام علوم رکھ لیا ہے وہ تو ع "علم را بر تن زنی مارے بود" کا مصداق ہے
حضرت مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

جانِ جملہ علمہا این است و این — کہ بدانی من کیم در یوم دین

۹۔ وفات کے بعد خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حضرت بعیر احمد حمصیؒ نے خلیل احمدؒ کو بعد وفات خواب میں دیکھا تو کہا کہ اب ہمیں بڑی مشکل ہو گئی کہ علمی مشکلات کا حل کس سے کریں آپ جیسا کوئی عالم نہیں ملتا انھوں نے فرمایا کہ بھائی مشکلات کو تو تم ہی حل کرو گے پہلے یہ تو پوچھو کہ ہم جن تحقیقات علمیہ کے حامل اور ان پر نازاں تھے انکا حشر کیا ہوا؟ فرمایا کہ ہمیں تو صرف یہ کلمہ کام آیا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ باقی تحقیقات کی پوچھ ہی نہیں ہوئی۔

۱۰۔ شجاعت کی ایک عجیب مثال

(حجاج بن یوسف اور جحدر بن مالک)

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے عہد سلطنت میں قبیلہ بنی حنیفہ میں جحدر بن مالک نامی ایک بڑا ڈاکو تھا سیکڑوں قتل و غارت کر چکا تھا اس نے اہل حجر پر ڈاکہ ڈالا حجاج ابن یوسف کو اسکی اطلاع ہوئی تو حاکم یمامہ کو ڈانٹ کر خط لکھا کہ تم نے یہ کیا کر رکھا ہے؟ اب تک اس کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ فوراً جحدر کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدو۔ حجاج کے قہر و غضب اور قہرمانی حکومت کے خوف سے لوگ ویسے ہی تھرّاتے تھے خط پہنچا تو حاکم یمامہ کو اپنی موت نظر آگئی قبیلہ بنی یربوع و بنی حنظلہ کے ہوشیار و بہادر لوگوں کو بلا کر انکے لئے ایک بڑا انعام مقرر کیا کہ وہ جحدر کو قتل کر دیں یا قید کر کے لے آویں۔ یہ لوگ اسکی تلاش میں نکلے جب اسکے مستقر کے

... اکا حشر ہوتا ہے ۱۲

قریب ہوئے تو ان میں سے ایک آدمی کو یہ پیغام دیکر بھیجا کہ ہم لوگ بھی تمھاری جماعت میں شریک ہوکر رہنا چاہتے ہیں حجدر کو اس پر اعتماد ہوگیا اور ساتھ رہنے کی اجازت دیدی یہ سب لوگ حجدر کے ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ ایک روز موقع پاکر اسکو باندھ لیا اور حاکم یمامہ کے پاس پہنچا دیا، حاکم یمامہ نے انھیں لوگوں کے ساتھ حجاج کے پاس روانہ کردیا اور ان لوگوں کی مساعی بلیغہ کا حال حجاج کو لکھ بھیجا۔

حجدر جب حجاج کے سامنے پیش ہوا اور اسکو یہ بھی معلوم ہوا کہ حجاج بن یوسف وہ خونخوار انسان ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو باندھکر قتل کر چکا ہے (جامع ترمذی) مگر اسکی جرأت دیکھئے کہ جب حجاج نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس رہزنی اور ڈاکہ ڈالنے پر کس نے آمادہ کیا تو کہا کہ تین چیزوں نے ایک اپنے دل کی جرأت و شجاعت، دوسرے بادشاہ کا ظلم تیسرے زمانہ کے حوادث۔ حجاج نے کہا تجھ سے وہ کیا بات سرزد ہوئی جسکی وجہ سے تیری جرأت بڑھی اور سلطان نے تجھ پر ظلم کیا اور زمانہ کے حوادث تجھ پر ٹوٹ پڑے حجدر نے کہا کہ امیر مجھے آزمائیے گا تو مجھے بہترین سپاہی، شہسوار اور اپنی رعیت میں سب سے زیادہ خیر خواہ مجھے پائیے گا یہ اسلئے کہ جب کبھی کسی سے میرا مقابلہ ہوا ہے تو میں نے اپنے آپ کو اس پر غالب پایا ہے۔ حجاج کہا، اچھا ہم تمھیں آزماتے ہیں اور آزمائش یہ ہے کہ تمھیں ایک میدان میں چھوڑتے ہیں جس میں ایک شیر ببر ہوگا اگر اس نے تجھے قتل کر دیا تو ہم تیرے قتل کی فکر سے بچے اور اگر تو نے اسے قتل کردیا تو ہم تجھے آزاد کر دیں گے۔ حجدر نے نہایت خوشی سے اسکو قبول کیا اور کہنے لگا کہ یہ تو میری عین آرزو ہے ضرور ایسا کیجیے۔ حجاج نے کہا صرف یہی نہیں کہ شیر کے مقابلے میں تجھے آزاد چھوڑ دیں بلکہ صورت یہ ہوگی کہ تیرے پاؤں میں بڑی بڑی بیڑیاں ہونگی اور داہنا ہاتھ گردن میں باندھ دیا جائیگا صرف بایاں ہاتھ کھلا رہے گا اور اسی میں تلوار دی جائیگی حجدر نے اسکو بھی قبول کیا، حجاج نے شیر کے آنے تک حجدر کو جیل خانہ میں محبوس کردیا اور اپنے ماتحت حاکم کو حکم دیا کہ ایک شیر کہیں سے گرفتار کرکے لایا جائے۔ حکام نے فوراً مہیا کردیا، جب شیر آیا تو اسکو ایک محصور میدان میں چھوڑ دیا اور تین دن کامل اسکو بھوکا رکھا گیا، اسکے بعد حجدر کے پاؤں بیڑیاں میں اور داہنا ہاتھ گردن میں باندھکر لایا گیا بائیں ہاتھ میں تلوار دیکر شیر کے سامنے چھوڑ دیا گیا، حجدر

اسکو دیکھکر ایک رجز یہ ترانہ پڑھنے لگا۔ جب شیر نے اسکو دیکھا تو نہایت زور سے دھاڑا اور انگڑائی لیکر جحدر کی طرف بڑھا جب شیر بالکل قریب آپہونچا اور ایک نیزہ کا فصل رہ گیا تو جحدر نے زور سے جست کی اور اس زور سے تلوار کا اس پر وار کیا کہ ایک وار میں شیر ختم ہوکر زمین پر گرا اور ادہر جحدر پیروں کی بیڑیوں کی وجہ سے پیچھے کو جا پڑا۔

حجاج اور اسکے اعوان ایک دریچہ سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ادہر جحدر اٹھا اور حجاج سے خطاب کر کے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

ولئن قصدت لی المنیہ عامداً ‌ ‌ ‌ انی لخیرک یا ابن یوسف راج

(اگر آپ نے میری موت کا قصد کیا تھا تو اے حجاج میں آپ کے انعام کا بھی امیدوار ہوں)

علم النساء بانننی لا انثنی ‌ ‌ ‌ اذ لا یثقن بغیرۃ الازواج

(عورتیں تو یہ سمجھتی تھیں کہ میں لوٹ کر نہ آؤنگا کیونکہ وہ شوہروں کی غیرت پر پورا بھروسہ نہیں رکھتیں)

وعلمت انی ان کرھت نزالہ ‌ ‌ ‌ انی من الحجاج لست بناج

(اور میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر شیر کے مقابلے سے پہلوتہی کی تو حجاج کے ہاتھ سے نجات نہیں پا سکتا)

حجاج نے کہا کہ اب اگر تم چاہو تو ہم تمھیں بڑا انعام دیں اور چاہو تو تمھیں بالکل آزاد چھوڑ دیں جحدر نے کہا کہ نہیں، میں امیر کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حجاج نے اس کیلئے اور اس کے سب گھر والوں کے لئے بڑے بڑے وظائف مقرر کر دیئے۔

(تاریخ ابن عساکر ص۶۳، ۶۴ جلد)

۱۱۔ حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ طریق تصوف کھلا ہوا ہے اور کتاب وسنت ہمارے درمیان قائم ہے اور فضیلت صحابۂ کرام کی بوجہ سبقت فی الہجرت اور صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب کو معلوم ہے۔ پس ہم میں سے جو شخص کتاب وسنت کا ساتھ دے وہ اپنے نفس اور مخلوق سے جدا ہو جاوے اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کیطرف ہجرت کرے صرف وہی شخص صادق اور مصیب ہے۔

۱۲۔ حجاج ابن یوسف اور حضرت یحییٰ ابن معمرؒ

ایک مرتبہ حجاج کی مجلس میں حضرت یحییٰ ابن معمر بھی تشریف رکھتے تھے اتفاقاً جگر گوشۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر آیا تو حجاج کہنے لگا کہ حضرت حسین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے نہیں ہیں کیونکہ صاحبزادی کی اولاد ہیں اور اولاد کا نسب نانا کیطرف منسوب نہیں ہوتا) حضرت یحییٰ نے غصہ کے ساتھ کہا امیر المومنین تم نے جھوٹ بولا وہ بلا شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں سے ہیں۔

حجاج نے غصہ سے مشتعل ہو کر کہا کہ یا تو تم قرآن سے اسکی کوئی دلیل پیش کرو کہ نانا کیطرف اولاد کا نسب عائد کیا گیا ہو ورنہ میں تمھیں قتل کر دونگا۔ حضرت یحییٰ نے فوراً یہ آیت پڑھی وَمِنْ دَاوُدَ وَسُلَیْمَانَ وَاَیُّوبَ وَیُوسُفَ وَمُوسٰی وَهَارُونَ (الی قولہ) وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى اور عرض کیا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی ذریت میں شمار فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ان کے نانا ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ والدہ ہی سے انکا نسب چلا ہے۔ حجاج کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑا مگر کہا کہ ہمارے سامنے ہماری تکذیب کرنے پر تمھیں کس چیز نے جری کر دیا؟ حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ اس آیت نے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور انکے متبعین سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ حق بات کو نہ چھپائیں گے حجاج اس بات پر بھی لاجواب ہو گیا تو ان کو اس نے جلاوطن کر کے خراسان بھیجدیا۔ (ابن عساکر ص۶۵ ج۴)

۱۳۔ حضرت سفیان ثوریؒ کا ایک خط عباد خواصؒ کے نام

حضرت سفیان ثوری نے اپنے ایک دوست عباد خواص کے نام خط لکھا جس کے چند جملے یہ ہیں "امابعد آپ ایک ایسے زمانے میں ہیں کہ جس سے صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین نے پناہ مانگی ہے حالانکہ انکو وہ عمیق علم حاصل تھا جو ہمیں حاصل نہیں، تو ہمارا کیا حال ہوگا کہ ہم نے اس زمانہ کو پالیا اور نہ ہمیں وہ علم حاصل ہے نہ صبر و تقویٰ اور نہ نیک کاموں میں امداد کرنے والے دوست، دنیا مکدر ہو گئی اور لوگوں کا حال فاسد ہو گیا (از منہاج العابدین للغزالی)

کیونکہ انکی حالت یہ ہے کہ اپنے گھر میں ایسی حالت میں رہنگی کہ صورت دیکھکر بھی نفرت پیدا ہو اور دوسری جگہ جائیں گی تو بن سنور کر خدا جانے دوسری جگہ کس کو دکھلانا منظور ہوتا ہے اور پھر اس کپڑے سے اس قدر مشغولی ان کے قلب کو ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ آج دھوپ دکھلائی جارہی ہے اور کل صاف کیا جارہا ہے کپڑا جو کہ خادم تھا انکا مخدوم ہوگیا تعجب ہے کہ انکا جی نہیں گھبراتا لیکن جب دوسرا کوئی کام نہیں تو یہ بیچاری آخر دن کس طرح کاٹیں؟ اسی طرح شادی میں فضولیات ہوتی ہیں مثلاً کھانا کھلانا ہے کہ ساری برادری کو نیوتا جاتا ہے مشورہ کرنا ہے کہ ایک ایک سے رائے لی جاتی ہے۔ ایک صاحب نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہا اور یہ رائے ہوئی کہ اس خوشی میں ایک ہزار روپیہ کسی اسلامی مدرسہ کو دیدیں، ان بیچاروں سے یہ خطا ہوئی کہ برادری کو جمع کرکے رائے لی تمام برادری نے انکو دق کیا اور کہا کہ ہمارا جو کچھ کھایا ہے اسکو واپس کیجئے، آخر مجبور ہوکر بیچاروں کو ساری رسمیں کرنا پڑیں۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ اس رقم کے برباد کرنے سے آپ کو کیا نفع ہوا؟ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ صاحب اس میں کیا گناہ ہے کہ برادری کو کھلا پلا دیا؟ صاحبو! یہ عنوان تو بہت پیارا ہے مگر ذرا اسکی حقیقت کو تو دیکھو کہ یہ ایسا ہی عنوان ہے جیسا کہ ایک چور نے کہا تھا کہ ہم تو جو کچھ کھاتے ہیں حلال کرکے کھاتے ہیں دیکھئے رات کو نیند برباد کرتے ہیں محنت کرتے ہیں جب کہیں کھانے کو نصیب ہوتا ہے۔ جیسا اس چور نے ایک نیا عنوان نکالکر چوری کو حلال کیا تھا ایسی ہی ہماری حالت ہے کہ ایسا عنوان اختیار کرتے ہیں کہ گناہ بظاہر گناہ معلوم ہی نہو کہ برادری کو کھلا دیا اداۓ حق کیا، لڑکی کو دیا صلۂ رحمی کی تو اس میں کیا حرج ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اگر لڑکی کے ساتھ صرف صلۂ رحمی کرنی ہے تو کیا وجہ ہے کہ برادری کو جمع کرکے انکو دکھایا جاتا ہے اور اگر صلۂ رحمی کے لئے برادری کو جمع کرنا ضروری ہے تو کیا وجہ کہ پندرہ سولہ برس تک لڑکی کے ساتھ جو صلۂ رحمی کی گئی ہے اس میں برادری کو جمع نہیں کیا گیا کہ صاحبو! دیکھ رکھو آج لڑکی کے واسطے کپڑا لایا ہوں آج اس کے لئے حلوا تیار کرایا ہے۔ معلوم ہوا کہ شادی کے موقع پر مقصود تفاخر ہوتا ہے نہ کہ صلۂ رحمی۔ دوسری علامت تفاخر ہونے کی یہ ہے کہ سامان دینے کے بعد اس طرف کان جھکتے ہیں کہ دیکھیں لوگ ہماری نسبت کیا کہہ رہے ہیں اگر کسی نے کہدیا کہ واقعی

حوصلہ سے زیادہ کام کیا تو سمجھا جاتا ہے کہ بہت بڑی تعریف کی حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ بہت بڑی ہجو ہے کیونکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ اس نے بہت بڑی حماقت کی کہ اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کر دیا، لیکن یہ تعریف بھی کم نصیب ہوتی ہے اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ اسکی یہ نیت بھی پوری نہیں ہوتی بلکہ جتنا بھی یہ زیادہ خرچ کرتا ہے برادری زیادہ عیب نکالتی ہے اور ہمدردی بھی اگر کیجاتی ہے تو دل میں اسکے بگاڑنے کی فکر کیجاتی ہے۔ ہمارے اطراف میں ایک قصبہ ہے بگھرہ وہاں ایک نودولت تھے انھوں نے اپنے لڑکے کی شادی کی برادری کے لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ موقع بہت اچھا ہے یہ شخص بہت بڑھ گیا ہے اسکو اپنے جیسا بنانا چاہیے۔ چنانچہ دو چار آدمیوں نے متفق ہوکر انکو یہ رائے دی کہ اس شادی میں طائفہ کو ضرور بلانا چاہیے اور کہا کہ میاں کیا یہ موقع روز آتا ہے چنانچہ طائفہ کو بلایا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ جو کچھ کما کر جمع کیا تھا سب کھو کر بیٹھ رہے برادری نے جب دیکھا کہ یہ بھی ہماری طرح کنگال ہوگیا تو بہت خوش ہوئے۔ واقعی لوگوں کی وہ حالت ہے کہ کسی کو اچھی حالت میں دیکھ نہیں سکتے۔ کسی کبڑے سے پوچھا گیا تھا کہ تیری کیا تمنا ہے؟ اس نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ سب لوگ کبڑے ہو جائیں تاکہ میں بھی انکو ہنسوں۔ اور اگر اتفاق سے کسی نے ایسا سامان کر بھی لیا کہ اس میں کوئی عیب نہ نکل سکا تو کہتے ہیں کہ میاں اگر کیا تو کیا بڑی بات ہوئی جنکے پاس ہوا کرتا ہے کیا ہی کرتے ہیں۔ بتلائیے کہ جب برادری بھی خوش نہوئی اور خرچ بھی ہوا تو کیا فائدہ ہوا۔

صاحبو! کیا اس ساری کارروائی کو کہا جا سکتا ہے کہ یہ کھلا پلا دینا ہے کیا یہ اسراف اور تفاخر نہیں ہے اور کیا تفاخر گناہ نہیں قرآن شریف سے ثابت حدیث شریف سے ثابت دیکھ لیجئے حدیث میں من لبس ثوب شهرة البسه الله ثوب الذل یوم القیامة (جس شخص نے شہرت کا لباس دنیا میں پہنا اللہ تعالیٰ قیامت میں اسکو ذلت کا لباس پہنائیں گے) غور کیجئے کہ کپڑے میں خرچ ہی کیا ہوتا ہے جب اس میں یہ وعید ہے تو دوسری فضولیات جن میں زیادہ خرچ ہوتا ہے کیا ان میں یہ وعید نہوگی اسی طرح کے اور بہت سے گناہ ہیں جو سرسری سمجھے جاتے ہیں۔

(۲۱۰) توبہ کا ہروقت ضروری ہونا اور اسکے موانع کے ارتفاع کی تدبیر

غرض گناہوں کی اسقدر کثرت ہے کہ اگر انکی فہرست پیش نظر رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہم ہروقت گناہ میں مبتلا ہیں تو ہمکو توبہ کی بھی ہروقت ضرورت ہے اور توبہ کرنا ہروقت واجب ہے لہٰذا اسکا بیان کرنا بھی ضروری ہوا لیکن چونکہ نرے وجوب کا بیان کردینا کافی نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ اکثر موانع قوی ہوتے ہیں کہ انکا ارتفاع کا ذریعہ نہ بتلانے سے طبیعت پر گرانی اور مایوسی ہوتی ہے اسی لئے موانع کا بتلانا اور ان کے ارتفاع کی تدابیر بتلا بھی ضروری ہوا کہ کن کن چیزوں سے توبہ کرنی چاہیئے، نہ تو محض اجمال کافی ہے اور نہ زیادہ تفصیل کا وقت ہے اسی لئے بیان موانع کے ساتھ چند کثیرالوقوع گناہ بھی بتلاتا ہوں کہ ان سے اجتناب کیا جائے اور چونکہ وہ کثیرالوقوع ہیں جب ان سے اجتناب ہوگا تو انشاءاللہ تعالیٰ سب گناہوں سے اجتناب ہو جائیگا، دوسرے یہ قاعدہ ہے کہ انسان جب کسی ایک کو چھوڑتا ہے تو سب گناہ اسکے چھوٹ جاتے ہیں یعنی ایک گناہ کا ترک دوسرے کے ترک میں معین ہوتا ہے تو گویا اب دو باتیں بیان کرنی رہ گئیں ایک تو مختصرسی فہرست گناہوں کی دوسرے توبہ کرنے کے موانع اور ان کے ارتفاع کے ذرائع۔ سو سمجھنا چاہیئے کہ جب توبہ کا وجوب قرآن شریف سے ثابت حدیث شریف سے ثابت تو اسکی طرف سے بے توجہ ہونے کے اسباب کا ارتفاع واجب ہوگا۔ اسباب یہ ہیں جن کو میں مع انکے علاج کے بیان کرتا ہوں۔

(۲۱۱) اول مانع توبہ سے، علم دین نہ ہونا ہے

پہلا مانع سبب توبہ یہ ہے کہ ہمکو گناہوں کی تفصیل معلوم نہیں تو جب گناہ کا علم ہی نہ ہوگا اور توبہ گناہ ہی سے ہوتی ہے تو توبہ کیونکر ہوگی افسوس ہے ہملوگوں علم سے اس قدر اجنبیت

ہوگئی ہے کہ اگر کوئی عالم ہمارے سامنے چلے افعال کا گناہ ہونا بیان کرتا ہے تو سنکر تعجب ہوتا ہے علم سے اجنبیت کے متعلق ایک حکایت یاد آئی

حکایت : ایک معتبر راوی سے معلوم ہوا کہ ایک بڑے انگریزی کے فاضل کو سفر میں پانی ملا تو نماز کے وقت آپ نے تیمم کیا اور مٹی لیکر اس سے کلی بھی کی خدا جانے کیا کیا ہوگا منھ میں لیکر اسکو تھوکا یا اور کوئی صورت نکالی ہوگی۔ ملاحظہ کیجئے کہ ناواقفی کس حد تک پہونچ گئی۔

سو اسکا علاج یہی ہے کہ علم دین پوری طرح سے حاصل کیا جائے اور کچھ بھی نہو تو کم از کم بہشتی زیور کے دسوں حصے ہی پڑھ لیں اور سہل طریقہ اسکا یہ ہے کہ مرد تو علماء سے پڑھ لیں پھر جو کچھ پڑھا ہے عورتوں کو بھی پڑھا دیں۔

(۱۱۲) دوسرا مانع توبہ سے گناہ کو ہلکا سمجھنا ہے اور اسکے اسباب

دوسرا مانع گناہ سے یہ ہے کہ بعض لوگ گناہ کا گناہ ہونا تو جانتے ہیں لیکن اسکو کوئی بڑی چیز نہیں سمجھتے بلکہ ایک ہلکی بات سمجھتے ہیں اور علامت اسکی یہ ہے کہ کبھی گناہ کرکے ان لوگوں کا جی برا نہیں ہوتا اسلئے توبہ نہیں کرتے۔ دیکھئے اگر اس شخص کو جو کہ شراب نہ پیتا ہو دھوکے میں کوئی شراب پلا دے تو دل پر کتنا صدمہ ہوگا لیکن جن گناہوں کی عادت ہوگئی ہے اور عادت کی وجہ سے انکو خفیف سمجھ لیا ہے جیسے غیبت انکے کرنے سے ذرا بھی جی برا نہیں ہوتا اور گناہ کے خفیف ہونے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ہمکو یہ معلوم نہیں کہ اس گناہ کے کرنے سے ہمکو کیا سزا ملے گی اور کتنا عذاب ہوگا اسکا علاج یہ ہے کہ احادیث ترغیب و ترہیب کو ایک جگہ جمع کرکے انکا ترجمہ کر دیا جائے اور ایسے لوگ ان کو مطالعہ میں رکھا کریں لیکن ابواب فقہ کے دیکھنے کی اجازت نہ دیجائے کیونکہ ایسے احکام مختلف فیہا ہیں اگر عوام انکو دیکھیں گے تو انکو ضرر زیادہ ہوگا اسی لئے صرف ترغیب و ترہیب کی احادیث انکو دیجئے چنانچہ منذری کی ترغیب و ترہیب بہت عمدہ کتاب ہے اس بارے میں اگر اسکا ترجمہ ہوگیا ہو تو اسکو دیکھیں اور اگر اسکا ترجمہ نہ ہوا ہو تو کسی اہل علم کو چاہیئے کہ اسکا ترجمہ کر دے اور بہشتی زیور میں بھی میں نے حدیثوں کا ترجمہ کر دیا ہے اسکا دیکھنا بھی بہت مفید ہے اس سے معلوم ہوگا کہ فلاں گناہ میں یہ عذاب ہوگا اسلئے اس گناہ سے بچنا چاہیئے۔ دوسرا سبب

گناہ کے خفیف سمجھنے کا یہ ہے کہ گناہ کرتے کرتے ہماری عادت ثانیہ ہو گئی ہے کہ اس سے ذرا بھی طبیعت میلی نہیں ہوتی بلکہ اسکی طرف التفات بھی نہیں جاتا کہ ہم نے کیا گناہ کیا ہے، چنانچہ بعض اوقات اگر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو تعجب سے پوچھا جایا کرتا ہے کہ خدا جانے ہم نے کون سا گناہ کیا تھا جس کے پاداش میں ہم پر یہ مصیبت نازل کی گئی ہے میں اس تعجب پر تعجب کرتا ہوں صاحبو! کیا کوئی وقت بھی گناہ سے بچا ہے پھر اسکے کیا معنی کہ جانے کونسا گناہ ہو گیا ہے بلکہ انصاف اور عقل کی رو سے تو یوں چاہیئے تھا کہ اگر ہم پر خدا تعالیٰ کا کوئی انعام ہو تو تعجب کریں کہ ہم جیسے گنہگاروں سے کیا بھلائی بن پڑی ہو گی جس پر یہ انعام ہوا ہے۔ عادت ایسی بری چیز ہے کہ اسکی بدولت معصیت کا معصیت ہونا بھی ذہن سے نکل جاتا ہے اسکا علاج یہ ہے کہ گناہ کی عادت چھوڑی جائے اور اپنے اوپر جبر کر کے گناہ کو ترک کیا جائے مثلاً غیبت کا گناہ ہے کہ اس میں علی العموم لوگ مبتلا ہیں اسکے چھوٹ جانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہفتہ تک ہمت کر کے زبان کو غیبت کرنے سے اور کان کو غیبت سننے سے روکا جائے جب ایک ہفتہ اس طرح گذر جائے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ دیکھو گے کہ غیبت کرنا تو در کنار غیبت سننا بھی گوارا نہ ہو گا بلکہ ایسا معلوم ہو گا گویا کسی نے ایک پہاڑ تم پر رکھدیا ہے۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود　　گر ز باغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اسکے باغ دل سے ایک "تنکا بھی کم ہو جائے)

(۲۱۳) تیسرا اور چوتھا مانع توبہ سے

ایک مانع توبہ کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ انسان گناہ کو بہت بڑی چیز سمجھ لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اتنے بڑے گناہ کے مقابلے میں توبہ سے کیا کام چلے گا۔ علیٰ ہذا البعض کو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ ہمارے گناہ اس قدر کثیر ہیں کہ انکی معافی ممکن ہی نہیں اگرچہ ہم کتنی ہی توبہ کریں ان دونوں غلطیوں کی وجہ یہ ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کو بندوں پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں عادت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے امر میں کسی کی نافرمانی کرے یا معمولی باتوں میں ہمیشہ نافرمانی کرے تو ان دونوں کے قصور کو معاف نہیں کیا جاتا اسی طرح گویا خدا کے کارخانے

کو بھی سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے بندہ اول تو محتاج ہے اس
اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی بھی ضرورت ہے دوسرے کے مقابلے میں اپنی بات رکھنے کی بھو
ہے، دوسرے بندہ متاثر ہے جب کسی نے اسکی مخالفت کی تو اس پر اثر ہوا اگر مکر
مخالفت ہوئی اس اثرا ورانفعال میں ترقی ہوئی اسی طرح ترقی ہوتے ہوتے اس
حدتک پہونچ جاتی ہے کہ استعداد موافقت سلب ہوجاتی ہے اسی سلئے
معاف نہیں کرسکتا بر خلاف خدا تعالیٰ کے کہ ان کا ہرفعل اختیاری ہے وہاں تاثر کا
بھی نہیں وہ عذاب بھی کرتے ہیں تو ارادۂ محض سے کہ اس میں غیراختیاری جوش کا شائبہ
نہیں ہوتا۔ اسکا علاج یہ ہے کہ اس خیال فاسد سے توبہ کرے اور رحمت کی حدیثیں مطال
میں رکھے یقین ہے کہ ان سے یہ مایوسی مبدل بہ امید ہوجائیگی حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص
تمام روئے زمین کے برابر گناہ کئے ہوں اور وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ
فرمادیں گے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدد گناہوں کا بڑھ جانا موجب یاس نہ ہونا چاہیئے ر
کیفاً زیادتی اسکو یوں سمجھئے کہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کفر ہے کہ اس کے برابر کوئی دوسرا
نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے جسوقت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم رونق افرو
ہوئے دنیا کا کیا حال تھا بجز معدودے چند فرقوں کے اور ان میں گنتی کے چند آدمیوں کے
ساری دنیا کفر وجہل سے پرتھی پھر اس میں بھی خاصکر قریش کہ انھوں نے تین سو ساٹھ بت ا
لئے بنا رکھے تھے یعنی ایک نیا خدا ان سے سر تسلیم خم کراتا تھا، دیکھ لیجئے خدا تعالیٰ نے اس
قبیلۂ قریش سے فلک اسلام کے لئے کیسے کیسے نیر اکبر پیدا کیئے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ
اسی قبیلہ کے ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے اذ یقول لصاحبہ لا تحزن حضرت
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی قبیلہ کے ہیں جن کے لئے حدیث ہے اشدھم فی امر اللہ ع
وعلیٰ ہذا ۔ عر

غرض یہ سمجھنا کہ ہمارے گناہ معاف نہ ہوں گے غلطی ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے
انسان بغیر توبہ کئے مرجاتا ہے ۔

(۲۱) پانچواں مانع توبہ سے پھر گناہ ہوجانیکا خوف ہے اور اسکا سبب

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ مجھ سے پھر گناہ ہو جائے گا اور
ہنوز صدور گناہ کا احتمال باقی ہے تو توبہ سے کیا فائدہ ہوگا لہذا توبہ اسوقت کرنی چاہیئے کہ اسکے
پھر گناہ نہ ہو۔ صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ زندگی کا کون سا حصہ ہے جسمیں نہ ہونے کا یقین کرلیا
ے، جوانی میں اگر چالاکی عیاری نہیں ہوتی تو بدمستی لاابالی پن ہوتا ہے، بوڑھاپے میں اگر
گی بدمستی نہیں ہوتی تو حرص، طول امل، حیلہ سازی، مکر و فریب، حسد، بغض غرض
ں امراض باطنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو حاصل اس عذر کا یہ ہوا کہ مرکر توبہ کریں گے مگر خوب
لو کہ من مات فقد قامت قیامتہ (جو شخص مرگیا تو بس اُسکی قیامت شروع ہوگئی)
قیامت میں قبول توبہ ہے نہیں۔ اور سبب اس مانع کے پیش آنے کا یہ ہوتا ہے کہ یہ خیال
یا تا ہے کہ جب توبہ کے بعد کبھی گناہ کا صدور ہوا تو وہ توبہ ٹوٹ گئی حالانکہ یہ غلط خیال ہے
گناہ جو معاف ہو چکے ہیں ان پر دار و گیر نہ ہوگی اسی طرح سے جس جس گناہ سے توبہ کرتے جاؤگے
و ہوتا جائیگا، لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تو بہت آسان ترکیب نکل آئی بس آئندہ سے
یا کریں گے کہ خوب جی بھر گناہ کرلئے پھر توبہ کرلی کیونکہ جس توبہ کے وقت آئندہ گناہ کرنے کا
قصد ہو وہ توبہ مقبول نہیں جیسا کہ میری پچھلی تقریر بابت حقیقۃ توبہ سے معلوم ہوا ہوگا۔ اور
توبہ کے مضمون میں یہ خیال کہ خوب گناہ کریں اسی کو پیدا ہوگا جو نہایت پلید الطبع اور
ں ہی گیا گذرا ہو ورنہ سلیم الطبع کو تو اس سے اطاعت کا زیادہ جوش پیدا ہوگا کہ اللہ اکبر!
، بارگاہ خداوندی میں اسقدر رحم و کرم ہے تو ہمکو ہرگز مناسب نہیں کہ اسکی مخالفت کریں
ل یہ کہ حدیث میں ہے ما اصر من استغفر یعنی جس شخص نے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ
، پرہٹ کرنے والوں میں ہے۔ اور فرماتے ہیں کلکم خطاؤن وخیر الخطائین التوابون
گا تو سب ہیں مگر ان میں اچھے وہ ہیں کہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں، بس اگر اتنی ہمت
کہ گناہ چھوڑ دو تو توبہ کرنے سے تو ہمت نہ ہارو بلکہ جو گناہ ہو جایا کرے اس سے توبہ کرلیا کرو
پھر ہو جائے پھر توبہ کرلو۔ دیکھو ایک شخص بیمار ہو جائے اور اسکو کوئی یہ رائے دے کہ علاج

سے کیا فائدہ آخر بھی احتمال ہے کہ بیمار ہو جاؤ گے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میاں اگر پھر بیمار ہونگے پھر علاج کریں گے آئندہ کی بیماری کے خوف سے موجودہ بیماری کا علاج کیوں نہ کریں؟ تو جو فتویٰ آپ کی عقل نے جسمانی مرض میں دیا ہے وہ فتویٰ روحانی امراض میں کیوں نہیں ہوتا؟ اسی حدیث مااصر میں ہے وان عاد فی الیوم سبعین مرۃ یعنی اگرچہ ستر دفعہ توبہ ٹوٹ جائے ۔

(۲۱۵) چھٹا مانع توبہ سے یہ خیال ہے کہ حق تعالیٰ بخشدیں گے

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ بندہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے اسکو ہمارے گناہ بخشدینے کیا مشکل ہیں۔ لیکن صاحبو! یہ جواب ظاہری بیماریوں میں کیوں نہیں دیا جاتا اور امراض جسمی میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟ کیا کوئی شخص تبلا سکتا ہے کہ اس نے اس خیال سے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ہمکو ضرور تندرست کردیگا امراض جسمانی کا علاج نہ کیا ہو یا کوئی شخص تبلا سکتا ہے کہ اس نے خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے زہر کھالیا ہو کبھی نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا یوں کہے کہ میاں خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے سنکھیا کھا جاؤ تو اسکو دیوانہ تبلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ خدا کے غفور رحیم ہونے کے یہ معنی نہیں سنکھیا کھاؤ تو ضرر نہ کرے بلکہ سنکھیا ضرر بھی کریگا اور خدا غفور رحیم بھی رہے گا' اسی طرح گناہ کا ضرر ہوتا ہے لیکن اس سے خدا تعالیٰ کے غفور رحیم رہنے میں کوئی نقص نہیں آتا۔

(۲۱۶) خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کے صحیح معنی

صاحبو! اس خبر سے کہ ہم غفور رحیم ہیں مقصود یہ ہے کہ جو گناہ تم سے ہو گئے ہیں انکی وجہ سے پریشان مت ہو اور توبہ کو بیکار نہ سمجھو ان سب کو معاف کر دیں گے چنانچہ اس آیت یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم (اے میرے وہ بندو جنھوں نے اپنے نفس پر زیادتی کر رکھی ہے سو گناہ کر کے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کرنیوالے غفور رحیم ہیں)

کا شان نزول یہی ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول مکہ میں مبعوث ہو کر دعوت اسلام فرمائی تو لوگوں نے آکر عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان تو لے آئیں لیکن جو گناہ ہم نے اسکے قبل کئے ہیں ان پر تو ہمکو ضرور سزا ہوگی۔ بس جب دین آبائی بھی چھوڑا بدنامی بھی اٹھائی اور آخرت کا عذاب بھی باقی رہا تو ہمکو فائدہ ہی کیا ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم لوگ پچھلے گناہوں کا اندیشہ نکرو ہم غفور رحیم ہیں سب پچھلے گناہ بھی معاف کر دیں گے اور اگلے بھی۔ پس معلوم ہوا کہ مقصود آیت سے ان لوگوں کی ناامیدی کو دور کرنا ہے جو اسلام اور توبہ سے اس خیال سے رکتے تھے نہ کہ وہ مقصود جو کہ لوگوں نے سمجھا ہے۔

(۲۱۷) ساتواں مانع توبہ سے یہ خیال ہے کہ جو تقدیر میں ہوگا وہ ہوگا

ایک مانع یہ ہے کہ یوں سمجھتے ہیں بلکہ زبان سے کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے جنت یا دوزخ وہ ضرور ہو کر رہیگا پھر نہ طاعت سے کچھ فائدہ نہ گناہ سے کوئی ضرر، مگر تعجب ہے کہ یہ تقدیر دنیا کے کاموں میں مثلاً کمانا کھانا مال و دولت جمع کرنا ان میں کہاں چلی جاتی ہے ہم نے کسی کو نہ دیکھا کہ اس نے تقدیر کے بھروسہ پر کمانا چھوڑ دیا ہو یا کھانا نہ کھایا ہو کھیتی کرنی چھوڑ دی ہو اور اس میں تخم ریزی نہ کی ہو کہ اگر تقدیر میں ہے تو خود بخود سب کام ہو جائیں گے۔ اس موقع پر تو کہتے ہیں کہ صاحب تقدیر حق ہے لیکن تدبیر بھی تو کرنی چاہیئے بدون تدبیر کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ افسوس یہاں تدبیر کی ضرورت اور دین کے کام میں تدبیر کی ضرورت نہیں حالانکہ آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاش کی ایک حد تک ذمہ داری بھی لی ہے، فرماتے ہیں وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (کوئی جاندار نہیں جسکا رزق اللہ تعالےٰ کے ذمہ نہ ہو) —— اور معاد کے بارہ میں ذرا بھی ذمہ داری نہیں فرمائی بلکہ صاف ارشاد ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى اور وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا کہ ہم بالکل وعدہ نہیں کرتے جو جیسا کریگا بھریگا، بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ارشاد فرمایا اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ كَلَّا تو جب تک پاک نہ ہوگے ہرگز دخول جنت کے قابل نہ ہوگے۔

(۲۱۸) معاش کی تدبیر کرنا اور معاد کو تقدیر پر رکھنا سخت غلطی ہے

غرض معاش کو تدبیر پر رکھنا اور معاد کو تقدیر پر چھوڑنا سخت غلطی ہے بالخصوص جبکہ تحصیل معاد کی تدابیر خود خدا تعالیٰ ہی نے بتلائی ہوں اگر معاد کا حصول محض تقدیر سے ہوتا اور اور تدبیر کو اس میں دخل نہ ہوتا تو تدابیر بتلانے کی کیا ضرورت تھی اسی طرح اور بہت سے موانع ہیں جو یہاں مذکور نہیں ہوئے مگر اس مختصر سی فہرست سے تھوڑے سے غور کے بعد وہ بھی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

(۲۱۹) توبہ میں تاخیر نہ چاہیئے تاخیر کی مضرت اور ایک شبہ کا جواب

پس جب موانع اور انکے ازالہ کی تدابیر معلوم ہوگئیں تو جلدی سے ان موانع کو زائل کرنا چاہیئے اور توبہ کرنا چاہیئے تاخیر نہ کرنا چاہیئے کیونکہ تاخیر کی خاصیت یہ ہے کہ پھر اکثر توبہ میسر نہیں ہوتی یہ حالت ہوتی چلی جاتی ہے کہ ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم　　　باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

(ہر رات یہ ارادہ کرتا ہوں کہ کل اس کام سے باز آجاؤں گا لیکن جب کل کا دن آتا ہے تو آج بھی وہی کہتا ہوں جو کل کہتا تھا)

کیونکہ توبہ ندامت کا نام ہے اور ندامت کہتے ہیں جی برا ہونے کو اور قصور پر شرمندہ ہونے کو اور شرمندگی اسوقت ہوتی ہے کہ طبیعت پر اثر باقی رہے اور اثر تھوڑے دنوں کے بعد زائل ہو جاتا ہے تو جب دل سے مقدمۂ توبہ ہی نکل گیا تو توبہ کیونکر نصیب ہو سکے گی۔ غرض کبھی توبہ کرنے میں دیر نکرے بلکہ دن کے گناہوں سے رات آنے کے قبل توبہ کرلے اور رات کے گناہوں سے دن ہونے سے پہلے اور اگر کہو کہ سب سے آخری جو توبہ ہوگی تو اسکے بعد کے گناہ تو پھر بھی بلا توبہ کے رہجائیں گے تو مواخذہ ہر حال میں ہوا پھر روز کی توبہ کیا مفید ہوئی تو جواب یہ ہے کہ کیا وہ شخص جس پر دس برس کے گناہوں کا بار ہو اور وہ شخص جس پر ایکدن کے گناہوں کا بار ہو برابر ہو سکتے ہیں؟ مثلاً کسی شخص پر دس مقدمہ فوجداری کے ہو جائیں اور اس سے وکیل یوں کہے کہ اگر پیروی کیجائے تو امید ہے کہ نو مقدموں سے تم بری ہو جاؤ گے لیکن ایک مقد

میں باوجود پیروی کے بھی تمکو سزا ہوگی تو میں پوچھتا ہوں کہ ایسی صورت میں کیا رائے قائم کیجائیگی آیا یہ کہ جب ایک میں سزا ہوگی تو پیروی کی کیا ضرورت ہے بقیہ نو میں بھی ہونے دو یا یہ کہ باوجود ایک میں یقین سزا ہونے کے دوسرے مقدمات کی اسلئے پیروی کیجائیگی کہ جسقدر بھی سزا کم ہو بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری تجویز پر عمل ہوگا تو جو شخص پچاس برس کے گناہوں کی پوٹ لے گیا اور جو شخص ایک دن کے گناہ لے گیا کیا دونوں برابر ہیں؟ ہرگز نہیں اور اگر کہیئے کہ برابر ہیں تو میں کہتا ہوں کہ مقدمات کی پیروی میں دونوں کو برابر کیوں نہیں سمجھا گیا اور نو مقدمات کی پیروی کیوں کی گئی؟

(۲۲۰) آٹھواں مانع توبہ سے یہ خیال ہے کہ گناہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتا

مع جواب و طریقہ

بعض موانع ضروری اور بھی قابلِ ذکر ہیں۔ چنانچہ ایک مانع خاص معصیت اکتسابِ حرام سے توبہ کرنے کا یہ بھی ہے کہ لوگ یوں سمجھتے ہیں گناہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتا کیونکہ ہم کھانے کمانے کی طرح طرح کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں ان میں حلال وحرام کی تمیز بہت مشکل ہے، ہاں مولویوں کو گناہ چھوڑ دینا آسان ہے کیونکہ ان لوگوں کو مفت کا ملتا ہے اسلئے یہ بآسانی گناہ چھوڑ سکتے ہیں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو میں اسوقت ترک گناہ کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ جب گناہ ہوجایا کرے توبہ کرلیا کرو تو گناہ کے نہ چھوٹنے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ توبہ بھی نہ ہوسکے۔ دوسرے اگر غور کرکے دیکھا جائے تو کوئی ناجائز ذریعہ ایسا نہیں ہے کہ جس کو ترک نہ کیا جاسکے اور یہ جو ہمکو ترک گناہ گراں معلوم ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے اخراجات روزمرہ میں بعض ایسی چیزیں بڑھالی ہیں کہ جنکی ہمکو کوئی ضرورت نہیں لیکن ہم انکو ضروری سمجھ رہے ہیں تو اسکا جواب وہی ہے جو کہ کسی شخص نے ایک ادھورے شاعر کو جس نے شعر میں تشدید آنے کی ضرورت کا عذر کیا تھا اسکو جواب دیا تھا کہ شعر گفتن چہ ضرور (شعر کہنا کیا ضروری)

تو اگر بضرورت کثرت تعلقات گناہ ہوتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ تکثیر تعلقات چہ ضرور؟ اصل جواب تو یہی ہے لیکن یہ جواب ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ عالی ہمت ہوں اور دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح نہ دیتے ہوں کم ہمتوں کے لئے دوسرا جواب بھی ہے مگر میں اس جواب کو زبان پہ لاتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ کم فہم لوگ اس سے گناہ کی اجازت نہ سمجھ جائیں مگر حاشا وکلا گناہ کی اجازت دینا ہرگز مقصود نہیں بلکہ منظور تقلیل اثم ہے حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں کہ اگر انکو نہ کیا جائے تو دنیا کا کوئی کام اٹکتا ہے اور بعض وہ ہیں کہ اگر انکو چھوڑ دیا جائے تو دنیا کا کوئی نقصان نہیں مثلاً لباس خلاف وضع اسلامی پہننا اگر اسکو ترک کردیا جائے تو دنیا کا کوئی بھی نقصان نہیں ہے یا مثلاً عورتیں اس قدر باریک لباس پہنتی ہیں کہ اس میں پورے طور پر ستر نہیں ہوتا تو ان باتوں کو اگر چھوڑ دیا جائے تو کوئی نقصان بھی نہیں ہے، رشوت وغیرہ میں تو آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بغیر اسکے کام چلنا دشوار ہے لیکن ان معاصی بے لذت میں کیا نفع ہے اور ان کے ترک میں کیا نقصان ہے؟ علی ہذا کسی امرد یا کسی عورت کو بری نظر سے دیکھنا کہ اس میں کچھ نفع نہیں نہ اسکے ترک میں کوئی ضرر۔ اگر کہو کہ صاحب نہ دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے تو یہ بالکل غلط ہے بلکہ تکلیف دیکھنے میں ہوتی ہے کہ اول نظر پڑتے ہی قلب میں ایک سوزش پیدا ہوتی ہے اسکے بعد جب وہ نظر سے غائب ہوگیا تو اس سوزش میں ترقی شروع ہوئی حتیٰ کہ بعض لوگوں کا اس میں خاتمہ ہوگیا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ نہ دیکھنے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے تو تھوڑی سی تکلیف کا پھر وہ بھی چند دن کی برداشت کرلینا کیا دشوار ہے اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ بہت ہی تکلیف ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ آخر ضرر کیا ہوا؟ کیا اس تکلیف سے تنخواہ بند ہوگئی یا کھانا بند ہوگیا؟ ہرگز نہیں۔ اور خود یہ تکلیف دینی کوئی معتد بہ مضر نہیں۔ غرض ان معاصی کو تو فی الفور چھوڑ دیا جائے اور جن معاصی کو بزعم خود موقوف علیہ حوائج ضروریہ کا سمجھ رکھا ہے اُنکا اگر ترک نہ کرسکیں تو روزانہ ندامت و استغفار اور یہ دعا کہ اے اللہ ہمکو اس سے نجات دے یہ تو ممکن ہے اتنا ہی کرلیا کرو، بیفکری اور بے پروائی تو بہت بُری چیز ہے۔

(۲۲۱) نواں مانع توبہ سے گناہ کی لذت ہے مع جواب

ایک مانع یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ گناہ کو لذیذ سمجھتے ہیں اور اسی لئے نہیں چھوڑ سکتے اسکا ایک علاج تو یہ ہے کہ مآل پر نظر کرے اور سوچے کہ یہ ساری لذت ایک دن ناک کے رستے نکلے گی' دوسرے اہل فہم کے لئے اسکا یہ جواب ہے کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ گناہ میں لذت ہوتی ہے دیکھئے اگر عادت سے زیادہ مرچیں سالن میں ڈالدی جائیں تو اگرچہ ان میں لذت ہوگی مگر اس لذت کے ساتھ سوزش ایسی ہوگی کہ اسکے سامنے لذت کا ادراک بھی نہ ہوگا اور اگر کچھ ادراک ہو بھی تو لذت کا ادراک تو فوراً ہی ختم ہو جائے گا لیکن سوزش بہت دیر تک باقی رہے گی اسی طرح گناہ کرنے میں گو کچھ لذت بھی ہو لیکن اس روحانی تکلیف و پریشانی کے مقابلہ میں جو گناہ میں ہوتی ہے یہ لذت کچھ بھی نہیں. دوسرے اس لذت کا خاتمہ تو فوراً ہی ہو جاتا ہے اور اس روحانی تکلیف کا اثر مدت تک باقی رہتا ہے ہمکو التفات نہیں ورنہ معلوم ہو سکتا ہے کہ گناہ کر کے کس قدر کدورت اور طبعی توحش پیدا ہوتا ہے فوراً ہی مرتکب کی طبیعت یہ فتویٰ دیتی ہے کہ تم نے بہت برا کام کیا کبھی اسکو وہ مسرت نصیب نہیں ہوتی جو کہ نیکی کر کے مثلاً نماز پڑھکر یا روزہ رکھکر ہوتی ہے کہ قلب میں اطمینان اور ایک نور سا معلوم ہوتا ہے برخلاف گناہ کے کہ اسکے بعد یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے سر پر جوتیاں مار دیں مگر افسوس ہے کہ ہم پھر بھی باز نہیں آتے گویا جوتیاں کھانے کی عادت ہو گئی ہے جیسے چماروں کی عادت ہو جاتی ہے یا جیسے نمرود کی عادت ہو گئی تھی اور یہ تکلیف تو فی الحال ہوتی ہے پھر اسکا ایک مآل بھی ہوتا ہے یعنی دنیا ہی میں کہ اس پر طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اکثر رزق سے محروم ہو جاتا ہے اور اسکو بشرط غور معلوم بھی ہو جاتا ہے کہ فلاں گناہ کی سزا ہے۔ خوب کہا ہے ؎

ہرچہ بر تو آید از ظلمات و غم　　آں ز بیباکی و گستاخی است ہم

غم چو آید زود استغفار کن　　غم بامر خالق آمد کار کن

(تمکو جو کچھ بھی مصیبتیں یا غم پیش آتے ہیں یہ سب تمہاری شامت اعمال اور بے ادبی کے نتائج ہیں لہذا جب غم دیکھو تو فوراً استغفار کرو کیونکہ غم حق تعالےٰ ہی کے حکم سے آیا کرتا ہے۔ لہذا کام کرو

ابن ماجہ کی حدیث میں ہے ان العبد یحرم الرزق بخطیئۃ یعملھا
(یہ بندہ رزق سے اپنے ان معاصی کے سبب سے محروم رہتا ہے جنھیں وہ کئے ہوتا ہے) اور کھانے کو بھی ملے
بھی برکت جاتی رہتی ہے اسکا سہل طریقہ مشاہدے کا یہ ہے کہ آپ دو مہینے کی
مدت لیکر کسی ایسے شخص کے پاس گذارئیے جو نہایت منعم اور آرام میں زندگی بسر کرتا ہو
کسی گناہ سے نہ بچتا ہو دیکھئے کہ ان گناہوں کی بدولت اسکے قلب کی کیا کیفیت ہے
بات چیت سے اسکے انداز کا پتہ لگ ہی جائے گا خاصکر اسوقت میں جبکہ اس پر کوئی
مصیبت آوے مثلاً بیمار ہو جائے یا کسی دشمن کی مخالفت کا اندیشہ ہوا اسکے بعد کسی
ایسے شخص کے پاس رہیئے کہ اسکو اچھی طرح کھانے کو بھی میسر نہ آتا ہو مگر خدا کا مطیع و فرمانبردار
ہو اور اسکے قلب کی کیفیت دیکھئے خاصکر کسی مصیبت کے وقت اس کے بعد ان دونوں
قلبی حالت کا موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ سرور اصلی کس کے قلب میں ہے آپ پائیں گے
وہ فاقہ مست ہر وقت شاداں و فرحاں ہے اور یہ متنعم ہر وقت غم و الم میں مبتلا ہے اور
یہ یقینی اور بین فرق ہے کہ جب چاہے اور جس کا جی چاہے امتحان کر دیکھے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ یہ پریشانی کس چیز کی ہے اور وہ سرور کس چیز کا ہے؟
ظاہر ہے کہ پریشانی نافرمانی کی اور سرور فرماں برداری کا ہے۔ بس نافرمانی میں لذت
اور فرمانبرداری میں کلفت کہنا غلط ہوگا بلکہ امر بالعکس ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے
فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً (اور ہم اسکو حیوۃ طیبہ (نہایت خوشگوار زندگی) عطا فرمائیں گے) یہ تو فرمانبردار
کے لئے ارشاد ہوتا ہے فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (بیشک اسکی معیشت اور دنیوی زندگی
تنگ اور بے کیف ہو جائیگی) یہ نافرمان کے لئے۔ غرض فرماں برادری میں پوری راحت ہے
راحت ہی کا نام عیش ہے۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ اگر ایک امیر کبیر کو پھانسی کا حکم ہو جائے
اس سے کہا جائے کہ تم اس پر راضی ہو کہ یہ تمام دولت اس غریب کو دیدو کہ تمھارے
بدلہ پھانسی لے لے تو وہ یقیناً قبول کرلے گا اب بتلائیے کہ یہ قبول کیوں ہوا؟ اسلئے کہ
ذلت کے بدلے میں ایک مصیبت سے نجات ہوئی اور راحت ہوئی غرض یہ کہنا کہ لذت
کی وجہ سے گناہ نہیں چھوٹ سکتے" غلط ہوا۔

(۲۲۲) دین کے پانچ اجزاء میں سے ہم لوگوں نے صرف ایک جزو لے لیا ہے

یہاں تک توتوبہ کے مانع اور اسکے علاج کا ذکر تھا اب ایک مختصر سی فہرست ان گناہوں کی جن میں سب مبتلا ہیں بیان کرنی باقی ہے

سو اول یہ سمجھئے کہ دین کے پانچ جزو ہیں، پہلا جزو عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ۔ دوسرے معاملات جیسے بیچنا، خریدنا، نوکر رکھنا، رشوت لینا، سود لینا، روپے کے عوض پیسے لینا یا گوٹا ٹھپہ خریدنا وغیرہ۔ تیسرے عقائد کہ خدا کو ایک جاننا اور اور اسکو قادر مطلق ماننا، سیتلا وغیرہ کے توہمات کو باطل سمجھنا وغیرہ۔ چوتھے معاشرت کہ آپس میں میل جول کس طرح رکھیں، جب ملیں مصافحہ وغیرہ۔ پانچویں اخلاق یعنی ملکات باطنہ کا درست کرنا، حسد، بغض، عداوت، کینہ وغیرہ سے دل کو پاک کرنا، تحمل، بردباری، وقار، نرمی، خوش کلامی اپنے اندر پیدا کرنا۔ یہ پانچ حصے دین کے ہیں مگر ہمارے مسلمان بھائیوں نے دین کو صرف عبادات میں منحصر کر دیا ہے اس کے علاوہ چار اجزاء کو دین سے خارج سمجھتے ہیں گویا ان کے نزدیک بہت سی نفلیں پڑھ لینا، گلے میں تسبیح ڈال لینا، روزہ رکھ لینا بس اسی کا نام دین ہے۔ بعضے عبادات کے ساتھ تصحیح عقائد کو بھی دین سمجھتے ہیں باقی معاملات اور معاشرت اور اخلاق کو کوئی شخص دین کا جزو ہی نہیں سمجھتا الا ماشاء اللہ۔ کہتے ہیں کہ یہ ہمارے دنیا کے حالات ہیں ان میں ہم جس طرح چاہیں کریں شریعت کو ان سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ یہ سب شریعت ہی کے اجزاء ہیں

فہرست مضامین

الرفیق فی سواء الطریق

کیل یوسفی کا حصہ اول تمام ہوا

مکتوب نمبر ۲۴۶

حال: خدا کرے حضرت والا کا بال بال خوب عافیت و انبساط کے ساتھ ہو۔
تحقیق: بعافیت ہوں

حال: اور فیوض و برکات کے اشعۃ اللمعات سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو مستنیر اور ہدایت پذیر کر رہے ہوں ۔ **تحقیق**: دعا فرمایئے ۔

حال: اللہ تعالیٰ کا احسان بے پایاں ہے کہ اس عاجز کو کلب وخنزیر نہیں بنایا بلکہ انسان بنایا اور پھر مشرکین، کافرین، مجوسین، نصاریٰ ویہودین کے دینوں سے بچا کر اسلام سے نوازا اور پھر اس میں بھی فرقہ اہلسنت والجماعت کے فرقہ ناجیہ میں شامل فرمایا اور پھر مذہب اربعہ بالخصوص مذہب حنفیہ میں داخل فرمایا۔ **تحقیق**: بیشک۔

حال: پھر جماعت حقہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ و حضرات عرفائے دیوبند قدس اللہ اسرارہم و ادام اللہ فیوضہم وانوارہم سے نوازا ۔ **تحقیق**: الحمد للہ

حال: اور پھر آپ جیسے کامل اور عارف نفس اور عارف باللہ کی خدمت میں اپنے فضل سے پہونچایا ۔ **تحقیق**: الحمد للہ۔

حال: پس اب آپ سے مؤدبانہ اور عاجزانہ التماس ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ محض اپنے فضل بے غایت سے اور اس کے گھر والوں مرد وزن اور ہر چھوٹے بڑے کو مسلمان اور دیندار بنا دیں۔ **تحقیق**: آمین

حال: اور بمضمون ارشاد حضرت مولانا جامی رحمہ اللہ ؎

یارب برہانیم ز حرماں، چہ شود راہے دہیم بکوئے عرفاں، چہ شود
صد گبر کہ از کرم مسلماں کردی یک گبر دگر کنی مسلماں، چہ شود

(یعنی اے میرے رب اگر آپ مجھے حرمان سے بچالیں تو کیا بڑی بات ہے؟ اور عرفان کی راہ مجھے دکھا دیں تو بھی کوئی بڑی بات نہیں، آپ نے تو سیکڑوں کافروں کو اپنے کرم سے مسلمان بنا دیا اب اگر ایک اور کافر صفت کو حقیقی مسلمان بنا دیں

تو آپ کے لئے کونسی بڑی بات ہے)

(اسی طرح) اس غریب بے کس لاچار اور علم وعمل سے کورے کو بھی اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لیں اور ظاہراً و باطناً اس کورے کے گھر والوں کو مسلمان بنا دیں

تحقیق: آمین، آمین خوب شعر ہے۔

حال: بس اب آپ ہی کی دعاؤں کا بڑا سہارا ہے اللہ تعالیٰ اس عروۂ وثقیٰ سے دونوں جہاں میں متمتع اور بہرہ اندوز فرمائیں۔ تحقیق: آمین

حال: اس مہینے کا رسالہ بھی اپنے انوار کے ساتھ اس کلبۂ احزاں میں پہونچا پہلے ہی صفحہ پر ابھی گذرا تھا کہ ایمان تازہ ہوگیا، وہ یہ کہ حضرات صحابۂ کرام باہم کہا کرتے تھے کہ اجلس بنا نؤمن ساعۃً (آئیے ہم آپ کچھ دیر ایک ساتھ بیٹھیں تاکہ باہم ایمان تازہ ہو سکے) سبحان اللہ وجزاکم اللہ۔ بندہ نے اب تک یہ ارشاد نہیں دیکھا اپنی زندگی میں پہلے پہل یہ عارفانہ اور نور سے بھرا ہوا جملہ آنکھوں نے دیکھا اور دل و دماغ ایمان کے نور سے بھر گیا تحقیق: الحمدللہ

حال: اور بفرمان نبوی جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا اللہ (یعنی اپنے ایمان کو لا الہ الا اللہ کے ذکر سے برابر تازہ کیا کرو) خوب دیر تک اسی میں مشغول رہا، اور جب بھی اس پر گذرتا ہے کم از کم دو چار بار اس کلمۂ طیبہ کو دہرائے ہوئے بغیر آگے بڑھنے کی ہمت نہیں ہوتی، اپنے احباب کو بھی دکھایا اور سب نے خوب انبساط اور رقت کے ساتھ اس کلمۂ طیبہ کو دہرایا اور تکرار کیا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے مثل اس طبیب حاذق او شفیق کے جو کہ نسخہ بھی خوب ہی مرض کے عین موافق لکھے اور پھر خود ہی دوا بھی باندھے اور خود پکا کے، اور پھر خوب عمدہ کاسۂ بلوریں میں رکھ کر وہ دوا مریض کے ہونٹوں سے لگا دے کہ لو بھائی سب کام میں نے کر دیے اب تم اسے اپنے حلق کے اندر اتار کر شفایاب اور اچھے خاصے خوب چنگے ہو جاؤ، بس یہی کام حضرت نے کیا ہے تحقیق: بیشک

حال: جسکے دل میں ایمان کا کچھ بھی حصہ ہوگا وہ اسکو پڑھکر بے چین ہو جائے گا۔ اور اسکے قلب کی عجیب حالت اور کیفیت ہو جائیگی۔ خدا کرے اب اس سے بھی اسکی اور اسکے

گھر والوں کی آنکھیں کھل جائیں ۔ تحقیق : آمین

حال : اور کچھ کام کر لینے کی توفیق اللہ تعالیٰ مرحمت فرمائیں ۔ تحقیق : آمین ۔

(مکتوب نمبر ۲۴۷)

حال : یہ خادم بحمداللہ ابھی زندہ ہے گو مُردوں سے بدتر ہے ۔ امراض روحانی کے علاج کی کوشش تو اپنی کوتاہی سے اسوقت بھی نہ کی افسوس جبکہ خانقاہ امدادیہ میں اس شیخ اکبر حکیم نے عالم کے قلوب کو دین کی طرف پلٹ دیا تھا اسی حکیم الامۃ کے مقصد کی ترجمانی یہ ہمارا رسالہ (معرفت حق) کر رہا ہے ۔ اتنا آسان کر دیا ہے خدا کے حکموں پر عمل کرنے کو کہ اب بھی اگر ہم محروم رہیں تو ہماری بدقسمتی ۔ اللہ تعالیٰ اسکے ذریعہ عالم کو فیض یاب فرمائے ۔ اس میکدۂ خانقاہ امدادیہ کے حکیم نے اختیاری اور غیر اختیاری کے معاملہ میں ہزاروں گتھیاں سلجھا دی ہیں اب رسالہ میں "بشریت کی راہ سے ترقی" کا مضمون دیکھکر (کیا الفاظ میں جادو بھرا ہوا ہے) طبیعت اچھلنے لگی ۔ اللہ تعالیٰ عرصۂ دراز تک آنجناب کو ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے ۔ طبیعت زیارت کے لئے بیحد ترستی ہے، مگر امراض ظاہری بھی اسی پر تلے ہیں کہ گناہ سارے معاف کرا کے رہیں گے ۔ چلنا پھرنا دشوار ہے کئی روز سے آنجناب کی بیحد یاد آرہی ہے معرفت حق کا ہر ہر صفحہ یاد تازہ کرتا رہتا ہے بقول شخصے ؎

آئی جو انکی یاد تو آتی چلی گئی ہر نقش ما سوا کو مٹاتی چلی گئی

مولانا شبیر علی صاحب کراچی سے والا نامہ روانہ فرماتے ہیں تو تحریر فرمایا کرتے ہیں کہ اب تو بس قیامت میں ملاقات ہوگی، وہ دور خانقاہ کا آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے ؎

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں بتاتا تھا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

سبب نیکوں کے بد بھی پرورش پاکر سنبھلتے تھے طفیل گل ہزاروں خار اس گلشن میں پلتے تھے

قیق ؛ آپ تو جب خط لکھتے ہیں عہد ماضی کی یاد تازہ کر دیتے

آپ نے معرفت حق کے بارے میں اپنے جو تاثرات لکھے ہیں اس

بڑی تقویت ہوئی۔ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے کہ مجھ سے کام لے ر

ہیں۔ الحمد للہ یہاں بمبئی میں بھی بہت کام ہوا۔ یہاں کے لوگ

ہیں کہ جسقدر نفع تم سے ہوا اور کام کام کی بات جیسی تم نے بتائی

پہلے ہم نے نہیں سنی۔ اس دفعہ وطن میں بھی لوگوں کو الحمد للہ مہ

آپ سے ملاقات کو میرا بھی دل چاہتا ہے دیکھئے کب ملاقا

ہوتی ہے، یہ تو ہندوستان ہی ہے۔

دعا کیجئے اللہ تعالےٰ مزید قوت وصحت عطا فرمائے اور اپنی

کے مطابق کچھ کام لے لے، آپ لوگوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔

خریداران رسالہ توجہ فرمائیں

یہ سال رواں کا آخری شمارہ ہے، آپ بھی
...والے سال جدید کیلئے پیشگی زرتعاون ارسال فرمانا قبول فرمائیں
اور اگر کوئی جدید خریدار بھی مہیا فرمادیں تو یہ آپ کا کرم
بالائے کرم ہوگا۔

(ادارہ)